Please [illegible] the
one give this now,
Bear little of care
that Ganef Late.
will be your most
kindness. Thank you.



منظور کردہ جموں وکشمیر یونیورسٹی برائے میٹریکولیشن

آسان تاریخ ہند

آسان تاریخ ہند

معہ

تاریخ جموں وکشمیر وانتخابات ۱۹۶۷ء

از
صاحبزادہ حسن شاہ ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی (میڈلسٹ)
سابق کنوینر بورڈ آف اسٹڈیز و فیکلٹی آف سوشل اسٹڈیز جموں و کشمیر یونیورسٹی
و سابق پرنسپل امر سنگھ کالج۔ سرینگر

ترمیم و تجدید کردہ
پروفیسر دشن داس ایم اے

کپور برادرس بک سیلرز و پبلشرز لال چوک سرینگر

۱۹۶۷ء

قیمت Rs. 5/50

(الف)

رونما

ہندوستان کی تاریخ پر کئی نصابی کتابیں موجود ہیں اور بظاہر کسی نئی نصابی کتاب کے لکھنے کے لئے جواز نہ تھا۔ لیکن جموں و کشمیر یونیورسٹی نے ایک نئے طرز کا سلیبس منظور کر کے عام مروّج کتابوں کو لگ بھگ متروک کر دیا۔ ادھر کچھ عرصے سے طالب علموں اور اساتذہ میں ایک اچھی مفصل اور سلیبس کے عین مطابق کتاب کا مطالعہ دن بدن بڑھ رہا تھا علاوہ ازیں ملک کی آزادی کے بعد تاریخ کے مطالعہ اور تدریس کے نظریات بھی کچھ ایسی تیزی سے بدلتے جا رہے تھے کہ ایک نئی نظر سے لکھی ہوئی تاریخ کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ یہی ضرورت اس کتاب کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی محرک ہے۔

تاریخ نویسی میں صاف گوئی حق پرستی اور غیر جانبداری سے کام لینا ہی کسی تاریخ نویس کی تحقیقی کامیابی کی کسوٹی ہے۔ تعصب اور فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر خالصتاً عقلی اور علمی نقطہ نظر سے تاریخی موضوع پر قلم فرسائی کرنا آج ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے یہ کتاب اس معیار پر کہاں تک پوری اترتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارا کچھ کہنا خود ستائی پر محمول ہوگا اور صحیح بھی یہی ہے۔ کہ مشک آنست کہ خود ببوید اس کا اندازہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

ہندوستان کی تاریخ پر گزشتہ پچاس برسوں میں کئی نئی تحقیقی کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن بدقسمتی سے سمتھ لین پول اور لیتبرج کی سامراجی نظریے سے لکھی ہوئی کتابوں یا ان کے تراجم کے علاوہ طلباء کو جدید تاریخی تحقیق سے روشناس کرانے کی بہت ہی کم کوشش ہوتی رہی ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں اس اہم علمی تشنگی کو دور کرنے کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس کتاب کی دلچسپی اور افادیت میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔

عام طلباء سوالاً جواباً تاریخ پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس سے تاریخی تسلسل قائم نہیں رہتا اور طلباء میں صحیح تاریخی شعور پیدا نہیں ہوتا ادھر سلیبس اس

بھاری بھرکم ہے۔ کہ طلباء امتحان کی ضرورت کو تعلیمی افادیت پر ترجیح دینے پر مجبور ہیں اور اس لئے سوالاً جواباً کتابوں کے مقابلہ میں اچھی سے اچھی نصابی کتاب کو بھی نہیں پوچھتے۔ اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ طلباء میں صحیح تاریخی شعور پیدا کرنے میں بھی دقت پیش نہ آئے اور طالب علم اہم یونیورسٹی سوالات سے بھی اچھی طرح واقف ہو کر امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کر سکیں چنانچہ کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔

کتاب کی زبان صحیح سلیس اور عام فہم ہے اور طرز بیان میں طلباء کی دلچسپی اور علمی استعداد کا پورا پورا خیال رکھا گیا۔ جا بجا اہم نقشے بھی دئے گئے ہیں تاکہ طلباء کو واقعات کے ذہن نشین کرنے میں آسائش ہے۔ ساری کتاب میں یہ مسلسل کوشش کی گئی ہے کہ قومی تاریخ کے تہذیبی پہلوؤں کو اچھی طرح اجاگر کیا جائے تاکہ عوامی زندگی کے معیار معائب و محاسن کا طالب علم صحیح اندازہ کر سکے اور وہ ایک اچھا طالب علم ہی نہیں بلکہ ایک اچھا شہری اور ملک و قوم کا بہتر خادم بھی ثابت ہو سکے اُسے اپنے تہذیبی ورثہ پر بجا ناز بھی ہو لیکن وہ اپنی قومی کوتاہیوں سے بھی بے خبر نہ ہو۔ غرضیکہ اپنی طرف سے کتاب کو بہترین بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی گئی۔ کتاب کی تدوین میں میٹریکولیشن اور ہائیر سیکنڈری امتحانات کے اُمیدواروں کی ضروریات کا پورا دھیان رکھا گیا ہے ہم پرنسپل صاحبزادہ حسن شاہ صاحب کے ممنون کرم ہیں کہ انہوں نے اپنے گہرے تاریخی مطالعہ اور وسیع تعلیمی تجربہ کے یہ نتائج سلیس وسادہ زبان میں طلباء اور اساتذہ کے سامنے پیش کرنے کی ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور ہمیں موقعہ دیا کہ ہم اپنے طلباء اور اساتذہ کی خدمت میں ایک عمدہ سود مند اور جدید ترین تاریخی ریسرچ کے مطابق لکھی ہوئی کتاب پیش کر سکیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ مؤلف کی قابل داد محنت سے طلباء اور علم دوست حضرات پوری طرح مستفیض ہوں گے

آخر میں ہم محترم اساتذہ سے درخواست کریں گے کہ وہ اس کتاب کو طلباء کے لئے مزید سود مند بنانے کے لئے اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں نوازیں۔ مؤلفین مناسب مشوروں کو بشکریہ قبول کریں گے

(ناشر)

طبع ثانی

اساتذہ کرام اور طلباء نے جس گرم جوشی سے اس کتاب کا خیر مقدم کیا ہے
اُس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ ڈیڑھ سال کے اندر اندر ایک بھاری
بھرکم ایڈیشن ختم ہو گیا اور مانگ ابھی بڑھ رہی ہے۔ اسی اثنا میں پیہم مطالبے
پر کتاب کا ہندی ترجمہ بھی شائع کیا جا چکا ہے۔ اس قدر دانی کے لئے ہم اپنے
خیر خواہوں اور دوستوں کے ممنون ہیں۔

طبع ثانی میں کتاب کے ہر باب کے آخر پر مشقیہ سوالات دئے گئے ہیں
تاکہ طلباء کو امتحانی ضروریات کا اندازہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ نقشوں، ٹائم
چارٹ اور تصاویر سے کتاب کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ (ناشر)

طبع ثالث

ہمیں خوشی ہے کہ اساتذہ کرام اور طلباء نے ہماری کوشش کو پسند
فرمایا ہے اور اس کتاب کی ہر دل عزیزی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔
اس اشاعت میں کتاب کو جموں و کشمیر یونیورسٹی کے سلیبس کی تبدیلیوں
کے پیش نظر نظر ثانی اور اضافہ سے طلباء کی پوری ضروریات کو کفیل بنا
دیا گیا ہے۔ خاص طور پر جموں و کشمیر کی تاریخ کا مختصر مگر جامع، سمجھوتہ تاشقند
و ہندوستان میں عام انتخابات ۱۹۶۷ء کے اضافہ اس اشاعت کی خصوصیت ہے
ہمیں اُمید ہے کہ اساتذہ کرام اور طلباء کی گرم جوشی اس اشاعت
کا بھی خیر مقدم کرے گی + (ناشر)

۱۵ اپریل ۱۹۶۷ء

فہرست مطالب

آسان تاریخ ہند

باب اوّل

ہندوستان کے جغرافیائی حالات

اور

ان کا اثر

ہندوستان کے جغرافیہ کا یہاں کے رہنے والوں کی تاریخ
پر کیا اثر پڑا ہے؟

"ہر ملک کی تاریخ اس کے باشندوں کے کارناموں کا مرقع
ہے اس میں اُن کے تہذیب و تمدن کے پھلنے پھولنے عروج
زوال کا نقشہ اور اُن کے بڑے بڑے اور مشہور لوگوں کے
کارناموں کی تصویر نظر آتی ہے لوگوں کی زندگی اور کاموں
کو اُس ماحول سے جس میں وہ رہتے سہتے ہیں بہت کچھ تعلق
ہوتا ہے اُن کے تمدن۔ سیاسی حالات۔ صنعت و تجارت اور رسم و

رواج پر ملک کے جغرافیائی حالات کا اثر پڑتا ہے" (ڈاکٹر تاراچند) یہی وجہ ہے کہ ملک کے جغرافیائی حالات اور تاریخ میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے چنانچہ ریگستانوں کے باشندے خانہ بدوش دریاؤں کی وادیوں میں رہنے والے کھیتی باڑی کرنے والے جزیروں اور سمندر کے کنارے بسنے والے تاجر اور جہاز راں سرد ملکوں کے رہنے والے جفاکش اور بہادر اور گرم ملکوں کے رہنے والے کام چور اور مریل ہوتے ہیں غرضیکہ کسی ملک کی تاریخ کے مطالعہ میں اُس کے جغرافیائی حالات اور ان کے اثر زیر نظر رکھنے ضروری ہوتے ہیں۔

ہندوستان کا محل وقوع

براعظم ایشیا کے جنوب میں برصغیر ہندوستان واقع ہے اسی میں بھارت اور پاکستان شامل ہیں) کوہ ہمالیہ کے سلسلے اس برصغیر کو وسط ایشیا سے جُدا کرتے ہیں، اس ملک کے شمال میں کوہ ہمالیہ کی دیوار اور جنوب مشرق اور مغرب میں سمندروں کی موجیں پہرہ دے رہی ہیں۔ کوہ ہمالیہ کے دو بازو شمال مشرقی اور شمال مغربی پہاڑوں کی صورت میں ساحل سمندر تک پھیلے ہوئے ہیں اس طرح قدرت نے اس ملک کی حفاظت کے لئے ایک قدرتی قلعہ بندی بنا رکھی ہے مشرقی پہاڑی سلسلے اسے برما اور تبت سے اور مغربی سلسلے افغانستان۔ سیستان۔ مکران اور ایران سے جُدا کرتے ہیں۔ شمالی پہاڑ بہت بلند ہیں اس لئے انہیں آسانی سے پار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرف سے کبھی کوئی بیرونی حملہ آور نہیں آ سکا۔ مشرقی پہاڑی سلسلوں میں دریائے برہم پتر کی وادی سے کئی درے برما اور چین کی طرف جاتے ہیں لیکن یہاں کے گھنے جنگل اور سخت گرم مرطوب آب ہوا کی وجہ سے یہ علاقہ نہایت دشوار گذار ہے اور اسے درے حملوں کے سوا اس طرف سے کبھی کوئی قابل ذکر حملہ نہیں ہوا مغربی سلسلہ کوہ میں درہ خیبر۔ درہ بولان اور درہ گومل کھلے

دروازوں کی طرح ہر آنے والے کی راہ دیکھتے رہتے ہیں
ان راستوں سے ہی ہندوستان نے آس پاس کے ملکوں سے
تمدنی اور تجارتی ناطے بھی جوڑے اور انہیں راستوں سے
کئی غیر قومیں ہندوستان میں آئیں اور۔ پھر آہستہ آہستہ ہندوستانی
قوم میں گھل مل کر یہیں کی ہو رہیں۔ غرضیکہ سیاسی اور تجارتی
و تمدنی اعتبار سے یہ درّے بڑی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔
ہندوستان کے سب فاتح ان راستوں سے آتے رہے ہیں البتہ
انگریز سمندر کے راستے سے آئے اور دو سو برس تک حکومت
کرتے رہے۔

ساحل ہندوستان کا سمندری ساحل بہت لمبا ہے لیکن بہت
کم کٹا پھٹا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں عمدہ قدرتی
بندرگاہوں کی بہت کمی ہے پھر بھی زمانہ قدیم سے بنگال۔
اڑیسہ۔ تامل ناڈو اور کیرل کے لوگ جہاز رانی کے بڑے شائق
تھے انہیں علاقوں سے کئی منچلے ملایا۔ جاوا۔ سماٹرا۔ بورنیو اور
کمبوڈیا میں گئے اور وہاں عظیم الشان ہندوستانی سلطنتیں قایم
کیں جن کے نشان کھنڈرات کی صورت میں آج بھی ملتے ہیں
ان علاقوں میں ہندوستانی تمدن۔ برہمنی اور بودھ مت اور
سنسکرت ادب نے بڑی ترقی کی۔ اس کے علاوہ افریقہ کے
مشرقی ساحل۔ ایران اور عرب کے ساتھ تاجرانہ تعلقات کی
وجہ سے ملک دولت سے مالا مال تھا اس راستے کبھی کوئی بیرونی
حملہ آور نہ آ سکا لیکن سولھویں صدی میں یورپ کی جہاز ران
قوموں نے ہندوستان کو لالچ بھری نگاہوں سے دیکھنا شروع
کیا اور ہولے ہولے ساحلی علاقوں میں قدم جمانے شروع
کئے۔ سلطنت مغلیہ کا سورج غروب ہوتے ہی انگریزوں
اور فرانسیسیوں نے سازشوں کے جال بچھا دیئے اور بالآخر
انگریز ہندوستان پر قابض ہو گئے اس طرح پہلی بار سمندر کے
راستے سے آئے ہوئے حملہ آور سیاہ و سفید کے مالک بن گئے

اور ملک کی تاریخ پر بہت گہرے اثرات پڑے۔

جغرافیائی تقسیم

قدرت نے ہندوستان کو تین جغرافیائی خطوں میں بانٹ رکھا ہے:-

(الف) کوہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے
(ب) گنگا اور سندھ کا میدان
(ج) سطح مرتفع دکن

کوہ ہمالیہ کا سلسلہ

ہندوستان کے شمال مشرق، شمال اور شمال مغرب میں کوہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بلند چوٹیاں اور برفستان شمالی ہندوستان کے مشہور دریاؤں کے منبع ہیں جن پر گنگا اور سندھ کے میدان کی خوش حالی اور شمالی ہند کی قدرتی دولت کا انحصار ہے۔ یہ پہاڑ بہت اونچے اور دشوار گذار ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو ہمیشہ ایک فصیل کا کام دیا اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھا اس پہاڑی سلسلہ کا مشرقی حصہ اگرچہ اتنا بلند نہیں پھر بھی یہاں کے گھنے جنگلات دشمن کے راہ میں حائل تھے چنانچہ آسام کی کھاسی اور لوشائی پہاڑی وادیوں سے کبھی حملے نہیں ہوئے البتہ شمال مغربی خطے میں خیبر۔ گومل اور بولان کے درے واقع ہیں چنانچہ قدیم آریاؤں سے لے کر سکندر اعظم۔ کشان۔ ہن ترک افغان اور مغل حملہ آور انہیں راستوں سے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور ملک کے بڑے حصے پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہوئے۔ ہندوستان کی آب و ہوا۔ پیداوار لوگوں کی محنت و مشقت سب کا کوہ ہمالیہ سے بڑا گہرا تعلق رہا ہے چنانچہ ہندوؤں کے تیرتھ یاترا گیتوں اور کہانیوں میں اس پہاڑ کی اہمیت بے مثال ہے ہمارے ثقافت و ادب پر اس پہاڑ کی بڑی گہری چھاپ ہے۔

گنگا اور سندھ کا میدان

یہ میدان ہندوستان کے شمالی حصہ میں ہے: پنجاب۔ سندھ

راجستھان۔ اُتر پردیش۔ بہار اور بنگال پر مشتمل ہے یہاں کی زمین اور دریاؤں کی لائی ہوئی زرخیز اور نرم مٹی سے بنی ہوئی ہے۔ جا بجا ندی نالے اور دریا ہیں جن میں دریائے سندھ گنگا اور برہم پتر اور ان کے بے شمار چھوٹے بڑے معاون شامل ہیں جن سے آسانی سے آبپاشی ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں کی زمین سونا اگلتی ہے اور سارا علاقہ سرسبز اور لہلہاتے کھیتوں سے آباد ہے۔ قدیم زمانے سے ہی بیرونی حملہ آوروں کی نگاہیں یہیں آ کے رُکتی تھیں چنانچہ آریاؤں سے لے کر مغلوں تک سب یہیں قسمت آزمانے آئے اور یہیں کے ہو رہے اور انہوں نے اس علاقہ میں عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں رکھیں چنانچہ ہماری تاریخ میں اس علاقہ کو ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ ہماری تمدنی اور مذہبی ترقی اسی گہوارے میں پھلتی پھولتی آئی ہے چونکہ اس علاقے میں روزی آسانی سے کمائی جا سکتی تھی اور لوگ فارغ البال تھے۔ اسی لئے اُن میں تن آسانی اور کاہلی پیدا ہوگئی اور جفاکشی سے بہادری اور دلیری کے جو جوہر پیدا ہو سکتے ہیں وہ یہاں نہ پنپ سکے۔ شمال سے آئے ہوئے بہادروں کے سامنے ان لوگوں کی کبھی پیش نہ گئی لیکن یہ حملہ آور بھی یہاں آ کر دو چار صدیوں میں انہی کے جیسے ہو جاتے رہے اور نت نئی قومیں آتیں اور نئی حکومتیں قائم کرتی رہیں۔

پنجاب ہمیشہ ان حملوں کی وجہ سے میدان جنگ بنا رہا اور یہاں تہذیب و تمدن کی وہ شاندار روایات قائم نہ ہو سکیں جو ہمیں اُتر پردیش۔ بہار اور بنگال میں ملتی ہیں لیکن دوسری طرف سپاہ گری اور جنگجوئی میں پنجاب نے بڑا نام پایا اور یہ علاقہ ہندوستان کا بازوئے شمشیر زن (Sword arm of India) کہلایا چونکہ یہاں کے باشندے کئی قوموں اور نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں جو مدتوں ساتھ ساتھ رہے ہیں اس لئے ان میں آپس میں مل کر رہنے کا خاص سلیقہ ہے۔

جنوبی پنجاب اور راجستھان کا علاقہ بنجر اور غیر آباد تھا اس لئے بیرونی حملہ آور یہاں سے بڑھ کر گنگا اور جمنا کے دوآباد کی طرف بڑھتے تھے اس دوآبے کا دروازہ دہلی اور آگرہ کے علاقے تھے یہی وجہ ہے کہ یہاں سب سے زیادہ نقصان کی اور فیصلہ کن جنگیں ہوتی رہی ہیں چنانچہ ترائن اور پانی پت کی مشہور اور فیصلہ کن لڑائیاں اسی علاقے میں لڑی گئیں۔ لیکن شمال مشرقی پنجاب اور راجستھان کے اندرونی حصے ہمیشہ آزاد خود مختار اور غیور قوموں کے لئے محفوظ پناہ گاہیں رہیں چنانچہ ڈوگرے۔ راجپوت اور گوجر انہیں علاقوں میں رہنا پسند کرتے رہے۔

سطح مرتفع دکن

وندھیاچل اور ست پڑا کے پہاڑ۔ گھنے جنگلات اور دشوار گذار راستوں نے شمالی ہندوستان اور دکن کے درمیان ایک ناقابل گذر دیوار کھڑی کر رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دکن کے لوگ زبان نسل اور تمدن کے لحاظ سے ایک مخصوص اور جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں لیکن سری رام چندرجی اشوک۔ سمدر گپت علاء الدین خلجی اور اورنگ زیب نے اس علاقے کو شمالی ہندوستان سے متحد کرنے کی کوششیں کیں اور اس طرح شمالی ہندوستان اور دکن ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوتے چلے گئے لیکن ان عظیم شخصیتوں کے جانشین اس علاقے میں زیادہ دیر اپنے پیر نہ جمائے نہ رکھ سکے اور دکن میں کئی الٰہی حکومتیں قایم ہوتی رہیں جن کا شمالی ہندوستان سے کوئی خاص سروکار نہ تھا یہی وجہ ہے کہ دکن تاریخی اور تمدنی اعتبار سے پورے ہندوستان پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ چونکہ یہ علاقہ دور دراز اور شمالی ہند سے کٹا ہوا تھا اس لئے ایرانی حملوں کی مار کاٹ اور تباہی سے بچا رہا۔ قدیم تہذیب کے نادر نمونے۔ پرانی عمارتیں اور کھنڈر محفوظ رہے اور دراوڑ تہذیب کی روایات محفوظ رہیں۔ مغلوں کے زمانے میں سلطنت کے باغی یہیں آکر پناہ لیتے تھے مغلیہ سلطنت کی تباہی میں دکن کی

لڑائیوں کا خاص حصہ ہے کیونکہ یہاں دشوار گذار پہاڑوں پر قلعے بنا کر اور چھاپہ مارنے والی فوجیں قایم کرنے حکومت کو پریشان کرنے کی بڑی سہولتیں تھیں یہی وجہ ہے کہ مرہٹوں نے ان علاقوں میں ہی اپنا اثر و رسوخ قایم کیا اور ہوتے ہوتے سارے ہندوستان کی حکومت اُن کے قدموں پر آ گری۔

ہندوستان کی آب و ہوا اور پیداوار یہاں کی سردی اور گرمی۔ زمین کی زرخیزی اور ملک کی دولت۔ لوگوں کی تن آسانی اور جفاکشی سے کنی کترانے کی عادت سب کا ملک کی تاریخ پر گہرا اثر پڑا ہے لیکن ان سب باتوں کے ساتھ ملک کی جغرافیائی وحدت میں یہاں کے پہاڑی سلسلے یا ندی نالے کوئی بھی خلل نہیں ڈال سکے بلکہ اس ایکتا نے قومی ایکتا کو جنم دیا ہے اور ایک متحدہ قوم اور مشترکہ زبان و تمدن کی بنیادیں کھڑی کرنے میں بڑا کام کیا ہے ؎

EXERCISE.

1. Draw a map of India indicating its boundaries and natural regions.
2. How has the Geography of India affected the history of her people ? (J & K. U. 1957)

باب دوم

قدیم ہندوستانی تہذیب

تاریخ سے پہلے کے زمانہ میں ہندوستان میں پتھر اور دھات کے زمانے میں کچھ قومیں آباد تھیں جن کے متعلق ہمیں تھوڑی بہت باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ پتھر کے زمانے میں لوگ پتھروں کے اوزار اور ہتھیار بناتے تھے اور جنگلی جانور کا شکار کرکے اپنا پیٹ پالتے تھے اُنہیں آگ کا استعمال معلوم تھا پتے اور کھالیں بدن کے گرد باندھ کر اپنا ستر ڈھاپنتے تھے۔ جادو ٹونکے پر یقین رکھتے تھے اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے یہ لوگ شاید حبشی نسل کے تھے قد کے چھوٹے رنگ کے کالے چپٹی ناک اور گھونگریالے بالوں والے تھے اور مُردوں کو یونہی پھینک دیتے تھے ہوتے ہوتے انہوں نے غاروں میں رہنا شروع کیا بہتر اوزار بنانے لگے۔ روئی اور اُون کا استعمال بھی سیکھ گئے پالتو جانور بیل بکری کتے پالنے لگے۔ کھیتی باڑی اور گلہ بانی کا شوق بھی بڑھنے لگا اور اپنے مردوں کو قبروں میں دفن کرنے لگے ان میں اب آسٹریلیا کے آدھی باسیوں سے ملتے جلتے لوگوں کی کثرت ہوگئی اور قبائلی راجواڑے بھی بننے لگے زبان کے اعتبار سے یہ لوگ آج کل کے منڈاکول اور سنتھال آدی باسیوں سے ملتے جلتے تھے ان کے بعد دھات کا زمانہ شروع ہوا اور لوگ لوہے سے اپنے اوزار اور ہتھیار بنانے لگے۔ یہ لوگ اپنے بزرگوں کو تودوں میں دفن کرتے اور غالباً اُن کی پوجا کرتے تھے اس کے علاوہ دلوی دیوتاؤں

کا فرضی مورتیاں بھی بناتے تھے یہ لوگ شکاری بھی تھے اور گلہ بانی اور کھیتی باڑی بھی جانتے تھے خیال ہے کہ یہ لوگ دکن میں دراوڑی تہذیب کے پیش رو تھے شمالی ہندوستان میں پتھر کے زمانے کے بعد تانبے کا دور شروع ہوا۔ اس دور کی تہذیب کی پوری جھلک ہمیں موہنجو دارو اور ہڑپا کے کھنڈرات اور وہاں سے ملی ہوئی چیزوں میں ملتی ہے۔ اس تہذیب کو "وادی سندھ کی تہذیب" کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

وادی سندھ کی تہذیب

ویسے تو اس تہذیب کے نشانات روہڑ (پنجاب) سے لے کر ہڑپا (ضلع منٹگمری مغربی پاکستان) موہنجو دارو اور رنگ پور (کاٹھیاواڑ) تک تک بھگ ساڑھے نو سو میل تک پھیلے ہوئے ہیں لیکن چونکہ اس کے اہم کھنڈر سندھ اور آس پاس کے علاقے میں ہی ملے ہیں اس لئے آسانی کے لئے اسے "وادی سندھ کی تہذیب" کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔

آج سے پینتیس برس پہلے ہندوستان کی تاریخ کا آغاز آریاؤں کے زمانہ سے ہی کیا جاتا لیکن ۱۹۲۲ء میں آثار قدیمہ کی کھوج کرنے والوں نے موہنجو دارو (ضلع مرکانہ سندھ مغربی پاکستان) میں کھدائی کر کے ایک اور پرانی اور عظیم الشان تہذیب کا پتہ چلایا بعد میں ہڑپا اور بلوچستان کے چند مقامات پر بھی اس تہذیب کے نشانات ملے اور دنیا کو معلوم ہوا کہ ہندوستان آج سے پانچ ہزار سال پہلے ہی دنیا کی تہذیب یافتہ قوموں کی صف میں کھڑا ہو چکا تھا۔

شہر

اس تہذیب کا مختصر حال ہی یہاں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک شہری تہذیب تھی جس کا بہترین نمونہ ہمیں موہنجو دارو (مردوں کا ٹیلہ) کے کھنڈرات میں ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر سات بار آباد ہوا اور اجڑا لیکن ہر شہر اپنی بناوٹ اور سج دھج میں کاریگری کا عمدہ نمونہ تھا۔ سارے

شہر میں نو سے چونتیس فٹ تک چوڑی سڑکیں تھیں جو آدھ آدھ میل تک بغیر موڑ کے سیدھی چلی جاتی تھیں۔ چوک ایسے تھے کہ سڑکیں زاویہ قائمہ پر ملتی تھیں۔ سارے محلے مستطیل اور مربع شکل کے تھے ان کے کنارے چراغوں کے کھمبے اور پانی بھرنے کے لئے کنوئیں بنے تھے۔ باقاعدہ نالیاں اور بدرویں تھیں جو دریا میں جا بہتی تھیں۔

مکانات

شہر میں بڑے بڑے عالی شان مکانات بھی تھے اور دو دو ایک ایک کمروں کے گھروندے بھی جہاں امیر و غریب بستے تھے یہ سب مکان پکی اینٹوں کے بنے تھے ان میں غسل خانے اور عمدہ ڈھکی ہوئی نالیاں تھیں۔ مکان سادہ مگر آرام دہ تھے ان کے چاروں طرف کمرے اور درمیان میں آنگن ہوتا تھا کئی مکان دو منزلہ ہوتے تھے چھتیں ہموار اور لکڑی کی بنی ہوتی تھیں۔ بڑی بڑی عمارتوں میں شہر کے حمام کی عمارت قابل ذکر ہے اس کی لمبائی ۱۸۰ فٹ اور چوڑائی ۱۰۸ فٹ تھی۔ اس کے درمیان میں نہانے کا بڑا حوض اور آس پاس کمرے اور برآمدے تھے اسی طرح ہڑپا میں اناج کے ایک بڑے گودام کی عمارت ملی ہے جو ۱۶۹ فٹ لمبی اور ۱۳۵ فٹ چوڑی تھی۔ موہنجو دارو میں تو نہیں البتہ ہڑپا اور دوسرے شہروں کے گرداگرد فصیل اور قلعہ بندیوں کے نشان بھی ملے ہیں۔

خوراک

یہ لوگ زیادہ تر گندم اور جو کھاتے تھے۔ لیکن چاولوں کی کاشت بھی ہوتی تھی۔ کھجوریں دوسرے پھل۔ سبزیاں دودھ مچھلی اور گائے۔ سؤر۔ بھیڑ اور مرغ کا گوشت بھی کھاتے تھے

لباس

یہ لوگ عام طور پر دھوتی اور چادر کا استعمال کرتے تھے۔ مرد لمبے بال رکھتے تھے اور عورتیں سر پر ایک خاص قسم کی ٹوپی سی پہنتی تھی عورت مرد سونے

چاندی تانبے گھونگھے اور پتھر کے زیورات کے شوقین تھے۔ عورتیں ہار سنگار کی بھی بڑی شوقین تھیں۔ سُرمہ اور غازہ اور سُرخی استعمال کرتی تھیں۔ دانت کی کنگھیاں اور شیشے اور سنگار میز بھی کہیں کہیں ملے ہیں۔

برتن اور سامان خانہ داری

میں مٹی کے منقش برتن باورچی خانہ کا سامان۔ سوئیاں۔ چاقو کلہاڑیاں - آریاں درانتیاں اور مچھلی پکڑنے کے کانٹے قابل ذکر ہیں۔ کرسیاں چارپائیاں بید کے میز۔ تانبے سیپ اور مٹی کے چراغ۔ موم بتیوں والی میز میں مٹی کے کھلونے بھی پائے گئے ہیں۔ سواری کی بیل گاڑیوں اور ترازوؤں اور وزن کے بٹے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

فن و ہنر اور صنعت و حرفت

اونی سوتی کپڑا بُننا اور رنگائی چرخے پر رنگے ہوئے مٹی کے برتن بنانا اور کشتی بنانے کی صنعت کے نشان جسے ملتے ہیں۔

مجسمہ سازی میں بھی یہ لوگ بڑی مہارت رکھتے تھے چنانچہ انسانوں اور جانوروں کی مورتیاں اور مہروں پر کھدائی کے نمونوں سے اُن کی کاریگری عیاں ہوتی ہے

موہنجو دارو سے جو مُہریں ملی ہیں اُن پر طرح طرح کی شکلیں اور حروف کندہ کئے ہوئے نظر آتے ہیں یہ لوگ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے لیکن اُن کی تحریریں ابھی تک پڑھی نہیں جا سکیں ان سے اُن کے تمدنی اور مذہبی خیالات کا اندازہ کرنے میں کچھ مدد ملتی ہے۔



مذہب یہ لوگ دیوی ماتا کی پوجا کرتے تھے اس دیوی کی کئی مورتیاں ملی ہیں۔ بعض مہروں پر دیوی کے سامنے انسانوں اور حیوانوں کی قربانی چڑھانے کے منظر منقش ہیں۔ اسی طرح ایک سینگوں والے دیوتا کی پوجا بھی کی جاتی تھی۔ جو پشو پتی شِو بھگوان سے ملتا جلتا تھا اس کے علاوہ بیل اور پیپل کو بھی بڑا مقدس مانا جاتا تھا ناگ پوجا کا بھی رواج تھا۔ یہ لوگ اپنے مردوں کو جلاتے بھی تھے اور دفن بھی کرتے تھے۔

یہ تہذیب پنجاب سندھ کاٹھیاواڑ اُتر پردیش اور بہار تک پھیلی ہوئی تھی اس تہذیب کا آریاؤں کے تہذیب و تمدن پر بھی اثر پڑا۔ چنانچہ بعد کے ہندو مذہب اور تہذیب و تمدن پر اس کی گہری چھاپ کا اس مختصر حال سے ہی کافی اندازہ ہو سکتا ہے اس لئے ہماری موجودہ تہذیب کو صرف آریہ تہذیب کی ترقی یافتہ صورت سمجھنا تاریخی لحاظ سے صحیح نہیں۔

شمالی ہندوستان میں وادی سندھ کی تہذیب کی طرح دکن کی سب سے پرانی تہذیب دراوڑ تہذیب کہلاتی ہے اس کا کچھ حال یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

دراوڑ تہذیب یہ جنوبی ہندوستان کی سب سے پرانی تہذیب ہے اس علاقے میں بسنے والے تقریباً سب لوگ دراوڑ نسل سے ہیں اور دراوڑ زبانیں مثلاً تامل۔ تلیگو۔ کنری اور ملیالم بولتے ہیں اس لئے ان کی تہذیب کو دراوڑ تہذیب کہا جاتا ہے۔ اس تہذیب کی ابتدا تاریخ سے پہلے دھات کے زمانے سے ہوتی ہے۔

دراوڑ لوگ دراصل بحیرہ روم کے آس پاس کے علاقوں کے رہنے والے تھے یہ لوگ دراوڑی بولی بولتے تھے اسی لئے انہیں دراوڑ کہتے ہیں ورنہ یہ کوئی علیحدہ نسلی گروہ نہ تھا۔ ہندوستان میں تامل تلیگو۔ کنری اور ملیالم دراوڑ زبانیں آج تک بولی جاتی ہیں۔

بلوچستان کی بروہی بولی بھی ان سے ملتی جلتی ہے اس لئے عالموں کا خیال ہے کہ ان لوگوں کے بزرگ بھی دراوڑ ہی تھے۔

یہ لوگ بڑے مہذب تھے اور عام طور پر شہروں میں رہنا سہنا پسند کرتے تھے اور دور دور تک تجارت کی غرض سے آتے جاتے تھے ان کے بادشاہ مضبوط قلعہ بند محلوں میں رہتے تھے اور جا بجا ان کی ریاستیں قایم تھیں۔ قیاس ہے کہ یہ لوگ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے ان لوگوں کے اپنے خاص قوانین اور رسم و رواج تھے اور شادی بیاہ کے قاعدے بھی مقرر تھے۔ ان لوگوں کو کئی دھاتوں کے استعمال کا علم تھا اور برتن سازی۔ سوت کاتنا۔ کپڑا بننا اور رنگنا۔ کھیتی باڑی اور جہاز سازی کی صنعتیں بھی جانتے تھے یہ لوگ بڑے جنگجو اور بہادر تھے اور جنگ میں تیر کمان برچھی اور تلوار استعمال کرتے تھے یہ لوگ خدا میں یقین رکھتے تھے اور مندر بناتے تھے۔ قیاس ہے کہ ہندوؤں میں پھل پھول اور پانی سے مورتی پوجا کا رواج دراوڑوں کی ہی دین ہے کئی ہندو دیوی دیوتا بھی دراصل دراوڑوں ہی کے زمانے سے پوجے جاتے تھے۔ ناگ پوجا۔ درختوں کو مقدس ماننا اور دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے قربانیاں چڑھانا غالباً ہندوؤں نے انہیں سے سیکھا ہے۔

یہ لوگ رنگ کے کالے قد کے چھوٹے۔ چپٹی ناک اور گھونگھریالے بالوں والے تھے شروع میں یہ لوگ شمالی ہند میں آباد تھے لیکن پھر آریاؤں کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے انہوں نے دور دکن میں جا پناہ لی اور وہیں پھولتے پھلتے رہے اب بھی شمالی ہندوستان کے آدی باسیوں کے کئی قبیلے دراوڑ لوگوں سے ملتے جلتے ہیں دکن میں انہیں اپنی تہذیب محفوظ رکھنے کا سہارا مل گیا مگر ہوتے ہوتے آریہ لوگ دکن پر بھی چڑھ آئے اور ان لوگوں پر چھا گئے

لیکن چونکہ ان لوگوں کا معیار تہذیب کافی بلند تھا اس لئے ان کا

اثر آریاؤں پر بھی ہوا لیکن برہمنی دھرم کے رواج سے دراوڑ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے پھر بھی دراوڑ علم و ادب فن تعمیر اور تہذیب تمدن نے اپنی انوکھی شان قایم رکھی اور ان کو آج تک اس پر بجا ناز ہے تاریخی اعتبار سے یہ ہندوستان کی سب سے پرانی تہذیب ہے اس تہذیب کا اثر ہندوستان سے باہر جنوبی ایشیا تک پھیلا جہاں ان لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیاد رکھیں یہ لوگ تجارت کے لئے چین - انڈونیشیا - ملایا - عراق - عرب اور مشرقی افریقہ تک جاتے تھے اور کئی وہیں جا بستے تھے۔

کئی لوگوں کا خیال ہے کہ برہمنی دھرم میں صرف توہم پرستی اور بُری رسمیں ہی دراوڑوں سے ورثہ میں ملی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں درحقیقت دنیاوی ترقی اور تمدن میں دراوڑ آریہ لوگوں سے بڑی حد تک آگے تھے ہندو تہذیب و تمدن کے بناؤ سنگار میں اُن کا بڑا اہم حصّہ ہے سچ تو یہ ہے کہ ہندو دھرم اور تہذیب و تمدن کی علامت و ترقی میں آریہ اور دراوڑ دونوں برابر کے حصّہ دار تھے وادی سندھ کی تہذیب کو بھی کئی عالم دراوڑوں کا ہی کارنامہ شمار کرتے ہیں ؟

دراوڑی تہذیب ڈھائی ہزار سال قبل مسیح تک ہندوستان میں پھلتی پھولتی رہی حتیٰ کہ آریہ لوگ شمالی ہند میں آنے شروع ہوئے اور انہوں نے سخت جنگ و جدل اور خونریزی کے بعد دراوڑوں کو پچھاڑ دیا اور خود ملک کے مالک بن بیٹھے کئی دراوڑ بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے کٹ مرے کئی بھاگ کر جنگلوں میں پناہ گزین ہوئے اور کئی نے دکن کی راہ لی۔ آریوں نے ان کے شہر برباد اور قلعے تباہ کر دئے اور کئی دراوڑوں کو اپنا غلام بنا لیا۔

آریہ کون تھے؟ دنیا کے انسان بڑی بڑی نسلوں میں بٹے ہوئے ہیں ان میں منگول شمالی ایشیا اور جاپان چین میں آباد ہیں سامی وسط مشرق اور شمالی افریقہ میں اور حبشی افریقہ میں بستے ہیں اسی طرح آریہ ہندوستان ایران

افغانستان اور یورپ کے ملکوں میں آباد ہیں آریہ کے لفظی معنی
اچھے نسب والے کے ہیں۔ یونانی۔ ایرانی۔ جرمن۔ انگریز۔ ولندیز۔
فرانسیسی۔ روسی بلغاری اور ہندوستانی سب آریہ نسل سے ہیں۔ اس
نسل کی جو شاخ ہندوستان میں آبسی انہیں ہند آریائی کہا جاتا ہے

آریوں کا آبائی وطن

یہ بات پکے طور پر نہیں کہی جا سکتی
کہ آریہ کہاں کے رہنے والے تھے
لیکن مختلف آریائی زبانوں اور قومی خصوصیتوں کے مطالعہ سے ظاہر
ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ پہلے پہل ایک ہی وطن بستے اور ایک ہی
زبان بولتے ہوں گے۔ اس بارے میں عالموں کی رائے میں بڑا اختلاف
ہے لیکن عام رائے یہی ہے کہ آریہ قوم کا اصلی وطن وسط ایشیا یا
جنوبی روس تھا لیکن کئی عالموں کا خیال ہے کہ آریہ لوگ قطب
شمالی یا مشرقی یورپ کے آسٹریا ہنگری و بوہیمیا کے باشندے
تھے غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ ہاں اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ
اس نسل کی کچھ شاخیں باقیوں سے بچھڑ کر ایران میں آبسیں۔ اور
کچھ کوہ ہندوکش کو پھاند کر موجودہ مغربی پاکستان اور پنجاب
میں آ آباد ہوئیں اس ہجرت کی وجہیں شاید کسی جنگ میں شکست
یا آبادی میں بے حد اضافہ یا نئی چراگاہوں اور زرخیز زمین کی
تلاش ہو سکتی ہیں لیکن کچھ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔

ہندوستان میں آریوں کا آنا آج سے کوئی چھ ہزار سے
چار ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے ان کی مقدس کتاب رگ وید دنیا کی
سب سے پرانی کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
آریہ پہلے پہل پنجاب میں جسے سپت سندھو کہتے تھے آباد ہوئے
پھر ان کی کچھ شاخیں گنگا اور جمنا کے دوآبے اور باقی مدھیہ
پردیش کے علاقوں میں جا نکلیں اور سارے شمالی ہند پر چھا گئیں۔
یہاں کے اصلی باشندے یا تو ان کے مطیع ہو گئے یا جنگلوں اور دوسرے
علاقوں میں جا بسے۔ ہوتے ہوتے یہ حصہ ملک کو آریہ ورت کے

نام سے مشہور ہو گیا۔

آریائی تہذیب و تمدن
Aryan Civilization & Culture

آریہ زمانہ کے مذہبی ادب یعنی ویدوں میں ہمیں آریہ تہذیب کے خدو خال کا پورا نقشہ ملتا ہے وید چار ہیں یعنی رگ وید۔ یجر وید۔ سام وید اور اتھر وید۔ ان میں رگ وید سب سے قدیم اور اہم ہے یہ ۱۰۲۸ بھجنوں کا مجموعہ ہے اور اس کے دس منڈل یا باب ہیں اس کتاب سے آریوں کی سیاسی معاشرتی اور مذہبی زندگی کے متعلق مفید اطلاعات ملتی ہیں۔ یجر وید میں یگیہ اور ہون کے موقعوں پر پڑھنے کے منتر لکھے ہیں۔ سام وید میں بھجن گانے کے سلیقوں کا بیان ہے اتھر وید میں ٹونے ٹوٹکے اور مصیبتوں اور بیماریوں سے بچنے کے لئے منتر درج ہیں ان کے علاوہ فلسفیانہ اور مذہبی خیالات سے بھرپور اپنشد اور مختلف علوم سے متعلق اُپ وید جن میں دوا سازی اور علاج معالجہ: جنگ کرنے کے طریقے۔ موسیقی اور کاریگری اور فن تعمیر کا بیان بھی تاریخ دانوں کی بڑی مدد کرتے ہیں غرضیکہ آریائی تہذیب و تمدن یعنی آریوں کے سماجی نظام رہن سہن۔ خوراک لباس۔ سیاسی نظام اور مذہب سب کے متعلق ہمیں کافی حالات ملتے ہیں چونکہ یہ سب کچھ ہمیں زیادہ تر ویدوں سے معلوم ہوا ہے اس لئے اس زمانہ کو ویدوں کا زمانہ (Vedic Age) بھی کہتے ہیں۔

سماجی نظام اور رہن سہن

آریہ لوگ زیادہ تر دریاؤں کی وادیوں میں گاؤں میں رہتے تھے اور عموماً گلہ بانی اور کھیتی باڑی پر گذارہ کرتے تھے ہر گاؤں یا گرام میں کئی خاندان آباد ہوتے تھے۔ ہر خاندان کا سربراہ باپ یا دادا ہوتا تھا جسے "کرتا" کہتے تھے اس کا کہا سب کو ماننا ہوتا تھا اور وہ بیٹوں پوتوں سب کی طرف سے جائداد آمدنی خرچ اور

مذہبی رسومات ادا کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ وہ خاندان مشترکہ (Joint Family) کا سردار مانا جاتا تھا سب خاندان مل کر ہر گرام کی حفاظت کرتے تھے ایسی جماعت کو وش (Vish) اور ان کے بڑے مجموعہ کو جن (Jana) یعنی قبیلہ کہا جاتا تھا جس کا سربراہ راجہ ہوتا تھا۔ ہر قبیلہ میں کئی طبقے تھے۔ حکمران اور فوجی کھشتری۔ پجاری اور مذہبی پیشوا برہمن۔ تاجر اور کاشت کار ویش اور غلام اور ادنیٰ درجہ کے لوگ شودر کہلاتے تھے۔

آریہ لوگ سوتی اور اونی کپڑے استعمال کرتے تھے مرد ڈاڑھیاں رکھتے اور سر کے بال گوندھتے تھے عورتیں کنگھی پٹی کا بڑا دھیان رکھتی تھیں۔ سونے چاندی کے زیورات کا رواج بھی تھا رتھ کی سواری جوا کھیلنا اور ناچ گانا عام تفریحیں تھیں۔ غریب لوگ مٹی اور پھوس کے مکانوں میں اور امیر پکے مکانوں میں رہتے تھے اُن کی خوراک سادہ ہوتی تھی۔ دودھ مکھن شہد گندم جَو اور گوشت کھاتے تھے اور نشے کے لئے سوم رس پیتے تھے۔

آریہ سوسائٹی میں عورت کو بڑا اچھا درجہ حاصل تھا شادی بیاہ میں اُسے اپنا شریک زندگی چننے کی پوری آزادی تھی۔ عورتیں ہون یگیہ میں شامل ہوتی تھیں کئی تو پڑھنا لکھنا اور کتابیں لکھنا بھی جانتی تھیں۔ بیواؤں کو دوسری شادی کرنے کی بھی کسی حد تک آزادی تھی

صنعت و حرفت میں بھی یہ لوگ کافی ماہر تھے چنانچہ کپڑا بننا زیور بنانا۔ لوہے کا زراعتی سامان تیار کرنا۔ اسلحہ سازی۔ رتھ بنانا سب صنعتوں کا رواج تھا۔

سیاسی نظام۔ آریہ خاندان مل کر ایک قبیلہ یا جن بناتے تھے

ہر قبیلہ کا سردار راجہ کہلاتا تھا۔ شروع شروع میں راجے قبیلہ کے سرداروں کی رائے سے مقرر ہوتے تھے مگر بعد میں یہ عہدہ ورثہ بہ ورثہ راجوں کے خاندان کے لئے مخصوص ہو گیا تھا لیکن یہ راجے

راج کاج میں سرداروں کے مشورہ سے کام چلاتے تھے۔ راجاؤں کو مشورہ دینے کے لئے دو مجلسیں ہوتی تھیں ایک کو سبھا اور دوسری کو سمتی کہتے تھے۔ سبھا میں سماجی معاملے طے ہوتے تھے اور سمتی میں سیاسی صلاح مشورے کئے جاتے تھے عام طور پر راجہ ان فیصلوں کا پابند ہوتا تھا بعد میں ان مجلسوں کی حیثیت صرف رسمی رہ گئی اور راجے من مانی حکومت کرنے لگے۔ ریاست کا خرچ چلانے کے لئے کوئی ٹیکس نہ لگائے جاتے تھے ہاں نذرانے اور لڑائی سے ہاتھ آیا ہوا مال خزانے میں داخل ہوا۔ جس سے حکومت کا خرچ چلتا تھا۔ راجہ کا فرض تھا کہ وہ رعایا کی حفاظت کرے اُسے بیرونی حملوں سے بچائے اور امن و امان قایم رکھے۔ راجہ قبیلے کا سب سے بڑا حاکم تھا اور ہر طرح کے فیصلے کرتا تھا جرم کرنے والوں کو سزائیں دیتا تھا اور میدان جنگ میں اپنی فوجوں کا سپہ سالار ہوتا تھا۔

آریے بڑے بہادر تھے مگر لڑائی میں بھی اخلاق کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے کمزور نہتے یا بے خبر دشمن پر حملہ کرنا۔ زہر میں بجھے ہوئے تیر یا تلوار چلانا اور لڑائی میں شامل نہ ہونے والوں پر ہتھیار چلانا اخلاق سے گری ہوئی بات سمجھتے تھے۔ تیر کمان نیزہ تلوار بھالے اور گرز سے جنگ کرتے تھے۔ راجے اور سردار رتھوں میں بیٹھ کر فوجوں کو لڑاتے تھے عام سپاہی پیدل ہوتے تھے۔ زرہ بکتر اور ڈھال استعمال کرنے کا رواج بھی تھا۔

راجہ ملکی انتظام میں سینانی سپہ سالار اور گرامنی یعنی گاؤں کے مقدم یا نمبردار اور پروہت یا برہمن وزیر سے مدد لیتا تھا گاؤں کے معاملات طے کرنے کے لئے گرام پنچائتیں مقرر تھیں۔

مذہب آریوں کا مذہب بڑا سیدھا سادہ تھا لوگ زندگی کو وبال نہیں بلکہ نعمت سمجھتے تھے اُن کا یقین تھا کہ

اسی کی قوتوں سے سب کام ہوتے ہیں ان قوتوں کے نام انہوں نے اگنی - اندر - ورن - پرتھوی وغیرہ یعنی آگ - بادوباراں - ہوا - اور زمین کے دیوتا دیوی رکھے تھے وہ لوگ کھلی ہوا میں ان دیکھے خدا کی پوجا کرتے تھے - مورتی مندر اور مذہبی پیشواؤں سے ناآشنا تھے - وہ ہون اور یگیہ کرتے تھے اور قربانیاں دیتے تھے اور خدا سے دولت حکومت خوشی اور برکت کے طلبگار اور اپنے گناہوں کی معافی کے طالب رہتے تھے اُن کی مقدس کتابیں وید تھیں جنہیں پڑھنا ثواب سمجھا جاتا تھا بعد میں اُن میں کرم اور پنر جنم یعنی تناسخ کا عقیدہ زور پکڑ گیا اور وہ سمجھنے لگے کہ اچھے کرموں سے انسان اچھی جون اور بُرے کرموں سے بری جون میں جنم لیتا ہے اور انسان کو جنم کے چکر سے چھوٹ کر نجات یعنی موکش یا نروان حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے - ہوتے ہوتے ذات پات - مذہبی رسوم کی قید - دیوی دیوتاؤں کی پوجا منتر جنتر اور ٹونے ٹوٹکے کا زور ہو گیا اور ویدک دھرم میں وہ پہلی سادگی باقی نہ رہی توہمات اور رسوم کی قید سے اس مذہب کی دلکشی جاتی رہی اور لوگ بدھ اور جین دھرم کی شرن لینے لگے ؛

EXERCISE

1. Give a brief account of the Indus valley civilization. (K.U. 1957)
2. What do you know about the Dravidian Civilization ?
3. Who were the Indo Aryans ? Where did they come from and how did they settle in India ?
4. Discuss the main features of the Indo-Aryan or early Vedic civilization. (K.U. 1951, 60)

باب سوم

برہمنی اقتدار کیخلاف بغاوت

اور

بودھ اور جین دھرم کی نشو ونما اور اشاعت

ویدک زمانے کے بعد ہندوستان میں زمانہ شجاعت ((Epic age)) یا رامائن اور مہابھارت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ رامائن میں بھگوان رام چندر جی کی زندگی کے سبق آموز حالات درج ہیں۔ اُن کا راجہ دشرتھ والئے اجودھیا کے ہاں جنم۔ بن باس۔ راون کا سیتا جی کو اُٹھا لے جانا اور اُس کے خلاف جنگ۔ بھگوان رام کی فتح اور اجودھیا میں واپسی اور اُن کی عدل و انصاف کی حکومت کی کہانی کا بیان ہے یہ کتاب سنسکرت میں والمیک رشی اور ہندی میں بھگت تلسی داس نے لکھی ہے۔ ہندو اسے مقدس کتاب مانتے ہیں۔ اسی طرح مہابھارت میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی لڑائی کا ذکر ہے۔ اس میں بھگوان کرشن کا ارجن کو وہ اُپدیش ہے جسے شریمد بھگوت گیتا کہتے ہیں یہ کتاب سنسکرت زبان میں ہے لیکن اس کے ترجمے ہر زبان میں ہیں اس میں حق و انصاف کی حمایت۔ خدا پرستی۔ سچائی۔ دوستی اور نیک اعمال کرنے کی نصیحتیں درج ہیں۔ ان کتابوں سے ہمیں اُس زمانے کے مجلسی حالات کی تاریخ جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

زمانہ شجاعت کے بعد ہندو سماج میں ویدک دھرم کی بجائے برہمنی دھرم کا دور دورہ شروع ہوا۔ یہ دھرم ویدک دھرم کی ہی ایک بگڑی ہوئی صورت تھی جس میں برہمنوں کو اعلیٰ اقتدار حاصل تھا۔ اسے ویدک دھرم سے ممیز کرنے کے لئے ہی برہمنی دھرم کہا جاتا ہے ورنہ برہمن بھی ویدوں کو ہی ہدایت کا منبع سمجھتے تھے۔

برہمنی اقتدار کے خلاف بغاوت

ویدک زمانہ سے چھٹی صدی قبل مسیح تک ہندو سوسائٹی میں بڑی تبدیلیاں آچکی تھیں چنانچہ جوں جوں آریوں کا اقتدار بڑھتا گیا وہ آریہ ورت اور اپنے تہذیبی مرکزوں سے بچھڑتے گئے ہندوستان کے آدی باسیوں دراوڑوں سے میل جول بڑھتا گیا اور ویدک دھرم پر مقامی عقیدوں اور رسموں کا رنگ چڑھتا گیا اور ان کا سماجی نظام بھی پیچیدہ ہوتا گیا۔ ذات پات کی تقسیم کی بنیاد پیشے کی بجائے جنم نے لے لی۔ برہمنوں نے اپنی سرداری قائم رکھنے کے لئے مذہب میں پیچیدہ رسمیں اور قربانیاں اس قدر بڑھا دیں کہ عام لوگوں کے لئے اس مذہب میں کچھ دلکشی باقی نہ رہی لوگ ذات پات میں بٹ گئے ایک دوسری ذات کا میل جول کم ہوتا گیا۔ اخلاقی معیار گرنے لگا عورتوں کی آزادی میں فرق آگیا انہیں وید پڑھنے اور یگیوں میں شامل ہونے کی اجازت نہ رہی اور برہمنوں کی مدد کے بغیر سیاسی کام یا مذہبی عبادتیں محال ہوگئیں ویدک دھرم کے جا٘مد رسوم کا مجموعہ بن کے رہ گیا۔ تناسخ کا عقیدہ اور کرم کا مسئلہ ذات پات کی تقسیم نئے دیوی دیوتاؤں کی پوجا۔ خونی قربانیاں منتر جنتر۔ ٹونے ٹوٹکے اور توہم پرستی کا دور شروع ہو گیا اس سماجی اور مذہبی تنزل کے ذمہ دار برہمن تھے برہمنوں کے اقتدار کی وجہ سے کوئی دم نہ مار سکتا تھا لیکن لوگ ان رسموں کے چکر اور سماجی قیدوں سے بیزار ہو چکے تھے خاص کر شودر طبقہ کی حالت بڑی قابل رحم تھی۔ انہیں سماج میں کوئی درجہ حاصل نہ تھا اور ان سے بہت برا

سلوک ہوتا تھا اس کس مپرسی کے عالم میں لوگ کسی ایسے مصلح کے منتظر تھے جو انہیں برہمنی اقتدار سے چھٹکارا دلا سکے اس دَور میں کئی نیک دل برہمن اور کھشتری دنیا کو لات مار کر فقیر ہو گئے اور سچائی کی تلاش اور اشاعت میں نکل پڑے کئی رمتے سادھو ملک میں گھومنے لگے اور کئی چھوٹے بڑے مذہبی فرقے وجود میں آنے لگے۔ ان میں سب سے مشہور بودھ اور جین دھرم ہیں لاکھوں لوگ جو برہمنی اقتدار سے بے زار ہو چکے تھے جوق در جوق ان دھرموں کی شرن لینے لگے۔

وردھمان مہاویر کی زندگی

وردھمان مہاویر جین دھرم کے چوبیسویں تیرتھنکر یا پیشوا مانے جاتے ہیں اور عام طور پر موجودہ جین دھرم کے بانی سمجھے جاتے ہیں آپ نے کنڈ گرام (بہار) میں ایک معزز کھشتری راجہ سدھارتھ کے ہاں ۵۹۹ ق۔م میں جنم لیا آپ کی والدہ مشہور لچھوی راجپوت خاندان کی راجکماری تھیں۔ راجہ سدھارتھ گرو پارشو ناتھ کے عقیدت مند تھے جو جین دھرم کے تئیسویں تیرتھنکر مانے جاتے ہیں اور ڈھائی سو برس پہلے ہو گذرے تھے وردھمان مہاویر بھی اسی بزرگ پر ایمان رکھتے تھے تعلیم سے فارغ ہوتے ہی آپ کی شادی ایک راجکماری یشودھا سے رچائی گئی اور آپ کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی آپ شروع سے ہی اپنا زیادہ وقت گیان دھیان اور تپسیا میں گذارتے تھے تیس برس کی عمر میں آپ والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے اور آپ نے دنیا چھوڑ چھاڑ کر سادھوانہ زندگی اختیار کر لی بڑی کڑی ریاضت کے بعد بیالیسویں برس میں آپ کو سچا گیان یا معرفت حاصل ہوئی اور آپ نے جن (Jina) یعنی فاتح نفس کا رتبہ پا لیا اس کے بعد آپ لگاتار تیس برس تک جین دھرم کا پرچار کرتے رہے اور آخرکار راج گرلیہ کے پاس پاوا (ضلع پٹنہ بہار) میں بہتر برس کی عمر میں وفات پا گئے۔

آپ کی تعلیم

مہابیر کا مذہب عالمگیر تھا آپ کے قول کے مطابق ذات پات کی تمیز کے بغیر ہر شخص نجات حاصل کر سکتا ہے اور اُسے کسی کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہر انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ کڑی تپسیا کر کے اور رنج و تکلیف برداشت کر کے جنم مرن کے چکر سے چھٹکارا پا لے یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے آپ نے تری رتن یعنی تین زریں اصول مقرر کئے اول یہ کہ انسان اپنے گرو پر پورا یقین رکھے اور اُس کی سیوا میں لگا رہے دوسرے کرم اور دنیوی تعلقات کی حقیقت کو پہچانے اور تیسرے نیک عمل کا راستہ اختیار کرے سچ بولے۔ نیک چلن رہے پرہیزگاری اور نفس کشی کا راستہ اختیار کرے اور کسی جاندار کو ایذا نہ دے یعنی اہنسا کے اصول کا سختی سے پابند رہے مذہب کی تعلیم دینے والوں کے لئے نیک چلنی اور ضبط نفس کے بڑے کڑے اصول مقرر تھے۔

جین اپنے مذہب کو ہمیشہ سے رہنے والا مانتے ہیں وہ خدا کی ہستی کو الگ نہیں مانتے بلکہ ایک جیو آتما یا روح انسان کے قائل ہیں جسے خدائی قدرت حاصل ہے اُن کا عقیدہ ہے کہ ہر جاندار اور غیر جاندار میں رُوح ہوتی ہے اُن کے مطابق جین دھرم کے چوبیس تیرتھنکر پرستش کے قابل ہیں جن میں سب سے پہلے رشبھ اور آخری وردھمان مہابیر تھے ان کی مورتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ جین لوگ ذات پات کے قائل نہیں اور نہ ہی ویدوں میں کہے ہوئے قربانی کو ذریعہ نجات مانتے ہیں لیکن بودھوں کی طرح وہ برہمنی اقتدار کے اتنے مخالف نہ تھے اس لئے برہمنوں نے بھی ان کی اتنی مخالفت نہ کی۔ مہابیر کی وفات کے بعد جین دھرم کے دو فرقے بن گئے ایک سویتامبر جو کپڑے پہنتے اور دنیا دار ہیں اور دوسرے دگامبر جو ننگے رہتے ہیں اور دنیا ترک کرتے ہیں۔ جینوں کا خیال ہے کہ نجات حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان فاقہ کشی کرتے

کرتے جان دے دے اس مذہب کے پیرو جوں۔ راجستھان۔ کاٹھیاواڑ
بمبئی اور دکن وغیرہ میں آج بھی پائے جاتے ہیں لیکن تعداد کم ہے
بودھ دھرم کے مقابلہ میں جین دھرم اتنا پھل پھول نہ سکا نہ ہی
اس کا پرچار ہندوستان کے باہر ہو سکا یہی وجہ ہے کہ اسے وہ اہمیت
حاصل نہ ہو سکی۔ جو بودھ دھرم کو حاصل ہے۔

گوتم بدھ کی زندگی

برہمنی اقتدار۔ قربانیوں اور پیچیدہ مذہبی رسموں ذات پات کی سماجی ناانصافیوں
کے خلاف سب سے بڑی اور کامیاب بغاوت کا سہرا مہاتما بدھ کے
سر ہے آپ نے جنوبی نیپال کی ایک جمہوری ریاست کپل وستو کے
ساکیہ خاندان کے راجہ سدودھن کے ہاں ۵۶۳ ق۔م لمبنی باغ میں
جنم لیا آپ کا بچپن اور لڑکپن بڑے آرام اور عیش و عشرت میں
گذرا۔ جوان ہونے پر آپ ایک کھشتری راجکمار کی طرح علم و ہنر
اور فن سپاہ گری میں پوری طرح طاق نکلے آپ کی شادی ایک
خوب صورت راجکماری یشودھرا سے ہوئی۔ انتیسویں سال میں آپ کے

ہاں ایک پتر "راہول" نامی نے جنم لیا۔ اس سکھ چین اور خوشی کی فضا
میں بھی گوتم کا دل بے چین رہتا تھا اور آپ غور و فکر میں ڈوبے
رہتے تھے۔ بڑھاپے۔ بیماری اور موت کو دیکھ کر آپ کا دل دنیا
سے اُٹھ گیا اور ایک رات اپنے بیوی بچے کو سوتا چھوڑ کر آپ
ریاضت اور تلاش حق کے لئے جنوں کو نکل گئے۔ بودھ دھرم کی تاریخ
میں اس واقعہ کو "مہاں تیاگ" یا "ایثارِ عظیم" کے نام سے یاد
کرتے ہیں۔

گوتم کئی برس رمتے جوگیوں کی طرح زندگی کی حقیقت معلوم
کرنے کے لئے مارے مارے پھرتے رہے اور مختلف فلسفوں اور نجات
کے فرضی رستوں کو جانچتے پرکھتے رہے۔ آخر گیا (بہار) کے قریب
ایک دلکش مقام اُرُولا میں آ ٹھہرے۔ یہاں آپ نے سخت ریاضت اور

تپ شروع کیا۔ ہوتے ہوتے آپ ہڈیوں کا ایک ڈھانچا بن کر رہ گئے مگر آپ کو سچا گیان یا معرفت حاصل نہ ہو سکی۔ گوتم کو پکا یقین ہو گیا کہ نفس کشی اور سخت قسم کی ریاضتوں سے دل کی روشنی حاصل نہیں ہو سکتی آخر وہ گیا میں آئے اور پیپل کے ایک درخت کے نیچے سمادھی لگا کر بیٹھ گئے یہیں آپ کو وہ سچا گیان یا معرفت نصیب ہوئی جس سے انسان کی روح اور دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے اور نجات کی راہیں کھل جاتی ہیں اب گوتم سچے بودھ یا عارف بن گئے اور زندگی کے سب راز آپ پر کھل گئے اس کے بعد آپ بنارس کے قریب سارناتھ میں آئے اور آپ نے یہاں پہلا وعظ کیا اس واقعہ کو بودھ دھرم کی تاریخ میں "دھرم چکرہ پربرتن یعنی "مذہب کے پہیئے کو پھیرنا" کہا جاتا ہے اس کے بعد عمر بھر وہ جا بجا پھرتے رہے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہے اور آخر ۸۰ برس کی عمر میں کوشی نگر کے مقام پر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے آپ کا جنازہ شاہی شان و شوکت سے اٹھایا گیا اور آپ کی استھیاں آٹھ قوموں میں بانٹی گئیں جو انہوں نے شاندار ستوپوں میں دفن کیں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے چیلوں نے آپکا مشن جاری رکھا یہ انہی کے طفیل ہے کہ آج دنیا کے ایک تہائی لوگ مہاتما بدھ کے نام لیوا ہیں۔

مہاتما بدھ کی تعلیم

مہاتما بدھ کا خیال تھا کہ دنیا دکھ کا گھر ہے اس دکھ کی وجہ انسانی خواہشات ہیں جو سدا انسان کو برائیوں کے لئے ابھارتی رہتی ہیں۔ ان سے نجات پانے کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ انسان اپنی خواہشوں پر قابو پا لے۔ اسی سے اسے نروان۔ روح کا سکون یا نجات حاصل ہو سکتی ہے اور جنم مرن کے چکر سے چھٹکارا مل سکتا ہے اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے بدھ نے سخت ریاضتوں یا پوری عیش و عشرت کی راہ چھوڑ ایک میانہ روی کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی جسے اشٹ مارگ

یا آٹھ منزلوں کا راستہ کہتے ہیں یہ آٹھ اعلیٰ اصول یہ ہیں :-

۱- نیک خیالات رکھنا

۲- نیک ارادے کرنا

۳- نیک بول چال کرنی

۴- نیک چال و چلن اختیار کرنا-

۵- نیک ذریعوں سے روزی کما کھانا-

۶- نیک کوششیں کرنا-

۷- نیک گیان دھیان اور

۸- نیکی کی راہ اختیار کرنے کے لئے احتیاط برتنا- اس راہ پر چل کر انسان اپنی زندگی کے کردار کو سنوار سکتا ہے اور نجات حاصل کر سکتا ہے-

سب آریہ دھرموں کی طرح بدھ کرم کا مسئلہ کو مانتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ انسان اپنے کئے کی سزا بھگتنے کے لئے جنم لیتا رہتا ہے- وہ مسئلہ آواگون یا تناسخ کو بڑا اہم سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک انسانی زندگی اور روحانی ترقی کا مقصد اعلیٰ نروان- سکون روح مکتی یا نجات تھا جس سے انسان جنم مرن کے چکر سے مخلصی پا سکتا ہے بدھ اہنسا کے اصول کی بڑی قدر کرتے تھے-

بدھ ذات پات- خونی قربانیوں- پیچیدہ مذہبی رسموں اور سخت ریاضتوں کو نجات کا ذریعہ ماننے کے قائل نہ تھے وہ ان برہمنی عقیدوں کی شدت سے مخالفت کرتے تھے اور پرماتما کی ہستی دیوی دیوتاؤں اور ان دیکھی آسمانی طاقتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے ان کے نزدیک پاکیزہ زندگی کا تصور ہی اہم اور نجات کے لئے کافی ذریعہ سمجھا جاتا ہے-

آپ کے مذہب میں انسانی مساوات اور مذہبی تنظیم میں جمہوری روایات کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا- اس تنظیم کو سنگھ (Sangha) کہتے تھے اس میں مرد عورتیں برہمن شودر امیر غریب

سبھی داخل ہو سکتے تھے۔ یہ لوگ بھکشو اور بھکشنیاں کہلاتے تھے اور
بڑی نمونے کی پاکیزہ زندگیاں بسر کرتے اور لوگوں میں بودھ دھرم
کا پرچار کرتے تھے۔ بودھ دھرم کا پرچار پالی میں ہوتا تھا جو کہ اس
زمانے میں عام بولی اور سمجھی جاتی تھی۔

بودھ دھرم کے جلد پھیل جانے کی وجوہات

۱۔ مہاتما بُدھ اس وقت دنیا میں تشریف لانے کہ ہندوستان کے لوگ برہمنی اقتدار سے تنگ آ چکے تھے برہمنوں نے اپنی برتری قایم کرنے کے لئے مذہب اور سماج کی
اجارہ داری سنبھال رکھی تھی جسے لوگ پسند نہ کرتے تھے لوگ ویدک
دھرم کی سادہ تعلیم بھول چکے تھے۔ برہمنی دھرم پیچیدہ رسموں کا مجموعہ
بن کے رہ چکا تھا اس کے مقابلہ میں بودھ دھرم کی تعلیم بڑی
سادہ تھی اس کے اصولوں نے جلد ہی لوگوں کے دلوں میں گھر
کر لیا۔

۲۔ برہمنی دھرم کی زبان سنسکرت تھی ان کی مذہبی کتابیں اور شاستر
سوائے برہمنوں کے کوئی نہ پڑھ سکتا تھا نہ سمجھ سکتا تھا لیکن بودھ
پرچارک عام فہم زبان میں پرچار کرتے تھے۔ جس سے بودھ دھرم کی
اشاعت دن دوگنی اور رات چوگنی ہوتی گئی۔

۳۔ مہاتما بُدھ کی شخصیت میں بڑی کشش تھی اُن کی ساری زندگی
پاکیزگی۔ ضبطِ نفس اور قربانی و ایثار کا مجسمہ تھی جب لوگ گوتم جیسے
راجکمار کو فقیرانہ لباس میں دیکھتے تھے تو اُن کا دل پگھل جاتا تھا
اور وہ اُن کی طرف خود بخود کھینچے جاتے تھے اس کے علاوہ
مہاتما بدھ کی زبان میں جادو کا اثر تھا آپ کا بیان بڑا مدلل
اور زوردار ہوتا تھا ان باتوں سے انہیں دھرم پرچار میں بڑی
مدد ملتی تھی۔

۴۔ بودھ دھرم خونی قربانیوں۔ سخت ریاضتوں۔ توہم پرستی اور
پیچیدہ مذہبی رسموں کے سخت خلاف تھا۔ لوگ خود بھی ان چیز دل

سے تنگ آئے ہوئے تھے اس کے علاوہ ذات پات کی تفریق سماجی ظلم کی صورت اختیار کر چکی تھی خاص طور پر ادنیٰ طبقہ اور شودر برہمنی اقتدار سے چھٹکارا چاہتے۔ بودھ دھرم کی انسانی مساوات کی تعلیم اور سیدھے سادھے اصولوں کو لوگوں نے پیغام رحمت سمجھا اور جوق در جوق اس دھرم کی شرن میں آنے لگے۔

۵۔ بودھ دھرم کے پرچار میں بودھ مذہبی تنظیم یعنی سنگھ کا بھی بڑا حصّہ تھا۔ سنگھ کے بودھ بھکشو اور بھکشنیاں ساری زندگی دھرم پرچار میں بتاتی تھیں۔ اُن کے اعلیٰ اخلاق بے لوث ہمدردی و خدمت کا جذبہ اور ذاتی ایثار بے مثال تھا وہ گاؤں گاؤں اور ملک ملک میں جاکر دھرم پرچار کرتے ... لوگوں کو بُدھ کا پیغام سُناتے تھے۔ اس تبلیغی مشن نے بودھ دھرم کو ہندوستان اور ہمسایہ ملکوں میں پھیلانے میں شاندار کام کیا۔

۶۔ بودھ دھرم کو شاہی سرپرستی سے بھی بڑی مدد ملی چنانچہ مہاراجہ اشوک۔ مہاراجہ کنشک اور ہرش وردھن شلادتیہ کے زمانے میں بودھ دھرم شاہی مذہب تھا اشوک اور کنشک نے ہمسایہ ملکوں میں دھرم پرچار کے لئے مشن بھیجے اور ہندوستان میں بودھ خانقاہیں اور درس گاہیں قایم کیں جن سے بودھ دھرم کی اشاعت دُور دُور تک ہوئی۔ ہرش وردھن نے بھی بودھ دھرم کی حوصلہ افزائی میں بڑا حصّہ لیا

اس طرح ہندوستان۔ تبت۔ لنکا۔ برما۔ انڈونیشیا۔ سیام۔ ہندچینی چین۔ مانچوریا۔ جاپان۔ وسط ایشیا۔ افغانستان اور مشرقی ایران میں بودھ دھرم کا دَور دَورہ ہوگیا اور ان میں سے کئی ملکوں میں اب بھی بودھ اکثریت میں ہیں۔

ہندوستان میں بودھ دھرم کا زوال

چھٹی صدی عیسوی تک ہندوستان میں بودھ دھرم کا ڈنکا بجتا رہا مگر آخرکار اس دھرم کا زوال شروع

ہوا اور ہوتے ہوتے یہ دھرم اپنی جنم بھومی ہندوستان میں لگ بھگ ناپید ہوگیا۔ مشرقی بنگال۔ ہماچل پردیش۔ لداخ۔ سکم۔ بھوٹان اور نیپال میں بودھ اب بھی آباد ہیں لیکن بودھ دھرم کے قدیم مرکزوں میں بودھ دھرم کی شمع خاموش ہو چکی ہے۔ اس زوال کے اہم وجوہات یہ ہیں :۔

۱۔ چھٹی صدی عیسوی میں بودھ مذہبی تنظیم یعنی سنگھ کمزور ہوگیا بھکشوؤں میں وہ پہلے سی سادگی اور جذبہ ایثار باقی نہ رہا اخلاقی لحاظ سے بھی وہ عوام کی رہنمائی کے قابل نہ رہے اس لئے بودھ دھرم کی قدر و منزلت گھٹتی گئی۔

۲۔ بودھ دھرم میں بُت پرستی اور پیچیدہ رسوم داخل ہوگئیں جن سے عوام میں اخلاقی گراوٹ اور مذہب سے بے پروائی بڑھتی گئی۔

۳۔ بودھ عالموں کی فلسفیانہ بحثوں سے بودھوں کے اتحاد و اتفاق کو بڑا دھکا لگا اور نت نئے فرقے ظہور میں آنے لگے ہوتے ہوتے کنشک کے عہد میں ہینیان اور مہایان دو بڑے فرقے بن گئے جن کی آپس کی مخالفت نے بودھ دھرم کو کمزور کر دیا۔

۴۔ بودھ دھرم شاہی سرپرستی سے محروم ہوگیا اور کئی راجاؤں نے بودھ دھرم کے خلاف برہمنی دھرم کی اعانت اور سرپرستی اختیار کر لی جس سے بودھ دھرم کو بڑا دھکا لگا۔

۵۔ بودھ دھرم کے اہنسا اور ترک لذات کے اصولوں سے عوام اور خاص طور پر حکمران طبقہ اور راجپوت بیزار ہوگئے اور انہوں نے بودھ دھرم کی لگ کر مخالفت شروع کر دی۔

۶۔ گپتا خاندان کے عروج کے بعد حکومت نے برہمنی مذہب کی سرپرستی فروغ کر دی اور رفتہ رفتہ کئی عالموں نے بودھ دھرم کے خلاف پرچار کا بازار گرم کر دیا حتیٰ کہ نویں صدی میں دکن کے دو مشہور عالم کمارل بھٹ اور جگت گرو شنکر آچاریہ نے بودھ

دھرم کی مخالفت میں دھوم مچا دی اور بحث و مباحثہ اور برہمنی
مذہب کے پُرجوش پرچار کا بازار گرم کر دیا۔ بودھ اس مخالفت
کی تاب نہ لا سکے۔

۷۔ ہرش وردھن شلادتیہ کے زمانے سے نئے برہمنی رہنماؤں نے
بودھ دھرم کے چیدہ چیدہ اصول اپنا کر بدھ کو وشنو بھگوان کا
اوتار مان لیا۔ اب بودھ دھرم میں لوگوں کے لئے کوئی انوکھا پن اور
خاص کشش نہ رہی۔ بودھ دھرم اور برہمنی دھرم خلط ملط ہوتے گئے
حتیٰ کہ برہمنی دھرم نے بودھ دھرم کو پوری طرح اپنے اندر جذب
کر لیا اور بودھ دھرم کی جداگانہ حیثیت جاتی رہی اس طرح بودھ
دھرم اپنی جنم بھومی ہندوستان میں تقریباً ناپید ہوگیا اور بودھ
دھرم کے قدیم مرکز جیسے ٹیکسلا۔ سانچی۔ نالندہ۔ راج گریہ ویران
ہوگئے اور یہ فیض کے چشمے سوکھ گئے ؛

EXERCISE

1. What were the causes of the discontent and revolt of the people against Brahmanical Hinduism and the consequent rise of the Buddhism and Jainism ?
2. Give an account of the life and teachings of Vardhman Mahavir.
3. Give an account of the life and teachings of Gautama Buddha. *(P.U. 1923)*
4. What were the causes of the rapid spread of Buddhism in and outside India ?
5. How do you account for the decline of Buddhism in India ?

باب چہارم

"ہندو ایران کے تعلقات
اور
یونانیوں کی آمد"

سوال نمبر۹- قدیم ہند و ایران کے تعلقات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(الف) قدیم ہندو ایران کے تعلقات

ہندی اور ایرانی آریے ایک ہی نسل کی دو شاخیں ہیں ان کی زبان مذہب اور شکل و صورت سب اس بات کے شاہد ہیں کہ کسی زمانے میں یہ دونوں قومیں ایک جگہ آباد تھیں لیکن بعد میں ان میں کچھ مغائرت ہوئی کہ ایک کے دیوتا دوسرے کے شیطان قرار پاگئے اور ہند آریائی لوگ ہندوستان کی طرف چل نکلے لیکن بعد میں دونوں اپنے اپنے ملکوں میں ہی مگن رہے اور ایک نے دوسرے کی سدھ نہ لی- صدیوں بعد ساتویں صدی ق-م میں ہند ایرانی سیاسی تعلقات شروع ہوئے-

ایرانی ہخا منشی (Achaemenian) سلطنت کے بانی اور مشہور بادشاہ کیخسرو (۵۵۸ - ۵۳۰ ق-م) نے باختر مدائن بابل

اور شام کی فتوحات کے بعد ہندوستان کا رُخ کیا لیکن اُس کی فوجیں مکران (بلوچستان) کے راستے آئیں۔ یہاں کے لق و دق صحرا اور خشک پہاڑوں نے اُن کی راہ میں مشکلات کھڑی کر دیں اور یہ مہم ناکام رہی بالآخر کیخسرو نے وادی کابل کے راستہ حملہ کیا اور سارے افغانی علاقے پر قبضہ کر لیا اور شمال مغربی ہند کا سندھ پار تک کا علاقہ سلطنت ہنما منشی کے زیر نگین آگیا۔

اس کے بعد ہنما منشی خاندان کے تیسرے مشہور بادشاہ دارا اول (۵۲۲ - ۴۸۶ ق۔م) کے زمانہ میں کمبوج اور گاندھار کے علاقے جن میں ڈیرہ جات اور سندھ ساگر دوآب شامل تھے ایرانی سلطنت میں شامل تھے چنانچہ "بہیستان" اور "نقش رقوم" کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ "گاندھار" اور "ہند" ہنما منشی سلطنت کے مشرقی صوبے شمار ہوتے تھے۔

یونانی مورخ ہیرو ڈوٹس (۴۸۴ - ۲۴ ق۔م) کے بیان کے مطابق شمال مغربی ہندوستان ایرانی سلطنت کا بیسواں صوبہ تھا۔ شاہ دارا نے اپنے سپہ سالار سکائیلیکس کو وادی سندھ کے مشاہدہ کے لئے سمندر کے راستے بھیجا اور وہ ڈھائی برس اس علاقے میں رہا اس علاقے سے بادشاہ کو ساڑھے بارہ لاکھ پونڈ سالانہ خراج وصول ہوتا تھا۔

دارا کے جانشین یزد جرد (۴۸۶ - ۴۶۵ ق۔م) کے زمانہ تک ایرانی تسلط پوری طرح قایم رہا اور شمال مغربی ہندوستان میں زرتشتی مذہب پھیل گیا اس کی شہادت ہمیں ٹیکسلا کے کھنڈروں سے ملتی ہے ہندوستانی ایرانی فوجوں میں بھرتی ہوتے تھے چنانچہ یونانی مورخ ذکر کرتے ہیں کہ ہندوستانی بہادر کس طرح ایرانیوں کے شانہ بشانہ یونانیوں کے خلاف لڑتے تھے۔

۳۳۰ ق۔م کے لگ بھگ ایرانی سلطنت کو ہندی علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑے اور اُن کے جاتے ہی اس علاقے میں کئی خود مختار راجواڑے ظہور میں آگئے۔

اثرات ان سیاسی تعلقات کی وجہ سے دونوں ملک ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے۔ ہندوستانی ایرانی سلطنت میں ملازمت اور تجارت کے لئے آنے جانے لگے۔ ایرانی زبان کے کئی لفظ سنسکرت اور دوسری ہندوستانی زبانوں میں آملے۔ ایرانی آرٹ کا ہندوستانی آرٹ پر اثر پڑا چنانچہ موریہ فن تعمیر۔ اشوک لاٹھیں اور کتبے اور خروشتی رسم الخط کا شمالی ہند میں رائج ہونا اس امر کی معقول شہادتیں ہیں۔ موریہ دربار میں ایرانی رسموں کے رواج کی شہادت بھی ملتی ہے۔ غرضیکہ ہند و ایران کے تعلقات کا ہندوستانی زندگی اور معاشرت پر کافی اثر پڑا۔

(ب) .. یونانیوں کی آمد

یونانی حملے سے پہلے ہندوستان کی سیاسی حالت

چوتھی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں سیاسی کھلبلی کا دور دورہ تھا ملک میں جا بجا چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں ان میں عام طور پر مطلق العنان راجے راج کرتے تھے جو عموماً ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے عوام کا حکومت میں کوئی ہاتھ نہ تھا اور حکومتیں بھی عوام کے مفاد سے لاپرواہ تھیں لوگوں میں قومی ایکتا کا احساس نہ تھا اور ملک مجموعی طور پر کمزور تھا اس کا اثر کاروبار تجارت اور ملک کی مالی حالت کے لئے بھی تباہ کن تھا اس کیفیت سے یونانی حملہ آوروں کے لئے قسمت آزمائی کے لئے میدان صاف تھا۔

اس زمانہ میں شمالی ہندوستان کی مشہور ریاستیں یہ تھیں :-

۱۔ اشواک قبیلہ کی ریاست کا صدر مقام مسانگ تھا اس میں وادی کابل کا شمالی حصہ اور سوات اور گنار کا علاقہ شامل تھا۔ یہاں کی حکومت کافی طاقتور تھی اور اس کے پاس تیس ہزار پیدل اور بیس ہزار سوار فوج اور تیس جنگی ہاتھی تھے۔

۴- دریائے سندھ کے آر پار گاندھار کا علاقہ تھا۔ مغربی حصہ کا ستا مقام موجودہ پشاور کے قریب پشکلاوتی کے مقام پر تھا مشرقی حصہ پر راجہ امبھی راج کرتا تھا اُس کی راجدھانی ٹیکسلا میں تھی۔ یہ شہر تجارت اور علم و فن کے لئے مشہور تھا راجہ امبھی دوابہ ترج کے حاکم راجہ پورس کا جانی دشمن تھا اور ہر وقت اُسے نیچا دکھانے کی فکر میں رہتا تھا۔

جنوبی کشمیر کے علاقہ پونچھ و نوشہرہ پر راجہ ابھی سار کی حکومت تھی۔ یہاں کے لوگ بڑے جنگجو اور بہادر مشہور تھے۔

دریائے جہلم اور چناب کے درمیان راجہ پورس کی حکومت تھی۔ اس ریاست میں لگ بھگ تین سو قصبے آباد تھے۔ راجہ کی فوج میں پچاس ہزار پیدل۔ تین ہزار سوار۔ ایک ہزار رتھ اور کئی ہاتھی تھے دریائے چناب اور راوی کے درمیان چھوٹا راجہ پورس راج کرتا تھا یہ پنجاب کی سب سے اہم اور مضبوط ریاست تھی۔

سیالکوٹ۔ شورکوٹ جھنگ اور منٹگمری کے علاقوں میں کتھوئی۔ سنبھوتی۔ سیبوئی۔ کشدرک اور ملتان میں مالوی قبیلوں کے راجواڑے تھے۔ اسی طرح سندھ کے علاقے میں بھی قبائلی راج قایم تھے۔

یونانی مورخوں نے صرف اُنہی ریاستوں اور قبائلی راجواڑوں کا ذکر کیا ہے جو دریائے بیاس اور دریائے سندھ کے درمیانی علاقے میں قایم تھے۔ دریائے بیاس کے آگے مگدھ کی نند سلطنت تھی جو بنگال تک پھیلی ہوئی تھی اور ناقابل تسخیر اور بہت طاقت والی بھی جانی تھی

سکندر اعظم

ایک چھوٹی سی ریاست مقدونیہ پر فیلقوس نامی راجہ راج کرتا تھا اس کا بیٹا سکندر دنیا کا ایک نامور فاتح گذرا ہے وہ ۳۳۶ ق۔م میں مقدونیہ کے تخت پر بیٹھا اور چند ہی برسوں میں اُس نے تیس ہزار پیدل اور پانچ ہزار سوار

سپاہیوں کا ایک لشکر جرار اکٹھا کر لیا۔ سکندر یونان کے مشہور فلاسفر ارسطو کا شاگرد تھا وہ چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو فتح کر کے نام پیدا کرے اس زمانے میں یونان تک ایرانی سلطنت پھیلی ہوئی تھی اور یونانی اُن کے نام سے کانپتے تھے۔ سکندر نے ایران فتح کرنے کی ٹھانی اور سنہ ۳۳۳ ق۔م میں ایرانی بادشاہ دارا سوم کو شکست فاش دی۔ سنہ ۳۳۱ ق۔م میں اربیلہ کے مقام پر ایک اور فیصلہ کن لڑائی ہوئی۔ اس کے بعد دارا اپنے ہی ایک جرنیل کے ہاتھوں مارا گیا۔ اسی اثنا میں سکندر نے ایشیائے کوچک شام اور مصر کے ملک بھی فتح کر لئے اور فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا ایران پر ٹوٹ پڑا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ایران کی راجدھانی فارس پر قابض ہو گیا۔ اب اُس نے ایرانی سلطنت کے مشرقی صوبوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے مشرق کی طرف رُخ کیا۔ سنہ ۳۳۰ ق۔م سے سنہ ۳۲۷ ق۔م تک سستنیان۔ قندھار اور وادی کابل کو فتح کرتا ہوا وسط ایشیا میں باختر تک جا پہنچا یہاں فوجی چھاؤنیاں قایم کر کے اب اس نے شمالی ہندوستان کی طرف منہ موڑا اور سنہ ۳۲۷ ق۔م میں سوات اور گندھار کے علاقے میں آدھمکا۔

ہندوستان پر حملہ

سکندر نے اب اپنی فوج کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ تو اشواک قبائلی علاقوں کو فتح کرتا ہوا مساگ پہنچا جہاں بڑے گھمسان کا رن پڑا اور سات ہزار ہندوستانی سپاہی اپنی آزادی کی حفاظت میں کٹ مرے اور دوسری طرف سکندر کے جرنیل پشکلاوتی پر قابض ہو گئے اب پوری فوج مسلح ہو کر دریائے سندھ کی طرف بڑھی اور اوہند کے مقام پر ہند کے راجہ امبھی کے علاقے میں داخل ہوئی راجہ آمبھی نے سکندر سے بدلہ لینے کے لئے یہ موقعہ غنیمت جانا اور سکندر کی ... کی اور سکندر کی بارگاہ میں تحفے لے کر

کو اطاعت قبول کرنے کا پیغام بھیجا لیکن پورس کی غیرت نے دشمن کے سامنے اس طرح ہتھیار ڈالنا قبول نہ کیا۔ اب سکندر نے پورس پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کی اور فوج کو کوچ کا حکم دیا

جنگِ جہلم

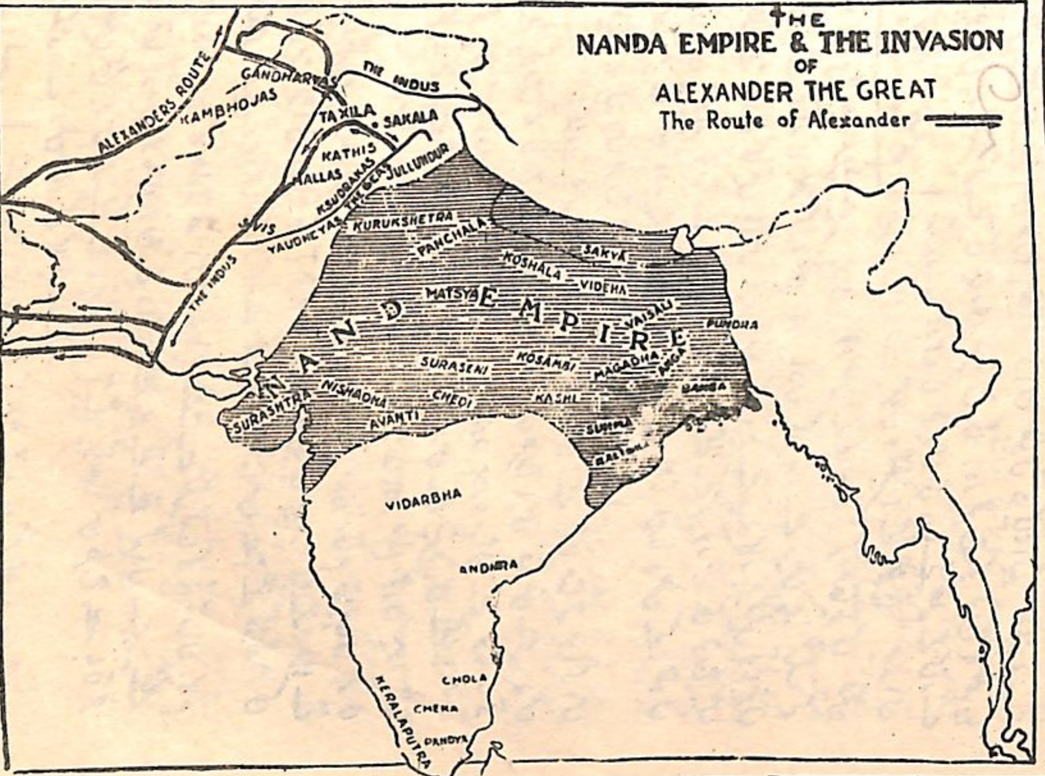
سکندر اور پورس کی فوجوں کی دریائے جہلم کے کنارے میرپور (ریاست جموں و کشمیر) کے جنوبی میدان "کھڑی" میں مٹ بھیڑ ہوئی۔ پورس نے جان توڑ کر مقابلہ کیا لیکن اُس کے بھاری بھرکم ہاتھی اور پاؤں کی مدد سے زمین پر ٹیک کر چلانے والی کمانیں بارش اور کیچڑ کی وجہ سے بے کار ہوگئیں یونانیوں کی ہلکی سوار فوج نے بڑی پھرتی سے حملے کئے۔ پورس کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور پورس میدان جنگ میں لڑتا لڑتا دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا اس طرح میدان یونانیوں کے ہاتھ رہا۔

سکندر پورس کی جرأت و بہادری سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے پورس کا راج اس کو لوٹا دیا اور اس طرح اپنی فیاضی سے دشمن کو اپنا سچا دوست بنا لیا۔ چنانچہ جب سکندر ہندوستان سے لوٹا۔ تو اُس نے اپنے سب ہندوستانی علاقے پورس کے سپرد ہی کئے۔

اس معرکے کے بعد سکندر آگے بڑھا اور ضلع گورداسپور میں سانگلہ پر چڑھائی کر دی یہ کیتھرین قبیلہ کا صدر مقام تھا یہاں بڑی خونریز لڑائی ہوئی مگر آخرکار سکندر کامیاب ہوا۔ لڑتے لڑاتے سکندر دریائے بیاس کے کنارے تک جا پہنچا۔ اس سے آگے مگدھ کی نندہ سلطنت کا علاقہ تھا اس مضبوط سلطنت سے ٹکر لینا کوئی آسان کام نہ تھا اُدھر یونانی فوج کے دانت کھٹے ہو چکے تھے گھروں سے نکلے اُنہیں کئی برس ہو چکے تھے انہوں نے آگے بڑھنا کسی طرح سے بالآخر سکندر نے وطن لوٹنے کا فیصلہ کیا۔

واپسی

سکندر نے اپنی سلطنت کی مشرقی سرحد کے نشان کے طور پر دریائے بیاس کے کنارے بارہ قربان گاہیں بنوا دیں اور اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے اور شکر[illegible]


THE
NANDA EMPIRE & THE INVASION
OF
ALEXANDER THE GREAT
The Route of Alexander
NANDA EMPIRE
THE INDUS
TAXILA
SAKALA
JULLUNDUR
KATHIS
MALLAS
KSUDRAKAS
GANDHARVAS
KAMBHOJAS
ALEXANDERS ROUTE
SIVIS
YAUDHEYAS
KURUKSHETRA
PANCHALA
MATSYA
KOSHALA
SAKYA
VIDEHA
VAISALI
PUNDRA
MAGADHA
ANGA
KOSAMBI
KASHI
SURASENI
CHEDI
AVANTI
NISHADHA
SURASHTRA
VIDARBHA
ANDHRA
CHOLA
CHERA
PANDYA
KERALAPUTRA
THE INDUS

کی اور خود جہلم واپس آیا فوج کا ایک حصہ افغانستان کے راستے اور ایک دریا اور سمندر کے راستے واپس کیا اور خود فوج کا ایک حصہ لے کر پنجاب سے سندھ کو روانہ ہوا۔ راستے میں کئی جنگلی قوموں اور قبیلوں کا سامنا ہوا انہیں معرکوں میں اُسے کاری گھاؤ لگے بالآخر سکندر سمندر کے کنارے پاٹلہ پہنچا اور یہاں سے کچھ فوج کو سمندر کے راستے وداع کیا اور خود بلوچستان اور ایران کے بری راستے سے کرمانیہ پہنچا اور ۳۲۳ ق۔م میں بغداد کے قریب پہنچ کر صرف ۳۲ سال کی عمر میں عین جوانی میں ملک عدم کو سدھارا۔

حملے کے اثرات

سکندر ہندوستان میں ایک آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح لوٹ گیا اس تھوڑے سے عرصے میں بھی وہ جنگ وجدل میں لگا رہا اُسے مفتوحہ علاقوں میں اپنی عملداری اور انتظام سلطنت قایم کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی اُس کی سلطنت تتر بتر ہو گئی۔ اس لئے اس حملہ کے ہندوستان کی تاریخ اور لوگوں کی زندگی پر بلا واسطہ اثرات نہ پڑ سکے۔ یونانی تسلط کے ختم ہوتے ہی موریہ سلطنت نے سکندر کے حملے کے بچے کھچے نشان بھی مٹا دئے اور یونانی اثر جو کچھ تھا وہ بھی مٹی میں مل گیا۔

البتہ بالواسطہ طور پر اس حملے کے مندرجہ ذیل اثرات قابل غور ہیں :۔

۱۔ سکندر اعظم کے ہندوستان پر حملہ کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان اور مغربی ملکوں میں جو دیوار سی حائل تھی وہ گر پڑی۔ تین بری اور ایک بحری راستہ معلوم ہو گیا اور آپسی میل جول اور تجارت کے وسیلے نکل آئے :

۲۔ کئی یونانی قبیلے ہندوستان کی شمالی اور مغربی سرحدوں پر آباد ہو گئے جنہوں نے بعد میں شمالی ہندوستان میں باختری پارتھین۔ سیتھین یوں حکومتیں قایم کیں :

۳ سکندر اعظم کی فوج کشی سے شمالی ہند کی ریاستیں اور قبائلی راجواڑے برباد ہو گئے اور موریہ سلطنت کے لئے ان سب علاقوں کو ایک لڑی میں پرونے اور ملک کو متحد کرنے کی راہ صاف ہو گئی۔

۴۔ سکندر اعظم کے حملے سے ہندوستانی تاریخ کے واقعات کا صحیح زمانہ متعین کرنے میں مورخوں کو بڑی مدد ملی کیونکہ یونانی تاریخوں میں سکندر کے ہندوستان آنے اور اُس زمانے کا تفصیلی تاریخی حال ملتا ہے

۵۔ یونانیوں نے ہندوستانی علوم اور مذہب اور فلسفہ سے اور ہندوستانیوں نے یونانی سکہ سازی۔ مجسمہ سازی۔ فن تعمیر اور جوتش سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ ہندوستان میں گندھاری آرٹ یعنی مجسمہ سازی اور فن تعمیر پر یونانی اثر بڑا نمایاں ہے۔ ہندوستان میں مورتی پوجا کی ہر دل عزیزی بھی یونانیوں سے منسوب کی جاتی ہے

EXERCISE

1. Briefly describe the relations of India and Iran during the ancient times.
2. Describe the political condition of India on the eve of Alexander's invasion. *(K.U. 1955, P.U. 1946)*
3. Give a brief account of Alexander's invasion and state its effects. *(P.U. 1946)*

۴۰

باب پنجم

موریہ سلطنت کا قیام

اور

ملکی اتحاد کی کوششیں

ہندوستان کی تاریخ کی ابتداء بہار میں سلطنت مگدھ کے عروج سے ہوتی ہے۔ ساتویں صدی ق-م میں ہندوستان کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں بعض قبائیلی جمہوری راج اور بعض مطلق العنان راجاؤں کے ماتحت تھیں۔ ان میں چار ریاستیں زیادہ مشہور اور اہم ہیں مگدھ۔ کوشل وتس اور اونتی۔ مگر بالآخر مگدھ نے سب پر غلبہ پا لیا۔ مگدھ کا پہلا مشہور راجہ بمبی سار تھا۔ اس نے آس پاس کے بڑے بڑے راجاؤں سے، رشتہ داریاں کرکے اپنا اثر و رسوخ بڑی حد تک بڑھا لیا اور کئی علاقے فتح کرکے راج گرلیہ میں راجدھانی قایم کرلی۔ کچھ عرصہ بعد اُس کے بیٹے اجات شترو نے اپنے باپ کو قید کر لیا اور اُسے فاقے رکھ رکھ کر مار دیا اور خود مگدھ کا راجہ بن بیٹھا۔ گوتم بدھ اور مہابیر اسی زمانے میں ہو گذرے ہیں۔

اجات شترو نے کوشل کے راجہ پرسین جیت کی راجکماری سے بیاہ کیا اور مدتوں آس پاس کے علاقوں میں جنگیں لڑتا رہا اور بہت سے علاقے اور [illegible] فتح کر لیا۔ اجات شترو کے بیٹے [illegible]

نے پاٹلی پتر کا شہر لیسا یا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے جانشین بڑے نکمے اور کمزور نکلے۔ آخر ایک صوبیدار نند وردھن ششو ناگ کے حکومت کا تختہ اُلٹ دیا اور خود راجہ بن بیٹھا اس کے بیٹے کال اشوک نے دوسری بودھ مجلس بلائی اور بودھ دھرم کے مسائل حل کئے۔ آخر مہا پدم نند نے اس خاندان کو تباہ کر کے راج سنبھالا یہ ذات کا نائی تھا مگر بڑا بہادر اور نامور فاتح تھا اس نے کوشل اور اونتی کے علاقے فتح کر کے پنجاب و سندھ تک یلغار کی اور سارے شمالی ہند میں مگدھ سلطنت کے جھنڈے گاڑ دئے۔ اس راجہ کے بعد اس کے آٹھ بیٹے ایک دوسرے کے بعد تخت پر بیٹھے بالآخر دھنا نند کے عہد میں اس کے سالار افواج چندر گپت موریا نے پنجاب کے لوگوں اور چانکیہ برہمن کی مدد سے ۳۲۲ ق۔ م میں دھنا نند پر فتح پائی اور مگدھ میں سلطنت موریا کی داغ بیل ڈالی۔

چندر گپت موریا (۳۲۲ - ۲۹۷ ق۔م)

چندر گپت موریا ہندوستان کا پہلا تاریخی شہنشاہ ہے اس کے عہد حکومت سے ہی ہندوستان کی باقاعدہ تاریخ شروع ہوتی ہے اور مختلف ماخذوں کی وجہ سے اندھیرے کی بجائے مورخ روشنی میں آتا ہے اور ہر چیز کو صاف طور پر دیکھنے لگتا ہے چندر گپت موریا ہی تو ہیرو ہے جس نے ملک کو یونانی غلامی سے نجات دلا کر آزاد اور خود مختار حکومت کی بنیاد ڈالی اور سارے شمالی ہند کو متحد کر کے نام پیدا کیا۔ چندر گپت کی ابتدائی زندگی کے حالات تو نہیں ملتے البتہ بعد کے حالات ان ماخذوں (Sources) سے معلوم ہوتے ہیں:-

۱- یونانی مورخوں نے چندر گپت کا ذکر کیا ہے انہوں نے یہ تفصیل میگاستھینز کی تصنیف انڈیکا (Indica) سے حاصل کی تھی میگاستھینز سلیوکس نامی یونانی بادشاہ کا سفیر تھا اور چندر گپت موریا کے دربار

میں برسوں رہ چکا تھا یہ کتاب تو ضائع ہو چکی ہے مگر اسی کے حوالے
یونانی تاریخوں میں ملتے ہیں ان حوالوں سے موریا نظام حکومت۔
لوگوں کی سماجی اور معاشرتی حالت اور ملکی کیفیت کا پورا حال
ملتا ہے۔

۲۔ ارتھ شاستر۔ اس کا مصنف چندر گپت موریا کا وزیر چانکیہ۔
کوٹلیہ یا وشنو گپت نامی برہمن سمجھا جاتا ہے اگرچہ کئی عالموں کو اس
میں شک ہے۔ اس کتاب میں راج نیتی کے اصول اور حکومت کرنے کے
طریقوں کا بیان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بہت سے طریقے اور اصول
موریا زمانہ میں رائج ہوں۔ اپنے مضمون پر ہندوستان کی یہ سب سے
پہلی کتاب ہے اور اس لحاظ سے بہت اہم ہے۔

۳۔ مذہبی ادب۔ بودھ اور جین دھرم کے مذہبی ادب سے ہمیں
اُس زمانے کے بہت حالات ملتے ہیں چندر گپت جین دھرم کا اور اشوک
بودھ دھرم کا سرپرست تھا۔ اس لئے مذہبی ادب میں اُن کا ذکر ملتا ہے

۴۔ مدرا راکھشس۔ سنسکرت زبان کا یہ ناٹک آٹھویں صدی عیسوی
میں وشاکھ دت نے لکھا تھا اس میں چندر گپت موریا کے شمالی ہند کو
فتح کرنے کا قصہ بیان ہے۔

۵۔ چندر گپت کے بعد اشوک کے عہد کے واقعات پر اس کے کتبوں
لاٹھوں اور پرانی عمارتوں کے کھنڈروں سے بہت روشنی پڑتی ہے۔

کہتے ہیں کہ چندر گپت موریا نند شاہی خاندان سے تھا لیکن اُس
کی ماں ذات کی شودر تھی اُس کا نام مورا تھا اسی لئے چندر گپت کے
خاندان کو موریا کہتے ہیں لیکن اُس زمانے میں موریا کھشتریوں کی بھی
ایک ذات پائی جاتی ہے۔ چندر گپت مگدھ سلطنت کا ایک سردار
اور فوج کا سپہ سالار تھا مگدھ کے راجہ دھنا نند کی اس سے ان بن
ہو گئی اور وہ چانکیہ برہمن کے ساتھ مل گیا جو پہلے ہی دھنا نند کا
سخت مخالف ہو چکا تھا۔ چندر گپت نے دھنا نند کو تخت سے اُتارنا
چاہا۔ مگر کامیاب نہ ہوا اور بھاگ کر سکندر اعظم کے لشکر میں آ ملا۔
سکندر نے [illegible] کیا بالآخر سکندر کی واپسی پر چندر گپت

اور چانکیہ نے پنجاب اور پہاڑی سرداروں کی مدد سے اس پر دھاوا بول دیا۔ راجہ دھنانند شکست کھا کر مارا گیا اور چندر گپت نے مگدھ کا راج سنبھالا۔

چندر گپت بڑا جیالا سپاہی اور نڈر جرنیل تھا جفاکشی اور بہادری اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی راج سنبھالتے ہی اُس نے مغربی علاقے فتح کرنے شروع کر دئے اور مالوہ گجرات اور سندھ اپنی سلطنت میں شامل کر لئے۔

سکندر کے مرنے کے بعد اُس کی مشرقی سلطنت پر اس کا صوبیدار سلیوکس قابض ہو گیا تھا اور افغانستان کا کافی علاقہ ابھی تک اُسی کے ماتحت تھا سلیوکس چاہتا تھا کہ وہ شمالی ہند میں پنجاب پر پھر قبضہ کرے۔ ادھر چندر گپت بھی دشمن کے ارادوں سے بے خبر نہ تھا۔ آخر دونوں کا مقابلہ ہوا لیکن خوش قسمتی سے میدان چندر گپت کے ہاتھ رہا۔ سلیوکس نے صلح کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا چندر گپت نے سلیوکس کو پانچ سو ہاتھی تحفہ کے طور پر دئے۔ سلیوکس نے کابل۔ قندھار، ہرات گوڈ ریشیا (بلوچستان) چندر گپت کے حوالے کر کے اپنی بیٹی بھی اُسے بیاہ دی۔ اسی یونانی بادشاہ نے بعد میں میگستھینز کو اپنا سفیر بنا کر چندر گپت کے دربار میں بھیجا۔

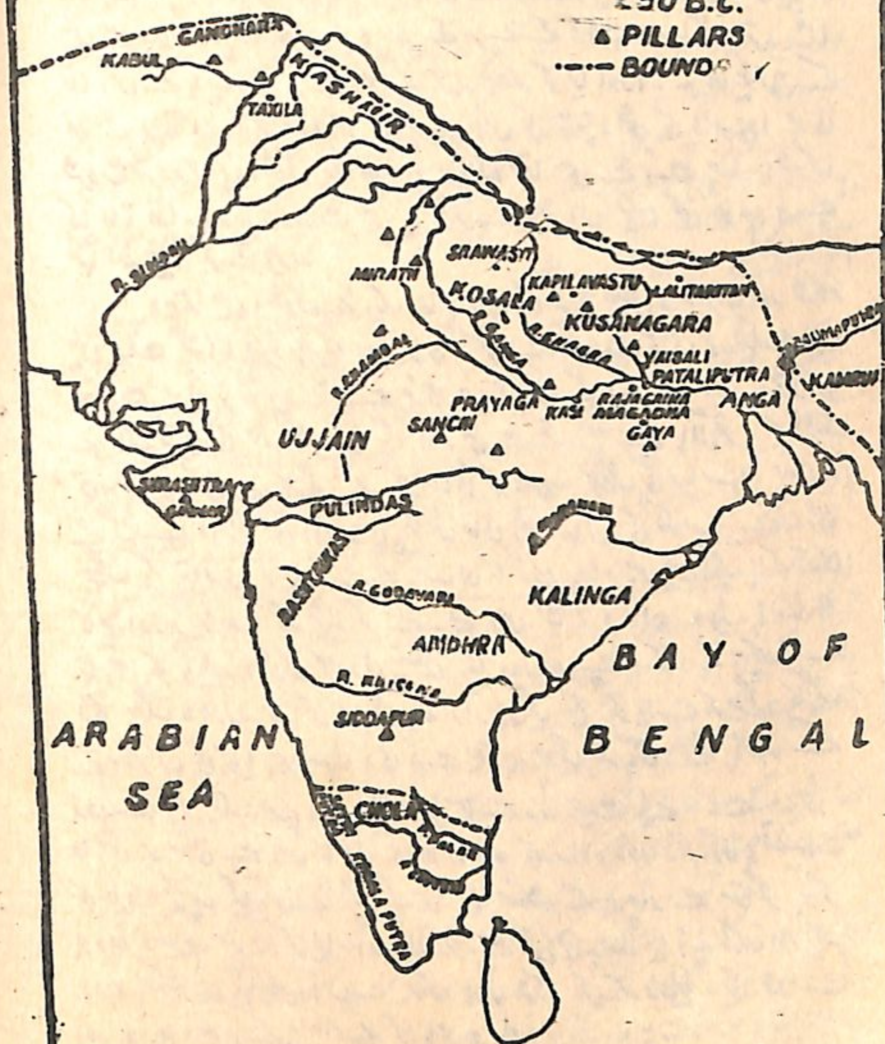
آخر ۲۹۷ ؁ء میں چندر گپت نے راج دربار کو لات ماردی اور جینی درویشوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا کچھ عرصہ کے بعد اُس نے جینی عقیدہ کے مطابق فاقہ کشی کر کے جان دے دی۔

چندر گپت کے بعد اس کا بیٹا بندوسار تخت پر بیٹھا اس کے عہد کے واقعات کا پورا پتہ نہیں چلتا۔ روایت ہے اُس نے موریا سلطنت کی حدود آندھرا دیس تک وسیع کیں اور اپنے ہمعصر مصری اور شامی بادشاہوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے بالآخر ۲۵ سال راج کر کے ۲۷۳ ؁ء ق م میں اس دُنیا سے کوچ کر گیا اور بودھ روایات کے مطابق اپنے پیچھے ۹۹ بیٹے چھوڑ گیا جن میں اشوک سب سے نامور تھا۔

اشوک اعظم

اشوک کا شمار ہندوستان کے سب سے بڑے بادشاہوں میں ہوتا ہے کہتے ہیں کہ اُس کے ننانوے بھائی تھے وہ سب سے بڑا نہ تھا۔ شہزادگی کے زمانے میں وہ اجین ٹیکسلا میں صوبیدار رہ چکا تھا۔ بندوسار کے مرنے کے وقت وہ پاٹلی پتر میں تھا اُس نے باپ کے مرتے ہی تخت پر قبضہ کر لیا اور ۔۔۔ بھائیوں کے خلاف لڑتا رہا آخر ۲۶۹ھ ق۔م میں اُس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوئی شروع شروع میں اشوک بڑا ظالم و سفاک تھا اسی لئے اُسے چنڈ اشوک کہا جاتا تھا۔ بودھ روایات میں یہ تذکرے ملتے ہیں لیکن کئی عالم اسے مبالغہ خیال کرتے ہیں۔

ابتدا میں اشوک نے ایک عام راجہ کی طرح عیش و عشرت اور شکار میں وقت گنوانا شروع کیا اور بڑی سختی سے حکومت کرتا رہا۔ ٹیکسلا میں بغاوت ہوئی تو اُس نے اسے بُری طرح کچل کے رکھ دیا۔ اب اشوک نے ملک گیری کی مہم شروع کی اور کئی علاقے فتح کئے بالآخر ۲۶۱ھ ق۔م میں اُس نے کلنگ پر چڑھائی کر دی۔ کلنگ کی ریاست سمندر کے کنارے واقع تھی اور بڑی خوش حال تھی یہاں کی حکومت نے بھی جنگ کی تیاری کر لی۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا جس میں ایک لاکھ آدمی کام آئے اور ڈیڑھ لاکھ قید کر لئے گئے اس کشت و خون اور انسانی تباہی کو دیکھ اشوک کا دل پگھل گیا اور وہ اپنے کئے پر پچھتانے لگا جنگ و جدل سے اُس کا دل بیزار ہو گیا سچ تو یہ ہے کہ جنگ کلنگ نے اشوک کی کایا ہی پلٹ دی اُسے یقین ہو گیا کہ سچی فتح تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دھرم اور فرض شناسی سے دل جیت لینے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اس کا دل بودھ دھرم کی سادہ اور رحم دلانہ تعلیمات کی طرف کھنچتا گیا اُس نے اُپ گپت نامی بھکشو کے پرچار سے متاثر ہو کر بودھ دھرم قبول کر لیا۔ اور بالآخر پہلے گرہستی چیلا یا اُپاسک اور پھر بودھ بھکشو بن گیا اب اُس نے جنگ جدل ترک کرکے رعایا کی خدمت اور بودھ دھرم کے پرچار پر کمر باندھ لی۔



ASHOKA EMPIRE
50 B.C.
PILLARS
BOUND
GANDHARA
KABUL
TAXILA
KASHMIR
R. SINDHU
SRAWASTI
MIRATH
KOSALA
KAPILAVASTU
KUSANAGARA
R. GANGA
VAISALI
PATALIPUTRA
KAMRU
PRAYAGA
KASI
RAJAGAHA
MAGADHA
ANGA
GAYA
SANCHI
UJJAIN
R. CHAMBAL
SURASHTRA
PULINDAS
R. GODAVARI
KALINGA
ANDHRA
R. KRISHNA
SIDDAPUR
BAY OF BENGAL
ARABIAN SEA
CHOLA
KERALA PUTRA

رعایا کی حفاظت اور انسانی ہمدردی کے لئے اشوک نے کئی نیک کام کئے چنانچہ اُس نے اعلان کیا کہ وہ رعایا کو اپنے بچوں کی طرح عزیز سمجھتا ہے اور اس کے افسروں کا سب سے بڑا فرض رعایا کی بہبودی اور ملک کی خوشحالی کے لئے کام کرنا ہے اُس نے رعایا کی خبر گیری کے لئے خبر رسانی کے لئے خاص ہدائتیں دے رکھی تھیں اور کبھی اُن کے دکھ سکھ سے غافل نہ رہتا تھا اس طرح بحیثیت بادشاہ کے وہ بڑا فرض شناس اور رعایا کا سچا خیر خواہ تھا اُس نے ملک کو چار بڑے صوبوں میں بانٹ رکھا تھا شمالی صوبہ اُتر پتھ تھا اس کا صدر مقام ٹیکسلا تھا وسط ہند میں اوانتی کا صوبہ تھا اس کی راجدھانی اُجین میں تھی جنوبی صوبہ دکشن پتھ کہلاتا تھا اس کی راجدھانی سورن گری تھی۔ مشرقی ساحل پر کالنگ کے صوبے کی راجدھانی توشالی میں تھی یہ سب صوبے صوبائی گورنروں کے ماتحت تھے جو عموماً شاہی خاندان کے ہوتے تھے مرکزی صوبہ پراچے کہلاتا تھا اور راجدھانی پاٹلی پتر میں تھی اشوک چاہتا تھا کہ اُس کی سلطنت میں ہر طرف سکھ شانتی اور پرہیزگاری کا دور دورہ رہے اس کے لئے اُس نے رعایا کی دنیاوی بہتری کے مہاماتر اور اخلاقی اصلاح کے لئے دھرم مہاماتر مقرر کر رکھے۔

اشوک نے رفاہ عامہ کے لئے ملک میں سڑکوں کا جال بچھا رکھا اور مسافروں کے آرام کے لئے سڑکوں کے دو رویہ سایہ دار اور پھل دار درخت اور جا بجا مسافر خانے اور کنوئیں تعمیر کروائے تھے۔ اس سے لوگوں کو سفر کا آرام اور تجارت کی سہولتیں میسر ہوتی تھیں اُس نے دواؤں کے کام آنے والی جڑی بوٹیوں کی کاشت اور بیماروں میں ان کی تقسیم کے انتظام کئے اور انسانوں اور حیوانوں کے علاج کے لئے شفاخانے قائم کئے۔ اور انصاف کے لئے عدالتیں قائم کیں۔

اشوک نے ہمسایہ ملکوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور شام کے بادشاہ اینٹی اوکس مصر کے بادشاہ بطلیموس فلاڈلفس۔ اور یونانی ریاستوں کے حکمران اینٹی گونس والئے مقدونیہ میگس اگئے سیرس اور

الگزینڈر دائے ابپمنڈرس کے دربار میں اپنے سفیر بھیجے۔

بودھ دھرم کی اشاعت

اشوک نے بُدھ کی اخلاقی تعلیم کی اشاعت کے لئے ہدائیتیں جاری کیں اور انہیں جا بجا چٹانوں اور لاٹھوں پر کندہ کرایا انہیں "اشوک کا دھرم" یا قانون پرہیزگاری (LAW OF PIETY) بھی کہا جاتا ہے ان ہدایات کے خاص اصول یہ تھے :-

۱۔ سَنیَم یعنی ضبط نفس یا اپنے پر قابو رکھنا۔
۲۔ بھاؤ شُدھی یعنی خیالات کو پاکیزہ رکھنا۔
۳ کرتو گیت یعنی بڑوں کی شکر گذاری۔
۴۔ درڑھ بھگتی یعنی ایمان کی پختگی۔
۵۔ دان یا خیرات کرنا
۶۔ دِیا یعنی رحم کرنا۔
۷۔ سَتیہ یعنی سچائی۔
۸۔ مُودُ یعنی رواداری برتنا۔
۹۔ اَہنسا یعنی کسی جاندار کو کسی قسم کا دکھ نہ پہنچانا۔

اِن اصولوں کے مدنظر اشوک نے شکار کھیلنا گوشت کھانا ترک کر دیا جانور کو مارنے کی ممانعت کر دی وہ خود بودھ دھرم کا پیرو تھا لیکن غیر بودھوں سے نفرت نہ کرتا تھا اور اُن کی فیاضانہ امداد کرتا رہتا تھا۔

اشوک نے بودھ دھرم کے پرچار کی خاطر دھرم یاترا شروع کی اور بودھی گیا۔ سارناتھ۔ لُمبنی باغ۔ کپل وستو اور کوشی نگر کی زیارت کی اور یہاں خانقاہیں تعمیر کروائیں۔ یہ تیرتھ بودھ مت کے پرچار کے مرکز بن گئے۔

اُس نے ملک میں جا بجا دھرم مہاماتر مقرر کئے جو لوگوں میں بودھ دھرم کے اصولوں کا پرچار کرتے تھے اور دوسرے افسروں کو بھی دھرم پرچار کی ہدایت کی۔

بیرون ہند میں بودھ دھرم کی اشاعت کے لئے اشوک نے شام مصر۔ یونان۔ تامل ناڈو۔ لنکا۔ برما اور جزائر شرق الہند میں مشن روانہ کئے اُس کا بیٹا مہندر اور بیٹی سنگھ مترا خود لنکا گئے اور وہاں کے راجا اور پرجا بودھ دھرم کی شرن میں آ گئے۔

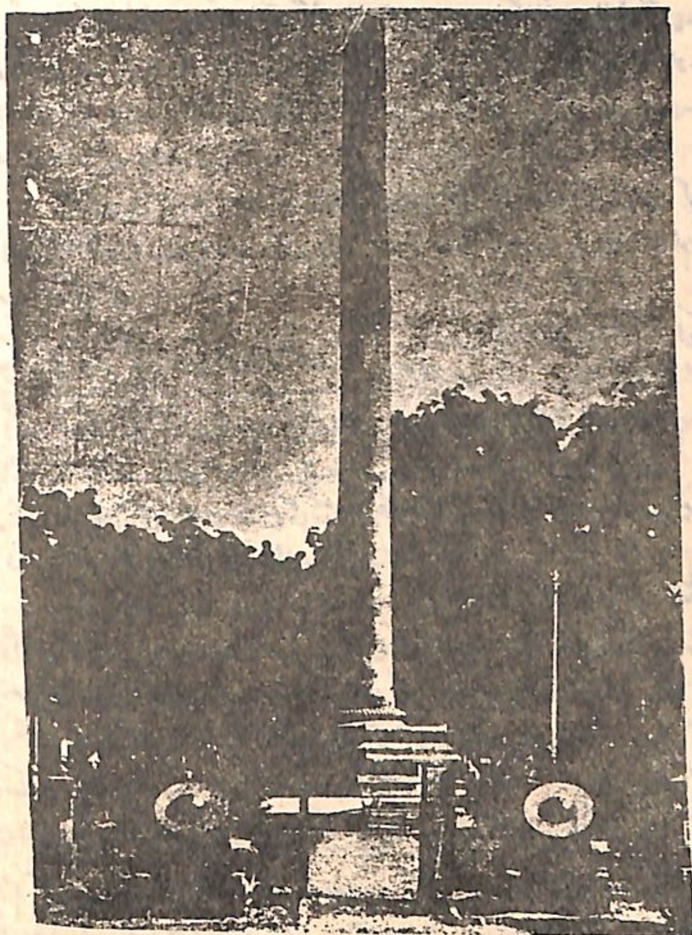
اشوک نے اپنے عہد کے آخر میں تیسری بودھ کونسل بلائی جس کے جلسے بھکشو تسا کی صدارت میں ۲۴۶ - ۲۴۵ ق۔م میں پاٹلی پتر میں ہوتے رہے اس میں بودھ دھرم کے اخلاقی مسئلوں کے حل نکالے گئے اور ان سے دھرم پرچار میں بڑی مدد ملی۔

اشوک نے بودھ دھرم کو شاہی مذہب بنایا اور اُس کے ذاتی کردار اثر اور کوششوں سے بودھ دھرم ایک ہندوستانی مذہب سے عالم گیر مذہب بن گیا ؏

اشوک کا تاریخی مقام اور عظمت

دنیا کے بادشاہوں میں اشوک ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح سب سے الگ تھلگ نظر آتا ہے اور ایشیا بھر میں اُس کا نام مذہبی احترام سے لیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اُس کے مذہب کے نام لیوا آٹے میں نمک کے برابر ہیں مگر پھر بھی ہندوستان کی آزاد حکومت نے اُسی کی لاٹھ کے شیروں اور دھرم چکر کو اپنا قومی نشان بنایا ہے۔

اشوک ایک نیک اور پارسا انسان۔ مدبر حکمران۔ رعایا کا رفیق۔ مذہبی رواداری کا مجسمہ اور بودھ دھرم کے محسن کی حیثیت سے تاریخ میں نہایت بلند مقام کا مالک ہے ہندوستان کو متحد کرنے۔ قدیم زمانے میں کشمیر سے میسور تک اور پشاور سے بنگال تک ملک کو ایک لڑی میں پرونے کا سہرا اُسی کے سر ہے۔ اُس کے عہد میں لگ بھگ سارے ہندوستان میں ایک ہی زبان اور ایک ہی رسم الخط جاری تھا اور لوگ ایک ہی اور سانجھی تہذیب کا دم بھرتے تھے ملکی اتحاد۔ تمدنی اور یک جہتی کے لئے اس کی یہ کوشش رہتی دنیا تک یاد رہیں گی اور ہندوستان اپنے مایہ ناز سپوت پر بجا طور فخر کرتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اشوک کو اشوک اعظم کہا جاتا ہے



موریا نظام سلطنت
Mauryan Administration.

میگستھنیز کی کتاب انڈیکا اور چانکیہ کے ارتھ شاستر سے ہمیں موریا نظام حکومت کے متعلق بڑی عمدہ شہادتیں ملتی ہیں اُن کے بیان کے مطابق موریا سلطنت کا مہاراجہ ملک کا خود مختار اور مطلق العنان حاکم تھا ملک کے قانون اور طرز حکومت اُس کی ذاتی مرضی پر منحصر تھے۔ مہاراجہ بڑی شان و شوکت سے رہتا تھا اور سونے کی پالکی میں بیٹھ کر نکلتا تھا اُس کے آس پاس عورتوں کا حفاظتی دستہ رہتا تھا جو عموماً دوسرے ملکوں کی رہنے والی ہوتی تھیں۔ بادشاہ کا محل بڑا شاندار ہوتا تھا۔ بادشاہ کو ہر وقت جان کا خطرہ لاحق رہتا تھا اس لئے وہ محل کے ایک کمرے میں ایک رات سے زیادہ نہ سوتا تھا۔ بادشاہ انصاف کرنے والا سب سے بڑا حاکم اور میدان جنگ میں اپنی فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔

ملک کا انتظام کرنے میں چانکیہ برہمن وزیر اعظم کے طور پر بادشاہ کی مدد کرتا ہے اس کے علاوہ اور وزیر بھی تھے جو وزراء کی کونسل یا منتری پریشد کے رکن ہوتے تھے۔ مالیات اور امور داخلہ کا وزیر سماہرتری۔ تعمیرات کا وزیر سنی دھاتری۔ ڈیوڑھی کا وزیر دوارک اور وزیر جنگ سینا پتی کہلاتے تھے۔ محکموں کے ناظم اور بڑے افسر ادھیکش اور اماتیہ کہلاتے تھے ان کے علاوہ منشیوں اور محرروں کا عملہ بھی ہوتا تھا۔

سلطنت مختلف صوبوں میں بٹی ہوئی تھی جن کے صوبیدار یا حاکم اعلیٰ کمار کہلاتے تھے چھوٹے علاقوں کے سربراہ راشٹری اور قلعوں کے کماندار درگ پال کہلاتے تھے صوبوں کو جن پد کہتے تھے ہر جن پد میں کئی گن یا ضلع اور ہر گن میں کئی گرام یا گاؤں ہوتے تھے ضلعوں کے حاکم استھانک اور گوپ اور گاؤں کے نمبردار گرامنی کہلاتے تھے ہر گاؤں میں پنچایت ہوتی تھی جو گاؤں کا انتظام چلاتی تھی۔

انصاف کرنے کے لئے جا بجا عدالتیں تھیں سب سے بڑی عدالت

مہاراجہ کی تھی انصاف کا طریقہ نہایت سادہ تھا جرموں کی کڑی سزا میں دی جاتی تھیں کئی جرموں کی پاداش میں جرمانے اور کئی جرموں کی سزا کے طور پر ہاتھ پیر کاٹ دیئے جاتے تھے جس کی وجہ سے ملک میں ہر طرف امن و امان تھا اور چوری چکاری کا کھٹکا نہ تھا۔

ملک کی حفاظت کے لئے ایک منظم اور اعلیٰ درجہ کی فوج تھی جس میں ساٹھ ہزار پیدل اور تیس ہزار سوار سپاہی۔ نو ہزار ہاتھی اور آٹھ ہزار رتھ تھے اس کے علاوہ ٹرانسپورٹ اور سپلائی کا عملہ الگ تھا۔ فوج کا انتظام تیس ممبروں کی ایک مجلس کے سپرد تھا۔ میدان جنگ میں زخمیوں کی دیکھ بھال اور طبی امداد کا بھی انتظام تھا۔

سلطنت کے آمدنی کے ذریعے معقول تھے زرعی پیداوار کا ایک چوتھائی لگان کے طور پر وصول کیا جاتا تھا۔ سڑکوں۔ جنگلوں۔ کانوں اور پالتو جانوروں پر ٹیکس عاید تھے۔ سرکاری نہروں سے آبپاشی پر آبیانہ بھی لیا جاتا۔ اس کے علاوہ تجارتی مال پر چونگی وصول کی جاتی تھی۔

حکومت کو ملکی حالات سے باخبر رکھنے کے لئے جاسوس مقرر تھے جن میں عورتیں بھی ہوتی تھیں اس سے حکومت کو سازشوں کا پتہ چلانے اور لوگوں کی مشکلات معلوم کرکے انہیں حل کرنے میں بڑی مدد ملتی تھی اور باغیوں کو سر اٹھانے کا موقعہ نہ ملتا تھا۔

موریا سلطنت کا سب سے شاندار کارنامہ شہری انتظام ہے جو سلطنت کی راجدھانی پاٹلی پتر کے میونسپل یا شہری انتظام کے ہونے پر قایم تھا۔

پاٹلی پتر کا شہری انتظام
Municipal administration

پاٹلی پتر کا شہر دریائے گنگا اور سون کے سنگم پر موجودہ پٹنہ (بہار) کے قریب واقعہ تھا یہ شہر ساڑھے نو میل لمبا اور ڈیڑھ میل چوڑا تھا شہر کے گرداگرد ایک فصیل تھی جس میں ۶۴ دروازے اور ۵۷۰ برج تھے فصیل کے باہر چھ سو فٹ چوڑی اور ساٹھ فٹ گہری خندق تھی جو دریا

کے پانی سے بھری رہتی تھی۔

شہر کا حاکم ناگرک کہلاتا تھا۔ شہر کا انتظام ایک میونسپل کمیٹی نگرپالکا یا مجلس بلدیہ کے سپرد تھا جس کے چھ بورڈ تھے ہر بورڈ کے پانچ ممبر تھے جو اپنے اپنے محکموں اور مجموعی طور سارے شہری انتظام کے ذمہ دار تھے ان بورڈوں کے فرائض یہ تھے :-

۱۔ تجارت اور صنعت و حرفت دیکھ بھال کرنا اور مزدوری اور کام اور مصنوعات کے معیار کی دیکھ ریکھ رکھنا۔

۲۔ غیر ملکی باشندوں اور اجنبیوں کی حفاظت کرنا۔

۳۔ اموات و پیدائش کے اندراج کرنا۔

۴۔ بازار خرید و فروخت اور ماپ پیمانوں کی جانچ پڑتال کرنا۔ اور تاجروں کو لائیسنس دینا۔

۵۔ مال کی تیاری میں ملاوٹ اور دھوکہ دہی کی روک تھام کرنا۔ اور

۶۔ شہر میں فروخت ہونے والے مال پر چونگی محصول وصول کرنا۔

اس کے علاوہ مجموعی طور پر سڑکوں۔ بازاروں۔ عبادت خانوں۔ مدرسوں اور شفا خانوں اور صحت و صفائی کا انتظام بھی اسی مجلس کے سپرد تھا۔

سماجی حالت میگستھینز کی روائت ہے کہ اس زمانے کی سوسائٹی میں یہ سات بڑی ذاتیں تھیں :-

۱۔ فلاسفر یعنی بڑے تعلیم یافتہ اور عقلمند لوگ۔ بادشاہ انہیں بڑی ذمہ داری کے عہدے سونپتا تھا۔

۲۔ کسان جو کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔

۳۔ گلہ بان اور شکاری

۴۔ تاجر اور کاریگر جو تجارت و صنعت سے روزی کماتے تھے۔

۵۔ فوجی سپاہی

۶۔ سرکاری ملازم اور اہلکار

۷۔ شاہی مشیر اور صلاح کار۔

لوگوں میں عام طور پر اخلاق کا معیار بہت بلند تھا۔ شراب نوشی۔ چوری چکاری اور غلامی کا رواج نہ تھا لوگ گھروں کو تالے نہ لگاتے تھے۔ معاہدے زبانی ہوتے تھے اور جھوٹی شہادت کوئی نہ دیتا تھا۔ ایک سے زیادہ بیویوں سے شادی کرنے کا رواج تھا۔ لوگ اونی اور سوتی کپڑے پہنتے تھے اور شکر سازی کی صنعت سے آشنا تھے سونے چاندی کے زیوروں اور قیمتی کپڑوں کے شوقین تھے۔ سجے ہوئے ہاتھی گھوڑوں کے استعمال کا رواج تھا فن تعمیر اور علم و ہنر میں لوگ بڑے طاق تھے۔

موریا خاندان کا زوال

اشوک کے بعد موریا سلطنت کو زوال آگیا اس کی خاص وجوہات یہ تھیں :-

۱۔ اشوک نے مذہبی کاموں پر اس قدر توجہ دی کہ اس کے جانشینوں کے زمانے میں انتظام سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔

۲۔ اشوک کے اہنسا کے اصول سے سپاہ گری اور فوجی سپرٹ جاتی رہی اور سلطنت بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں کی تاب لانے کے قابل نہ رہی۔

۳ اشوک کی بودھ دھرم کی سرپرستی سے برہمن اس کے خلاف ہو گئے اور اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی انہوں نے بودھ سرداری کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔

۴۔ اشوک کے جانشین بڑے نکمے اور کمزور نکلے اور اتنی بڑی سلطنت کو سنبھال نہ سکے۔

۵۔ باختری یونانیوں اور پارتھین حملوں اور آندھرا عروج نے موریا حکومت کی رہی سہی ساکھ بھی مٹی میں ملادی اور ۱۳۷ برس کی حکومت کے بعد موریا خاندان کو زوال آگیا ؛

ٹائم چارٹ سلطنت موریا

واقعہ	سنہ
چندر گپت موریا کی جانشینی	۳۲۲ - ق - م
سلیوکس کی شکست	۳۰۵ ق - م
اشوک کی جانشینی	۲۷۳ ق - م
فتح کالنگ	۲۶۱ ق - م
اشوک کی وفات اور موریا خاندان کا زوال	۲۳۲ ق - م
آندھرا کا عروج	۲۰۰ ق - م
برہدرتھ آخری موریا حکمران کا قتل	۱۸۵ ق - م

پیمانہ دس سال = ۱۰ سم

XERCISE

1. Give a short history of the reign of Chandra Gupta Maury-
   (K.U. 1953)

   OR

   What do you know about the efforts of Chandra Gupta Murya for the unification of India ?
2. Mention the principal events of the reign of Ashoka Maurya.
   (K.U. 1952)
3. What did Ashoka do for the spread of Buddhism in and outside India.
   (K.U. 1957)
4. What does Megasthenese tell us about the administration and social life during Chandra Gupta Maurya's reign ?
   (K.U. 1956)
5. What were the most important causes of the downfall of the Mauryan Empire ?

باب ششم

کنشک اور اُس کے زمانے
میں
بودھ دھرم میں تغیر و تبدل

موریا خاندان کے زوال کے بعد شمالی ہند میں طوائف الملوکی یا ہر گھر راج کی وبا پھیل گئی۔ برہمنوں کی بغاوت اور باختری۔ ستھین۔ پارتھین قوموں کے حملوں سے ملک پامال ہو گیا۔ یہ یون حکومت (GREEK RULE.) کا زمانہ بھی کہلاتا ہے۔ شروع شروع میں برہمنوں نے شنگ راجہ پشیہ مِتر کی سرکردگی تحت ۱۸۴ ق م میں ایک برہمنی حکومت کی بنا ڈالی اس خاندان کے دس راجے حکومت کرتے رہے اس کے بعد اس خاندان کے آخری راجہ دیو بھوت کو اسی کے برہمن وزیر واسدیو کنو نے قتل کر کے تخت سنبھالا۔ لیکن ۲۸ ق۔م تک اس خاندان کا ستواہنوں نے خاتمہ کر دیا۔ مشرقی علاقوں میں چید خاندان راج کرتا تھا جو ستواہنوں سے برسرپیکار رہتا تھا۔ ستواہن برہمن تھے اور برہمنی مذہب کے زبردست شیدائی تھے۔ اس خاندان کا مشہور راجہ ستکرنی پشیہ مترکا ہمعصر تھا اس خاندان کے راجے مغربی دکن اور مشرقی مالوہ کے علاقوں پر راج کرتے تھے۔

شمال مغربی ہند میں انہی دنوں یون باختری راجاؤں نے اپنی حکومتوں کی بنیاد ڈالی اور یوتھیڈیماس اور یوکریٹائیڈیز کے خاندان راج کرتے رہے۔ آخر الذکر کی راجدھانی سیالکوٹ میں تھی اس نے کابل کی وادی اور

کر دیا۔ شک یا ستھین وسط ایشیا کے رہنے والے تھے انہوں نے یونانی
یا یونی حکومتوں سے ٹکر لی اور آخر وادی سندھ۔ مغربی پنجاب اور کاٹھیاواڑ
سے متھرا تک چھا گئے۔ انہوں نے ایران کے پہلوی شہنشاہوں کی اطاعت
قبول کر لی اور اُن کے صوبیداروں کی طرح حکومت کرتے رہے ان کا بانی
راجہ موگ تھا جس نے یون بادشاہوں کو نیچا دکھایا۔ اس کے خاندان کا
مشہور حکمران گونڈوفرنیس سنہ ۱۹ء سے سنہ ۴۵ء تک حکمران رہا کہتے ہیں کہ اس
کے زمانے میں حضرت عیسیٰؑ کے حواری سنٹ ٹامس عیسائی دھرم کا پرچار
کرنے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ بالآخر کشن قوم نے اس شک پہلوی
سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

کشن ستھین قبیلہ میں ایک نامور خاندان تھا اور چینی انہیں
یوچی کہتے تھے یہ لوگ دراصل چین کے شمال مغربی صوبے سنکیانگ کے
باشندے تھے اور ترکی نسل سے تعلق رکھتے تھے پہلی صدی عیسوی کے شروع
میں کدفیس اول نے اس قوم کو متحد کر کے کوہ ہندوکش کے آس پاس حکومت
قائم کر لی باقی ماندہ یون اور پہلوی راجاؤں سے کابل اور قندھار کا علاقہ
چھین لیا۔ اس کے بیٹے ویما نے شک اور پہلوی راجاؤں کو ہرا کر پنجاب
راجستھان اور وادی سندھ پر قبضہ جمایا اور شمالی ہند میں کشن خاندان
کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس خاندان کا سب سے نامور مہاراجہ کنشک ہو
گزرا ہے۔

کنشک اور اُس کے کارنامے

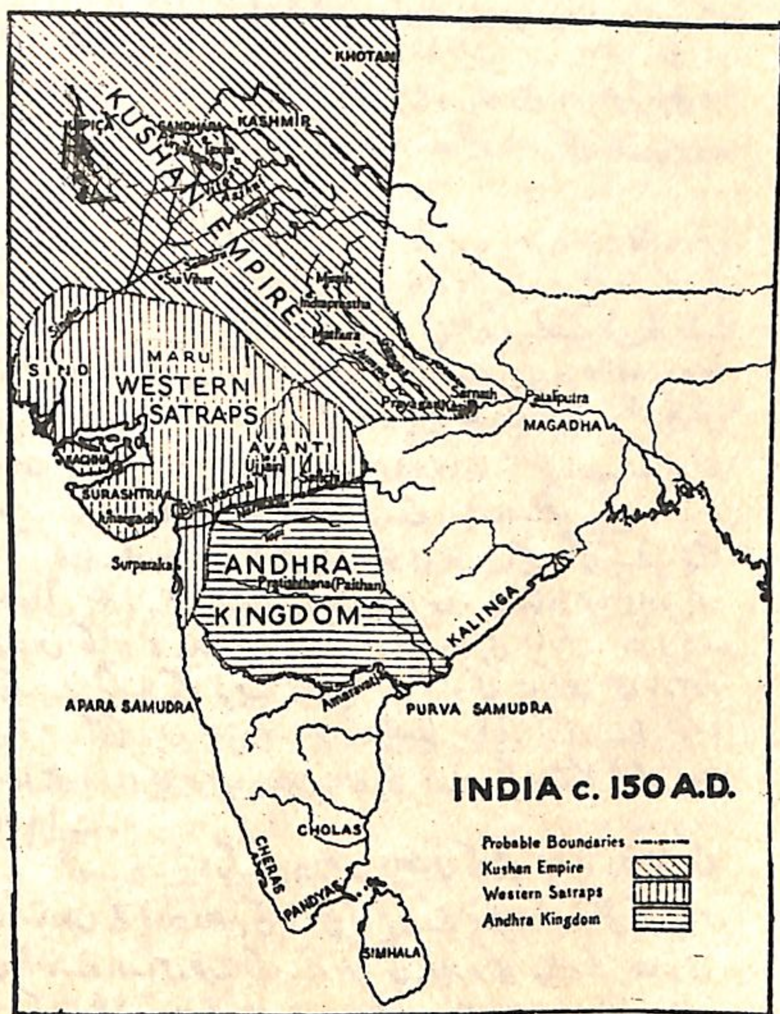
ویما کے مرنے پر کنشک نے راج سنبھالا۔ کنشک ویما کا رشتہ دار
تھا لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ویما کے ساتھ اُس کا اصل رشتہ کیا تھا۔ کنشک
سنہ ۷۸ء سے سنہ ۱۲۰ء تک یا سنہ ۱۲۰ء سے سنہ ۱۶۰ء تک حکومت کرتا رہا۔ اُس نے
شروع میں ہی ملک گیری کی مہمیں شروع کیں اور کشمیر کی وادی پر قبضہ
کر لیا۔ اس کے بعد اُس نے چین کے شمال مغربی علاقے پر حملہ کیا لیکن
چینی جرنیل پانچاو کے ہاتھوں شکست فاش کھائی کچھ عرصہ کے بعد
پانچاو مر گیا۔ اب کنشک نے اس علاقے پر پھر یورش کی اور اپنی

شکست اور شرمندگی کا دھونا دھو دیا۔ اس مہم میں اُسے نمایاں کامیابی ہوئی اور اس نے تاشقند۔ یارقند اور ختن کے وسط ایشیائی علاقوں پر قبضہ جما لیا۔ شمالی ہندوستان کے نچلے علاقوں میں تک پہلوی راجاؤں کی بچی کھچی ریاستوں کا صفایا کر کے اُس نے پشاور سے بنارس تک اور متھرا سے ہندوکش پامیر اور وسط ایشیا تک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی لیکن آخر اشوک کی طرح اُس کا دل اس خونریزی اور جنگ و جدل سے بھر گیا اور اُس نے توبہ کر کے شیو دھرم کی بجائے بودھ دھرم کی شرن لے لی۔

کنشک علم و فضل اور ہنر و فن کا بڑا مربی و سرپرست تھا۔ اُس کے دربار میں مشہور حکیم چرک تھا جو نہایت قابل وئید اور سرجن تھا اُس کی کتاب "چرک شاستر" میں نازک سے نازک اپریشن کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں اور اس فن پر یہ ایک بے مثال کتاب ہے اس کے علاوہ بودھ دھرم کے مشہور عالم اور سنسکرت کے بلند پایہ مصنف مثلاً اشوگھوش مصنف بدھ چرت۔ واسومتر مصنف مہا وبھاشا شاستر اور ناگ ارجن مصنف مدھیہ میکا سوتر بھی کنشک ہی کے درباری تھے۔

کنشک کو تعمیرات کا بھی بڑا شوق تھا چنانچہ اُس نے اپنی راجدھانی پرشو پور یعنی پشاور میں ایک بڑی عمدہ خانقاہ۔ بنوائی اور اس کے پاس لکڑی کا ایک بلند مینار اور کئی دوسری عمارتیں بنوائیں۔ کنشک نے ٹیکسلا کے قریب ایک نیا شہر آباد کیا اور کشمیر میں بارہمولہ کے قریب کنشک پور یعنی کنس پور کا قصبہ بسایا۔ کنشک نے شک سمت بھی جاری کیا جو اب ہندوستان کی آزاد حکومت کا قومی سمت قرار پایا ہے۔

اُس نے یونانی کاریگروں اور مجسمہ تراشوں کی بھی حوصلہ افزائی کی ان اُستادوں نے بودھ دھرم کی مذہبی کہانیوں کے منظر سنگ تراشی کے لباس میں ڈھالے اور اس طرح ایک نئے فن کی بنیاد رکھی جسے گندھاری فن کی شاخ (Gandhara School of Art) کہا جاتا ہے۔


KHOTAN
KUSHAN EMPIRE
GANDHARA
KASHMIR
Mathura
Indraprastha
MARU
SIND
WESTERN SATRAPS
AVANTI
Ujjain
Sanchi
SURASHTRA
Junagadh
Surparaka
ANDHRA
Pratishthana(Paithan)
KINGDOM
Sarnath
Pataliputra
MAGADHA
KALINGA
Amaravati
APARA SAMUDRA
PURVA SAMUDRA
CHOLAS
CHERAS
PANDYAS
SIMHALA
INDIA c. 150 A.D.
Probable Boundaries
Kushan Empire
Western Satraps
Andhra Kingdom

اس فن کے نمونے مغربی پاکستان کے پشاور اور سوات کے علاقے سے نکلے ہیں اور پشاور اور لاہور کے عجائب خانوں کی زینت ہیں۔

لیکن کنشک کے عہد کے سب سے نمایاں اور زندۂ جاوید کارنامے مہایان فرقے کے آغاز سے ۔بودھ دھرم میں تغیر و تبدل اور مہایان بودھ دھرم کی اشاعت ہیں۔

بودھ دھرم میں تغیر و تبدل
(Transformation of Budhism)

یونان میل جول اور برہمنی دھرم کے عروج سے مہاتما بدھ کے بتائے ہوئے اصولوں پر نئے اثرات پڑنے لگے اور اس طرح شمالی ہند میں بودھ دھرم کی ایک نئی شاخ وجود میں آئی جسے مہایان (یعنی بڑی گاڑی) کہتے ہیں البتہ جنوبی علاقوں میں بدھ کا اصلی پُرانا دھرم ہینن یان (یعنی چھوٹی گاڑی) ہی رائج رہا اس نئے فرقے کی تعلیم کو رنگ روپ دینے کے لئے کنشک کے عہد میں مشہور بودھ عالم واسومتر کی صدارت میں بودھ دھرم کی چوتھی کونسل شری نگر (کشمیر) کے قریب کُنڈل ون کے مقام پر منعقد ہوئی جس میں پانچ سو بودھ عالم شریک ہوئے۔ اشو گھوش اور ناگ ارجن نے بھی اس کام میں نمایاں حصّہ لیا۔ اسی واقعہ کو بودھ دھرم میں تغیر و تبدل (Transformation of Budhism) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مہایان فرقے کی تعلیم

۱۔ اس فرقے کے لوگ بدھ کو ایشور دیو یعنی خدا ماننے لگے اور اُسی کی پوجا کو نجات کا ذریعہ سمجھنے لگے۔

۲۔ بدھ کے متعلق "جاتک" کی مذہبی کہانیوں میں روائت ہے کہ آخری جنم اور نروان سے پہلے بدھ نے ۵۴۹ بار مختلف روپوں میں جنم لیا تھا ان جنموں میں بدھ کو بودھی ستو یعنی بودھ سنت ماننے لگے اور اسی طرح دوسرے دھرموں کے دیوی دیوتاؤں اور بودھ درویشوں کو بھی بودھی ستو کا درجہ دیا گیا اور ان سنتوں کی بھی پُوجا ہونے لگی۔

۳۔ غالباً یونان میل جول کی وجہ سے لوگوں میں بُت پرستی کا شوق پیدا ہوا

اور مہایان فرقے کے لوگ بھی مہاتما بدھ اور بودھ سنتوں کی مورتیاں بنا کر انہیں پوجنے لگے اور ان سے منتیں ماننے لگے۔ پوجا کے لئے رسمیں مقرر ہو گئیں اور تعویز گنڈے اور جادو ٹونے میں یقین پیدا ہو گیا۔

۴۔ مہایان دھرم کے مطابق نیک اعمال کے صلے میں جنت میں جانے کا عقیدہ بھی زور پکڑ گیا۔

۵۔ مہایان دھرم نے پالی کی بجائے سنسکرت کو مذہبی زبان تسلیم کر لیا۔

مہایان دھرم ہینیان کے مقابلہ میں زیادہ آزادہ روی کا حامی تھا اور لوگوں کے لئے زیادہ جذباتی کشش رکھتا تھا۔ اس کی شان و شوکت۔ دل لبھانے والی رسموں خوب صورت مورتیوں اور دلکش مندروں نے اُس زمانے کے لوگوں کا دل موہ لیا۔

بودھ دھرم کی چوتھی کونسل کے بعد کنشک نے مہایان دھرم کے پرچار کے لئے سرگرمی سے حصہ لیا اور اشوک کی طرح بودھ بھکشوؤں اور پرچارکوں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔ نئی بودھ خانقاہیں تعمیر کروائیں۔ پرانیوں کی مرمت کروائی اور ان کی دیکھ بھال کے لئے مالی مدد دی اور اشوک کی طرح اس دھرم کی اشاعت کے لئے دوسرے ملکوں میں مشن بھیجے۔ چنانچہ مغربی تبت وسط ایشیا چین اور جاپان کے لوگ جوق در جوق مہایان دھرم کی شرن میں آنے لگے اور بودھ دھرم میں ایک نئی زندگی اور آن بان کی لہریں دوڑنے لگیں۔

کنشک کے افسر اُس کی سخت گیر مزاج اور دور دراز کی مہموں سے تنگ آ چکے تھے۔ ایک دن جب کنشک لحاف اوڑھے سو رہا تھا اُس کے افسروں نے اُسے اسی میں دبوچ کر گہری کھائی میں لڑھکا کر ہلاک کر دیا۔ کنشک کے جانشین کمزور اور نالائق نکلے اُن میں سے کوئی بھی قابل ذکر نہیں۔ بالآخر شمالی ہند پر ہن قوم نے حملے شروع کر دیے اور ۲۲۰ء میں کشن خاندان کا آخری حکمران واسدیو مر گیا اور کشن سلطنت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹ کر تباہ ہو گئی

سو سال تک ملک میں افراتفری پھیلی رہی اور اخر چوتھی صدی عیسوی میں چندر گپت اول نے گپت خاندان کی بنیاد رکھی اور سارے شمالی ہند کو سیاسی طور پر متحد کرنے کا کام شروع کیا اس دور میں برہمنی تہذیب و تمدن اور دھرم پھر پورے جوبن پر آ گئے۔ اور ہندوستانیوں نے جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں جاکر عظیم الشان نو آبادیاں قائم کیں اور خود مختار سلطنتوں کی بنیادیں رکھیں۔ قدیم ہند کی تاریخ میں اسی لئے اسے سنہری زمانہ کہتے ہیں ؂

EXERCISE

1. Estimate the character and achievements of Kanishka. What do you know about the transformation of Buddhism in the days of Kanishka and the teachings of the Mahayan Buddhism ?

Gulam Hassan Gilkar
S/o Habib ulla Gilkar.
S/o Abdul Samad Gilkar.
S/o Gulam Ahmad Gilkar.
S/o Abdul Kalluck. Gilkar.

باب ہفتم

برہمنی تہذیب کا احیاء

اور

ہندوستانی غیر ملکی نو آبادیاں !!

کشن سلطنت کے زوال کے بعد لگ بھگ سو سال تک ہندوستان پھر گھر گھر راج کا شکار ہو گیا اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنتی اور تباہ ہوتی رہیں بالآخر چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں ایک راجہ سری گپت نے مگدھ کے آس پاس کے علاقے میں حکومت قایم کی اس کے مرنے پر اس کا بیٹا گٹو تکچ تخت پر بیٹھا سری گپت یا گٹو تکچ کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے لیکن گٹو تکچ کے بیٹے چندر گپت اول کے تخت پر بیٹھتے ہی شان و شوکت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا اور برہمنی تہذیب میں نئی جان پڑ گئی۔

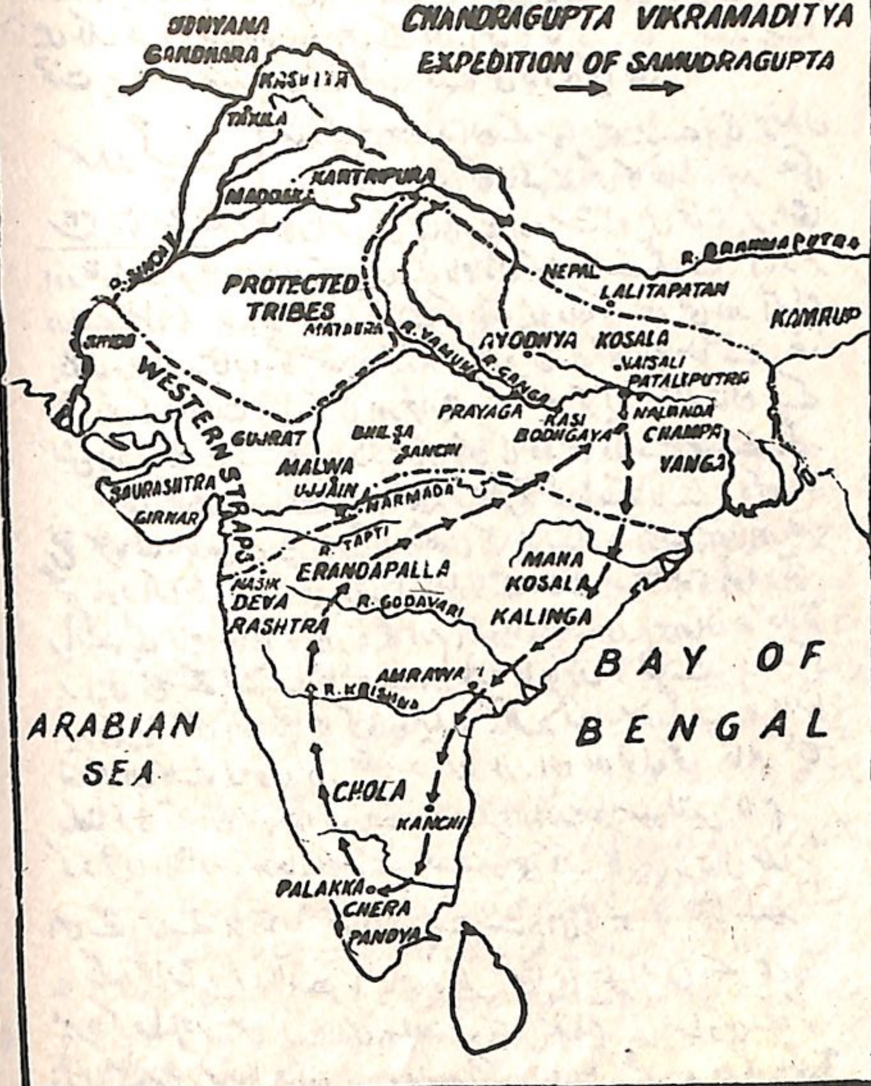
چندر گپت اول
۳۲۰ء تا ۳۳۰ء

چندر گپت اول ہی درحقیقت گپتا سلطنت کا بانی شمار ہوتا ہے اس نے لچھوی خاندان کی شہزادی کمار دیوی سے شادی کی۔ لچھوی بڑے طاقتور اور اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے اس ناطے سے چندر گپت کا اثر رسوخ بڑھ گیا اور اس نے مگدھ کی ریاست کو ایک عظیم الشان سلطنت کی شکل دے دی۔ چندر گپت اس شادی کو بڑی اہمیت دیتا تھا اس نے اپنے سکوں پر اپنے ساتھ کمار دیوی کی تصویر بھی کندہ کروائی اس طرح لچھویوں کو اپنا شریک اور مددگار بنا لیا۔ چندر گپت اول کی وسعت

سلطنت کا صحیح اندازہ تو مشکل ہے لیکن اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس نے مگدھ
سے الہ آباد تک کا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا چندر گپت سنہ ۳۳۰ء
میں ملک عدم کو سدھارا اور اس کے بعد اس کا نامور بیٹا سمدر گپت
تخت پر بیٹھا۔ چندر گپت نے گپت سمت بھی جاری کیا تھا۔

سمدر گپت
سنہ ۳۳۰ء تا سنہ ۳۷۵ء

سمدر گپت ہندوستان کے سب سے بڑے فوجی جرنیلوں
اور بادشاہوں میں گنا جاتا ہے اس کا سارا عہد جنگی
کارناموں کی کہانی ہے وہ سنہ ۳۳۰ء میں تخت پر بیٹھا
اور تھوڑے عرصے میں ہی آس پاس کے راجاؤں کو موت کے گھاٹ اتار کر
دریائے چنبل تک جا پہنچا۔ اس کی طاقت کی ملک میں دھاک بیٹھ گئی اور آسام
بنگال۔ نیپال۔ پنجاب۔ راجستھان اور مدھیہ پردیش کے کئی راجاؤں نے خود
بخود اس کی اطاعت قبول کر لی اور خراج دینا تسلیم کر لیا۔ افغانستان کے
کشن اور گجرات کے شک پہلوی راجے بھی اس کی دوستی دل سے چاہنے لگے۔
سمدر گپت کا سب سے شاندار کارنامہ مشرقی گھاٹ کے راستے دکن کا
فتح کرنا تھا۔ مدھیہ پردیش کے گھنے جنگلوں کو پار کر کے وہ اڑیسہ پہنچا اور پھر
گنجم۔ وشاکھاپٹم۔ گوداوری۔ کرشنا اور نیلور کے علاقے سب سے ہوتا ہوا پلوؤ
ریاست کی راجدھانی کانچی (کانچی ورم) تک جا پہنچا۔ اور اس سارے علاقہ
پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دئے اور زیادہ راجاؤں کو شکست دے کر
قید کر لیا لیکن اس فتح کا کوئی پائیدار نتیجہ نہ نکلا۔ سمدر گپت یہ جانتا
تھا کہ ان کالے کوسوں دور حکومت کرنا اور ان علاقوں کو قابو میں
رکھنا کوئی آسان کام نہ تھا راستے دشوار گزار اور سفر سہولتیں نام
کو نہ تھیں۔ بغاوت ہو جائے تو ہر وقت فوجی کمک کا پہنچانا محال تھا۔
اس لئے اس نے بڑی دانشمندی اور سیاست دانی کا ثبوت دیا اور
یہ ملک خراج اور اطاعت کا وعدہ لیکر مقامی حکمرانوں کے ہی
سپرد کر دیا اور اس طرح اپنی سلطنت کے استحکام کی بنیادیں ڈال کر
انہیں مضبوط کر دیا دکن سے واپس آکر اس نے اشومیدھ یگیہ یا گھوڑے


GUPTA EMPIRE
CHANDRAGUPTA VIKRAMADITYA
EXPEDITION OF SAMUDRAGUPTA
GANDHARA
R. BRAHMAPUTRA
PROTECTED
TRIBES
NEPAL
LALITAPATAN
KAMRUP
AYODHYA
KOSALA
VAISALI
PATALIPUTRA
PRAYAGA
KASI
BODHGAYA
NALANDA
CHAMPA
VANGA
WESTERN STRAPS
GUJRAT
BHILSA
SANCHI
MALWA
UJJAIN
NARMADA
SAURASHTRA
GIRNAR
R. TAPTI
ERANDAPALLA
NASIK
DEVA
RASHTRA
R. GODAVARI
MAHA
KOSALA
KALINGA
BAY OF
BENGAL
ARABIAN
SEA
R. KRISHNA
CHOLA
KANCHI
PALAKKA
CHERA
PANDYA

کی قربانی کی رسم ادا کی اور اس طرح قدیم ہندو روایات کے مطابق ایک طرح اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ اس وقت اُس کے کئی باجگذار راجے اُس کے دربار میں حاضر تھے۔

وسعت سلطنت

سمدرگپت کی سلطنت ہمالیہ سے وندھیا چل تک اور چنبل اور جمنا سے برہم پتر تک پھیلی ہوئی تھی۔ مشرق اور مغرب میں باجگذار آزاد ریاستیں اور دکن میں بارہ ماتحت راجواڑے تھے۔

ذاتی اوصاف

سمدرگپت کے ذاتی اوصاف کا ہمیں اُس کے درباری شاعر ہری سین کے قصیدے سے پتہ چلتا ہے جو الہ آباد میں اشوک کی لاٹھ پر ایک کتبے کی صورت میں کندہ ہے سمدرگپت نہ صرف ایک جیالا سپاہی۔ جری جرنیل اور مدبر ہی تھا بلکہ علم و ہنر کا بڑا سرپرست اور خود شاعر اور موسیقی کا ماہر بھی تھا۔ چنانچہ اس چیز کی تائید اُس کے سکوں سے بھی ہوتی ہے جہاں وہ ستار بجاتا ہوا دکھایا گیا ہے وہ مزاج کا بڑا اچھا اور اپنے باپ کا چاہتا بیٹا اور رعایا کا محبوب حکمران تھا۔ سمدرگپت برہمنی دھرم کا سرپرست تھا پھر بھی دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ مساوات اور رواداری کا سلوک روا رکھتا تھا ہمسایہ ملکوں کے ساتھ اُس کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کا نام آج بھی زندہ ہے۔

چندرگپت وکرمادتیہ
۳۷۵ء تا ۴۱۲ء

چندرگپت وکرمادتیہ چندرگپت بکرماجیت یا چندرگپت دوم اپنے باپ سمدرگپت کی وفات کے بعد ۳۷۵ء میں تخت پر بیٹھا اور وکرمادتیہ یعنی "سورج کی طاقت والا" کا لقب اختیار کیا۔ اُس کے عہد میں گپت سلطنت اپنے پورے جوبن پر آگئی اور برہمنی تہذیب کا ملک میں پھر سے نیا جنم ہوا۔

سمدرگپت کی طرح وہ بھی بڑا نامی فاتح ہو گذرا ہے اُس نے صرف اپنے باپ کی فتوحات ہی کو قائم رکھا بلکہ خود بھی کئی علاقے فتح کر کے

گپتند یاخت میں شامل کیے۔

اس نے سب سے پہلے گجرات کاٹھیاواڑ کے شک حکمرانوں کو زیر کرنے کی ٹھانی انہیں مغربی کھشتراپ بھی کہتے ہیں۔ یہ حکمران خانہ جنگی کا شکار ہوکر کمزور ہوچکے تھے۔ چندر گپت دوم نے یہ موقع غنیمت جانا اور ایک جرار لشکر لے کر اس علاقے پر چڑھائی کردی۔ اس خاندان کا آخری راجہ رُدر سنگھ سوم میدان جنگ میں کام آیا اور ۳۹۵ء میں چندر گپت دوم نے یہ علاقے فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلئے اس فتح کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس سے گپت سلطنت کے لئے غیر ملکی تجارت کے راستے کھل گئے کیونکہ اس علاقے میں اُس زمانے میں بڑی اہم بندرگاہیں تھیں جہاں مغربی ملکوں کے تجارتی جہاز آتے جاتے تھے۔ اس سے گپت سلطنت کی خوشحالی میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

قطب مینار دہلی کے قریب ایک کتبہ ملا ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ چندر گپت دوم نے ایک طرف سارا بنگال اور دوسری طرف سندھ کے علاقے بھی فتح کرلئے تھے اور اس کے بعد مغربی پنجاب اور افغانستان کے شک حکمرانوں پر بھی فتح پائی لیکن ان فتوحات کا مکمل حال نہیں ملتا۔

چندر گپت دوم نے پہلے ایک رانی دھرو دیوی یا دھرو سوامنی سے شادی کی۔ اور پھر ناگ خاندان کی ایک شہزادی کوبیر ناگا سے بیاہ کیا اور اپنی بیٹی پربھاوتی کی شادی واکاٹک راجہ رُدر سین ثانی سے کی

ناگ اور واکاٹک شاہی خاندان گپت سلطنت کے مغربی اور شمال مغربی ہمسائے تھے ان شادیوں سے چندر گپت دوم نے اپنی سیاسی حیثیت اور مضبوط کرلی۔

اس طرح سمدر گپت اور چندر گپت ثانی کی کوششوں سے شمالی ہند پھر سے متحد ہوگیا اِکی دُکی لڑائیوں کے باوجود رعایا امن و چین سے زندگی بسر کرنے لگی اور ملک میں دھن برسنے لگا چندر گپت دوم نے پاٹلی پتر کی بجائے اُجین میں اپنی راجدھانی بسائی یہ بھی کہا جاتا ہے

کہ یہ اُس کی دوسری راجدھانی تھی۔ اس زمانے میں اجودھیا کے شہر میں بھی بڑی چہل پہل تھی۔

چندر گپت دوم بڑا مدبّر حکمران تھا اُس کا نظام حکومت بہترین سمجھا جاتا ہے اُس کے ۳۷ سالہ عہد حکومت میں ہر طرف امن اور چین کا دور دورہ تھا۔ راج کاج میں سہولت کے لئے ملک میں دیس یعنی بڑے صوبے اور بھوکتی یعنی چھوٹے صوبے قایم کئے گئے تھے جن کے حاکم عام طور پر شاہی خاندان سے ہوتے تھے۔ اسی طرح ضلعے یعنی وشے یا پردیش بھی تھے جن کے حاکم وشے پتی کہلاتے تھے ملک میں جاسوسی کا انتظام نہ تھا۔ لوگ مطمئن تھے اور قانون بڑے نرم تھے راجہ اپنے مشیروں کی مدد سے راج کرتا تھا اور رعایا کا سچا دوست تھا۔

چندر گپت دوم خود برہمنی دھرم کا پیرو تھا اور وشنو کا پجاری تھا لیکن دوسرے مذہب کے لوگوں سے برابری اور رواداری کا سلوک کرتا تھا اس کا سپہ سالار امرکار دیو۔ بدھ مت اور کئی دوسرے افسر بشنو جی کے پجاری تھے۔

ذاتی اوصاف

چندر گپت دوم علم و ادب کا بڑا سرپرست تھا۔ اُس کے زمانے میں سنسکرت زبان اور ادب نے بڑی ترقی کی۔ روایت ہے کہ اُس کے دربار میں نو رتن تھے لیکن موجودہ تحقیق کے مطابق ان میں سے کئی اُس کے بعد ہو گذرے ہیں پھر بھی کالیداس کوی۔ وراہ مہر اور آریہ بھٹ جوتشی اور برہم گپت جیسے حساب دان لگ بھگ اسی زمانے میں گذرے ہیں۔

چندر گپت ہندوستانی کہانیوں میں بکرماجیت کے نام سے مشہور ہے جن میں اُس کی بہادری ذہانت اور انصاف کے قصے بیان ہیں لیکن ان کی تاریخی حیثیت بہت کمزور ہے تاہم اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بہادر فاتح مدبّر حکمران اور علم و فن کا سرپرست بادشاہ تھا اور گپت زمانے میں برہمنی تہذیب کے احیا ریا، ہنر جنم اور علم و فن کی شاندار ترقی میں جس کے لئے یہ ہندوستان کی تاریخ میں سنہری زمانہ کہلاتا

ہے چندر گپت دوم کا بڑا جتنا تھا۔

ملکی حالت۔ فاہیان کا بیان

چندر گپت دوم کے عہد میں ۴۰۵ء میں ایک چینی اتری فاہیان بودھ دھرم استھانوں اور تیرتھوں کی یاترا اور بودھ مذہبی کتابوں کی تلاش میں گھومتا پھرتا ہندوستان آیا اور چھ برس یہیں گذرے۔ اُس نے اپنا سفرنامہ یادگار چھوڑا ہے جس سے ہمیں اُس زمانے کی ملکی حالت جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

فاہیان لکھتا ہے کہ لوگ بڑی پاکیزہ زندگی گذارتے تھے کسی جاندار کو ایذا نہ پہنچاتے تھے۔ شراب نوشی سے پرہیز کرتے تھے۔ گوشت پیاز اور لسن نہ کھاتے تھے لیکن چنڈال ان عیبوں سے بری نہ تھے انہیں لوگ اچھوت سمجھتے تھے اور شہروں کے اندر نہ بسنے دیتے تھے نہ اُن سے کسی طرح کا میل جول پسند کرتے تھے راجا پرجا سب بڑے دانی تھے۔

حکومت بڑی اچھی تھی۔ لوگوں کے آنے جانے اور ادھر ادھر پر کوئی پابندی نہ تھی۔ چینی رعایا کی طرح اُنہیں نہ اپنا نام اور جائداد سرکاری رجسٹروں میں لکھوانے کی اور نہ راہداری کے پروانے حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔

فوجداری قانون بڑا نرم تھا عام طور پر جرموں کی سزا جرمانہ تھا۔ کسی قسم کی جسمانی سزا یا موت کی سزا کا رواج نہ تھا صرف خطرناک بغاوت کے لئے دایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا چوری چکاری کا ملک میں نام تک نہ تھا۔

راجہ زمین کا مالک مانا جاتا تھا۔ کسان زمین کا لگان پیداوار یا نقدی کی صورت میں ادا کرتے تھے۔ ملک میں سونے کے سکے رائج تھے لیکن عام کاروبار کوڑیوں سے چلتا تھا۔

پاٹلی پتر میں پہلے سی رونق نہ تھی مگر پھر بھی یہاں بڑی چہل پہل دیکھنے میں آتی تھی شہر میں خیراتی شفا خانے اور مسافروں کے لئے سرائیں بنی ہوئی تھیں۔ ہینیان اور مہایان فرقے کے بودھوں کی دو خانقاہیں بھی تھیں اور بودھ علم و فضل کے مرکز سمجھی جاتی

تھیں لیکن کپمپنی باغ۔ ویشالی۔ راج گریہ اور گیا کے بودھ شہر ویران ہو چکے تھے متھرا کے آس پاس کئی بودھ خانقاہیں بڑی با رونق تھیں لیکن مجموعی طور پر بودھ دھرم کا زوال ہو چکا تھا۔

آریائی یا برہمنی تہذیب و تمدن کا احیاء

سیاسی اتحاد۔ برہمنی دھرم کے دوبارہ عروج۔ سنسکرت زبان و ادب اور علم و فن کی ترقی۔ فن تعمیر اور سنگ تراشی و مصوری اور تجارت کے فروغ اور ہندوستان سے باہر ہندوستانی نو آبادیوں کے قیام کی وجہ سے گپت خاندان کا عہد آریائی یا برہمنی تہذیب و تمدن کے احیاء کا دور یا ہندوستانی تاریخ کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے۔

(الف) سیاسی اتحاد:۔ موریہ سلطنت کے زوال کے بعد سینکڑوں سال سیاسی ابتری اور گھر گھر راج کے گذرے ملک ٹکڑے ٹکڑے رہا اور غیر ملکی حملہ آوروں کا نشانہ بنا رہا۔ بالآخر یہ افسوسناک صورت حال چندر گپت دوم کے عہد میں ختم ہوئی اور شمالی ہند کا بہت بڑا حصہ ایک لڑی میں پرو کر متحد کر دیا گیا۔ سمدر گپت کے عہد میں جنوبی ہند کا کافی حصہ سلطنت گپت کے ماتحت آگیا اور اس طرح ملک مضبوط اور طاقت ور ہو گیا۔ بیرونی حملوں اور اندرونی بد امنی سے محفوظ ہو گیا اور ہر طرح امن کا امان کا دور دورہ ہو گیا۔

(ب) برہمنی دھرم کا دوبارہ عروج:۔ گپت عہد میں برہمنی دھرم پھر سے اپنی آن بان میں آگیا اور بودھ دھرم کی جگہ سرکاری دھرم قرار پایا۔ گپت مہاراجے وشنو کے پجاری تھے وہ برہمنوں کا بڑا مان کرتے تھے۔ انہوں نے اشو میدھ کی قربانی کی برہمنی رسم پھر سے جاری کر دی۔

(یہ پرانے ہندو راجوں کی رسم تھی کہ وہ ایک گھوڑا کھلا چھوڑ دیتے تھے جہاں کہیں یہ گھوڑا جاتا وہاں کی پرجا اور راجا کو اس کا استقبال کرنا پڑتا تھا اور گھوڑے کے مالک کی اطاعت کرنا پڑتی تھی جب گھوڑا ملک کا چکر لگا کر لوٹتا تو پھر اس کی قربانی کر دی جاتی تھی) برہمنوں کی پھر سے

خاطر تواضع ہونے لگی اور وظیفے مقرر ہو گئے۔ دیوی دیوتاؤں کے مندر اور مورتیاں استھاپت کی جانے لگیں اور طرح طرح کی رسمیں جاری ہو گئیں ہر طرف برہمنی دھرم کا ڈنکا بجنے لگا۔ برہمنی دھرم کی کئی مذہبی کتابیں بھی اسی دور میں لکھی گئیں اور حکومت کی طرف سے ہر طرح اس دھرم کی حوصلہ افزائی ہوتی گئی۔ اس کا اثر لوگوں کی زندگی اور فنونِ لطیفہ پر بھی نمایاں طور پر پڑنے لگا۔

(ج) برہمنوں کے عروج کے ساتھ ساتھ اُن کی مذہبی زبان سنسکرت کے دن بھی پھر گئے اس دور سے پہلے اشوک اور دوسرے حکمران اور بودھ مصنف پراکرت زبان کی ہی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ سنسکرت صرف چند برہمنوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ گپت عہد میں پُران اور دھرم شاستر اور ڈرامہ اور شاعری کے شاہکار لکھے گئے۔ چنانچہ مشہور عالم شاعر کالی داس اسی زمانے میں ہو گذرا ہے وہ شکنتلا میگھ دوت۔ کمار سمبھو۔ مالویک اگنی مترم جیسی اعلیٰ پایہ تصانیف کا مصنف تھا۔ اس ترقی کو بعد میں وِشاکھ دت مصنف۔ مدرا راکشس شدرک مصنف مرچھ کٹکا۔ وشنو شرما مُصنّف پنچ تنتر۔ بھاروی اور مشہور ڈراما نگار بھو بھوتی نے زندہ رکھا یہ سب سنسکرت ادب کے چمکتے ستارے مانے جاتے ہیں۔ اسی طرح بدھ گھوش اور دھرم پال کی بودھ مذہبی کتابوں کی شرحیں اور جاتک کہانیاں جن میں بدھ کی ۵۵۰ زندگیوں کے حالات ہیں اسی دور کی یادگار ہیں۔

(د) علم و فن کی ترقی۔ اس دور میں ہندوستانیوں نے علم حساب اور نجوم (یعنی سیاروں کی گردش کا علم) میں بڑی ترقی کی چنانچہ آریہ بھٹ نے چاند گرہن اور سورج گرہن کی طبعی اور جغرافیائی وجوہات معلوم کیں۔ وراہ مہر نے سوریہ سدھانت کتاب لکھی جس کے عربی فارسی اور بعد میں یورپین زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ برہم گپت نے اقلیدس یا جیومیٹری کا مشہور مسئلہ برہم گپت دریافت کیا اس زمانے میں ٹیکسلا۔ نالندہ اور بکھشا میں تعلیم کے بڑے مرکز تھے جہاں دور دور سے طالب علم آکر علم

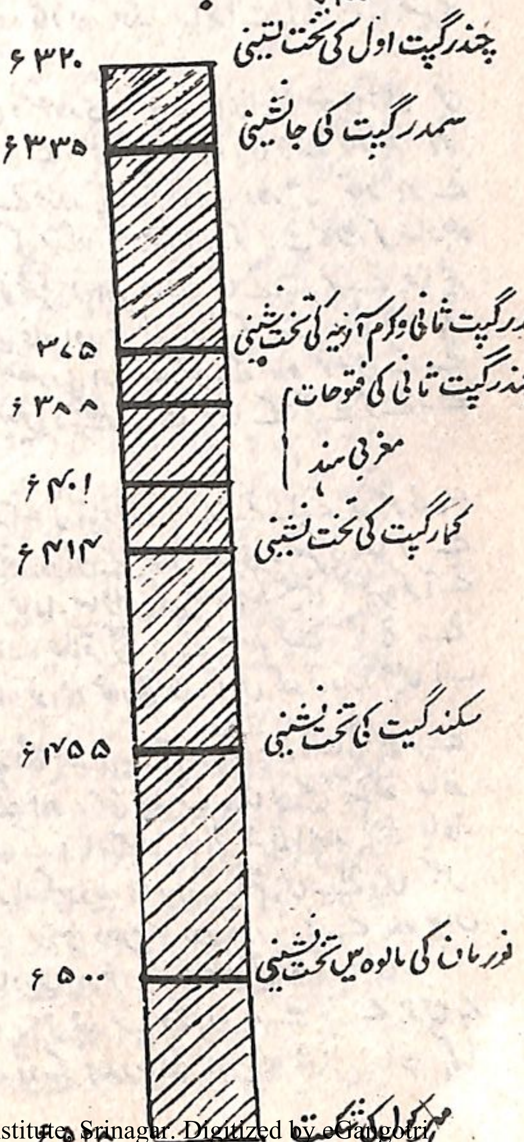
حاصل کرتے تھے ان مرکزوں کو سرکار سے گراں قدر مالی امداد ملتی تھی۔
اس زمانے میں علم طب میں چرک اور سوشردت بڑے ماہر حکیم گذرے ہیں اس کے علاوہ قانون۔ جنگ۔ سیاسیات۔ زراعت۔ انجنیری پر کئی کتابیں لکھی گئیں

(ھ) فن تعمیر سنگ تراشی و مصوری :- گپت خاندان کا سنہری زمانہ فن تعمیر۔ سنگ تراشی اور مصوری کے اعلیٰ نمونوں سے بھی زندہ جاوید ہو چکا ہے۔ اونچے کلسوں والے مندر پہلے پہل اسی دور میں تیار ہونے شروع ہوئے تھے پہاڑوں کی سنگلاخ چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر سادھو سنتوں کے لئے رہنے کی کوٹھڑیاں اور عبادت خانے تیار ہوئے چنانچہ ایلورا کا وشو کرما چیتنہ نامی غار اور مہابل پورم کے مندر خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں اسی طرح مصوری اور نقاشی کے عمدہ نمونوں کے لئے ایجنتا کے غار مشہور ہیں جنہیں دیکھنے کے لئے دنیا کے کونے کونے سے سیاح آتے ہیں۔

(و) تجارت اور ہندوستانی نوآبادیاں :- پرانے زمانے میں جنوبی ہند کے لوگ بڑے جہاز ران تھے اور ان کے جہاز مشرقی و مغربی ساحل سے عرب۔ افریقہ۔ برما۔ ملایا۔ جاوا۔ سماٹرا۔ بورنیو۔ ہند چینی وغیرہ کو آتے جاتے رہتے تھے۔ مغربی ہند کا علاقہ فتح کر کے چندر گپت ثانی نے گپت سلطنت کے لئے بین الاقوامی تجارتی شاہ راہیں کھول دی تھیں اب

ہندوستانی مال دور دور جانے لگا اور آہستہ آہستہ کئی ہندوستانی دوسرے ملکوں میں جاکر آباد ہوئے لگے اور برہمنی تہذیب و تمدن بھی ساتھ ساتھ پھیلتا گیا چنانچہ اس تہذیب کے آثار ہمیں جزائر مشرق الہند یعنی جاوا۔ سماٹرا بورنیو۔ بالی اور برما۔ کمبودیا۔ انام اور سیام میں ملتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں برہمنی دھرم کا دور دورہ رہا ہے اور یہاں بڑی بڑی عظیم ہندو نوآبادیاں اور خود مختار سلطنتیں قائم تھیں۔
غرضیکہ اس دور میں برہمنی تہذیب و تمدن پھر سے پورے جوبن پر آگیا۔ اسی لئے اس عظمت کے دور کو ہندوستانی تاریخ کا سنہرا زمانہ کہا

ٹائم چارٹ گپتا سلطنت اور ہونوں کا عہد



جاتا ہے۔

ہندوستانی نو آبادیاں

زمانہ قدیم میں خاص طور پر جنوبی ہندوستان کے ہندو بڑے جہاز ران تھے اور دور دراز سمندری سفروں پر جاتے تھے وہ اُنیسویں صدی کے سناتن دھرمی ہندوؤں کی طرح سمندر کے سفر کو مذہب اور ذات کے اصولوں کے منافی نہ سمجھتے تھے چنانچہ موجودہ زمانے کی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہندوستانی جہاز ایران۔ خلیج فارس کے ملکوں عرب افریقہ اور بحیرہ قلزم کے آس پاس کی بندرگاہوں تک جاتے تھے اور کئی ہندوستانی تاجر تجارت کی غرض سے افریقہ کے ساحلی جزیروں میں جا کر بسے تھے اسی طرح مشرقی ملکوں میں بھی تجارت اور بودھ دھرم کی اشاعت کے لئے کئی ہندوستانی ان ملکوں میں گئے اور کئی وہیں کے ہو رہے چنانچہ اُنیسویں صدی میں آثار قدیمہ کی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ تجارت تمدن ادب و مذہب کے لحاظ سے یہ علاقے پوری طرح

ہندوستان کے زیر اثر آچکے تھے۔ یہاں کے فن تعمیر۔ ادب۔ مذہب اور طرز زندگی پر ہندوستان کی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے زمانہ قدیم میں جنوب مشرقی ایشیا میں یہ ہندوستانی نو آبادیاں قابل ذکر ہیں یہاں کئی ہندوستانی شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کے تاریخی نشانات ملتے ہیں۔

۱۔ سورن دویپ :۔ یا سنہری جزیرے ان میں ملایا۔ جاوا۔ سماٹرا۔ بالی۔ درنیو اور جدید انڈونیشیا کے کئی اور جزیرے شامل تھے۔

اس علاقے میں پائے گئے پانچویں صدی کے سنسکرت کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی جاوا میں ایک ہندوستانی شاہی خاندان کے راجہ پورن ورمن کی حکومت تھی۔ ساتویں یا آٹھویں صدی میں راجہ سانجے نے وسطی جاوا میں اپنا راج قائم کر لیا۔ چوتھی صدی میں راجہ سری وجے نے سماٹرا میں اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ بالآخر آٹھویں صدی میں شیلندر سلطنت قائم ہوئی اور شیلندر راجوں نے پورے سورن دویپ کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں

شامل کر لیا چنانچہ عرب جغرافیہ دان ابن خردابہ سے بھی اس کے متعلق شہادت ملتی ہے۔ شیلندر حکمران بودھ دھرم کے پیرو تھے۔ جنوبی ہند کے پال اور چولہ شاہی خاندانوں سے ان کے سفارتی تعلقات قائم تھے انہوں نے نالندہ اور ناگاپٹم کے مقامات پر بودھ مذہبی عمارتیں بنوانے میں حصہ لیا۔ ان کا سب سے شاندار کارنامہ بربدر کا بودھ دھرم استھان ہے جو رہتی دنیا تک شیلندر سلطنت کی عظمت و شکوہ کی زندہ جاوید یادگار رہے گا۔ شیلندر سلطنت کا زوال نویں صدی میں شروع ہو چکا تھا اور بالآخر گیارہویں صدی میں یہ سلطنت مٹ گئی۔ اب مشرقی جاوا میں طاقت ور حکومتیں قائم ہونا شروع ہوئیں اور ہوتے ہوتے چودہویں صدی میں راجگر نے مجاپہت کے شہر میں ایک بڑی سلطنت کی بنیاد رکھی اس زمانے میں بنگالی اور تامل برہمن اور بودھ بھکشو یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔

پندرہویں صدی میں گجراتی مسلمان اور عرب تاجروں نے یہاں اسلام کی تبلیغ شروع کی اور یہاں کا راجہ اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا۔ بچے کھچے ہندوؤں نے بالی میں جا ڈیرے جمائے۔ یہاں کے لوگ آج کل بھی ہندو دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں اور برہمنی دھرم کو مانتے ہیں۔

۲۔ چمپا

ہند چینی کے مشرقی کنارے پر جہاں آج کل انام کا علاقہ ہے۔ دوسری یا تیسری صدی میں ایک ہندو سلطنت قائم ہو چکی تھی اس کی راجدھانی چمپا تھی اس سلطنت کا مشہور راجہ بھدر ورمن تقریباً سارے انام پر راج کرتا تھا اس ریاست کے تین صوبے امراوتی۔ وجے اور پانڈورانگا تھے۔ ۱۱۹۰ء میں یہاں کا راجہ جے اندر ورمن ہشتم ہمسایہ حکومت کمبوج کے حکمران جے ورمن ہفتم کے ہاتھوں شکست کھا کر گرفتار ہو گیا بعد میں منگول سردار کبلائی خان نے اس سارے علاقے کو تہس نہس کر دیا۔

۳۔ کمبھوج

کمبوڈیا یا فونان پر تیسری صدی میں ایک ہندوستانی برہمن کونڈنیا (Kaundanya) نے حملہ کیا اور مقامی رانی کو شکست دے کر بیاہ لیا۔ ہولے ہولے یہاں کے نیم وحشی باشندوں نے ہندو تہذیب و تمدن کو قبول کر لیا اور کمبھوج کی سلطنت سیام لاؤس اور ملایا تک جا پھیلی۔ اس سلطنت کے ہندو راجاؤں نے چین اور ہندوستان سے سفارتی تعلقات قایم کر رکھے تھے اس خاندان کے راجہ جے ورمن کی رانی کل پربھاوتی کا سنسکرت کتبہ بھی دریافت ہوا ہے۔ ساتویں صدی کے آغاز میں کمبھوج نے فونان پر بھی قبضہ جما لیا۔ آٹھویں صدی میں کمبھوج پر شیلیندر کا غلبہ ہو گیا مگر جے ورمن دوم نے جلد ہی کمبھوج کی خود مختاری بحال کر دی۔ جے ورمن دوم نویں صدی کے آغاز میں عروج پر آیا۔ یہ راجہ اپنے خاندان میں سب سے نامور راجہ ہو گذرا ہے اس نے اپنی راجدھانی انگکور کے علاقے میں جا بسائی اور یہاں تہذیب و تمدن پھلنے پھولنے لگے۔ جے ورمن نے برہمنی دھرم کی مانترک شاخ کو رواج دیا اور باون برس حکومت کر کے ۸۵۴ء میں راہی ملک عدم ہوا اس کے بعد اس خاندان کا دوسرا نامور راجہ یشو ورمن (۸۸۹-۹۰۸ء) گذرا ہے۔ یہ راجہ مشہور فاتح۔ عالم و فاضل اور کئی مشہور اور خوب صورت عمارتوں کا بانی تھا۔ اس نے کئی مندر اور آشرم تعمیر کروائے تھے جن میں زندگی گذارنے کے خاص اصول مقرر تھے۔ یشو ورمن نے یشو دھرا پورا میں اپنی راجدھانی آباد کی تھی یشو ورمن کا خاندان کمبھوج پر ۱۰۰۱ء تک حکومت کرتا رہا اور سیام لاؤس وغیرہ سب اسی سلطنت کے زیر نگین آ گئے۔ اس کے بعد سوریہ ورمن اول نے ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی اور سلطنت کو لوئر برما اور سیام تک پھیلایا اسی خاندان کا دوسرا مشہور راجہ سوریہ ورمن ثانی (۴۵-۱۱۱۳ء) بہت بڑا فاتح اور انگکور وٹ کے مشہور و معروف وشنو مندر کا بانی تھا۔ ۱۱۵۱ میں کمبھوج کا مشہور

راجہ جے ورمن ہفتم تخت پر بیٹھا اس کے عہد میں سلطنت اپنے عین عروج پر پہنچی اور لوئر برما اور جنوبی ملایا کے علاوہ سارے ہند چینی پر اسی راجہ کا پھریرا لہرانے لگا۔ جے ورمن ہفتم کی سبب سے حسین یادگار اُس کی راجدھانی نگر دھام یا انگکور تھوم (अंगकोर थोम) تھی اس شہر کے گرداگرد فصیل اور ۱۱۰ گز چوڑی خندق تھی اسکی لمبائی ۸½ میل تھی پانچ بڑے دروازے تھے جن میں ۱۰۰ فٹ چوڑی سیدھی شاہراہیں گذرتی تھیں۔ شہر مربع کی صورت میں ۸ مربع میل میں پھیلا ہوا تھا جے ورمن ہفتم مذہبی عمارتوں اور رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے لافانی شہرت کا مالک تھا اس کی سلطنت میں ۷۹۸ مندر اور ۱۰۲ شفاخانے تھے جابجا دھنی گرلیہ یا مسافر خانے بنے ہوئے تھے اس کے علاوہ مندر اور مدرسوں کی دیکھ بھال اور اُستادوں اور طالب علموں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے لاکھوں روپوں کی امداد دی جاتی تھی جے ورمن کے مرنے کے بعد کمبھوج کے اقبال کا ستارہ غروب ہو گیا آس پاس کی حکومتوں نے یہاں چھینا جھپٹی شروع کردی اور کمبھوج کی شان و شوکت داستان ماضی بن کر رہ گئی۔

۴۔ برہم دیش یعنی برما

تیسری سے نویں صدی تک برما میں سری کیشتر (علاقہ پروم) میں ایک ہندو ریاست قایم تھی جس کا بانی راجہ جے چندر ورمن تھا۔ دسویں صدی میں مرما (मरमा) قوم نے برما کو فتح کرکے اسے مرما کا نام دیا جو بعض محققوں کے قول کے مطابق بعد میں برما ہو گیا۔ یہ قوم وادی برہم پتر کی رہنے والی تھی ان لوگوں نے ہندو تہذیب و تمدن قبول کر لیا ان کا مشہور حکمران انیرودھ تھا جو ۱۰۴۴ء میں گدی پر بیٹھا اس راجہ نے ایک بودھ بھکشو دھرم درسی کے ہاتھ پر بودھ دھرم قبول کر لیا اس راجہ نے بودھ مذہبی عمارتیں بنوانے میں بڑے شوق و ذوق کا اظہار کیا اُس نے اپنی سلطنت شمالی اراکان اور مشرقی برما تک پھیلائی اور اپنے تعلقات آس پاس کے ملکوں سے بھی پیدا کرنے شروع کئے

اور خود ایک ہندوستانی شہزادی سے شادی کی اور لنکا کے راجے سے
دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ لنکا کے راجہ نے اُسے بدھ کا دانت بھیجا
اس تحفے کی برما میں بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ اس راجہ نے ۱۰۷۷ء میں وفات
پائی اس کے بعد "تربھون آدتیہ دھرم راج کینسر یتھا" تخت پر بیٹھا
اس کے عہد میں ہندوستان اور برما کے تعلقات اور بھی قریبی اور
مضبوط ہوگئے اس زمانے میں ہندوستان سے کئی بودھ بھکشو اور ویشنو
سادھو برما آئے۔ ان فقیروں کی راجے نے بڑی خاطر تواضع کی اور
ان سے ہندوستان کے مندروں اور دھرم استھانوں کا حال سن سن کر اس
کے دل میں ایک عظیم الشان بودھ مندر بنانے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ
اس نے پگن میں آنند مندر بنوایا جس کی آن بان سے آج بھی چکاچوند
پیدا ہوتی ہے اس میں بدھ کا ایک بہت بڑا بت ہے جس کے ایک طرف
راجہ کی اپنی اور دوسری طرف اُس کے گرو ارہن کی مورتیاں ہیں جو
بدھ کی طرف ادب سے جھکی ہوئی ہیں اس راجہ نے بودھ گیا کی مذہبی
عمارتوں کی مرمت اور نئی تعمیروں کے لئے گراں قدر مالی امداد بھیجی
اور جنوبی ہند کے چولا خاندان کے راجاؤں کو بودھ دھرم قبول کرنے
کی ترغیب دی اور اُن کے ہاں اپنا بیاہ بھی کیا ۱۱۱۲ء میں یہ راجہ
فوت ہوگیا اس کے بعد اس سلطنت کو زوال آگیا اور تیرھویں صدی
میں منگولوں کے حملے سے اس راج کی رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی
اور آخری راجہ نرسنگھ پتی کو خود اُس کی اپنی رعایا نے قتل کر دیا کیونکہ
وہ اپنی رعایا کو منگولوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود بڑی بزدلی
سے اپنی جان بچانے کے لئے میدان سے منہ موڑ گیا تھا۔

جنوب مشرقی ایشیا میں ہندو تہذیب و تمدن کی اشاعت

جنوب مشرقی ایشیا میں پرانے زمانے میں کمبوج کے نیم وحشیوں سے
لے کر جاوا کے مہذب باشندوں کی طرح کئی قومیں آباد تھیں لیکن ہندو
تاجروں اور بودھ دھرم پرچارکوں کے میل جول سے ان قوموں کی زبانوں

ادب۔ مذہب۔ فن و ہنر اور سیاسی و سماجی طریق و رسوم پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

زبان و ادب

برما۔ سیام۔ ملایا۔ کمبوڈیا۔ انام۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو ہر جگہ پرانے سنسکرت کتبے ملے ہیں جو دوسری صدی سے لے کر بارھویں صدی تک کے زمانے کے ہیں۔ پالی جو سنسکرت کی ہی ایک شاخ ہے ہند چینی کے کئی حصوں میں آج بھی روزانہ استعمال میں آتی ہے ان کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والے شاستروں پرانوں۔ مہابھارت۔ رامائن وغیرہ سے پوری طرح واقف تھے کئی بادشاہ خود سنسکرت اور ہندو علوم کے ماہر تھے اور عالموں کے قدردان تھے۔

۱۰۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک جاوی زبان کے ادب میں بڑی ترقی، اس ادب کی زبان اور طرز تحریر پر سنسکرت کا اثر بہت نمایاں ہے ا' زبان میں رامائن اور مہابھارت کے ترجمے بھی ملتے ہیں۔

اسی طرح لنکا اور برما میں بودھ پالی ادب کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور مذہبی کتابوں کی شرحیں لکھی گئیں اور صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا

مذہب

پرانے وقتوں میں برما اور سیام میں بودھ دھرم اور باقی علاقوں میں برہمنی دھرم کا دوردورہ ہونے کی شہادتیں ملتی ہیں۔ چنانچہ جاوا کے پرانے مندروں میں تو شائد ہی کوئی ایسا ہندو دیوتا یا دیوی ہو جس کی مورتیاں ملتی ہوں یہاں تریمورتی یعنی برہما۔ وشنو۔ شو کی عام پوجا ہوتی تھی لیکن زیادہ رواج شو پوجا کا تھا۔ اگستیہ رشی کا بھی بڑا مان ہوتا تھا۔

اسی طرح ہین یان اور مہایان بودھ دھرم کا ان علاقوں میں دور دور تک پرچار ہوا اور یہاں علم و فن اور مذہب کے مطالعہ کے کئی اہم مرکز قایم ہوئے چنانچہ نالندہ کے مشہور آچاریہ دھرم پال سورن دویپ کے عالم و فاضل گرو چندر کیرتی کے شاگرد تھے سنسکرت اور پالی یہاں کی علمی زبانیں تھیں چنانچہ ان سب باتوں کی تائید چینی سیاحوں کے سفرناموں سے بھی ہوتی ہے۔ کھموج میں بھی جابجا آشرم

تاہم نقشے جو ہندو تہذیب و تمدن کے فیض کے چشمے تھے جن سے یہ ملک صدیوں سیراب ہوتا رہا۔

سماج

ان علاقوں میں ذات پات کا برہمنی رواج بھی مقبول عام تھا لیکن ذات پات کی قیدیں اتنی سخت نہ تھیں جتنی کہ ہندوستان میں ہیں۔ عورتوں کو عزت کا درجہ حاصل تھا کہیں کہیں ستی کا رواج بھی تھا۔ پردے کا رواج نہ تھا عورتوں کو اپنے خاوند منتخب کرنے کا حق حاصل تھا۔ عام تفریحات۔ جوا بازی۔ مرغوں کی لڑائی۔ گانا بجانا۔ ناچ اور ناٹک تھے۔ جاوا کے عوامی ناٹک مہابھارت اور رامائن کی کہانیوں پر مبنی ہیں۔

کھانے پینے میں ہندوستان کی طرح چاول۔ گیہوں۔ شہد اور شراب کا رواج تھا لوگ پان چبانے کے بھی شوقین تھے۔ اُن کا لباس اور زیور قدیم ہندوستانی نمونوں کا تھا۔ عورتوں۔ مردوں دونوں کے جسم کا اوپر کا حصہ ہمیشہ ننگا رکھنے کا دستور تھا۔

آرٹ یعنی فن و ہنر

ان علاقوں کے قدیم مندر اور مجسمے ہندوستانی فن و ہنر کے اعلیٰ نمونے ہیں زیادہ پرانے نمونے تو بالکل ہندوستانی وضع قطع کے ہیں اور گمان ہوتا ہے کہ ان کے بنانے والے ہندوستانی کاریگر ہی ہوں گے۔ جو شاید ان علاقوں میں آ بسے تھے بعد کے نمونوں میں مقامی اثر بھی ہے تاہم اُن کی اصل قطع ہندوستانی ہی نظر آتی ہے۔

ہندوستانی آرٹ کا سب سے شاندار نمونہ برابدور استوپ ہے جس کی سات منزلیں ہیں اور اس میں بدھ کی چار سو بتیس مورتیاں ہیں۔ اس ساری عمارت کے نقش و نگار اور بناوٹ کی وضع کاریگری کے نادر نمونے ہیں اسی طرح "لارا جونگ رینگ" کا مندر جس میں ۱۵۶ چھوٹے بڑے مندر شامل ہیں قابل دید ہے اس کے درمیان میں تین مندر خاص اہم۔ درمیان میں شو جی شمال میں وشنو اور جنوب میں برہما کے مندر ہیں ان کی دیواروں پر رامائن کی کہانی کے منظر کندہ ہیں۔

غرضیکہ ہر لحاظ سے ان ملکوں کی زندگی پر ہندوستانی تہذیب کی گہری چھاپ کے نشان ملتے ہیں یہاں ہندوستانی حکومت کے آثار بتا رہے ہیں کہ یہاں ہندوستانی شاہی خاندان اُسی طرح حکومت کرتے تھے جیسے ہندوستان میں مگر یہ نوآبادیاں ملکی لوٹ کھسوٹ یا ڈنڈے کی حکومت پر مبنی نہ تھیں بلکہ یہ ہندوستانی جہاں گئے وہیں کے ہو کے رہے ہاں کی دولت ہندوستان نہ لائے بلکہ اُنہیں ملکوں کی رعایا کی بہتری کے لئے خرچ کرتے رہے تجارت کے فروغ مذہب کی اشاعت اور تہذیب و تمدن کا فیض عام اس ہندوستانی نوآبادیاتی نظام کی خصوصیتیں تھیں۔

EXERCISE

1. Sketch the history of the reign of Samudra Gupta.
   (K.U. 1949)
2. What do you know about Chandra Gupta Maurya and the condition of India during his times.
   (P.U. 1934, 49)
3. The period of the rule of the Gupta dynasty was the "Golden Age" of Indian history. Discuss.
   (K.U. 1949, K.U. 1960)
4. Give a brief account of the spread of Hindu colonies and culture in South East Asia. *(P.U. 1940, 44)*

باب ہشتم

ہند و چین کے تعلقات

ایشیا میں چین اور ہندوستان تہذیب و تمدن کے سب سے پرانے گہوارے رہے ہیں۔ سینکڑوں برس اُن کے تعلقات بڑے گہرے رہے ہندوستان اور چین میں سب سے گہرا ناطہ بودھ دھرم رہا ہے اس کے علاوہ ملکی سفارتوں کا آنا جانا قدیم ہندی آرٹ اور تہذیب و تمدن اور تجارت بھی اس رشتے کی اہم کڑیاں ہیں۔

مذہبی تعلقات

قدیم چینی روایات کے مطابق بودھ دھرم سنہ ۲ ق-م میں چین میں پہنچا چنانچہ چینی اسے بڑا با برکت سال سمجھتے ہیں۔ سنہ ۶۷ء میں چینی شہنشاہ مینگ (MING) نے ایک سفیر شمالی ہند کے سیتھین دربار میں بھیجکر دو بودھ مذہبی رہنما کشیپ ماتنگ اور دھرم رتن اپنی رعایا کی ہدایت کے لئے منگوائے اور ان کے بعد کئی بودھ مبلغ چین پہنچنے لگے۔ سنہ ۸۰ء میں سب سے پہلے چینی کے بودھ بھکشو بننے اور سنہ ۱۹۰ء میں سب سے پہلے بودھ عبادت خانہ بننے کے واقعات یادگاری حیثیت رکھتے ہیں۔ بودھ دھرم جلد ہی چین میں چاروں طرف پھیلنے لگا اور دھارمک کتابوں کے ترجموں کی ضرورت پیش آئی چنانچہ مشہور ہندی عالم کمار جیو نے سینکڑوں بودھ گرنتھوں کا ترجمہ چینی زبان میں کیا اس کارنامہ کی ادبی، مذہبی اور بعدہ اہمیت بے مثال ہے مہاراجہ کنشک کے عہد حکومت میں کشمیر میں چوتھی بودھ کونسل منعقد ہوئی جس میں مہایان یا شمالی بودھ دھرم کی تعلیم اور اصول واضح کئے گئے یہ دھرم بڑا مقبول ہوا اور مہاراجہ

کنشک کی سرپرستی میں اس کا پرچار وسطی ایشیا اور شمال مغربی چین میں بھی ہوا اور کئی ہندوستانی بودھ مبلغ چین میں دھرم پرچار کے لئے گئے اب چینیوں کو بھی اپنے دھرم کی پوتر زمین ہندوستان آنے بودھ دھرم استھانوں کی یاترا کرنے اور بودھ مذہبی کتابیں جمع کرنے کے لئے ہندوستان آنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ مشہور چینی سیاح فاہیان - آئیتسنگ اور ہیون ژانگ کے سفرناموں سے اس سلسلہ میں بڑی مفید شہادتیں ملتی ہیں۔

چھٹی صدی عیسوی میں چینی حکمران ٹوتی نے بودھ دھرم کی سرپرستی اختیار کی اور ملک کے کونے کونے میں اس مذہب کی اشاعت کی چنانچہ اس کے عہد میں چین میں تیس ہزار بودھ عبادت گاہیں اور بیس لاکھ بودھ بھکشو موجود تھے اس وجہ سے سارے چین میں بودھ دھرم کا طوطی بولنے لگا اور بعد میں چینی بودھ دھرم پرچارکوں نے جاپان اور کوریا میں بھی بودھ دھرم کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

سیاسی تعلقات گذشتہ دو ہزار برسوں سے ہندوستان اور چین امن پسند ہمسایہ ملکوں کی طرح رہ رہے ہیں ان کے درمیان کوہ ہمالیہ کی ناقابل عبور دیوار نے ان کے سیاسی تعلقات کو اچھی طرح اُستوار نہیں ہونے دیا تاہم شمالی یا جنوب مشرقی سرحدوں اور سمندر کے راستے سفارتوں کا آنا جانا تاریخ سے ثابت ہوتا ہے

قدیم ہندوستانی تاریخ میں سب سے پہلے کنشک کے عہد میں ہمیں ہند چینی سیاسی تعلقات کا ذکر ملتا ہے۔ کنشک نے چینی سلطنت پر حملہ کرکے اس کے وسط ایشیائی علاقوں کاشغر۔ ختن اور یارقند پر قبضہ کر لیا چنانچہ چینی شہنشاہ ہوتی (Ho-ti) (۸۹ء تا ۱۰۵ء) نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اپنے جرنیل پان چاؤ کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار روانہ کیا اور کنشک کو شکست فاش ہوئی چند سال بعد پان چاؤ مرگیا۔ اب کنشک نے پھر ان علاقوں پر چڑھائی کی اور پان چاؤ کے بیٹے کے چھکے چھڑا دئے۔ اس لڑائی میں کنشک ایک

چینی شہزادے کو جنگی قیدی بنا کر اپنے دربار میں لے آیا۔ چین اور ہندوستان کے درمیان یہ پہلی اور آخری لڑائی تھی اُس کے بعد ان ملکوں کے تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے۔

افسوس ہے کہ درمیانی دور کی متعلق کوئی قابل وثوق شہادت نہیں ملتی لیکن ساتویں صدی میں مہاراجہ ہرش وردھن کے عہد حکومت میں چین سے پھر گہرے سیاسی تعلقات قایم ہونے کی تاریخی شہادت ملتی ہے اس عہد میں مشہور چینی سیاح ہیون ژانگ ہندوستان آیا اور قریباً ۸ برس ہرش کی سلطنت میں گھومتا پھرتا رہا اس کا سفرنامہ ہماری تاریخ کا ایک نہایت اہم ماخذ ہے اس عہد میں ۶۴۱ء میں ایک برہمن سفیر چینی تنگ شاہی خاندان کے شہنشاہ طائی ژونگسو کے دربار میں بھیجا گیا اور پھر چینی دربار سے اسی طرح ایک سفارت ہرش وردھن کے دربار میں بھی پہنچی۔

اسی طرح شمالی ہند کے مشہور فاتح اور کشمیر کے نامور حکمران للتادتیہ مکتاپیڈ (۷۲۴ء تا ۷۶۰ء) کے عہد میں کشمیری فوجیں ایک طرف تبت تک اور دوسری طرف وسط ایشیا تک جا پہنچی تھیں اور شمالی ہند کا کافی حصہ کشمیری سلطنت میں شامل ہو چکا تھا اس کے عہد میں چینی شہنشاہ ہیون ژونگ کے دربار میں ایک سفیر بھیجا گیا اور کشمیر اور چین کی حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہوئے

غرضیکہ قدیم ہند اور چین کے درمیان سیاسی تعلقات گو اتنے گہرے نہ تھے تاہم دونوں امن پسند ہمسائے ایک دوسرے کے لئے عموماً محبت اور دوستی کے جذبات رکھتے تھے

تمدنی تعلقات

بودھ دھرم نے ہندوستان اور چین کے درمیان بڑے گہرے تمدنی تعلقات قایم کر رکھے تھے چنانچہ چینی یاتریوں کا ہندوستان آنا۔ بودھ مذہبی کتابوں کا چین جانا اور سنسکرت اور پالی سے ان کے چینی زبان میں ترجمے اور مجسمہ سازی اور ہندوستانی طرز تعمیر کا چینی بودھ عمارتوں پر اثر سب سے ان تعلقات کے متعلق عمدہ شہادتیں ملتی ہیں۔

چینی سیاح یا یاتری ہندوستان میں بودھ تیرتھوں کی یاترا اور بودھ مذہبی کتابیں جمع کرنے کی غرض سے آتے تھے ان میں فاہیان اور ہیون سانگ بہت مشہور ہیں۔

فاہیان پانچویں صدی میں صحرائے گوبی کو عبور کر کے ختن۔ سطح مرتفع پامیر۔ سوات اور گندھارا کے علاقے سے ہوتا ہوا چین سے ہندوستان آیا تھا یہاں وہ پشاور۔ متھرا۔ قنوج۔ بنارس۔ کپل وستو۔ کوشی نگر۔ ویشالی پاٹلی پتر اور دوسرے مقامات پر گھومتا رہا اور بودھ مذہبی کتابیں اور بودھ تبرکات تلاش کرتا رہا اور آخر تامر لپتی (ضلع میدناپور مغربی بنگال) کی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر لنکا اور جاوا ہوتا ہوا واپس چلا اُس کا سفر نامہ ہماری تاریخ کا بڑا اہم ماخذ مانا جاتا ہے جس میں سنہ ۳۹۹ء سے سنہ ۴۱۴ء تک کے مختصر حالات ملتے ہیں۔

ہیون سانگ ہرش وردھن کے عہد میں تاشقند اور سمرقند سے ہوتا اور سنہ ۶۳۰ء میں ہندوستان پہنچا۔ اس وقت اُس کی عمر ۲۹ برس کی تھی چودہ برس بعد سنہ ۶۴۴ء میں وہ کاشغر۔ یارقند اور ختن کے راستے واپس ہوا وہ لونچھ سے ہوتا ہوا کشمیر بھی آیا تھا اور سرینگر میں جیندر وہار کی بودھ عبادت گاہ میں ٹھہرا تھا جس میں مہاتما بدھ کا دانت دفن تھا اور ایک ساٹھ فٹ اونچا بت نصیب تھا۔ ہیون سانگ نالندہ کی بودھ یونیورسٹی میں سنسکرت کی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا اُس کی لیاقت اور ذہانت کی شہرت سن کر ہرش وردھن نے اسے اپنے دربار میں بلا لیا جہاں وہ مہاراجے کا گہرا دوست بن گیا اور تقریباً آٹھ برس وہیں رہا جاتی بار وہ دو سو سنسکرت قلمی کتابیں ساتھ لے گیا جن میں سے کئی ایک کے ترجمے چینی زبان میں ہوئے ہیون سانگ کا سفر نامہ اس زمانے کے سماجی تمدنی اور سیاسی حالات کی کیفیت کا انمول خزانہ ہے۔

ہندوستان میں بودھ دھرم کی کتابیں سنسکرت اور پالی میں لکھی گئی تھیں جب چین میں بودھ دھرم پھیل گیا تو چینیوں کو ان کتابوں کی تلاش ہوئی چنانچہ فاہیان اور ہیون سانگ ان کتابوں کو ڈھونڈنے

لے گئے اور ہندوستانی عالموں کی مدد سے انہیں چینی زبان کا جامہ پہنانا شروع کیا اس سلسلہ میں کمار جیو نامی ہندوستانی عالم خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ برسوں چین میں رہا اور اُس نے سینکڑوں ہندوستانی تصانیف کا چینی زبان میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح کے عالموں کی ایک بستی چین میں بسی ہوئی تھی جسے لویانگ کہتے تھے۔ روایت ہے کہ چھٹی صدی میں اسی بستی میں کم و بیش دس ہزار ہندوستانی اور تین ہزار بودھ بھکشو رہتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج قدیم سنسکرت تصنیفات جن کا تعلق بودھ دھرم یا فلسفے سے تھا ہندوستان میں تو نہیں ملتیں مگر اُن کے چینی ترجمے آج بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور بودھ عالم ناگ ارجن کی صرف چار پانچ کتابیں ہی ہندوستان میں ملتی ہیں لیکن چینی زبان میں اُس کی دو تیس کتابیں ملتی ہیں ان کتابوں اور ترجموں سے ہندوستانی تمدن کا چینیوں پر نہایت گہرا اثر پڑتا رہا اور اُن کے رہن سہن۔ کھانے پینے۔ اخلاق اور فلسفہ پر ہندوستانی رنگ چڑھتا رہا۔

کئی چینی عالم ہندوستانی دانش گاہوں یا یونیورسٹیوں میں آکر تعلیم حاصل کرنا بڑے فخر کی بات سمجھتے تھے چنانچہ پاٹلی پتر اور نالندہ میں کئی چینی مختلف ہندوستانی علوم زبانوں اور فلسفہ کی تعلیم پاتے تھے ان کی وجہ سے بھی ہندوستانی تمدن کی اشاعت میں بڑی مدد ملتی تھی۔

فن و ہنر اور مجسمہ سازی میں ہندوستانی اثرات کی شہادتیں ملتی ہیں چنانچہ چٹانوں کو کاٹ کر عبادت گاہیں بنانے کا چینی رواج ہندوستان ہی کی دین ہے اسی طرح گندھارا طرز کی بودھ مورتیاں اور مہاتما بدھ کے چہرے کا تصور جو بالکل ہندوستانی ہے۔ چین کی مجسمہ سازی پر بہت اثر انداز ہوئے ہیں نقاشی میں ہوا میں اُڑنے والے گندھرب دیوتاؤں کی تصویریں بھی ہندوستانی روایات سے متاثر ہیں۔ بودھ کی مختلف جنموں کی زندگیاں۔ بودھی ستو اہنت اور لوک بالی اور ان کے متعلق قصے کہانیاں سب کا چینی آرٹ پر

پر گہرا اثر پڑتا رہا ہے۔ فن تعمیر پر کئی لحاظ سے گپتا آرٹ کے
اثر کی شہادت بھی ملتی ہے۔ اسی طرح ہندوستانی ریاضی علم
ہیئت، جوتش اور ہندوستانی دوائیں بھی چین میں کافی مقبول ہوئیں۔
قیاس ہے کہ اس قدر قریبی تعلقات کی وجہ سے ہندوستان
اور چین میں تجارتی تعلقات بھی خوب اچھے ہوں گے مگر افسوس ہے
کہ اس کے متعلق کوئی قابل اعتبار شہادت میسر نہیں ہوتی۔
غرضیکہ قدیم ہند اور چین کے تعلقات بودھ دھرم کی طفیل
بڑے اچھے تھے۔

باب نہم

الف۔ ہن اور قومی ابتری کا دور

دوسری صدی قبل مسیح میں شمال مغربی چین میں ایک قوم آباد تھی جسے چینی ہیاونگسنو اور ہندوستانی ہن کہتے ہیں۔ کچھ مدت بعد اس قوم نے مغرب کی طرف بڑھنا شروع کیا ان کی ایک شاخ یورپ کو چلی گئی اور وہاں انہوں نے رومن سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور دوسری شاخ پانچویں صدی کے وسط میں دریائے جیحوں کی وادی میں وسط ایشیا میں آن بسی۔ ان کو سفید ہن کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ چوڑے چکلے اور اونچے لمبے ہوتے تھے منہ پر ڈاڑھی کے بال کم اور ناک چپٹی ہوتی تھی مار دھاڑ اور خون خرابے کے بڑے شوقین تھے ۴۵۵ء میں سفید ہنوں نے گپت شہنشاہ سکند گپت کے مقبوضہ علاقوں کے مغرب میں مار دھاڑ شروع کی مگر گپت نوجوان نے ان کا منہ توڑ جواب دیا ادھر ہنوں نے ۴۸۴ء میں ایران کے ساسانی شہنشاہ فیروز کو شکست دیکر قتل کر دیا اور وادی کابل اور ایران میں اپنے قدم جما لئے اب ان کی حالت بڑی مستحکم ہو گئی اور انہوں نے بلخ کو راجدھانی بنا کر ایک وسیع سلطنت قایم کر دی

سکند گپت کے مرنے کے بعد گپت سلطنت کی رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی اب ہنوں نے پسر ہندوستان پر زور کے حملے شروع کر دیئے۔ ان کا پہلا نامور سردار اور حکمران تورمان تھا اس کی سرکردگی میں ہن پنجاب راجستھان اور شمالی مدھیہ پردیش کے علاقوں پر چھا گئے اور گپت سلطنت کے مغربی صوبوں میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔

تورمان ۵۰۰ء کے لگ بھگ تخت پر بیٹھا اس کے سکوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شوجی کا اپاسک تھا اس نے مہاراج ادھیراج کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ آخر ۵۱۰ء میں بھانو گپت نے تورمان کو شکست فاش دی اور اس کے طوفانی حملوں کی ناکہ بندی کر دی۔

تورمان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا مہر گل تخت پر بیٹھا جو اپنی سفاکی۔ خونخواری اور ظلم کے لئے مشہور ہے وہ بھی شوجی کا پجاری تھا لیکن بودھ دھرم کا زبردست مخالف تھا اس کے عہد میں کئی بودھ عبادت گاہیں تباہ و برباد کی گئیں اس نے گوالیار تک اپنی سلطنت کا سکہ بٹھایا۔ ۵۳۳ء میں مندسور کے راجہ یشو دھرمن نے مہر گل کو شکست دے کر پسپا کر دیا۔ اس کے بعد گپتا حکمران نرسنگھ گپت بالا دتیہ نے بھی مہر گل کو شکست دے کر قید کر لیا مگر بعد میں رہا کر دیا۔ آخر مہر گل نے کشمیر کے راجہ کی پناہ لی۔ لیکن بعد میں اس سے غداری کر کے مہر گل خود کشمیر کا حکمران بن بیٹھا اور بودھوں کو ستانے لگا بعد میں اس نے اپنی سلطنت کے کئی کھوئے ہوئے حصے واپس لے لئے اور ساکلہ یا سیالکوٹ (مغربی پاکستان) میں راجدھانی قائم کر کے حکومت کرتا رہا۔ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں مر گیا اور اس کی رعایا نے سکھ کا سانس لیا۔

نتائج

۱۔ مہر گل کی وفات کے بعد ہنوں کو کوئی قابل ذکر سردار نہ مل سکا اور ان کی طاقت تتر بتر ہو گئی۔ ہولے ہولے انہوں نے ہندی تہذیب و تمدن کو پوری طرح اپنا لیا اور ہندو سماج میں گھل مل گئے۔ اس طرح ہندوستانی قوم کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگا۔

۲- سیاسی لحاظ سے ہنوں کے حملوں سے ہندوستان کی مرکزی حکومت اور سلطنت گپت کا پوری طرح دیوالہ پٹ گیا اور اس کے کھنڈروں پر کئی چھوٹے چھوٹے راجواڑے بن گئے اور سیاسی اتحاد اور ملک کی طاقت پر زبردست چوٹ پڑی۔

۳- ہنوں کے حملوں سے ذات پات کی پابندیاں بڑھ گئیں اور دوسری طرف کھشتری راجپوتوں میں نئے نئے خاندان قائم ہوئے جن میں سے کئی اپنی ریاستیں بنانے میں کامیاب ہوئے اور اس طرح تاریخ ہند میں راجپوتوں کے دَور کا زمانہ شروع ہوا۔

۴- ہن حملوں سے خاص طور پر بودھ دھرم کو بڑا دھکا لگا اور بودھ عبادت گاہیں۔ مجسمے۔ کتابیں اور آرٹ کے نمونے فنا و برباد ہوئے اور کئی لوگوں کو اذیت و ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا۔

(ب) ہرش اور قومی استحکام

ہنوں کے حملوں کی وجہ سے جو چھوٹی چھوٹی حکومتیں وجود میں آئیں انہیں میں سے ایک تھانیسر کی ریاست تھی جہاں چھٹی صدی کے آغاز میں پشیہ بھوتی شاہی خاندان کی حکومت تھی اس خاندان کا بانی راجہ پربھاکر وردھن تھا اُس نے گوجر راجاؤں کے خلاف کئی معرکے مارے اور مالوہ اور گجرات تک اپنا اثر و رسوخ بڑھایا اُس نے اپنی لڑکی راجیہ شری کا بیاہ قنوج کے راجہ گرہیہ ورمن سے کیا اُس کے مرنے کے بعد تھانیسر میں راجہ وردھن گدی پر بیٹھا۔ کچھ دنوں بعد گرہیہ ورمن پر مالوہ کے

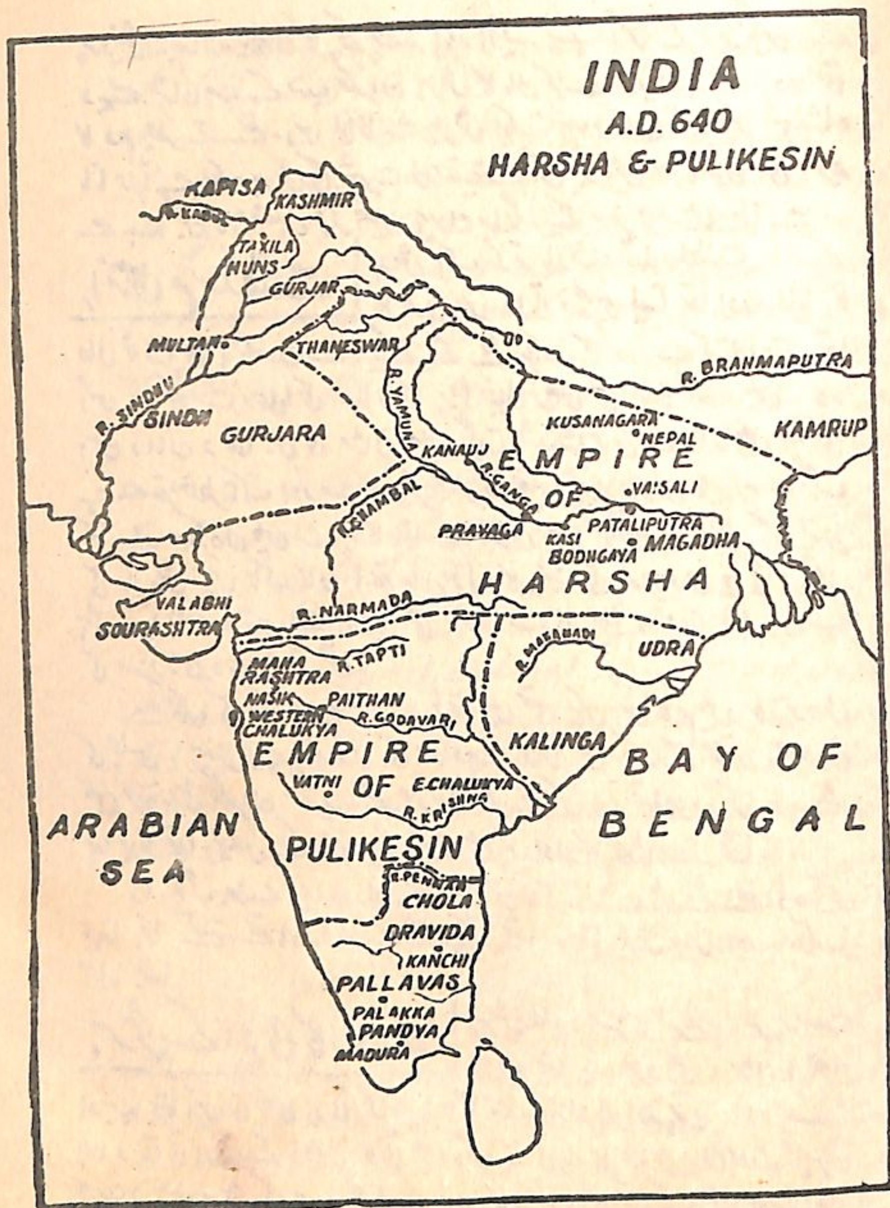
راجہ دیوگپت اور بنگال کے راجہ سسانک نے حملہ کر دیا۔ گرہ ورمن میدان جنگ میں کام آیا اور راجیہ شری قید ہو کر دشمن کے پنجہ میں جا پھنسی راجیہ وردھن اپنی بہن کی مدد کو پہنچا لیکن خود لڑائی میں مارا گیا بالآخر تھانیسر کی گدی پر اُس کا چھوٹا بھائی ہرش وردھن بیٹھا۔

ابتدائی زندگی

ہرش وردھن نے تخت سنبھالتے ہی اپنی بہن اور بھائی کا بدلہ لینے اور بہن کو دشمن کے چنگل سے چھڑانے کی ٹھانی اُس نے کامروپ کے راجہ بھاسکر ورمن سے دوستی اور اتحاد کا عہد نامہ کر لیا اور سسانک پر حملہ کی تیاری شروع کر دی اسی اثنا میں اُسے معلوم ہوا کہ راجیہ شری دشمن کی قید سے چھوٹ کر وندھیاچل کے بنوں کو نکل گئی ہے۔ ہرش اُس کی تلاش میں نکلا اور عین اُس وقت جب وہ اپنی باندیوں سمیت آگ میں کودنے کو تھی ہرش وہاں جا پہنچا اور بہن کو واپس لے آیا۔ اب ہرش نے شمالی ہند میں اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ ہیون سانگ لکھتا ہے کہ ہرش نے اپنی ہاتھی سوار فوج میں ۶۰ ہزار اور گھوڑ سوار فوج میں ایک لاکھ سپاہی بھرتی کئے تاہم یہ حقیقت ہے کہ وہ سسانک کو شکست نہ دے سکا جب ہرش نے نربدا پار دکن کے علاقے پر حملہ کیا تو چالوکیہ حکمران پلاکیشن نے اُسے شکست فاش دی اور بعض مورخوں کی روایت کے مطابق ہرش کا پیچھا کرتا ہوا قنوج تک پہنچا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

حدود سلطنت

یہ عام خیال کہ ہرش وردھن کی سلطنت سارے شمالی ہند میں پھیلی ہوئی تھی تاریخی تحقیق سے صحیح ثابت نہیں ہوتا یہ یقینی طور پر خیال ہے کہ اس زمانے میں کشمیر مغربی پنجاب۔ سندھ راجپوتانہ۔ گجرات کاٹھیاواڑ۔ نیپال اور کامروپ (آسام) آزاد اور خود مختار تھے پھر بھی ہرش کے عہد میں تھانیسر اور قنوج کی دونوں ریاستوں کی باگ ڈور ہرش کے ہاتھ میں تھی اور آخر میں ان دونوں ریاستوں کی متحدہ طاقت سے ہرش نے اپنی سلطنت کو زیادہ مضبوط اور وسیع بنیادوں پر استوار کیا [illegible]


INDIA
A.D. 640
HARSHA & PULIKESIN
KAPISA
KASHMIR
TAXILA
HUNS
GURJAR
MULTAN
THANESWAR
R. BRAHMAPUTRA
R. SINDHU
SINDH
GURJARA
R. YAMUNA
KUSANAGARA
NEPAL
KAMRUP
KANAUJ
EMPIRE
R. GANGA
VAISALI
OF
R. CHAMBAL
PRAYAGA
PATALIPUTRA
KASI
MAGADHA
BODHGAYA
HARSHA
VALABHI
R. NARMADA
SOURASHTRA
UDRA
MAHA RASHTRA
R. TAPTI
NASIK
PAITHAN
WESTERN CHALUKYA
R. GODAVARI
KALINGA
EMPIRE
BAY OF
VATNI
OF
E.CHALUKYA
R. KRISHNA
BENGAL
ARABIAN SEA
PULIKESIN
R. PENNAR
CHOLA
DRAVIDA
KANCHI
PALLAVAS
PALAKKA
PANDYA
MADURA

پردیش۔ بہار۔ بنگال کا کچھ حصّہ اور اڑیسہ سب اُس کے زیرنگین تھے ویسے شمالی ہند کے سب حکمران ہرش کا مان کرتے اور اُس سے دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اس لحاظ سے ہرش ایک مشہور فاتح اور عظیم شہنشاہ مانا جاتا ہے لیکن ہرش کی شہرت درحقیقت اُن پر امن کارناموں کی وجہ سے ہے جن کا مفصل ذکر ہمیں ہیون سانگ کے سفر نامہ میں ملتا ہے۔

انتظام سلطنت

ہرش ایک مُدبّر بادشاہ تھا سلطنت کے کاموں میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا اور رعایا کا حال خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے ملک کے دورے کرتا رہتا تھا اُس کی حکومت رعایا کی بھلائی کا بڑا خیال رکھتی تھی لیکن ملک میں وہ امن و امان نہ تھا جس کی مثال ہمیں گپتا شہنشاہوں کے دَور میں ملتی ہے۔ سفر خطرناک اور سڑکیں غیر محفوظ تھیں چنانچہ خود ہیون سانگ کئی بار سفروں میں لٹ چکا تھا۔ عدالتوں میں سنگین جرموں کی سزا کی پاداش میں ناک کان ہاتھ یا پاؤں کاٹنے کی سزا دی جاتی تھی۔ آگ۔ پانی اور زہر سے آزمائشی انصاف کا بھی رواج تھا۔ جرمانے کی سزا بھی دی جاتی تھی۔

ملک کی حکومت ہرش کے ہاتھ میں تھی لیکن اس کام میں وزیروں کی مجلس یا منتری پریشد اُس کی معاونت کرتی تھی ملک کے مختلف حصوں میں صوبائی حکمران منتر رہتے تھے صوبوں کو بھوکتی اور ضلعوں کو وشے کہا جاتا تھا۔ ٹیکس ہلکے تھے۔ لگان زرعی پیداوار کا چھٹا حصّہ تھا۔

لوگ بڑے ایماندار تھے اور گناہ کرنے سے ڈرتے تھے۔ دھوکہ دینا بُرا سمجھتے تھے اور وعدے کے پکے تھے۔ رعایا خوشحال اور ملک آباد تھا۔

ہرش کے ادبی کارنامے

ہرش علم و ہنر کا سرگرم سرپرست ہی نہ تھا بلکہ خود بھی بڑا اچھا ادیب تھا اُس کی لکھی ہوئی کتابیں ناگانند۔ رتناولی اور پریہ درسکا، ہندوستانی ادب کے انمول موتی ہیں اُس کا درباری شاعر بان بھٹ" ہرش چرت (یعنی ہرش کی سوانح عمری) اور کادمبری کا مصنّف تھا اور ان

کی وجہ سے آج تک مشہور ہے۔ ہرش اپنی ذاتی آمدنی کا چوتھا حصّہ
عالموں اور طالب علموں کی مدد میں صرف کرتا تھا اُس کے زمانے میں
کئی اعلیٰ درس گاہیں تھیں جنہیں سرکاری امداد ملتی تھی ان سب میں نامور
نالندہ یونیورسٹی تھی جس میں دس ہزار طالب علم پڑھتے تھے۔ جن میں
کئی سمندر پار سے آئے ہوئے تھے یہاں بودھ اور برہمنی مذہبی اور
فلسفیانہ مضمون پڑھائے جاتے تھے اس کے اخراجات کے لئے سو گاؤں
کی آمدنی وقف تھی یہاں کے اُستاد اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار عالم
مانے جاتے تھے۔ ہیون سانگ بھی یہاں کئی سال تک مطالعہ کرتا رہا
اور یہیں سے اُس کی شہرت ہرش تک پہنچی اور بالآخر وہ ہرش کا
مصاحب اور خاص دوست بن گیا۔

مذہب

شروع میں ہرش غالباً شو جی کا اُپاسک تھا لیکن دوسرے
مذہبوں کی بھی بڑی عزت کرتا تھا وہ دھرم آرتھ کے
کاموں کے لئے بودھ اور برہمنی اداروں کی دل کھول کر مدد کرتا تھا۔
سرائیں اور شفاخانے تعمیر کرواتا تھا اُس نے دریائے گنگا کے کنارے
ہزاروں بودھ استوپ تیار کروائے اور بودھ تیرتھ استھانوں پر
بودھ خانقاہیں تعمیر کروائیں وہ ہر سال بودھ مذہبی پیشواؤں کے جلسے
منعقد کرواتا تھا اور بحث و مباحثہ میں قابلیت دکھانے والوں کو
انعامات دیتا تھا وہ بلند اخلاق کے راجوں اور مدبروں کو دوست رکھتا تھا
اور بداخلاق لوگوں سے چاہے وہ سماج کے کسی طبقہ سے تعلق رکھتے
ہوں بات تک کرنا گوارا نہ سمجھتا تھا آخرکار ہرش نے بودھ دھرم قبول
کرلیا اور مہایان فرقے میں داخل ہوگیا۔

قنوج کا مذہبی جلسہ

ہرش کے زمانے میں قنوج کو وہ عروج
حاصل ہوا کہ اس کے سامنے پاٹلی پتر کی
عظمت کی داستان ایک بھولی بسری کہانی بن کے رہ گئی۔ ہیون سانگ
لکھتا ہے کہ یہ شہر پانچ میل لمبا اور سوا میل چوڑا تھا اور اس میں
ایک سو بودھ خانقاہیں اور دو سو دیو مندر تھے۔ ہیون سانگ نے
اپنے سفرنامہ میں قنوج کے ایک مذہبی جلسہ کا ذکر کیا ہے جو تاریخی

عتبار سے بڑا دلچسپ ہے۔

ہرش کی ہیون سانگ سے پہلی ملاقات مغربی بنگال میں ہوئی تھی۔ ہرش اس چینی سیاح کی صحبت میں اس قدر خوش ہوا کہ اس کی خاطر ہرش نے قنوج میں ایک خاص مذہبی جلسہ منعقد کیا اس میں بیس باجگذار راجے۔ چار ہزار بودھ بھکشو اور تین ہزار جین اور برہمن شامل ہوئے ہرش وردھن نے گنگا کے مغربی کنارے پر ایک وسیع خانقاہ تعمیر کروائی اور اس کے پاس ایک سو فٹ اونچا مینار بنوا کر بدھ کی اپنے قد کی سونے کی مورتی بنوا کر نصب کی اس کے ساتھ ہی مہاراجے کا عارضی محل اور مہمان خانے بھی تعمیر کروائے گئے ہر روز بدھ کی ایک تین فٹ اونچی سونے کی مورتی کا جلوس نکلتا تھا جس کا چھتر خود ہرش اٹھاتا تھا اور اس پر سارے راستے جواہرات اور سونے چاندی کے پھول برسا کر لٹائے جاتے تھے جلوس کے پیچھے ہاتھیوں پر راجے اور نقارچی ہوتے تھے پھر بدھ کی مورتی کے سامنے ہزاروں قیمتی لباس چڑھاوے کے طور پر بھینٹ کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد عالم و فاضل علمی بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے تھے اور رات کو یہ اجلاس ختم ہو جاتے تھے ایک مہینہ بھر ہر روز یہی کاروائی ہوتی رہی تا آں کہ ایک رات خانقاہ میں آگ لگ گئی اور یہ جل کر راکھ ہو گئی۔ ہرش یہ سارا تماشا ایک استوپ پر کھڑا دیکھ رہا تھا یکایک ایک طرف سے ایک خونخوار قاتل اپنا خنجر سنبھالے ہرش کی طرف لپکا لیکن جلد ہی پکڑا گیا اور اس نے بعد میں اقبال کیا کہ بودھوں کی قدر افزائی سے جلے برہمنوں نے اسے اس حرکت پر اکسایا تھا اور انہوں نے ہی خانقاہ کو آگ لگائی تھی آخرکار چیدہ چیدہ سرغنے پکڑے گئے اور انہیں سزائیں دی گئیں لیکن باقی سب کو معاف کر دیا گیا۔

پریاگ کا مذہبی میلہ اور ہرش کی سخاوت

پریاگ (الہ آباد) میں دریائے جمنا و گنگا کے سنگھم کے قریب ایک کھلا میدان تھا جہاں پرانے وقتوں سے راجے

مہاراجے دان دینے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ہرش بھی ہر پانچ سالوں کے بعد اپنا سارا دھن دولت لے آتا تھا اور تین مہینے دان پن میں صرف کیا کرتا تھا۔ ہیون سانگ کا بیان ہے کہ پہلے دن بدھ کی مورتی نصب کی جاتی تھی اور سب سے اعلیٰ قسم کی چیزیں اور کپڑے تقسیم کئے جاتے تھے دوسرے دن آدتیہ دیو یعنی سورج دیوتا کے سامنے پہلے دن سے آدھی قیمت کی قیمتی چیزیں اور لباس تقسیم ہوتے تھے اور اسی طرح تیسرے دن ایشور دیو یعنی شو جی کی مورتی کے سامنے خیرات کی جاتی تھی چوتھے دن دس ہزار بودھ بھکشوؤں کو سو سو سونے کی مہریں۔ ایک سچا موتی ایک سوتی پوشاک اور کئی قسم کی کھانے پینے کی چیزیں پھل اور عطر نذر کئے جاتے تھے اس کے بعد بیس روز برہمنوں کو نذریں ملتی تھیں اس کے بعد دس دن تک دور دراز سے آئے ہوئے سوالیوں کو اور پھر ایک مہینہ تک غریبوں۔ مفلسوں اور یتیموں کو خیرات ملتی تھی اور اس طرح پانچ سال کی جمع پونجی صرف ہو جاتی تھی اور ہرش اپنے ذاتی استعمال کے زر و جواہر۔ ہار۔ تاج حتیٰ کہ تن کا لباس بھی خیرات کر دیا کرتا تھا۔

چین سے تعلقات

ہرش ہیون سانگ سے ملنے کے پہلے بھی چین سے کافی واقف تھا اس نے پہلے پہل سنہ ۶۴۱ء میں ایک سفارت چین کے دربار میں بھیجی اور ادھر سے بھی ایک سفیر ہندوستان آیا۔ ہیون سانگ سے ملنے کے بعد ہرش نے ایک برہمن کو اپنا سفیر بنا کر چین بھیجا اور سنہ ۶۴۳ء میں چین سے دوسری سفارت ہندوستان آئی۔ اس کے بعد تیسری سفارت وانگ ہیون ٹی کی سرکردگی میں اس وقت پہنچی جب ہرش اس جہان فانی سے کوچ کر چکا تھا۔

سنہ ۶۴۷ء میں ہرش کے مرنے کے بعد اس کا کوئی جانشین پیچھے نہ رہا اور تاج و تخت اس کے ایک وزیر ارجن یا اردن آشو نے سنبھال لیا جو کچھ دیر بعد تبت کے حکمران کے خلاف لڑتا ہوا قید ہو گیا اس طرح

قدیم ہند کے آخری شہنشاہ کی داستان ختم ہوگئی ملک میں پھر گھر گھر راج
ہوگیا اور سیاسی اتحاد و یکجہتی کو اب دھکا لگا کہ ملک پھر صدیوں
تک نہ سنبھل سکا۔ اس کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ ہرش اتنا عظیم
فاتح یا مدبر نہ تھا کہ اس کی سلطنت کی بنیادیں زیادہ مضبوط ہوتیں۔
اُنہوں نے ملک کے نظم و نسق کو باقاعدہ منظم کرنے کی طرف بھی توجہ
نہ دی۔ اس کی اپنی سلطنت [illegible] سلطنت کی طرح وسیع اور
مضبوط نہ تھی اس لئے اس کے مرتے ہی پشیبہ بھوتی شاہی خاندان
کا نام و نشان مٹ گیا۔

راجا ہرش کے بعد

۷۰۰ء تا ۱۲۰۰ء

ہرش وردھن کے مرنے کے بعد ہندوستان میں جا بجا چھوٹی چھوٹی
خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں جو مدتوں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار
رہیں حتیٰ کہ آٹھویں صدی کے آغاز سے راجپوت شاہی خاندان
بڑے ممتاز ہوگئے اس لئے اس دور کو راجپوتوں کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔

راجپوت کون تھے؟

راجپوتوں کے آغاز کے متعلق قطعی تاریخی
شہادت نہیں ملتی بعض عالموں کا خیال
ہے کہ کچھ راجپوت خاندان شک اور ہن قوموں اور کچھ ہندوستان کے
آدی باسی گونڈ اور بھیل قبیلوں کی اولاد ہیں بعض عالم انہیں قدیم
کھشتری سورج بنسی یا چندر بنسی خاندانوں کی اولاد مانتے ہیں۔ قومی
روایات کے مطابق کچھ راجپوت اگنی کل یعنی وششٹ رشی کے
ہون کنڈ سے پیدا ہونے والے پرتی ہار۔ پرمار۔ چوہان اور چالوکیہ
خاندانوں کے مورث اعلیٰ کی اولاد مانتے ہیں۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی
ہی باتیں ہیں لیکن راجپوتوں کی اصل اولاد چاہے کچھ ہی ہو اتنا تو
یقینی ہے کہ یہ قومیں آٹھویں صدی سے بارھویں صدی تک ہندوستان
پر چھائی رہیں ان کے معاشرتی اور تمدنی رشتے اور قومی روایات نے
انہیں ایک لڑی میں پرو دیئے رکھا اُن کی جنگجوئی بہادری اور ارادوں

کی بلندی قابل تعریف تھی یہ لوگ اپنی عزت و آبرو کی خاطر کٹ مرنے کو تیار رہتے تھے۔ تلوار کے دھنی وعدے کے پکے اور اپنے سرداروں کے سچے وفادار ہوتے تھے اُن کی عورتیں بھی اپنی آبرو پر جان چھڑکتی تھیں اور وقت آنے پر آگ میں کود کر جان دینا کھیل سمجھتی تھیں۔ لڑنا بھڑنا اور خانہ جنگی ان قوموں کا عام وطیرہ تھا۔ یہ لوگ برہمنی مذہب کے پیروکار تھے انہوں نے برہمنوں کا مان بڑھانے۔ علم و فن کی سرپرستی اور صنعت و تجارت کی ترقی کے لئے بہت کوششیں کیں۔ چنانچہ اس دور میں بھوبھوتی جیسا شاعر اور ڈرامہ نویس۔ کلہن مصنف راج ترنگنی جیسا شاعر اور مورخ۔ ویساکھ دت جیسا ڈرامہ نویس اور دیانیشور جیسا محقق اور کھیمندر اور سوم دیو جیسے افسانہ نویس ہو گذرے ہیں اس کے علاوہ ریاضی۔ علم ہیئت اور طب نے بھی کافی ترقی کی۔ فن تعمیر نے اُڑیسہ میں بھونیشور کا مندر بندھیل کھنڈ میں کھجراہو کا شوجی کا مندر اور کوہ آبو کے جین مندر اسی دور کی حسین یادگاریں ہیں ملک میں امن و امان قایم رکھنا اور رعایا کی حفاظت کرنا راجپوت اپنا دھرم سمجھتے تھے اس سے تجارت کو بڑھاوا ملتا تھا۔ اس دور میں ذات پات کی سختی سے پابندی ہوتی تھی اور ستی کی رسم بھی عام تھی۔ وشنو بشو اور شکتی کی پوجا مقبول تھی ان کی بڑی بڑی ریاستیں یہ تھیں:۔

قنوج ان راجپوتوں میں قنوج کے پرتی ہار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ وہلادھی تھا جس کے جانشین ناگ بھٹ اول نے ۷۲۵ء سے ۷۴۰ء تک حکومت کی اور مارواڑ سے بھروچ تک کا علاقہ فتح کر لیا اُس کے پوتے وتسراج (۷۷۰ء — ۸۰۰ء) نے قنوج پر چڑھائی کی لیکن کچھ عرصے بعد وہ شکست کھا کر لوٹ گیا اس کے بعد ناگ بھٹ ثانی (۸۰۰ — ۸۳۳ء) نے ۸۱۵ء میں قنوج فتح کر کے اسے اپنی راجدھانی بنایا اور مہاراجہ کہلایا۔ یہ بڑا نامور فاتح تھا اس نے کوہ ہمالیہ سے کاٹھیاواڑ اور الہ آباد سے پنجاب تک کا علاقہ فتح کر کے ایک عظیم الشان سلطنت قایم کر لی اس کے بعد مہر بھوج (۸۴۳ — ۸۸۱ء) مہندرپال (۸۹۰ — ۹۰۷ء) اور مہی پال (۹۱۰ — ۹۴۰ء) جانشین ہوئے اور آس پاس کے راجاؤں سے

لڑتے بھڑتے رہے اور کوہ ہمالیہ سے بندھیاچل اور مشرقی گھاٹ سے مغربی گھاٹ تک انہیں کا جھنڈا لہراتا رہا۔ بھی پال کے جانشین بڑے نکمے نکلے ان میں راجپال (۹۹۰ – ۱۰۱۸ء) کے عہد میں قنوج پر محمود غزنوی نے حملہ کیا۔ راجپال شکست کھا کر بھاگ گیا اور آخر گنڈا چندیل راجا کے ہاتھوں مارا گیا۔ ۱۰۹۰ء میں قنوج کے پرتی ہار خاندان کا زوال ہو گیا اور حکومت گہر وار خاندان کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

سانبھر اور اجمیر سا کبریا سانبھر کا علاقہ جودھپور اور جے پور کے اضلاع کے درمیان واقع تھا۔ اس علاقے میں چاہمان یا چوہان راجپوت آباد تھے اس شاہی خاندان کا مورث اعلیٰ واسودیو تھا لیکن اس کا زمانہ متعین نہیں ہو سکا۔ دوسرا نامور حکمران گوواک ناگ بھٹ ثانی والئے قنوج کا باجگزار تھا۔ اس نے دہلی کے تومار راجہ کو شکست دیکر ہلاک کیا تھا اس طرح چوہان اور تومار باہمی جنگ میں مبتلا ہو گئے اور آخرکار چوہان دہلی پر قابض ہو گئے۔ وگراہ راجہ ثانی نے ۹۷۳ء میں قنوج سے خود مختاری حاصل کر لی اور اپنا علاقہ دریائے نربدا تک بڑھا لیا اور گجرات کے چالوکیہ راجہ کو شکست دی اس کے بعد اجے راجہ نے مالوہ کے پرمار راجہ کو شکست دے کر اجین تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس راجہ نے اجے میرو نامی شہر آباد کیا جسے اب اجمیر کہا جاتا ہے اس خاندان کا آخری مشہور راجہ پرتھوی راج سوم تھا جو ۱۱۹۲ء میں سلطان شہاب الدین غوری کے خلاف لڑتا ہوا میدان جنگ میں کام آیا۔

مالوہ دسویں صدی کے وسط میں مالوہ کے علاقے میں پرمار راجپوت طاقت پکڑ گئے اس شاہی خاندان کا مورث اعلیٰ اپیندر راجہ تھا لیکن ان کی عظمت کا بانی واک پتی راجہ اول تھا جو گجرات کے راشٹرکوٹ راجاؤں کا باجگزار تھا۔ راجہ ہرش المعروف سیاک ثانی (۹۴۵ – ۹۷۴ء) پہلا خود مختار پرمار حکمران تھا اور بڑا جنگجو تھا اور آس پاس کے راجاؤں سے لڑتا بھڑتا رہتا تھا وہ علم و فن کا بڑا سرپرست تھا اس کے عہد میں پدم گپت اور ہلیودھا مشہور عالم ہو گذرے ہیں اس خاندان کا سب سے نامور راجہ بھوج تھا جس نے ۱۰۱۰ء سے ۱۰۵۵ء تک حکومت کی

اُس کے متعلق کئی کہانیاں مشہور ہیں وہ چالوکیہ اور کلاچری راجاؤں
کے خلاف جنگیں کرتا رہا اور آخر انہیں معرکوں میں کام آیا۔ راجہ بھوج
علم و فن کا بڑا سرپرست تھا اُس کے زمانے کی عمارتوں کے کھنڈر
آج بھی زبان حال سے اُس کی عظمت کے قصے سنا رہے ہیں۔ راجہ بھوج
خود بھی بڑا عالم تھا اور فلسفہ۔ شعر و شاعری۔ علم ہیئت فن تعمیر۔ طب
صرف و نحو وغیرہ پر کئی کتابوں کا مصنف مانا جاتا ہے اس خاندان
کا آخری قابل ذکر راجہ ارجن ورمن ۱۲۱۱ء سے ۱۲۱۵ء تک حکومت کرتا
رہا اور آخر یہ شاہی خاندان ترکوں کے سیلاب کے سامنے خس و خاشاک
کی طرح بہہ گیا۔

گجرات دسویں صدی سے تیرھویں صدی تک گجرات میں سولنکی یا
چالوکیہ راجپوت برسر اقتدار رہے اس خاندان کا پہلا مشہور
راجہ مولراج اول ۹۶۱ء سے ۹۹۶ء تک حکومت کرتا رہا اسی نے وادی
سرسوتی میں اپنی حکومت قائم کی اور پھر انہلواڑہ کا شہر فتح کر لیا۔ اس
کے بعد بھیم اول سندھ کے مسلم حکمرانوں کے خلاف لڑتا رہا اور ۱۰۲۲
سے ۱۰۶۴ء تک راج کرتا رہا اس کے عہد میں سلطان محمود غزنوی نے
سومنات پر حملہ کیا۔

بنگال آٹھویں صدی کے وسط میں بنگال میں راجا گوپال نے پال
خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی اُس کے بعد دھرم پال (۷۸۰ —
۸۱۵ء) اور دیوپال (۸۱۵ — ۸۴۰ء) نے قنوج سے آسام تک اور
جنوب میں کالنگ تک اپنی سلطنت کے جھنڈے گاڑھ دیئے۔ اس کے بعد
بیرونی قوموں کی پے در پے حملوں نے اس خاندان کو کمزور کر دیا۔ یہ
خاندان بودھ دھرم کا پیرو اور صنعتی اور علمی ترقی کا سرپرست تھا۔

ان کے علاوہ کابل میں ہندو شاہی خاندان برسر اقتدار تھا جو
بالآخر محمود غزنوی کے ہاتھوں ملیا میٹ ہو گیا۔ نیپال میں الگ آزاد حکومت
قائم تھی اور آسام کا بڑا حصہ پالوں کے ماتحت تھا۔

کشمیر کشمیر اشوک کے عہد میں سلطنت موریا کا ایک حصہ تھا اس کے
بعد کشن حکمران اس پر قابض رہے لیکن گپت شہنشاہ

کشمیر کو زیر نگین نہ کر سکے۔ ساتویں صدی کے آغاز میں راجہ درلبھ وردھن نے کارکوٹ خاندان کی بنیاد رکھی اسی راجہ کے عہد میں ہیون سانگ کشمیر آیا تھا اور اپنے سفر نامہ میں اُس نے کشمیر کے چشم دید حالات لکھے ہیں اس شاہی خاندان کا سب سے نامور حکمران للتا دتیہ مکتا پیڈ تھا جس نے ۷۲۴ سے ۷۶۰ء تک حکومت کی۔ للتا دتیہ بڑا نامی فاتح تھا اُس نے ایک طرف تبت اور وسط ایشیا تک اور دوسری طرف پنجاب تک اپنا سکہ بٹھایا اور قنوج کے راجہ یشو ورمن کو مغلوب کیا اُس نے چین کے شہنشاہ کو سفیر بھیجے اور کئی بودھ خانقاہیں اور برہمنی مندر تعمیر کروائے اُس کا بنایا ہوا مارتنڈ مندر کشمیر کے فنِ تعمیر کا بہترین شاہکار مانا جاتا ہے نویں صدی میں کارکوٹ خاندان کا زوال ہوا اور حکومت اوتپل خاندان میں منتقل ہو گئی لیکن پھر کوئی نامور حکمران نہ ہوا اور ۱۳۳۹ء میں حکومت شاہمیری خاندان کے ہاتھ آئی لیکن پھر بھی کشمیر کی قومی آزادی سولہویں صدی تک برقرار رہی

سندھ ہرش کے مرنے کے بعد موریا قوم کا ایک خاندان سندھ پر قابض ہو گیا یہ لوگ بودھ دھرم کے ماننے والے تھے۔ ان کی حکومت وادی سندھ میں پھیلی ہوئی تھی اور بلوچستان کے جاگیردار بھی ان کے باجگذار تھے۔ آخرکار اس خاندان کے ایک برہمن وزیر چچ نے ۶۵۰ء میں حکومت پر اپنا قبضہ جما لیا یہ راجہ بڑا ہٹ دھرمی اور ظالم تھا اُس نے بڑی سختی سے حکومت کی رعایا کو ہتھیار باندھ کر چلنے ریشمی کپڑے پہننے زین باندھ کر گھوڑے پر چڑھنے تک سے روک دیا اس کے بعد اس کا بیٹا راجہ داہر گدی پر بیٹھا۔ ۷۱۲ء میں اس راجہ کی عربوں سے جنگ ہوئی راجہ داہر کو شکست ہوئی اور ملک عربوں کے قبضہ میں آ گیا اس طرح سندھ کی مقامی حکومت اور چچ خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے راجواڑے قائم تھے جن کا ذکر یہاں ضروری معلوم نہیں ہوتا ۔

حصّۂ دوم

باب اوّل

عروجِ اسلام

الف، اسلام اور ہند

ب، عربوں کی فتح سندھ

چھٹی صدی عیسوی میں۔ جزیرہ نمائے عرب کی سماجی اور اخلاقی
حالت نہایت پست ہو چکی تھی۔ ہر طرف بد اعمالی کا دور دورہ تھا لوگ
ایک خدا کی پوجا چھوڑ کر سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کو اپنا معبود
مانتے اور اُن کے بت بنا بنا کر پوجتے تھے۔ شراب پینا۔ جواء کھیلنا
عورتوں سے بھیڑ بکریوں کا سا سلوک کرنا۔ دختر کشی۔ ذات پات اور
نسل پر گھمنڈ۔ آپس کی ضدیں اور عداوتیں غرضیکہ وہ کون سی بُرائی
تھی جو ان میں نہ تھی۔ اس زمانہ میں عرب کے شہر مکہ کے ایک معزز

قبیلے قریش میں ۵۷۰ء میں حضرت محمدؐ پیدا ہوئے آپ کے والد عبداللہ آپ کی ولادت سے تین ماہ پہلے ہی فوت ہو چکے تھے اس لئے آپ اپنی والدہ بی بی آمنہ کے سایہ میں پرورش پاتے رہے اور آپ کے دادا عبدالمطلب آپ کی دیکھ بھال کرتے رہے لیکن دس سال کی عمر تک آپ کے سب سہارے چھوٹ گئے پہلے آپ کی والدہ اور اُن کے بعد آپ کے دادا بھی آپ کو داغ جدائی دے گئے اب آپ کے چچا ابی طالب آپ کے سرپرست بن گئے جوان ہو کر آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور کچھ عرصہ بعد مکہ کی ایک مالدار بیوہ بی بی خدیجہؓ کا مال لے کر شام کے ملک کا تجارتی سفر کیا اس میں آپ نے اس قدر دیانت داری سے کام لیا کہ بی بی خدیجہؓ کو بہت فائدہ ہوا کچھ عرصے کے بعد بی بی خدیجہؓ جن کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی آپ سے شادی کی خواہش مند ہوئیں چنانچہ ۲۵ برس کی عمر میں آپ کا اُن سے نکاح ہو گیا

اسلام کی تعلیم پیغمبرؐ اسلام شروع ہی سے اپنی قوم کی گمراہی اور سماجی خرابیوں سے سخت متنفر تھے اور بڑی پاکیزہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مکہ کے باہر غار حرا اور غار ثور میں جا جا کر خدا کی عبادت میں محو رہتے تھے سچ بولنے اور دیانت داری کے لئے مشہور تھے اور لوگ آپ کو "امین" کہا کرتے تھے چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت عطا ہوئی اور آپ نے اعلان فرمایا کہ آپ کو خدا نے لوگوں کی ہدایت اور راہبری کے لئے رسول یعنی پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اب آپ نے اسلام کی اشاعت شروع کی آپ نے فرمایا کہ صرف ایک ان دیکھا خدا ہی پرستش کے لائق ہے اور کوئی اُس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ وہی اس دنیا جہاں کا پیدا کرنے والا ہے اور اُس کے بغیر کوئی طاقت انسان کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی اس لئے اُس کے سوا کسی دوسرے کی پوجا کرنا سخت گناہ ہے آپ نے بت پرستی اور دیوی دیوتاؤں پر یقین رکھنے کی بھی سخت مخالفت کی۔ آپ نے تعلیم دی کہ انسان کو ایک خدا اور آپ کی نبوت سب پیغمبروں اور

الہامی کتابوں ... خدا کے فرشتوں اور ... دنیا ... کے ...

ایمان رکھنا چاہیئے آپ نے ہدایت کی کہ لوگوں کو چاہیئے کہ پانچ وقت نماز پڑھا کریں اپنی دولت کا اڑھائی فی صدی حصہ غریبوں کی مدد کے لئے زکواۃ کے طور پر دیا کریں۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھا کریں اور اگر سرمایہ کافی ہو تو مکہ معظمہ میں کعبہ شریف کا حج کیا کریں ہمسائے سے محبت۔ غیر مذہب والوں سے رواداری۔ سب انسانوں کو برابر سمجھنا۔ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنا۔ عدل و انصاف اور حق و سچائی کی حمائت اور حفاظت کے لئے تن من دھن کی قربانی کے لئے تیار رہنا مظلوم کی حمائت اور ظالم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کرنا۔ نیکی کرنا۔ بدی سے بچنا۔ یتیموں اور غریبوں کی دست گیری کرنا اسلام کے اہم اصول ہیں یہ ان اعلیٰ اصولوں ہی کا صدقہ تھا کہ عرب کے جاہل اور اجڈ لوگ دنیا میں تہذیب و تمدن کے علمبردار بن گئے اور اسلام کی تعلیم نے مہذب دنیا کے دلوں میں جلد گھر کر لیا۔

ہجرت

شروع شروع میں مکہ کے لوگ اپنی عادتوں کو چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے بلکہ وہ پیغمبرِ اسلام کو ہر طرح ستانے اور قتل کرنے تک کے درپے ہو گئے آخرکار آپ اپنے گہرے دوست حضرت ابوبکر کے ہمراہ مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اس واقعہ کو ہجرت کہا جاتا ہے اور اسی سال سے اسلامی سن شروع ہوتا ہے جسے سنہ ہجری کہتے ہیں۔

مدینہ کے لوگوں نے آپ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور اپنا مال و جان آپ پر نثار کرنے کو تیار ہو گئے۔ اسی لئے انہیں انصار یعنی مدد کرنے والے اور مکہ سے آئے ہوئے مسلمانوں کو مہاجر کہتے ہیں مدینہ میں آپ نے شہر اور آس پاس کے لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف آنے کی دعوت دی اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے اس دور میں آپ نے اسلامی حکومت و سیاست کے اصول مقرر کرکے اور مسلمانوں کی تنظیم کو مضبوط کیا مکہ کے لوگوں نے یہاں بھی آپ کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور آپ کو حق و انصاف اور سچائی کی حمائت اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جنگیں لڑنی پڑیں۔ آخر سنہ ۶۳۰ء میں آپ نے مکہ پر فتح پائی

اور فاتحانہ شان سے مکہ میں واپس تشریف لائے لیکن آپ نے شہر میں داخل ہوتے ہی کعبہ شریف کا رُخ کیا اور اس کو بتوں سے پاک و صاف کرکے سجدہ شکر ادا کیا آپ کے مخالف ڈر سے کانپ رہے تھے کہ پتہ نہیں اُن پر اب کیا سختیاں ٹوٹیں گی لیکن آپ نے اعلان فرمایا کہ آج کے دن کسی کو کوئی سزا نہ دی جائے گی۔ اس عام معافی کے اعلان سے آپ کے دشمنوں کے دل بھی پگھل گئے اور کئی لوگوں نے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ فتح مکہ کے بعد اسلام دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا اور سارے جزیرہ نما عرب میں پھیل گیا۔ ۶۳۲ء میں آپ نے وفات پائی۔

اسلام کی اشاعت

آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی ابن ابی طالب خلیفے چُنے گئے۔ اس دَور کو خلافت راشدہ کا زمانہ کہتے ہیں اس دور میں شام۔ عراق۔ ایران۔ مصر اور شمالی افریقہ کے علاقے فتح ہوئے اور ان سب ملکوں میں اسلام پھیل گیا۔ اسلام کی سادہ تعلیم۔ اعلیٰ اخلاقی اصول۔ مساوات اور انسانی برادری کا سبق اس کی ہر دل عزیزی کی سب سے بڑی وجوہات تھیں چنانچہ سو برس کے اندر اندر ہی بلوچستان اور وسط ایشیا سے لے کر مصر۔ شمالی افریقہ اور اسپین تک کی سب قومیں اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئیں۔

اسلام اور ہند

اسلام دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں میں سے ایک ہے اس لئے ساری دنیا کی تہذیب پر اس کا کسی نہ کسی طرح اثر پڑا ہے لیکن ہندوستان پر اسلام کا خاص طور پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے چنانچہ جدید ہندوستانی تمدن قدیم ہندی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے امتزاج یعنی گھلنے ملنے کا ایک حسین مجموعہ ہے اس لحاظ

سے اسلام اور اسلامی تہذیب کا ہماری تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔

ہندوستان کے عرب سے تعلقات کی داستان اسلام کے عروج سے بہت پہلے شروع ہوتی ہے قدیم زمانے میں ہندوستانی تاجر عرب کی بندرگاہوں میں آتے جاتے تھے۔ ہندوستان میں یونانی اور رومی تاجروں کا مال لانے لے جانے کے لئے عرب جہاز ران ہندوستان کے مغربی ساحل پر لنگر ڈالتے رہتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مسلمان عرب تاجر اور جہاز ران اسی طرح بحیرہ عرب کے آس پاس کے ممالک میں گھومتے پھرتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہیں تاجروں اور جہاز رانوں کے ذریعے اسلام جنوبی ہند میں پہنچا۔ یہ تاجر بحیرۂ قلزم اور جنوبی عرب کے ساحل کی بندرگاہوں سے سندھ کے دیبل اور خلیج کھمبائت ہوتے ہوئے ساحل مالابار کی بندرگاہوں تک پہنچتے تھے اور کئی تو ملایا انڈونیشیا اور چین تک بھی جاتے تھے۔

سب سے پہلا مسلم بحری بیڑہ حضرت عمر فاروق کی خلافت کے زمانہ میں ہندوستانی سمندر میں نمودار ہوا۔ بحرین اور عمان کے حاکم عثمان ثقفی نے یہ فوجی مہم تھانہ ضلع بمبئی میں بھیجی۔ اسی طرح بھروچ اور دیبل میں بھی بحری مہمیں بھیجی گئیں۔ اسی زمانے میں ہندوستان کو جانے والے خشکی کے راستے بھی معلوم کئے گئے اور فوجی اہمیت کی جغرافیائی معلومات اکٹھی کی گئیں جو بعد میں عربوں کی فتح سندھ میں اُن کے کام آئیں۔

اسی دوران میں مسلمان عرب تاجروں نے اپنے کاروبار کے سلسلہ میں جنوبی ہند میں تین اور سیلون میں ایک اہم نوآبادی بسالی۔ ساتویں صدی کے بعد سے کئی عرب تاجر ہندوستانی بندرگاہوں اور تجارتی شہروں میں بس گئے انہوں نے یہیں شادی بیاہ کر لئے ان تاجروں کی وجہ سے ملکی تجارت کو بڑا فائدہ پہنچتا تھا یہی وجہ ہے۔ کہ مقامی ہندو حکمران اُن کی ہر طرح حوصلہ افزائی اور سرپرستی کرتے تھے۔

آٹھویں صدی عیسوی میں عرب بحری بیڑہ نے بھروچ اور کاٹھیاواڑ کی بندرگاہوں پر حملہ کیا اس علاقے میں بھی پُرانی عرب

بستیوں کے نشان ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں ان کی آبادی اور کاروبار کی گہما گہمی ہوتی تھی۔

اس کے بعد مسلمان عربوں کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا اور انہوں نے پُر امن طریقوں سے اسلام کی اشاعت بھی شروع کر دی کیونکہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب کی اشاعت میں جوش و خروش سے حصہ لے۔ جنوبی ہند میں یہ زمانہ بڑی مذہبی بے چینی کا تھا۔ مسلمان مبلغوں نے اسلام کی سادہ تعلیم اور جمہوری سماجی روایات سے لوگوں کو روشناس کر دایا چنانچہ ۸۲۲ء سے پہلے ہی کوڈونگلر کے راجہ چیرامن پیرومل نے شیخ تقی الدین کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور اُس کا اسلامی نام عبد الرحمٰن سامری رکھا گیا کچھ دنوں کے بعد یہ راجہ مالابار سے عرب چلا گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔ اس راجہ نے مالک ابن دینار شرف ابن مالک اور مالک ابن حبیب کو مالابار بھیجا اور اپنے حاکموں کو ملک کے انتظام اور ان مہمانوں کے استقبال کی ہدایت کی چنانچہ ان کا بڑی گرم جوشی سے سواگت کیا گیا اور انہیں مسجد تعمیر کرنے کی سہولت دی گئی اس کے بعد مالابار میں یکے بعد دیگرے گیارہ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ مسلمان عرب سرکاری ملازمتوں اور سفارتوں میں مقرر ہونے لگے اور کالی کٹ میں اُن کا اثر و رسوخ اتنا بڑھا کہ وہاں کے زمورن راجے مسلمانوں کا لباس پہن کر مالاباری مسلمان موپلوں سے راج تلک لگواتے تھے۔ موپلوں کا درجہ سماج میں نمبوودری برہمنوں کے ہم پلہ تھا۔ زمورن کے راج میں مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی اور عرب تاجر جوق در جوق آکر اس راجہ کے علاقوں میں آباد ہو رہے تھے۔ زمورن نے اسلام کی اشاعت کی بھی حوصلہ افزائی کی تاکہ ہندوستانی مسلمانوں کے ذریعے عربوں سے تجارت میں زیادہ سہولتیں میسر ہو سکیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر ماہی گیر کنبے میں کم از کم ایک بچہ مسلمان بنایا جانا چاہیئے۔ دسویں صدی کے بعد مسلمان ترکوں کے حملوں کی وجہ سے شمالی ہند میں مسلمانوں کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا اور جنوبی ہند کی مسلمان عرب بستیوں کی اہمیت گھٹتی گئی۔

شمالی ہند میں اسلام سب سے پہلے آٹھویں صدی میں پہنچا۔ جب عربوں نے سندھ فتح کرنے کی غرض سے پے در پے تین مہمیں بھیجیں جن میں آخری مہم عماد الدین محمد ابن قاسم ثقفی کی کمان میں کامیاب ہوئی اور سندھ عرب ممالک کا حصہ بن گیا دسویں صدی کے بعد مسلمان ترک اور پٹھان قوموں نے دہلی سلطنت کی بنیاد رکھی جو کسی نہ کسی صورت میں ۱۸۵۷ء تک وجود میں رہی۔

اس ہزار سالہ دور حکومت میں مسلمان ترکوں پٹھانوں اور مغلوں نے ہندوستان کو اپنا گھر بنایا اسی ملک کے لئے جئے اور اسی کے لئے مرے انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات پیدا کئے۔ مسلمان صوفیوں اور ہندو بھگتوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے ہندو مسلمانوں میں برادرانہ سلوک اور رواداری کو ترقی دی ہندو فلسفہ۔ علم ریاضی۔ طب کا اثر مسلمانوں پر اور اسلامی اخوت۔ برادری۔ خدا کو ایک ماننا۔ عورتوں سے اچھا سلوک کرنا۔ بت پرستی سے پرہیز اسلامی فن تعمیر فارسی اور عربی ادب سب کا ہندوستانیوں پر گہرا اثر پڑا۔ اور اس طرح اردو زبان۔ ہندوستانی فن تعمیر اور ہندوستان کے ملے جلے کلچر کی بنیاد پڑی غرضیکہ اسلام کا اثر ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر ضرور پڑا دکھائی دیتا ہے ہماری تاریخ میں اس لئے اسلام اور اسلامی تہذیب کی بڑی اہمیت ہے۔

سوال نمبر ۲۶۔ عربوں کی فتح سندھ کا مختصر حال لکھیئے۔ اس کے نتائج کیا تھے؟ یہ فتح ناپائیدار کیوں ثابت ہوئی؟

(ب) عربوں کی فتح سندھ

عرب تاجر ہندوستان کے مغربی ساحل سے اچھی طرح آشنا تھے اور یہاں ان کی کئی بستیاں اور تجارتی مرکز موجود تھے۔ سیلون میں بھی ان کی بستی تھی جہاں کئی عرب تاجر جا بسے تھے ان لوگوں کی قدرتی خواہش تھی کہ تجارت اور تبلیغ اسلام کیلئے ہندوستان آئیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی کے عہد میں ہی

سندھ پر حملہ ہوا تھا لیکن عربوں کو اس میں نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ آخر بنو اُمیہ خاندان کے امیر معاویہ (خلیفہ پنجم) کے عہد میں مہلب ابن ابی صفرہ نے سندھ پر حملہ کیا مگر سوائے جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کے یہ مہم بھی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکی آخر ۷۱۱ء میں عماد الدین محمد ابن قاسم ثقفی نے سندھ پر حملہ کیا۔

وجوہات

۱۔ عربی مورخوں کی روایت ہے کہ سیلون میں چند عرب سوداگر مر گئے تو وہاں کے راجے نے اُن کی یتیم لڑکیوں اور بیواؤں کو ایک بحری قافلہ کے ہمراہ روانہ کیا۔ جب یہ قافلہ بحیرہ عرب سے خلیج فارس کو جانے کے لئے سندھ کے ساحلی سمندر کے قریب سے گذر رہا تھا تو بحری ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے چھاپہ مار کر اس قافلے کو لوٹ لیا اور ان لڑکیوں کو اُٹھا کر لے گئے۔ حجاج ابن یوسف حاکم بصرہ نے راجہ داہر والئے سندھ سے ان لڑکیوں کی رہائی اور مجرموں کی گوشمالی کا مطالبہ کیا لیکن راجہ داہر نے معذوری ظاہر کی۔ حجاج نے یکے بعد دیگرے دو مہمیں عبید اللہ اور بُدیل کی سرکردگی میں راجہ داہر کے خلاف بھیجیں مگر یہ دونوں جرنیل شکست کھا کر میدان جنگ میں ہی کام آئے۔ اس پر حجاج ابن یوسف نے اموی خلیفہ ولید سے اجازت حاصل کر کے اپنے داماد محمد بن قاسم کی سرکردگی میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک مہم سندھ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

۲۔ راجہ داہر نے اس سے پہلے ایک عرب باغی سردار محمد بن حرث علافی کو اپنے ہاں پناہ دیکر اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ اُمیہ حکومت کو اس کی بھی شکایت تھی۔

۳۔ اُمیہ حکومت کو اپنی سلطنت بڑھانے کا شوق تھا اور وہ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھانا چاہتی تھی۔ ہندوستان کی دولت مندی اور زرخیزی عرب تاجروں اور حکمرانوں دونوں کے لئے کشش کا باعث تھی۔

حملہ

حجاج ابن یوسف نے شامی فوج کے چھ ہزار چیدہ نوجوانوں سے ایک فوج ترتیب دی اور اسے اچھی طرح کیل کانٹے سے لیس کر کے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ کی طرف کوچ کا حکم دیا اور راستے میں ہر طرح کا سامان اور رسد پہنچانے کا بڑا عمدہ انتظام کیا۔ یہ فوج

ایران مکران اور بلوچستان کے راستے سندھ پر حملہ آور ہوئی۔ اتنی منظم
فوج کا مقابلہ راجہ داہر کے لئے محال تھا۔ محمد بن قاسم نے سندھ پہنچتے
ہی دیبل۔ نیرون اور سیوستان فتح کر لئے آخر راوڑ کے قلعے کے سامنے
دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ راجہ داہر نے جی توڑ کر مقابلہ کیا اور قریب
تھا کہ عربوں کے قدم اکھڑ جاتے کہ عین اس وقت راجہ داہر کا ہاتھی
زخمی ہو کر میدان سے بھاگ نکلا۔ بس پھر کیا تھا چاروں طرف کھلبلی مچ
گئی اور میدان محمد بن قاسم کے ہاتھ رہا۔ راجہ داہر نے ایک بار پھر میدان
سنبھالنے کی کوشش کی مگر بالآخر جوانمردی سے لڑتا ہوا جنگ میں کام
آیا۔ داہر کی مہارانی نے کچھ دیر تو مقابلہ کیا مگر جب اپنے اقبال کا آفتاب
ڈھلتا دیکھا تو اپنی سہیلیوں سمیت چتا میں بیٹھ کر جل گئی اور اپنی آن
پر بٹا نہ آنے دیا۔ (اس رسم کو جوہر کہتے ہیں) مردوں نے یہ جگر خراش
منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اب وہ بھی سر ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کی
صفیں چیرتے ہوئے نکل گئے مگر آخر کار ایک ایک بہادر لڑتا ہوا اپنی
عزت پر قربان ہو گیا ان کی اس بہادری کا عربوں پر بہت اثر ہوا اور
وہ ہش ہش کر اٹھے۔

اب راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ برہمن آباد اور اپنی راجدھانی الور
(ALOR) کی قلعہ بندی کر کے خود دشمن کی فوج پر چھاپے مارنے کے
لئے آگے بڑھا۔ ادھر محمد بن قاسم نے برہمن آباد کا محاصرہ کر لیا اور آخر
چھ ماہ کی لگاتار لڑائی کے بعد چند سرکردہ شہریوں کی غداری سے شہر
عربوں نے فتح کر لیا اب الور پر چڑھائی ہوئی یہاں راجہ داہر کا دوسرا
بیٹا فوفی مقابلہ پر آیا لیکن بالآخر شہری اس لڑائی سے تنگ آ گئے اور
انہوں نے عربوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اب محمد بن قاسم ملتان پر
حملہ آور ہوا یہاں کے لوگ دو ماہ تک بہادری سے اس کا مقابلہ کرتے رہے
لیکن آخر کار جب عربوں نے پانی کی سپلائی کا راستہ روک دیا تو ملتان کے
محافظوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد محمد بن قاسم کا سرپرست
حجاج ابن یوسف سنہ ۷۱۴ء میں اور خلیفہ ولید سنہ ۷۱۵ء میں فوت ہو گئے۔
نیا خلیفہ سلیمان والی عراق صالح بن عبد الرحمن حجاج کے زبردست دشمن

تھے اس سیاسی انقلاب کی وجہ سے محمد بن قاسم بھی معزول کرکے عراق کے شہر واسط میں نظر بند کر دیا گیا اور اس کے بعد حجاج ابن یوسف کے دیگر کئی ساتھیوں کے ہمراہ اُسے بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

نتائج عربوں کے سندھ پر حملہ کے کوئی پائیدار اور اہم نتائج نہ نکلے عربوں نے سندھ سے بڑھ کر شمالی ہند کے دوسرے علاقے بھی فتح کرنے چاہے مگر للتادتیہ مکتاپیڈ والئے کشمیر اور ناگ بھٹ والئے مالوہ نے انہیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ سندھ باقی ملک سے الگ تھلگ ہو کر اسلامی دنیا کا ایک حصّہ بن گیا۔ اور عربوں کے تمدنی اثرات سندھ سے باہر نہ پہنچ سکے۔ تاہم عربوں کے حملے نے ہندوستان کے دروازے دیگر مسلمان قوموں کے لئے کھول دئے اور اس طرح مستقبل کے مسلمان حکمرانوں کا راستہ صاف کر دیا۔ عرب اور ہند ایک دوسرے کے قریب آئے چنانچہ عربوں نے علم طب ریاضی اور فلسفہ میں ہندوؤں سے بہت کچھ سیکھا۔ اور اسلام میں صوفیوں پر ویدانت اور بودھ فلسفے کا بہت اثر پڑا۔ اسی طرح ہندوؤں میں بت پرستی سے بیزاری۔ ایک خدا کی پوجا جات پات سے نفرت اور انسانوں کی برابری کے خیالات مقبول ہونے لگے۔ اور بالواسطہ طور پر اُن کے تمدن پر گہرے اثرات پڑے۔ یہ کہنا بڑی حد تک صحیح ہے کہ عربوں کی فتح سندھ ہندوستان اور اسلام کی تاریخ میں کوئی اہم واقعہ نہ تھا نہ ہی اس کے کوئی بلاواسطہ اور دور رس نتائج نکلے۔

عرب حکومت کی ناپائیداری کے اسباب

۱۔ سندھ عرب سلطنت کے مرکز سے بہت دُور تھا اس لئے خلیفے اس میں زیادہ دلچسپی نہ رکھتے تھے۔

۲۔ عرب پہلے تو قومی جوش و خروش سے متحد ہو کر آئے اور سندھ پر اپنا تسلط جما لیا لیکن جلد ہی قبائلی تعصب کا شکار ہو گئے اور عربی سلطنت کا یہ صوبہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بالکل کمزور ہو گیا۔

۳۔ عرب ہندوستان کے طاقتور حکمران ناگ بھٹ یا للتادتیہ کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتے تھے اس لئے وہ کوئی مضبوط حکومت قائم نہ کر سکے

۴. خلافت اُمیہ کے زوال سے عربی تسلط اور بھی کمزور پڑ گیا
۵. عربوں کے مختلف قبیلوں کی خانہ جنگی اور مذہبی فرقہ بازی نے انہیں کمزور کر دیا بالآخر تین صدیوں کے بعد سلطان شہاب الدین محمد غوری نے اس علاقے کو فتح کر کے اپنی ہندوستانی مملکت میں شامل کر لیا۔

محمد بن قاسم کا کردار اور نظام سلطنت

محمد بن قاسم دنیا کے فاتحوں میں سب سے زیادہ کم عمر اور اسلامی تاریخ میں ایک نہایت نامور جرنیل ہو گزرا ہے وہ شام کے ایک اعلیٰ خاندان ثقفی سے تعلق رکھتا تھا اور نہایت با اخلاق صالح بہادر اور نوجوان تھا انہیں صفتوں کی وجہ سے اُس نے سترہ برس کی عمر میں ایک عمدہ فوج کی کمان سنبھال لی اور سندھ پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑنے میں ایسی کامیابی حاصل کی کہ سکندر اعظم کی یاد تازہ ہو گئی۔ اگر اُسے قبل از وقت سیاسی اختلافات کی نذر نہ ہونا پڑتا تو یقیناً وہ ہندوستان میں ایک عظیم سلطنت کا بانی ہوتا وہ عمر کا کچا تھا لیکن دانائی اور تدبر مردانگی اور شجاعت میں جہاں دیدہ بوڑھے اور آزمودہ جرنیل بھی اس کا لگا نہ کھا سکتے تھے۔ محمد بن قاسم صرف ایک بہادر سپاہی اور قابل جرنیل ہی نہ تھا بلکہ ایک نہایت مدبر منصف مزاج اور رعایا پرور حاکم بھی تھا۔ اس نے سندھ میں عربوں کی بستیاں بسائیں جو جلد تجارت اور تمدن کے مرکز بن گئیں اُس نے زمین پر بہت کم لگان لگایا۔ ہندوؤں اور بودھوں کو پوری پوری مذہبی آزادی دی اور برہمنوں کو اچھے اچھے عہدوں پر قائم کیا اُس نے جزیہ ضرور لگایا مگر ہندو اور بودھ مندروں اور بت خانوں کی حفاظت کا پورا یقین دلایا۔ انصاف کرنے کے لئے جا بجا عدالتیں مقرر کیں۔ ہندوؤں کے لئے شادی اور وراثت کے قضیوں کا فیصلہ کرنے کے لئے پنچائتیں مقرر کیں اور ہر طرف امن و امان قائم کر دیا جس سے رعایا بڑی مطمئن اور خوش حال ہو گئی۔ محمد بن قاسم کا رعایا سے سلوک اس قدر اچھا تھا کہ لوگ خود بخود آ کر اُس کی اطاعت قبول کر لیتے تھے اور جب محمد بن قاسم چلا گیا تو لوگوں نے

اُس کے بت بنا بنا کر پوجنے شروع کر دیے۔ یہ عزت دنیا کے
کسی غیر ملکی فاتح کو مفتوح قوم میں شاید ہی نصیب ہوئی ہو۔

EXERCISE

1. Give an account of the life and teachings of the Prophet Mohammed and the rise of Islam.
2. What do you know about the advent of Islam in India,
3. Give a brief account of the causes, course and results of the Arab conquest of Sindh. Why did the Arabs fail in establishing a permanent empire in India ?
4. Estimate the character and achievements of Muhammad Bin Qasim as a general and administrator.

EXERCISE

1. Describe briefly the condition of India on the eve of Mahumud's invasion.
2. Give an account of the important conquests of Mahmud in India.
3. Form an estimate of the character and achievements of Sultan Mahmud of Ghazni.
4. What do you know about Alberuni ? What light does he throw on the conditions in India during his age ?

باب دوم

سلطان محمود غزنوی (۹۹۷-۱۰۳۰ء)
کے حملے
اور
ہندوستان کی حالت

گیارھویں صدی کے شروع میں ہندوستان میں ہر طرف کمزوری اور سیاسی الجھاؤ کا دَور دَورہ تھا ملک میں کئی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں جو ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر اپنی طاقت کھو رہی تھیں اُن میں قومی اتحاد اور مشترک مفاد کی حفاظت کا جذبہ نام کو نہ تھا ہندوستان ایک بٹا ہوا گھر تھا جس کے حکمران ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی میں محو تھے اور بیرونی حملوں کے خطرہ سے بالکل بے خبر تھے۔

اس وقت شمالی ہند میں کئی راجپوت ریاستیں تھیں جن میں قابل ذکر یہ ہیں :-

کابل و پنجاب کی ہندو شاہی حکومت

سلطان محمود کے دربار کے مشہور عالم و محقق سنسکرت دان علامہ ابو ریحان البیرونی کے بیان کے مطابق نویں صدی عیسوی تک وادی کابل میں ایک ہندوستانی شاہی خاندان کی حکومت تھی جو کنشک

کی اولاد میں سے تھا اس کو ترک شاہیہ کہتے تھے اس خاندان کے آخری حکمران لگا تورمان کو اس کے برہمن وزیر کلّار نے گدی سے اُتار کر ہندو یا برہمن شاہیہ خاندان کی بنیاد رکھی ۸۷۰ء میں یعقوب ابن لیث نے وادی کابل فتح کر لی تو اس شاہی خاندان نے اپنی راجدھانی اُدبانڈپور یا اوہند (واقع ضلع اٹک) میں قایم کر لی۔ کلّار کو للیا شاہی بھی کہتے ہیں اس کا بیٹا تورمان کشمیریوں کی مدد سے تخت پر قابض ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا بھیم دیو تخت پر بیٹھا اس کی نواسی دیدہ کی شادی کشمیر کے راجہ کھیمندر سے ہوئی اور وہ کشمیر کی ایک نامور ملکہ ہو گذری ہے اس خاندان کا اگلا نامور راجہ جے پال تھا جس نے ۹۹۶ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا اور اس کی حکومت مشرقی افغانستان سے سرہند تک اور لاہور سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ جے پال شمالی ہند کی سرحد کا سب سے بڑا محافظ تھا اس کی منٹ بھیڑ غزنوی حکمرانوں سے ہوئی جس کا حال آئندہ سطور میں آئے گا۔

قنوج کے پرتی ہار دسویں صدی میں پرتی ہار سلطنت کا زوال شروع ہو چکا تھا راجہ مہی پال (م-۹۳۱ء) کی وفات کے بعد مہندر پال، دیو پال اور دیو پال تخت پر بیٹھے مگر یہ سلطنت کی گرتی ہوئی عمارت کو تھام نہ سکے۔ جب سلطان محمود غزنوی نے قنوج پر حملہ کیا اس وقت یہاں راجہ راجیہ پال کی حکومت تھی۔ لیکن اس کی طاقت اور شان و شوکت کا خاتمہ ہو چکا تھا محمود غزنوی کے حملہ کے وقت راجیہ پال نے میدان جنگ سے بھاگ کر جان بچائی اور بعد میں سلطان کی اطاعت قبول کر لی اس پر گنڈا چندیل نے اُسے قتل کر دیا۔

بندھیلکھنڈ کے چندیل اس خاندان کا بانی ناننک چندیل راجپوت تھا اس نے پرتی ہاروں سے بندھیلکھنڈ آزاد کر کے ایک خود مختار حکومت قایم کر لی یشوورمن اور اس کے بیٹے ڈھنگ (۹۵۰ء تا ۱۰۰۰ء) نے اس خاندان کی حکومت کالنجر سے گوالیار اور جمنا سے بیتوا ندی تک کے علاقوں پر قایم کر لی سلطان محمود کے حملہ

کے وقت یہاں گنڈا چندیل راج کرتا تھا اس نے محمود غزنوی کے خلاف راجہ آنند پال کو مدد دی تھی اور قنوج کے راجہ راجیہ پال کو سلطان کے خلاف لڑنے میں بزدلی دکھانے پر قتل کر دیا مگر ۱۰۲۱ء میں جب سلطان محمود نے بندھیل کھنڈ پر چڑھائی کی تو اُسے خود بھی راجیہ پال کی طرح اطاعت کے سوا راستہ دکھائی نہ دیا۔

گجرات کے چالوکیہ

اس خاندان کا بانی مولراج سولنکی تھا۔ سلطان محمود کے حملہ کے وقت یہاں راجہ بھیم (۱۰۲۱—۹۶۳) راج کرتا تھا۔ سومنات کا تیرتھ اسی کی ریاست میں واقع تھا جس پر سلطان محمود نے ۱۰۲۵ء میں حملہ کیا اس وقت راجہ بھیم بھاگ کھڑا ہوا اور میدان سلطان کے ہاتھ رہا

مالوہ کے پرمار

مالوہ پر پرمار راجپوتوں کی حکومت تھی جن کا پہلا نامور راجہ منج تھا جو ۹۹۵ء میں دکن کے راجوں سے لڑتا ہوا مارا گیا اس کے بعد اس کا بھتیجا راجہ بھوج تخت پر بیٹھا اُس نے ۱۰۱۸ء سے ۱۰۵۸ء تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی وہ خود بھی عالم تھا اور عالموں کی قدر کرتا تھا۔ اُس نے رعایا کی بہتری کے لئے بڑے کام کئے وہ بڑا جنگجو اور منجھلا جرنیل تھا شاید سی لئے سلطان محمود نے اُس کے مانتھ کوئی تعرض نہ کیا۔

بہار اور بنگال میں پال خاندان کی حکومت تھی جو بودھ دھرم کے پیرو تھے۔ سلطان محمود کے حملہ کے وقت یہاں راجہ مہی پال (۹۷۸—۱۰۳۰ء) کی حکومت تھی۔ اس راجہ کے عہد میں بنگال پر پہاڑی قوموں نے یورش کر کے اس خاندان کو بڑا دھکا لگایا اور پالوں کی حکومت کا زوال شروع ہو گیا۔

جنوبی ہند بھی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور یہ ریاستیں ایک دوسرے سے لڑتی رہتی تھیں۔

سماجی طور پر بھی ہندوستانی بہت کمزور تھے۔ ذات پات اور نسلی گھمنڈ کی وجہ سے نا اتفاقی بہت بڑھ چکی تھی قومی بچاؤ صرف راجپوتوں

کی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی لوگوں میں قومی احساس نام کو نہ تھا مذہبی
فرقے بازی اور اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے قومی طاقت کو بہت
نقصان پہنچ رہا تھا۔ ایسے وقت میں بیرونی حملہ آور کے راستے میں
کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ سلطان محمود غزنوی کے پے در پے حملوں اور ان
میں کامیابی کا یہی راز تھا۔

غزنی مشرقی افغانستان میں کوہ سلیمان کے پہاڑی سلسلوں میں فوجی
لحاظ سے ایک اہم مقام تھا یہاں امیر سبکتگین نے سنہ ۹۷۷ء اپنی خود مختار
حکومت قایم کی اور راجہ جے پال شاہی حکمران سے لڑ بھڑ کر ۹۹۵ میں وادی
کابل کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اُس کی وفات کے بعد ۹۹۷ء میں
اُس کا بیٹا سلطان محمود تخت پر بیٹھا جس نے اس ریاست کو ایک وسیع
سلطنت میں بدل دیا۔ سلطان محمود ایک قابل جرنیل اور ارادے کا
دھنی تھا اُس کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے ترکوں جیسے بہادر اور جیالے
سپاہی ملے جو اپنی جانبازی کے لئے مشہور تھے اور قابل سردار کی
کمان کے تحت ہر میدان میں فتح کے پھریرے اڑاتے پھرتے تھے یہ
وہی بہادر شک خاندانوں کی اولاد میں سے تھے جنہوں نے پرانے
وقتوں میں ایشیا و یورپ میں اپنی بہادری اور جوانمردی کا سکہ بٹھایا
تھا اب اسلام قبول کرنے کے بعد اُن میں وہی پرانی روایات پھر تازہ
ہو گئیں اور گیارہویں سے چودھویں صدی تک انہوں نے ایشیا مصر اور
مشرقی یورپ میں عظیم الشان سلطنت قایم کی۔

سلطان محمود وسط ایشیا میں اپنی سلطنت قایم کرنے کے خواب
دیکھ رہا تھا جس کے لئے اُسے ایک عمدہ فوج اور جنگی سامان و رسد کی
ضرورت تھی۔ غزنی کا علاقہ اتنا زرخیز نہ تھا نہ یہاں اتنی دولت تھی کہ

وہ اپنے ملک کے وسیلوں کا سہارا لے کر اتنی بڑی سلطنت قائم کرتا
ہندوستان کی سیاسی ابتری اور یہاں کی دولت نے اُس کی نگاہیں اپنی طرف
پھیر لیں، اور اس نے مال و دولت اور جنگی ناموری حاصل کرنے کے لئے
ہندوستان پر پے در پے حملے کئے۔ یہاں کے مندر زر و جواہر کے خزانے تھے
لہٰذا اُس نے ان پر اپنا ہاتھ صاف کیا اور انہیں جی بھر کر لوٹا۔ لیکن وہ نہ
تو عام ہندوؤں کا دشمن تھا اور نہ اُس نے زندگی بھر کسی غیر مسلم کو اسلام
قبول کرنے پر مجبور کیا بلکہ اُس نے اپنی فوج میں ہزاروں ہندو بھرتی کئے
اور رائے تلک کو اپنا سپہ سالار مقرر کر کے ان فوجوں کو ایران اور وسط
ایشیا میں اپنی لڑائیاں لڑنے کے لئے بھیجا۔ ان فوجیوں کو غزنی میں مندر
تعمیر کرنے کی اجازت اور پوری مذہبی آزادی دی۔ ان فوجیوں نے بھی
بڑی وفاداری سے اُس کی سلطنت کو وسیع کرنے میں اپنی جانیں لڑا دیں
اُس کے ہندوستان پر حملوں کا مقصد سامراجی قوت کو بڑھانا تھا مذہب کو
ان دنیاوی لڑائیوں سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

محمود نے ۱۰۰۰ء سے ۱۰۲۵ء تک ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور
ہر بار کامیابی نے اُس کے قدم چومے۔ اُس کے مشہور حملوں کا حال یہ ہے:-

۱- ہندو شاہیہ ریاست پر حملہ

امیر سبکتگین کے عہد میں ۹۸۶ء سے غزنوی سلطنت اور ہندو شاہیہ
ریاست میں ٹکریں ہوتی رہیں۔ چنانچہ اس سال جب امیر نے ہندو شاہیہ حکمران
جے پال پر حملہ کیا تو اُس نے صلح کر کے خزانہ دینا منظور کر لیا مگر بعد میں
وہ اپنے وعدہ سے پھر گیا سبکتگین نے دوبارہ حملہ کر کے جے پال کو
شکست دی اور لامغان کا علاقہ فتح کر لیا۔ جے پال نے اس شکست کا بدلہ
لینے کے لئے پرتی ہارا چندیل اور چوہان راجاؤں کی مدد سے سبکتگین پر حملہ
کیا مگر شکست کھائی اور سبکتگین پشاور پر قابض ہو گیا۔

۱۰۰۱ء میں سلطان محمود پہلی بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ راجہ
جے پال نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن سلطان محمود کی پھرتیلی سوار فوج کے سامنے
راجہ جے پال کے بھاری بھر کم ہاتھیوں کی کچھ نہ چلی۔ راجہ جے پال اُس کے بیٹے
داماد پوتے سب شکست کھا کر جنگی قیدی بن گئے۔ بالآخر راجہ جے پال نے

۲۵ ہزار دینار اور ۵۰ ہاتھی تاوان جنگ کے طور پر دینے کا وعدہ کیا اور سلطان سے مخلصی حاصل کی سلطان محمود نے جے پال کی راجدھانی کی طرف بڑھنا شروع کیا اور آس پاس کے علاقوں کو تہس نہس کر دیا۔ راجہ جے پال اپنی شکست اور ذلت کو برداشت نہ کر سکا اور ایک چتا میں بیٹھ کر اپنے ہاتھوں جل مرا۔

جے پال کے بعد اُس کا بیٹا آنند پال ۱۰۰۲ء میں گدی پر بیٹھا ۱۰۰۶ء میں سلطان محمود ملتان کے شیعہ حکمران داؤد پر حملہ کرنے کی غرض سے ہندو شاہیہ کے علاقے سے گذرنا چاہتا تھا لیکن آنند پال نے اپنے ہمسایہ مسلمان حکمران پر اس بیرونی حملہ کی حمایت سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ سلطان محمود کے مقابلہ میں ڈٹ گیا اور فوجیں لے کر پشاور کا رُخ کیا۔ لیکن سلطان محمود نے آنند پال کو شکست فاش دے کر کشمیر کے پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔

نگر کوٹ پر حملہ

۱۰۰۸ء میں راجہ آنند پال نے کافی جمعیت اکٹھی کی اور آس پاس کے راجواڑوں کو غیرت دلا کر مقابلہ کے لئے تیار کیا۔ پرتی ہارا۔ چندیل۔ چوہان سب راجاؤں نے اس قومی خطرہ کے مقابلہ کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ عورتوں نے اپنے زیورات اُتار اُتار کر اور غریب سے غریب آدمیوں نے چندے دے کر فوجیں تیار کرنے میں مدد دی اور پوری راجپوت قوم ترکوں کے مقابلہ کے لئے ڈٹ کر میدان میں آئی۔ سلطان محمود پنجاب میں داخل ہوا اور ۱۰۰۸ء میں اوہند کے سامنے میدان میں دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ عین لڑائی میں آنند پال کا ہاتھی بے قابو ہو کر بھاگ نکلا اور راجپوت فوجوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ترک دُور تک ان کا پیچھا کرتے آئے اور بہت سے ہاتھی اور جنگی سامان رسد لوٹ کر لے آئے اب اُن کے حوصلے بلند ہو گئے اور شکست خوردہ راجپوتوں کے پیچھے پیچھے وہ مشرقی پنجاب میں نگر کوٹ کی طرف آئے جو کانگڑہ کی وادی میں بڑا آباد شہر تھا یہاں کے مندر دولت اور زر و جواہر سے بھرے تھے۔ سلطان کی فوجوں نے ان سب پر ہاتھ صاف کیا اور بے انداز دولت لوٹ کر واپس ہوئے اس حملہ سے ترک فوجوں کی ہمت بہت بڑھ گئی اور اُن میں نیا جوش و [illegible]

دُور سے بہادر سپاہی آ آ کر اُس کے لشکر میں بھرتی ہونے لگے۔ سلطان محمود کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ ہندوستانی راجا اور پرجا اپنی سب دولت دیوی دیوتاؤں کے قدموں میں بھینٹ کر دیتے ہیں اور یہ مندر صدیوں کے جمع خزانوں سے بھرپور ہیں چنانچہ اس حملہ کے بعد محمود نے چُن چُن کر مشہور مندروں اور ان کے آس پاس کے علاقوں پر حملے کرنے شروع کئے تاکہ وہ یہاں کی دولت سمیٹ کر لے جاسکے اور اُسے غزنی کی سلطنت کی بنیادیں مضبوط کرنے اور وسط ایشیا میں اپنے علاقے بڑھانے میں استعمال کر سکے۔

متھرا اور قنوج کے حملے

۱۰۱۸ء میں سلطان محمود نے متھرا اور قنوج پر حملہ کیا۔ قنوج کے پرتی ہارا راجہ جے پال نے بڑی بزدلی سے اپنی جان بچانے کی خاطر شہر سلطان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر میدان سے منہ موڑ لیا اور سلطان کا شہر پر قبضہ ہو گیا لیکن آخر اُس نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ اس پر اُس کے ہمسایہ گنڈا چندیل والئے بندھیل کھنڈ کو اس قدر غیرت آئی کہ اُس نے راجہ پال کو قتل کر کے اُس کے بیٹے کو گدی پر بٹھا دیا۔

بندھیل کھنڈ پر حملہ

۱۰۱۹ء میں سلطان محمود راجہ جے پال کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے گنڈا چندیل پر حملہ آور ہوا اور چندیل راجہ کو شکست دیکر بھگا دیا۔ ۱۰۲۲ء میں سلطان محمود نے کالنجر پر حملہ کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر گنڈا چندیل نے خراج دینا منظور کر لیا اور سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔

سومنات پر حملہ

سلطان محمود کا سب سے مشہور اور آخری بڑا حملہ راجہ بھیم سولنکی یا چالوکیہ والئے گجرات پر ہوا۔ اس ریاست میں سمندر کے کنارے موجودہ جوناگڑھ کے قریب سومناتھ کا مشہور مندر تھا اس میں ایک بہت بڑا شولنگ تھا جو مقناطیسی قوت سے ہوا میں معلق تھا اسے دیکھتے ہی انسان ہکا بکا رہ جاتا تھا اس مندر کو لوگ بڑا مانتے تھے اس میں زر و جواہر اور سونے چاندی کی کچھ انتہا نہ تھی ہزاروں پجاری اس مندر میں پوجا اور آرتی اتارنے کے لئے مقرر تھے۔ دیو داسیاں بھی کئی تھیں۔ بڑے بڑے شاہی خاندان اور رئیس یہاں لاکھوں

کا چڑھاوا چڑھاتے تھے عام لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی انسان اس مندر کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ دولت کی ہوس اور نام و نمود کی خواہش سلطان کو ۱۰۲۵ء میں کشاں کشاں یہاں لے آئی اور وہ راجپوتانے کے لق و دق صحرا کو پار کر کے گجرات کی راجدھانی انہلواڑہ میں آ پہنچا لیکن راجہ بھیم میدان سے بھاگ گیا۔ اب سلطان سومنات کی طرف بڑھا۔ مندر کے رکھوالوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا اور تین دن تک ترکوں کو منہ توڑ جواب ملتا رہا لیکن سلطان محمود کی ذاتی شجاعت اور آہنی ارادے کے سامنے کسی کی کچھ نہ چلی۔ پچاس ہزار راجپوت اور پجاری کٹ مرے اور آخر میدان سلطان کے ہاتھ رہا۔ سلطان نے مندر کے سب خزانے اپنے قبضے میں کر لئے اس ہنگامہ میں یہ مندر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ واپسی پر ایک برہمن کی چالاکی سے سلطان راستہ بھول بیٹھا اور اس کی فوج پر سخت بپتا پڑی۔ بڑی مشکل سے سلطان کو راستہ ہاتھ آیا اور وہ غزنی لوٹ گیا۔

اس کے بعد سلطان محمود کی توجہ زیادہ تر ایران اور سلطنت کے مغربی حصّوں کی طرف رہی اور اُس نے ایران کے زیادہ حصّہ پر قبضہ جما لیا بالآخر ۱۰۳۰ء میں سلطان اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

سُلطان کے ذاتی اوصاف اور کارناموں پر ایک نظر

سلطان محمود ایک قابل سپہ سالار اور بڑا جیالا سپاہی تھا وہ تلوار کا دھنی اور ارادے کا پکا۔ فیاض۔ مُنصف مزاج۔ معاملے کا کھرا اور علم و ہنر کا زبردست سرپرست تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایشیا کے اُن بڑے بادشاہوں میں سے ایک تھا جن کی شان و شوکت کے انمٹ نشان دنیا کی تاریخ پر ہمیشہ قایم رہیں گے۔

سلطان محمود وسط ایشیا میں ایک بڑی سلطنت قایم کرنا چاہتا تھا اُس نے زندگی بھر یہی مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی وہ غزنی سے اٹھا اور وسط ایشیا اور ایران کے بڑے حصّے پر قابض ہو گیا اور عباسی خلیفۂ اسلام کو بھی للکارنے

رگا تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا۔

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملے کئے لیکن اس میں بھی اُس کا مقصد سیاسی تھا وہ نام و نمود اور دولت کی خاطر آیا اور یہاں کی دولت سمیٹ کر لے گیا۔ اس دولت سے اُس نے ایک جرار لشکر کی تنظیم کی اور ساتھ ہی ساتھ غزنی کو ایشیا کا سب سے خوب صورت شہر اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا دیا۔ یہاں کئی کالج۔ مدرسے۔ کتب خانے۔ مسجدیں۔ حمام اور باغات تعمیر ہوئے سلطان کے دربار میں علامہ ابوریحان البیرونی۔ جیسے سنسکرت اور ریاضی کے عالم۔ فردوسی جیسے شاعر۔ خواجہ حسن سمندی جیسے سیاست دان موجود تھے۔ طالب علموں اور عالموں کی مدد سلطان کا مشغلہ تھا۔ اُس کے عہد میں حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی۔ ایک بڑے بزرگ درویش اور ولی تھے۔ سلطان اُن کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتا تھا۔

سلطان کا انصاف ضرب المثل تھا اور اس میں وہ چھوٹے بڑے اعلیٰ۔ ادنیٰ کسی کا لحاظ نہ کرتا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کو اپنی رعایا کا بہت خیال رہتا تھا۔ ہندوؤں کو اس کے عہد میں پوری مذہبی آزادی حاصل تھی اور کئی ہندو اچھے اچھے عہدوں پر بھی قائم تھے۔

سلطان نے فتوحات تو بہت کیں لیکن اعلیٰ نظام حکومت جو اُس کی سلطنت کو پائیدار بناتا قائم نہ کر سکا۔ ہندوستان میں پنجاب چھوڑ کر باقی سب علاقے سلطان کے واپس ہوتے ہی پھر خود مختار ہو گئے۔ صرف پنجاب سلطنت غزنی میں شامل رہا لیکن سو سوا سو سال کے بتدریج زوال کے بعد اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

سوال نمبر ۲۸ (الف) مشہور محقق علامہ ابوریحان البیرونی پر ایک نوٹ لکھئے:۔

علامہ ابوریحان البیرونی

علامہ ابوریحان البیرونی دراصل ... کے باہر کی بستی کا رہنے والا تھا

لئے اُسے البیرونی کہتے ہیں وہ اپنے وقت کا بہت بڑا عالم تھا۔ علم ریاضی۔ ہیئت۔ فزکس۔ کیمسٹری اور طبقات الارض میں پوری دسترس رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی اُسے اپنے دربار میں لے آیا اور اُس کی سرپرستی میں کسی طرح کی کسر نہ اُٹھا رکھی وہ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا اور یہاں سنسکرت زبان اور ہندو فلسفہ مذہب دیگر علوم اور تمدن کا گہرا مطالعہ کرکے اُس نے ایک کتاب "تحقیق الہند" نامی لکھی جو اُس کے تجسس۔ علم اور تلاش حق کا ایک نادر نمونہ تھا ہندوستانی تہذیب کے متعلق ایک نہایت قابل قدر تحقیقی کتاب ہے۔ البیرونی پہلا مسلمان تھا جس نے سنسکرت زبان پر اس قدر قدرت حاصل کر لی تھی کہ بڑے بڑے وِدوان پنڈت اُس کا سکہ مانتے تھے۔

البیرونی نے اپنی کتاب میں ہندوستانی ادب۔ مذہب اور سماجی حالت کے متعلق بڑی مفید اطلاعات جمع کی ہیں جو مورخ کو گیارھویں صدی کے سماجی ماحول کے سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہیں۔ البیرونی لکھتا ہے کہ اُس زمانے میں ہندو اپنے سوا باقی سب قوموں کو ملیچھ یعنی ناپاک کہتے تھے اور اُن سے کسی قسم کا میل جول شادی ناطے اور کھانے پینے سے پرہیز کرتے تھے اور اُن سے سخت چھوت چھات کرتے تھے یہ لوگ بڑے تنگ نظر تھے اور اپنے جیسا کسی کو نہ سمجھتے تھے اور دوسرے ملکوں کے عالموں کی قدر نہ کرتے تھے اپنے ملک سے باہر جانا معیوب سمجھتے تھے اُن کے ہاں ذات پات کے بندھن اور توہم پرستی سخت تھی۔ عام لوگ بُت پرست تھے لیکن پڑھے لکھے اور فلسفی لوگ ایک خدا کے ماننے والے اور توہم پرستی کے مخالف تھے۔ البیرونی نے قدیم ہندوؤں کے فلسفے ریاضی۔ جوتش اور طب کی بہت تعریف کی ہے وہ قدیم ہندوستانی تہذیب کا سچا معترف تھا اُس کی رواداری۔ تلاش حق کا جذبہ اور ناقدانہ علمی نظر اپنی مثال آپ تھی اُس کی کتاب تحقیق الہند کا انگریزی اور اُردو ترجمہ شایع ہو چکا ہے یہ ہماری تاریخ کا ایک اہم ماخذ ہے

باب سوم

سلطنت دہلی کا قائم ہونا
اور
اس کا عروج و زوال

BIRTH, DEVELOPMENT AND DECAY OF THE DELHI SULTANATE

سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد پنجاب پر سوا سو سال تک اُس کے خاندان کی حکومت رہی بالآخر بارھویں صدی میں غزنی کے مغربی اور ہرات کے مشرق میں نہد کے علاقہ میں شنسبانی خاندان کے حکمرانوں کا غلبہ ہوگیا وہاں کے حاکم اعزالدین حسن (AIZUDDIN HASSAN) کے سات بیٹے تھے اُن میں سے ایک غزنوی سلطان بہرام (۱۱۱۸ء تا ۱۱۵۲ء) کے دربار میں چلا آیا لیکن سلطان نے شک کی بناء پر اُسے قتل کروا دیا۔ اب غزنوی اور شنسبانی خاندان کی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ بالآخر علاءالدین حسن نے غزنی پر حملہ کرکے اسے جلا کر راکھ کر دیا اسی لئے اُسے تاریخ میں علاءالدین جہاں سوز کہتے ہیں۔ اس کے دو بھتیجے غیاث الدین اور شہاب الدین تھے۔ علاءالدین کے بیٹے سیف الدین کے قتل کے بعد غیاث الدین غور کا اور شہاب الدین غزنی کا سلطان بنا۔ شہاب الدین نے غزنی کی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرکے ہندوستان فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ تاریخ ہند میں وہ محمد غوری کے نام سے مشہور ہے اور ہندوستان میں ترک حکومت کا بانی ہونے کی وجہ سے بہت اہم شخصیت ہے۔

سلطان شہاب الدین ہندوستان میں اپنے دشمن قرامطہ فرقہ کے شیعہ مسلمانوں کو جو ملتان کے آس پاس حکمران تھے سزا دینے۔ لاہور کے غزنوی شاہی خاندان کے خاتمے۔ ہندوستان میں مستقل ترک حکومت پہلی بار ۱۱۷۵ء میں قایم کرنے اور جنگجوئی اور ملک گیری سے نام و نمود حاصل کرنے کی خواہش سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور جلد ہی اُوچھ اور ملتان پر قابض ہو گیا اور ۱۱۷۸ء تک قرامطہ کی پوری طرح بیخ کنی کر کے لاہور کی طرف متوجہ ہوا۔ اس اثناء میں جموں کے راجہ چکر دیو نے لاہور کے غزنوی سلطان کے خلاف محمد غوری کی مدد چاہی۔ محمد غوری نے یہ موقع غنیمت جان کر لاہور کی غزنوی حکومت پر پے در پے حملے شروع کر دئے۔ آخر ۱۱۸۶ء میں آخری غزنوی حکمران خسرو ملک کو گرفتار کر کے پنجاب سے بدر کر دیا اور غزنی کے قلعہ میں قید کر دیا جہاں کچھ عرصہ کے بعد اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ اس طرح شروع کے بارہ برسوں میں سندھ کے بہت بڑے حصّے اور پنجاب پر محمد غوری کا قبضہ ہو گیا اور غزنوی شاہی خاندان کا نام و نشان مٹ گیا۔

گجرات پر حملہ

اب سلطان محمد غوری شمالی ہندوستان کی فتح اور یہاں مستقل حکومت کے قیام کے لئے تیاریاں کرنے لگا اسی دوران میں ۱۱۷۸ء میں سلطان محمد غوری سندھ اور راجپوتانہ کے صحراؤں کو پھاند کر گجرات پر حملہ آور ہوا اور یلغار کرتا انہلواڑہ تک جا پہنچا۔ یہاں ان دنوں چالوکیہ۔ راجہ بھیم دیو ثانی راج کرتا تھا۔ اُس نے بگھیلا راجپوتوں کی مدد سے آگے بڑھ کر ترک فوجوں کے طوفان کو تھام لیا اور ان کے دانت کھٹے کر دئے۔ محمد غوری کو شکست فاش ہوئی اور اُسے ناکام لوٹنا پڑا

تراوڑی کی پہلی لڑائی

اب سندھ اور پنجاب فتح کرنے کے بعد محمد غوری نے پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا اور ۱۱۹۱ء میں بھٹنڈہ پر حملہ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ قلعہ دہلی

اور اجمیر کے حکمران راجہ پرتھوی راج سوم چوہان کے زیر نگین تھا۔ پرتھوی راج نے ترکوں کے بڑھتے ہوئے خطرہ کا جوانمردی سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی چنانچہ اُس نے آس پاس کے راجاؤں کی مدد سے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور دشمن کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ تھانیسر سے چودہ میل دور تراوڑی کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور بڑھے گھمسان کا رَن پڑا۔ راجپوت ٹڈی دل کی طرح ترک فوجوں پر پل پڑے۔ پرتھوی راج کے بھائی گووند رائے نے خود محمد غوری کو سخت زخمی کیا اور وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا اور بھٹنڈہ سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس لڑائی میں محمد غوری کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ شرمندگی اور ذلت کے احساس نے اُس کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دیا۔ اُس کے دل میں اب ایک ہی لگن تھی اور وہ یہ تھی کہ راجپوتوں سے اپنا انتقام کیسے لے۔

تراوڑی کی دوسری لڑائی

غزنی واپس آکر پورے ایک سال تک اُس کا دل انتقام کی آگ سے دھکتا رہا اور وہ دن رات جنگی تیاریوں میں لگا رہا آخر پورے ایک سال کے بعد سنہ ۱۱۹۲ء میں ایک لاکھ بیس ہزار سوار پوری طرح اسلحے سے لیس کر کے سلطان محمد غوری پھر تراوڑی کے میدان میں آپہنچا۔ پرتھوی راج بھی ڈیڑھ سو راجاؤں کی مدد سے تین لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے آ ڈٹا دونوں طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے گئے اور سخت خونریز لڑائی ہوئی مگر آخرکار راجپوتوں کے قدم اکھڑ گئے اور پرتھوی راج اور گووند رائے بہادروں کی طرح لڑتے لڑتے اپنے وطن کی عزت پر مر مٹے۔ اب محمد غوری آگے بڑھا اور اُس نے دہلی۔ اجمیر اور ان کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ جما لیا اور انتظام سلطنت اپنے غلام اور وفادار جرنیل قطب الدین ایبک کے سپرد کر کے خود غزنی لوٹ گیا۔ قطب الدین نے میرٹھ ہانسی اور کول (موجودہ علی گڑھ) کا علاقہ بھی فتح کر لیا اور دہلی کو صدر مقام بنا کر سلطان محمد غوری کے نام پر حکومت کرنے لگا ÷

فتح قنوج

پرتی ہار شاہی خاندان کے زوال کے بعد قنوج پر گہڑوار راجپوتوں کی حکومت ہوگئی تھی اس خاندان کا بانی راجہ چندر دیو تھا اس کے پوتے گوبند چندر (۱۱۱۰ء تا ۱۱۵۵ء) کے عہد میں قنوج کی پرانی شان و شوکت بحال ہوگئی۔ گوبند چندر بڑا بہادر فاتح تھا اُس نے بنگال اور چیدی کے راجاؤں کو ہرا کر اپنی سلطنت کی بنیادیں مضبوط کیں۔ گوبند چندر کا پوتا جے چند سنہ ۱۱۶۹ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس کی پرتھوی راج سے نہ بنتی تھی چنانچہ تراوڑی کی لڑائیوں میں گہڑواروں نے کوئی حصّہ نہ لیا آخر سنہ ۱۱۹۴ء میں محمد غوری غزنی سے پھر واپس ہندوستان آیا اور اس نے قنوج پر حملہ کر دیا۔ اٹاوہ کے قریب چندواڑہ کے میدان میں بڑے زور کی لڑائی ہوئی اور جے چند کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا یا شرمندگی سے دریا میں ڈوب مرا۔ ترک فوجیں قنوج سے بنارس تک کے علاقے پر قابض ہوگئیں۔ محمد غوری اس علاقے کو قطب الدین ایبک کے حوالے کرکے خود غزنی لوٹ گیا اور وہاں اس قدر مشغول رہا کہ مدت تک پھر ہندوستان نہ آسکا۔ اسی اثناء میں قطب الدین ایبک نے گجرات پر حملہ کیا اور بہت سا مال و دولت لے کر واپس آیا۔ گوالیار اور اس کے آس پاس کا علاقہ بھی فتح ہوگیا ادھر مشرقی ہند پر محمد بن بختیار خلجی کی کمان میں حملہ کیا گیا جس میں اُسے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

فتح بہار و بنگال

اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی شروع میں ملک حسام الدین صوبیدار اودھ کا ملازم تھا اور مرزا پور کا جاگیردار تھا لیکن اُس کی بہادری شجاعت اور قابلیت کے پیش نظر قطب الدین ایبک نے اُسے بہار کی فتح پر مامور کیا بہار کے لوگ عام طور پر بودھ تھے اور انہیں فنِ سپاہ گری سے کوئی سروکار نہ تھا۔ محمد بن بختیار نے صرف دو سو سواروں کے ہمراہ بہار پر حملہ کیا۔ بہاری گاجر مولی کی طرح کٹ مرے اور ترکوں نے بہار پر قبضہ جما لیا اب محمد بن بختیار کا حوصلہ بڑھ گیا اور اُس نے بنگال کا رُخ کیا۔ یہاں اس وقت سین شاہی خاندان کا راجہ لکشمن سین راج کرتا تھا۔

اُس کی راجدھانی ندیا کے شہر میں تھی۔ محمد بن بختیار اپنی فوجوں سے آگے
نکل آیا۔ اس کے ساتھ صرف اٹھارہ ساتھی تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ وہ شاید
کوئی گھوڑوں کا سوداگر ہے۔ کسی نے اُس سے پوچھ گچھ نہ کی اور محمد بن
بختیار ندیا میں آ داخل ہوا۔ راجہ کو جیسے ہی اُس کے آنے کا پتہ چلا وہ
اپنے محل کے چور دروازے سے بھاگ نکلا اور اس طرح ۱۲۰۲ء میں
بغیر خونریزی کے محمد کا ندیا اور مغربی و شمال بنگال پر قبضہ ہوگیا۔ اب
ترکوں نے لکھنوتی کو صدر مقام بنا کر بنگال میں اپنی حکومت کا سکہ بٹھا
دیا۔ محمد بن بختیار نے تبت پر بھی چڑھائی کی لیکن اس میں اُسے کوئی نمایاں
کامیابی نہ ہوئی اور کچھ عرصہ بعد دیوکوٹ کے مقام پر اپنے ایک
افسر علی مردان خلجی کے ہاتھوں ۱۲۰۶ء میں قتل ہوگیا۔

قطب الدین ایبک نے ۱۲۰۲ء میں کالنجر اور کالپی کے مشہور قلعے
فتح کرلئے اور چندیل راجہ پرماردی نے اطاعت قبول کرلی۔ اس کے
بعد مہوبا پر بھی ترکوں کا قبضہ ہوگیا۔

۱۲۰۵ء میں شمالی پنجاب کی جنگجو قوم کھوکھر (۳) میں بغاوت پھیل
گئی اور محمد غوری کو پھر ہندوستان آنا پڑا۔ اس نے کھوکھروں کو شکست
فاش دی اور امن و امان قائم کرکے غزنی واپس جاتا ہوا دھمیک (ضلع
جہلم مغربی پاکستان) میں مقیم تھا کہ باطنی فرقہ کے ایک شیعہ نے اُسے
اچانک قتل کر دیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ سلطان قرامطہ اور باطنی
شیعوں کا سخت مخالف تھا اور سلطان نے ملتان اور شمالی ہند میں
ان کے اثر و رسوخ کو ختم کر دیا تھا۔ یہ لوگ اپنے دشمنوں کو اسی
طرح ختم کرتے تھے جیسے انہوں نے محمد غوری کو کیا۔ محمد غوری کی وفات
کے وقت ہندوستان میں ترکوں کی مستقل حکومت کی بنیاد پڑ چکی تھی
اور اس کارنامے کا سہرا محمد غوری کے سر ہی ہے۔

محمد غوری کے ذاتی اوصاف اور کارناموں پر ایک نظر

سلطان شہاب الدین محمد غوری ایشیا کی تاریخ میں ایک نہایت نامور فاتح کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس نے ایک معمولی ریاست کے حکمران کے طور پر زندگی شروع کی لیکن مرنے سے پہلے ایک ایسی وسیع سلطنت کی بنیاد رکھی جو افغانستان سے بنگال تک پھیلی ہوئی تھی وہ سلطان محمد غزنوی کے پایہ کا فاتح اور جرنیل تو نہ تھا تاہم اپنی شجاعت اور پکے ارادے کے لئے مشہور تھا وہ سلطان محمود غزنوی کی طرح ہندوستان میں صرف دولت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ یہاں ایک مستقل سلطنت کی بنیاد ڈالنے کے لئے آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان محمود تو اپنے ہندوستانی مفتوحہ علاقے ایسے ہی چھوڑ چھاڑ کر غزنی کی راہ لیتا تھا لیکن محمد غوری علاقے فتح کرکے ان میں انتظام اور بندوبست کا پورا خیال رکھتا تھا۔ سلطان محمد غوری کی مخالفت میں لاہور اور ملتان کے مسلمان حکمران اور راجپوتوں کی متحدہ فوجیں صف آرا تھیں لیکن اس مخالفت کے باوجود سلطان نے کبھی حوصلہ نہ ہارا شکستیں کھائیں مگر نظر ہمیشہ فتوحات پر رکھی یہ بذات خود ایک شاندار کارنامہ ہے۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری کو ہندوستان میں ترک سلطنت کی بنیاد رکھنے کا امتیاز اور اس لئے ہماری تاریخ میں ایک نہایت ہی اہم مقام حاصل ہے۔

راجپوتوں کی شکست اور ترکوں کی فتح کی وجوہات

راجپوتوں کی شکست اور ترکوں کی فتح کی اہم وجوہات یہ تھیں:-

۱- شمالی ہندوستان چھوٹی چھوٹی راجپوت ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ جو آپس میں لڑ لڑ کر اپنی طاقت ضائع کرتی رہتی تھیں اور بیرونی حملہ کے خطرے سے بے خبر یا بے پرواہ رہتی تھیں ان میں قومی ایکتا نام کو نہ تھی جب ایک راجواڑے پر حملہ ہوتا تھا تو دوسرا ٹس سے مس نہ

ہوتا تھا تا آں کہ وہ خود بھی ایسے ہی حملہ کا شکار ہو جاتا تھا

۲- ہندوؤں میں برہمن اور کھشتری مذہبی اور سیاسی لحاظ سے ہر طرح کے فائدے اُٹھاتے تھے لیکن ویش اور شودر سب سے زیادہ کمائی کر کے بھی گھاٹے میں رہتے تھے ذات پات کی اس تفریق سے حکمران اور محکوم طبقہ کو ایک دوسرے سے کوئی ہمدردی نہ تھی ملکی بچاؤ صرف راجپوتوں کا فرض سمجھا جاتا تھا اور وہ بھی صرف اپنے خاندان اور حکومت کی فکر میں رہتے تھے رعایا کے مفاد کا کوئی خال خال حکمران ہی خیال رکھتا تھا- اس کے علاوہ ہندوؤں میں مذہبی لحاظ سے بھی کئی فرقے تھے سماجی طور پر ذات پات نے ہندوستانیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا برہمن اور کھشتری اپنے آپ کو بڑا اعلیٰ سمجھتے تھے اور ویش اور شودروں کو ادنیٰ سمجھا جاتا تھا الغرض ہندوستانیوں میں نہ تو مذہبی سیاسی اور سماجی اتحاد تھا اور نہ ہندوستانی سماج کی بنیاد مساوات رتھی یہ ہندوستانی قوم کی سب سے بڑی کمزوری اور راجپوتوں کی شکست کی اہم وجہ تھی-

۳- ترک اسلام پر ایمان رکھتے تھے ان کو اس مذہبی رشتے نے مساوات بھائی چارہ اور اتحاد کا سبق سکھایا تھا- ان ادنیٰ و اعلیٰ میں کوئی فرق نہ تھا اور سب کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ ہندوستان میں کس طرح ترک مسلمانوں کی حکومت قایم کی جائے یہی وجہ ہے کہ یہ متحد قوم ہندوستانی میدان جنگ میں پوری یک جہتی اور بے جگری سے لڑی اور میدان پہ میدان مارتی سارے شمالی ہند پر چھا گئی-

۴- راجپوتوں کی فوجی طاقت کمزور اور اُن کے جنگ کے طریقے اور فوجی تربیت کا انتظام ناقص تھا ان کے بھاری بھرکم ہاتھی اور رتھ سست رفتار تھے اور میدان جنگ میں بجائے فائدے کے نقصان کا باعث ہوتے تھے- ان کے مقابلہ میں ترک فوجیں گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں ان کے سپاہی بڑے غضب کے شہسوار اور نہایت ہوشیار تیر انداز ہوتے تھے یہ ہندوستان کے سست رفتار پیادہ دستوں پر جھپٹ کے پڑتے اگر کمزوری محسوس کرتے تو پلٹ کے تیزی سے ہندوستانیوں

کے چنگل سے دامن چھڑا لیتے تھے اور اگر دیکھتے کہ ان کا پلہ بھاری ہے تو ہندوستانی فوجوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے اور ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے تھے۔

غرضیکہ ترکوں کی بہتر قومی تنظیم۔ قومی ایکتا اور مساوات و برادری اور فن جنگ میں راجپوتوں پر برتری اُن کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ تھی

۵۔ راجپوت بذات خود چھوٹی چھوٹی ذاتوں میں بٹے ہوئے تھے کوئی چندربنسی تو کوئی سورج بنسی تھا کوئی اپنے اگنی کل ہونے پر نازاں تھا اس لئے میدان جنگ میں بھی ہر راجہ اپنے کو ہی سپہ سالار سمجھتا تھا اس کے مقابلہ میں محمد غوری نے اپنے عزم و ارادہ۔ ذاتی دبدبہ اور نظم و ضبط سے ایک متحدہ کمان قایم کر رکھی تھی۔ فوجی نکتہ نظر سے یہ بھی راجپوتوں کی شکست اور ترکوں کی فتحمندی کی ایک بڑی وجہ تھی۔

محمد غوری کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اُس کے غلاموں میں تقسیم ہوگئی کیونکہ اس کا اپنا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے وہ ان غلاموں کو ہی اپنا بیٹا اور جانشین سمجھتا تھا چنانچہ غزنی میں تاج الدین یلدوز سندھ میں ناصرالدین قباچہ۔ لاہور اور دہلی میں قطب الدین ایبک نے اپنی خود مختار حکومتیں قایم کر لیں۔ قطب الدین خود اور اُس کے کئی جانشین غلام رہ چکے تھے اس لئے اس خاندان کو غلام خاندان (Slave Dynasty) بھی کہا جاتا ہے اس خاندان نے سلطنت دہلی کر ۱۲۰۶ء سے ۱۲۹۰ء تک حکومت کی۔

(الف) خاندان غلاماں ۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء

قطب الدین ایبک ۱۲۰۶ء تا ۱۲۱۰ء

قطب الدین ابتدا میں نیشاپور (ایران) کے ایک قاضی کا غلام تھا اُس قاضی نے قطب الدین کی سوجھ بوجھ دیکھ کر اُسے اچھی تعلیم دی اور شہسواری اور تیر اندازی میں بھی تربیت دلوائی۔ قاضی کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے نے قطب الدین کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا۔
سوداگر قطب الدین کو غزنی لے آیا اور یہاں سلطان محمد غوری کے ہاتھ بیچ دیا۔ قطب الدین نے اپنی قابلیت۔ بہادری اور شرافت سے سلطان محمد غوری کے دل میں گھر کر لیا اور ترقی کرتے کرتے ہندوستان میں سلطان محمد غوری کا نائب السلطنت یعنی وائسرائے مقرر ہو گیا۔ قطب الدین نے میرٹھ۔ دہلی اور کول (علی گڑھ) وغیرہ کے قلعے فتح کر کے اپنے آقا کی سلطنت میں شامل کئے اور ۱۱۹۷ء میں گجرات پر حملہ کر کے وہاں سے خوب مال و دولت لے آیا بعد میں کالنجر۔ مہوبا اور کالپی بھی فتح کر لئے۔ ۱۲۰۶ء میں سلطان محمد غوری کے بھتیجے نے قطب الدین کو غلامی سے آزاد کر دیا اور قطب الدین نے سلطان کا لقب اختیار کر کے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی اب اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی حاکم بنگال اور ناصر الدین قباچہ حاکم سندھ نے بھی قطب الدین کی سرداری تسلیم کر لی لیکن غزنی میں تاج الدین یلدوز کا ہی غلبہ رہا اور قطب الدین نے غزنی پر چڑھائی بھی کی لیکن اُس کی یہ مہم کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ غزنی کے لوگ تاج الدین یلدوز کے حامی تھے۔

سلطان قطب الدین نومبر ۱۲۱۰ء میں لاہور میں پولو کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور اُسے ایسی چوٹیں آئیں کہ جانبر نہ ہو سکا۔ اُس کا مزار انارکلی بازار لاہور کے قریب نہایت بُری حالت میں آج بھی موجود ہے۔

سلطان قطب الدین ایبک ایک بہادر سپاہی اور قابل جرنیل تھا ملک کا انتظام کرنے اور امن و امان قائم رکھنے میں بھی اُسے بڑی مہارت تھی وہ بڑا منصف مزاج اور فیاض بادشاہ تھا اُس کے عہد میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ بادشاہ عالموں۔ اُستادوں اور غریبوں کی دل کھول کر [illegible]

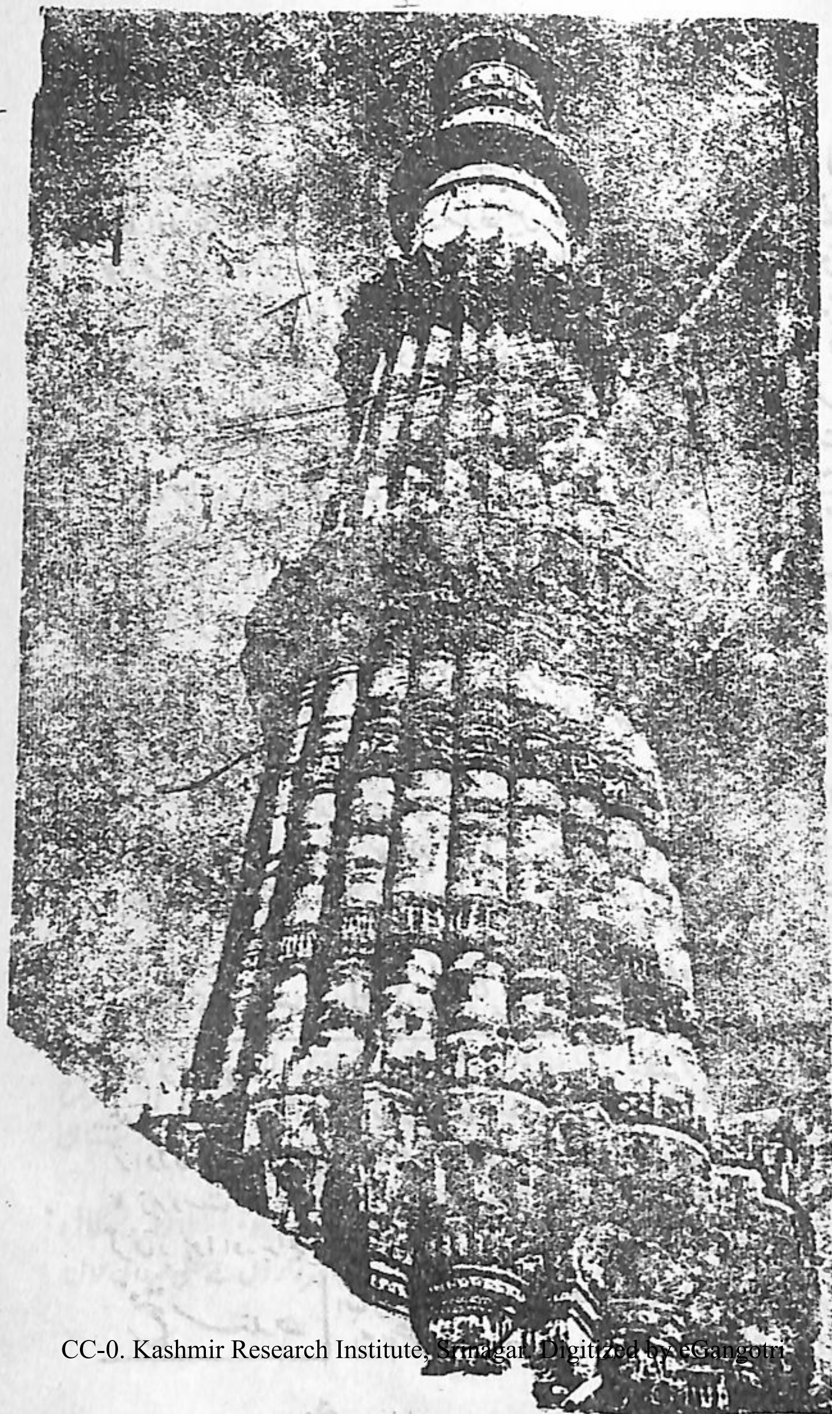
کہتے تھے سلطان بڑا دیندار مسلمان تھا اور اپنی ہندو رعایا سے بھی نہایت اچھا سلوک کرتا تھا۔ قطب الدین کی بنوائی ہوئی ایک مسجد اجمیر میں اور دوسری قطب مینار کے پاس مسجد قوت الاسلام اُس کی یادگاریں ہیں۔

سلطان قطب الدین ایبک دہلی کا پہلا ترک مسلمان بادشاہ تھا۔ اس لحاظ سے وہ پہلا ہندوستانی سلطان اور سلطنت دہلی کا بانی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اُسے ایک اہم مقام حاصل ہے۔

سلطان قطب الدین کے کوئی بیٹا نہ تھا اس نے غالباً آرام شاہ کو اپنا متبنیٰ بنایا ہوا تھا۔ سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد لاہور کے ترک سرداروں نے آرام شاہ کو تخت نشین کروا دیا لیکن آرام شاہ ایک نکما اور نااہل حکمران تھا۔ اُدھر دہلی کے ترک سردار بدایوں کے حاکم ایلتمش کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ سندھ کے حاکم ناصر الدین قباچہ نے بڑھ کر اُچھ پر قبضہ کر لیا۔ ادھر بنگال کے خلجی حاکموں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اب ایلتمش کو بلاوا بھیجا گیا۔ آرام شاہ معزول کر دیا گیا۔ اور ۱۲۱۱ء میں ایلتمش تخت نشین ہوا۔

سلطان شمس الدین ایلتمش
۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء

ایلتمش دراصل ایک ترک امیر کا بیٹا تھا لیکن اُس کے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے اُسے غلام بنا کر بیچ دیا بعد میں قطب الدین ایبک نے اُسے خرید لیا۔ ایلتمش پرہیزگاری شرافت اور قابلیت کی وجہ سے قطب الدین کا منظورِ نظر بن گیا اور ہوتے ہوتے گوالیار۔ برن یعنی بلند شہر اور پھر بدایوں کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوا۔



سلطان قطب الدین کے انتقال کے بعد جب آرام شاہ سلطنت کو نہ سنبھال سکا اور بنگال میں خلجی سردار اور سندھ میں ناصر الدین قباچہ نے خود مختاری اور بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تو دہلی کے امیروں نے متفق ہو کر ایلتمش کو سلطان چن لیا۔ سنہ ۱۲۱۱ء میں ایلتمش نے سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر کے تخت دہلی کو رونق بخشی اور بعد میں سلطان قطب الدین کی بیٹی سے شادی کر کے اپنی سیاسی پوزیشن مضبوط کر لی

سلطان شمس الدین کے عہد کے شروع میں سلطنت دہلی کی حالت نہایت خراب ہو چکی تھی ایک طرف سندھ اور دوسری طرف بنگال میں بغاوت ہو چکی تھی تاج الدین یلدوز حاکم غزنی اپنے آپ کو سلطان محمد غوری کا جائز وارث سمجھتا تھا مگر جب خوارزم شاہی فوجوں نے غزنی سے دھکیلا تو وہ پنجاب میں اپنی حکومت قایم کرنے کی سوچنے لگا اس کے علاوہ راجپوت راجے اور زمیندار بھی کھلم کھلا سلطان دہلی کی سرداری ماننے سے انکار کر رہے تھے سلطان شمس الدین نے ان سب مشکلات کا بڑی بہادری اور قابلیت سے مقابلہ کیا اور ان پر کامیابی سے قابو پا لیا۔

سلطان شمس الدین نے سب سے پہلے دہلی بدایوں۔ بنارس اور کوہستان شوالک میں سرکش زمینداروں کا قلع قمع کر کے اپنی دھاک بٹھائی اور اب اپنے زبردست مخالف تاج الدین یلدوز حاکم غزنی اور ناصر الدین قباچہ حاکم سندھ سے دو دو ہاتھ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

ترائن کی تیسری لڑائی

تاج الدین یلدوز نے سنہ ۱۲۱۵ء میں لاہور پر قبضہ کر کے سارے پنجاب پر اپنی حکومت قائم کر لی اسی سال غزنی پر خوارزم شاہی فوجوں نے قبضہ کر لیا۔ وہ تاج الدین یلدوز لاہور چلا آیا اور اب دہلی کی سلطنت کا دعویدار ہوا آخر سنہ ۱۲۱۶ء میں ترائن کے میدان میں سلطان شمس الدین اور تاج الدین یلدوز کی فوجوں کا زبردست معرکہ ہوا جس میں میدان سلطان شمس الدین کے ہاتھ رہا تاج الدین گرفتار ہوا اور بدایوں میں قید کر دیا گیا جہاں کچھ دیر کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

فتح سندھ

اب سلطان شمس الدین ناصر الدین قباچہ کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا لیکن ناصر الدین قباچہ بغیر لڑائی کے

سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ آئندہ دس سالوں میں سلطان شمس الدین دوسرے علاقوں میں مصروف جنگ رہا ادھر قباچہ نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور ہر طرح سے فوجی طاقت منظم کرتا رہا اور اپنی ریاست کی سرحدیں وسیع کرتا رہا۔ آخر سلطان شمس الدین پھر فوج لے کر پنجاب پر چڑھ آیا اور اُچھ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور پھر ۱۲۲۸ء میں اُچھ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ ادھر قباچہ دریائے سندھ عبور کر رہا تھا کہ اُس کی کشتی اُلٹ گئی اور وہ ڈوب مرا۔ سلطان شمس الدین کا پورے سندھ پر قبضہ ہو گیا اب سارا شمالی ہند سلطان شمس الدین کے ماتحت آگیا اور وہ صحیح معنوں میں ایک خود مختار سربراہ بن گیا۔

چنگیزی حملہ

۱۲۲۱ء میں شمال مغربی سرحد پر چنگیزی حملے کا خطرہ منڈلانے لگا۔ چنگیز خان وسط ایشیا کے منگولوں یا مغلوں کا سردار تھا یہ لوگ نہایت لڑاکو خونخوار اور تلوار کے دھنی تھے چنگیز خان نے ان قبیلوں کو متحد کرکے ایک لشکر جرار تیار کیا اور وسط ایشیا خراسان اور ایران کی مسلم ریاستوں کو تہس نہس کرنا شروع کر دیا۔ بحیرہ کیسپین کے قریب خوارزم کی مسلم ریاست تھی یہاں کا حاکم جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز خانی طوفان کے سامنے ڈٹ گیا لیکن اُس کی ایک نہ چلی اور وہ بھاگ کے پہلے غزنی اور پھر سندھ کی وادی میں چلا آیا۔ چنگیز خان اُس کا پیچھا کرتا ہوا ہندوستان کی شمال مغربی سرحد تک آ پہنچا یہاں جلال الدین نے تھوڑی بہت تیاری کر کے مقابلہ کی ٹھانی ادھر سلطان التمش سے بھی مدد چاہی لیکن سلطان اس جھگڑے میں نہ پڑنا چاہتا تھا انہوں نے جلال الدین سے ٹال مٹول کر کے مدد کی حامی نہ بھری اب جلال الدین نے منگولوں سے لڑنا شروع کیا مگر یہاں بھی اُسے شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر ایران جا پہنچا چنگیز خان نے بھی سندھ سے پار اُترنا مناسب نہ سمجھا۔ اس طرح سلطان شمس الدین کی غیر جانبداری کی عقلمندانہ حکمت عملی سے ہندوستان چنگیزیوں کی تباہ کاریوں اور خون خرابے سے بچ گیا۔

اور فتوحات

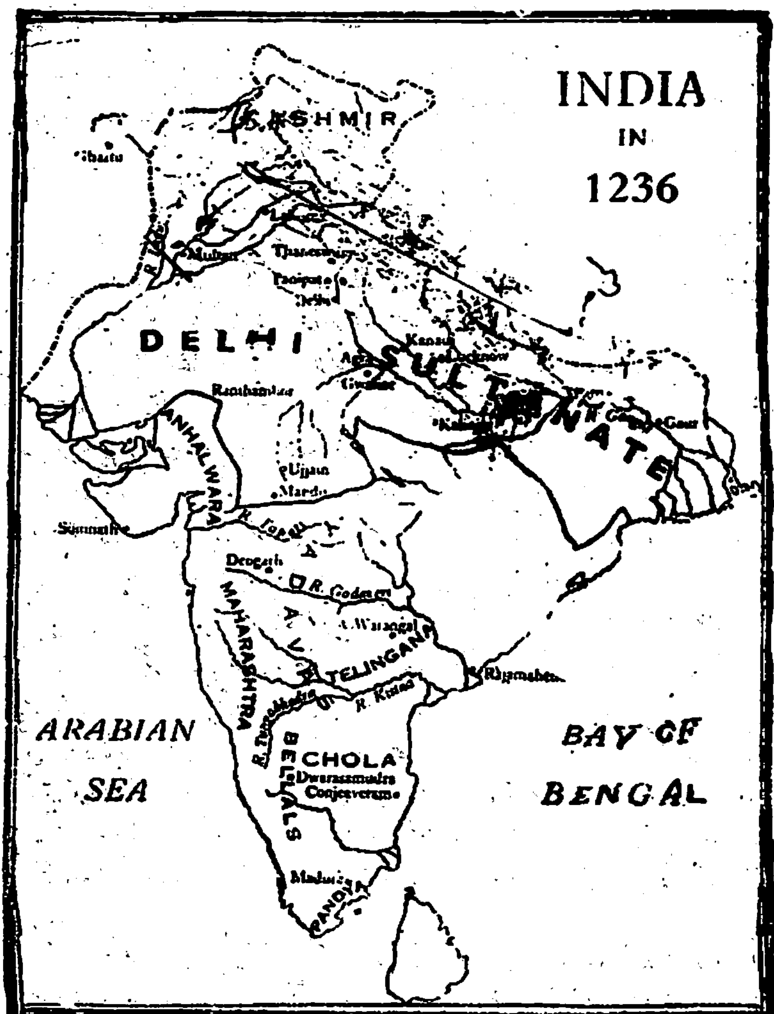
چنگیزی حملہ کے خطرہ سے محفوظ ہو کر سلطان بنگال کی طرف متوجہ ہوا جہاں خلجی سرداروں نے علی مردان خان

حاکم بنگال کو قتل کرکے حسام الدین عوض کو اپنا حاکم بنا لیا۔ عوض نے ۱۲۱۳ء
میں سلطان غیاث الدین خلجی کا لقب اختیار کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان
کر دیا اور گوڑ لکھنوتی میں اپنی راجدھانی قائم کرکے جاج نگر (اڑیسہ)
کام روپ (آسام) اور ترہٹ کے علاقے فتح کر لئے۔ ۱۲۲۵ء میں سلطان
شمس الدین نے بنگال پر حملہ کر دیا۔ عوض نے سلطان کی اطاعت کا اقرار کر
لیا بہار کے صوبہ پر اپنا دعویٰ چھوڑ دیا اور خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا
سلطان شمس الدین نے یہ شرائط قبول کر لیں لیکن وہ ابھی دہلی پہنچا ہی تھا
کہ عوض اپنے وعدوں سے پھر گیا اور بہار پر قابض ہو گیا۔ ۱۲۲۷ء میں
سلطان شمس الدین کے بیٹے ناصر الدین محمود صوبیدار اودھ نے عوض پر
حملہ کیا اور اُسے شکست دے کر قتل کر دیا اور خود بنگال کی حکومت سنبھالی
لیکن وہ ۱۲۲۹ء میں فوت ہو گیا۔ اب عوض کے ایک حامی سردار اختیار الدین
بلکا نے حکومت پر قبضہ کر لیا لیکن ۳۱-۱۲۳۰ء میں سلطان شمس نے بلکا کو شکست
دے کر قتل کر دیا بنگال کو سلطنت دہلی میں شامل کر لیا
اور اپنی طرف سے ملک علاء الدین جانی کو بنگال کا صوبیدار مقرر کیا۔
۱۲۲۶ء میں سلطان شمس الدین نے رنتھمبور کے قلعہ کو چوہان راجپوتوں
سے فتح کیا۔ ۱۲۳۲ء میں منگل دیو راجہ گوالیار پر جو آرام شاہ کے عہد میں
خود مختار ہو بیٹھا تھا حملہ کیا گیا۔ راجہ میدان سے بھاگ نکلا اور قلعہ پر سلطان
کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۲۳۴ء میں سلطان نے مالوہ پر حملہ کیا اور بھیلسہ اور اجین
فتح کئے۔ اگلے سال وہ ایک اور حملے کی تیاری میں مصروف تھا کہ اچانک
بیمار پڑ گیا اور چند دنوں بعد اپریل ۱۲۳۶ء میں جان بحق ہو گیا۔

سلطان شمس الدین کے ذاتی اوصاف اور عظمت

سلطان شمس الدین دہلی کی سلطنت کے
غلام خاندان کا اصلی بانی اور غلام
خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ مانا
جاتا ہے اُس نے سلطان محمد غوری کے مفتوحہ علاقوں میں ربط ضبط اور
انتظام سلطنت سے غلام خاندان اور دہلی کی سلطنت کی بنیادیں مضبوط کرنے

میں وہ کام کیا جو قطب الدین ایبک نہ کر سکا تھا۔ اس نے ایسے وقت
حکومت سنبھالی جب سلطنت کے چاروں طرف سے خطرے ہی خطرے تھے اور ایسا


INDIA
IN
1236
KASHMIR
Multan
Thanesar
Panipat
Delhi
DELHI
SULTANATE
Kanauj
Lucknow
Agra
Gwalior
Ranthambhor
ANHALWARA
Ujjain
Somnath
Deogarh
R. Godavari
Warangal
MAHARASHTRA
TELINGANA
R. Krishna
ARABIAN
SEA
BAY OF
BENGAL
CHOLA
Dwarasamudra
Conjeeveram
BELLALS
Madura
PANDYA

شمس الدین نے اپنے ذاتی تدبر بہادری اور عزم و استقلال سے ایک ایک
دشمن کو نیچا دکھایا اور سندھ سے لے کر بنگال تک سارے شمالی ہند کو
متحد کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی اور ملک میں اعلیٰ انتظام کر کے
امن و امان قائم کر دیا۔ ۱۲۲۸ء میں خلیفۂ بغداد نے سلطان شمس الدین کو
دہلی کا سلطان تسلیم کر لیا اور اُس کے لئے خلعت اور شاہی فرمان دیکر
ایک سفیر اُس کے دربار میں بھیجا۔ اس سے سلطان کی ساری اسلامی دنیا
میں عزت بڑھ گئی۔ سلطان شمس الدین بڑا پرہیزگار مسلمان تھا اور
نماز روزے کا بڑی پابندی کرتا تھا عالموں اور درویشوں کی بہت
عزت کرتا تھا اور اُن کی روزی کے لئے ہر وقت خزانوں کے منہ کھلے
رکھتا تھا اُس کی پرہیزگاری اور سخاوت کی وجہ سے لوگ اُسے ولی سمجھتے
تھے سلوک کرتا تھا البتہ اسمٰعیلی رعایا کا سچا ہمدرد تھا اور ہندوؤں سے رواداری
کا سلوک کرتا تھا البتہ اسمٰعیلی شیعہ فرقے کے لوگوں کا جو اُس کے خلاف
سازشیں کرتے رہتے سخت مخالف تھا اور اُن کے قلع قمع میں بڑی
شدت اور ظلم کا سلوک روا رکھتا تھا۔ سلطان کو عمارتیں بنانے کا بھی
بڑا شوق تھا چنانچہ شہر دلی کا مشہور قطب مینار سلطان نے ۱۲۳۵ء میں
اپنے مذہبی رہنما حضرت پیران پیر خواجہ قطب الدین بختیارؒ کی یاد میں
تعمیر کروایا تھا یہ مینار ۲۷۲ فٹ اونچا تھا لیکن اس کا اوپر کا حصہ بجلی
گرنے سے گر پڑا تھا۔ یہ مینار فن تعمیر کا نادر نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ اس
پر چاروں طرف قرآن شریف کی آیتیں نہایت خوش خط قلم سے کندہ
کی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ سلطان نے کئی مسجدیں سرائیں اور مکتب بھی
تعمیر کروائے تھے غرضیکہ سلطان شمس الدین ایک نہایت نیک انسان۔ مدبر
بادشاہ۔ بہادر جرنیل۔ علم دوست۔ انصاف پرور اور سخی حاکم تھا۔ اسی
لئے اُسے خاندان غلاماں کا سب سے بڑا بادشاہ اور حقیقی بانی مانا جاتا
ہے ؛

سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد دس سال تک سلطنت میں افراتفری
مچی رہی سلطان کا سب سے قابل بیٹا ناصر الدین محمود ۱۲۲۹ء میں ہی مر چکا
تھا باقی سب نکمے اور نااہل تھے اس لئے اُس نے اپنی زندگی میں ہی اپنی
قابل اور بہادر بیٹی رضیہ بیگم کو ولیعہد [illegible]

ایک عورت کی حکومت قبول کرنے ہچکچاتے تھے چنانچہ انہوں نے التمش کے بیٹے رکن الدین فیروز کو تخت نشین کر دیا۔ فیروز عیاش اور نااہل تھا۔ راج کاج کی دیکھ بھال اُس کی ماں شاہ ترکان بیگم کرتی تھی چند ہی دنوں میں امیر وزیر اُس کی حکومت سے تنگ آ گئے اور انہوں نے فیروز کو قید کر کے رضیہ بیگم کو سلطانہ تسلیم کر لیا بعد میں نومبر ۱۲۳۶ء میں فیروز کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ؛

سلطانہ رضیہ ۱۲۳۶ء تا ۱۲۴۰ء

رضیہ بچپن سے ہی بڑی ہونہار تھی۔ اسی لئے سلطان شمس الدین کو بیٹوں سے بڑھ کر عزیز تھی وہ انتظام سلطنت۔ رعایا پروری۔ بہادری اور شہسواری میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ تخت نشین ہوتے ہی اُس نے سلطنت کے کام بڑی ہوشیاری سے سنبھالے وہ مردوں کی طرح سواری کے لئے نکلتی۔ میدان جنگ میں لڑتی اور دربار میں بیٹھ کر فیصلے کرتی اور حکم نافذ کرتی تھی ان دنوں سلطان شمس الدین کے چالیس غلام جو بڑے بڑے امیر وزیر اور عہدے دار تھے اور "بندگان شمسی" کہلاتے تھے بہت زور پکڑ چکے تھے اُنہیں عورت کے ماتحت رہنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اُنہوں نے سلطانہ کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا اور اُس کے بھائی بہرام شاہ کو بادشاہ بنانے کی سوچنے لگے ادھر بھٹنڈہ کے حاکم اختیار الدین التونیہ نے رضیہ کے خلاف بغاوت کی۔ رضیہ مقابلہ کرتے کرتے گرفتار ہو گئی اب التونیہ نے اُس سے شادی کر لی اور دونوں بندگان شمسی اور بہرام کے مقابلے کے لئے بڑھے بالآخر سلطانہ شکست کھا کر بھاگ نکلی اور تھکی ماندی ایک کھیت کے کنارے سو رہی تھی کہ گاؤں کے ہندوؤں نے اُسے قتل کر ڈالا۔ رضیہ سلطانہ پہلی ترک عورت تھی جو ہندوستان کی ملکہ بنی وہ اپنے بھائیوں سے کہیں زیادہ قابل تھی لیکن بدقسمتی سے عورت تھی اور ترک سردار ایک عورت کی ماتحتی پر رضامند نہ تھے۔ ورنہ اگر قدرت سلطانہ کو موقعہ دیتی تو یقیناً وہ ہندوستان کی ایک نامور

حکمران ثابت ہوتی۔

سلطانہ رضیہ کے بعد سلطان معزالدین بہرام شاہ نے ۱۲۴۰ء سے ۱۲۴۲ء تک حکومت کی اس کے عہد میں بندگان شمسی کی طاقت اور بڑھ گئی ۱۲۴۱ء میں پنجاب پر بہادر طائر مغل سردار نے حملہ کرکے لاہور اور آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار مچا دی - ادھر بنگال اور بہار کے حاکم طغرل طوغان خان نے خود مختاری اختیار کرلی - بہرام شاہ کی ذاتی کمزوری اور امراء سے بدسلوکی انتہا کو پہنچ گئی بالآخر ۱۲۴۲ء میں فوج نے شہر اور محل شاہی پر گھیرا ڈال کر بہرام شاہ کو پہلے قید اور پھر قتل کر ڈالا اور اب سلطان رکن الدین فیروز کے بیٹے علاؤ الدین مسعود کو سلطان بنایا گیا وہ ۱۲۴۲ء سے ۱۲۴۶ء تک تخت نشین رہا اس کے عہد میں پنجاب میں منگولوں اور کھوکھروں نے خوب دھاندلی مچائی اور ملتان اُچھ اور سندھ کے علاقے بھی خود مختار ہوگئے۔ شروع شروع کی کچھ کامیابی کے بعد سلطان علاء الدین کی عیش پرستی اور امراء سے بدسلوکی کی وجہ سے بندگان شمسی نے اُسے بھی معزول کرکے قید کر دیا اور قید کی حالت میں ہی اُسے قتل کر دیا گیا۔ اب امراء نے سلطان شمس الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے ناصرالدین محمود کو تخت پر بٹھایا۔ ناصرالدین محمود ایک درویش صفت پرہیزگار اور سادہ مزاج انسان تھا لیکن ذاتی شجاعت - تدبر اور انتظامی قابلیت میں نمایاں حیثیت نہ رکھتا تھا قدرت نے اُسے بلبن جیسا بہادر - مدبر اور منتظم وزیر دے دیا جسے ناصرالدین محمود کی سلطنت کو اندرونی اور بیرونی خطروں سے محفوظ کر دیا۔ ناصرالدین محمود کا عہد (۱۲۴۵ء تا ۱۲۶۶ء) درحقیقت بلبن کی وزیراعظم کی حیثیت میں حکومت کا حصہ ہے ورنہ سلطان ناصرالدین عبادت اور قرآن شریف کے نسخے نقل کرنے اور ٹوپیاں سینے میں وقت گذارتا تھا اور ان نقلوں اور ٹوپیوں کے معاوضہ پر درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ خزانے سے کچھ نہ لیتا تھا اُس کے گھر میں ایک خادمہ تک نہ تھی اُس کی ملکہ گھر کا سارا کام اور کھانا پکانا سب کچھ خود کرتی تھی) خود سلطان کی زندگی نہایت سادہ تھی اور وہ بادشاہی کی نسبت فقیری اور درویشی کے لئے زیادہ موزوں تھا۔

سلطان غیاث الدین بلبن

۱- ۱۲۴۵ —— ۱۲۶۶ء

۲- ۱۲۶۶ —— ۱۲۸۷ء

بلبن یا آلغ خان ایلبری قبیلے کے ایک ترک سردار کا بیٹا تھا لیکن منگولوں کے ایک حملے میں قید ہو کر غلام ہو گیا اور انہوں نے اُسے بغداد میں جا بیچا۔ یہاں سے اُس کا آقا اُسے دہلی لے آیا اور سلطان شمس الدین ایلتمش کے ہاتھ بیچ دیا۔ بلبن نے ایک سقہ کی حیثیت سے کام شروع کیا مگر اپنی ذہانت۔ محنت اور وفاداری کی وجہ سے ترقی کرتا چلا گیا اور سلطانہ رضیہ کے عہد میں میر شکار اور بہرام شاہ کے عہد میں ریواڑی اور ہانسی کا جاگیردار مقرر ہوا۔ سلطان علاء الدین مسعود کے عہد میں منگولوں کے خلاف فوج کشی میں بھی بلبن نے نمایاں حصہ لیا۔ ۱۲۴۹ء میں اُس کی بیٹی کی شادی شہزادہ ناصر الدین محمود سے ہوئی۔ سلطان مسعود کی معزولی کے بعد سلطان ناصر الدین محمود بلبن کی مدد سے تخت نشین ہوا اور بلبن کی ذاتی قابلیت اور اثر و رسوخ کے پیش نظر سلطان نے اُسے اپنا وزیر مقرر کر کے راج کاج کا سارا کام اُسی کو سونپ دیا۔

بلبن کی وزارت

۱۲۴۶ء تا ۱۲۶۶ء

سلطان ناصر الدین محمود کے وزیر اعظم کی حیثیت سے بلبن کے سامنے دو بڑے مسئلے تھے اول ملک کو منگولوں کے بیرونی حملوں سے محفوظ کرنا اور دوسرے اندرونی بغاوتوں کا قلع قمع کرنا۔ درحقیقت، سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد جو سیاسی ابتری اور افراتفری کا دور رہا اس میں چاروں طرف مطیع راجاؤں نے بغاوتیں بپا کر دیں اور اس کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر منگول بھی مار دھاڑ کرنے آ دھمکے۔ بلبن نے سب سے پہلے "بندگان شمسی" یعنی چالیس سرداروں اور مطیع راجاؤں کی سرکشی کی طرف توجہ دی چنانچہ ۱۲۴۶ء میں بلبن نے جنوبی پنجاب اور ملتان پر قبضہ جمایا اور کھوکھروں

کو سخت سزائیں دے کر پنجاب کا بہت سا حصّہ مغلوں سے آزاد کروا لیا
اُس کے بعد پانچ برسوں تک وہ جمنا اور گنگا کے دوآبے اور میوات میں
مطیع راجاؤں کی بغاوتیں فرو کرنے میں مصروف رہا اس کے بعد گوالیار
چندیری اور مالاے کے علاقے پھر سے فتح کر کے سلطنت دہلی کے ماتحت
کئے۔ بلبن کی یہ روز افزوں ترقی اور کامیابی چالیس سرداروں کو ایک آنکھ
نہ بھائی۔ ۱۲۵۳ء میں ان امیروں کے بہکانے پر بادشاہ نے بلبن کو معزول
کر دیا اور ایک ہندوستانی مسلمان عماد الدین ریحان کو وزیر اعظم بنا دیا لیکن
سال بھر کے اندر ہی بڑے بڑے سردار اور افسر اور خود سلطان سمجھ گئے کہ
بلبن کے بغیر سلطنت کا کام چلنا مشکل ہے چنانچہ سلطان نے بلبن کو واپس
بلا کر پھر اپنے عہدے پر بحال کر دیا اور اُس کے دشمنوں کو اپنے عہدوں
سے برطرف کر دیا۔ بلبن نے نافرمان سرداروں اور باغی حاکموں کو سخت
سزائیں دیں مگر جنہوں نے معافیاں مانگیں انہیں بحال کر دیا گیا اسی اثنا
میں منگولوں نے پنجاب پر دھاوا بول دیا۔ بلبن نے شاہی فوجیں مقابلہ
کے لئے روانہ کیں اور منگول حملہ آوروں کو ایران کی طرف بھاگنا پڑا۔
ادھر میواتیوں نے آس پاس کے علاقوں میں ادھم مچا رکھا تھا بلبن نے اُن
کی سخت گوشمالی کی اور انہیں عبرت ناک سزائیں دے کر امن بحال کر
دیا۔ ۱۲۶۶ء میں سلطان ناصر الدین محمود کا انتقال ہو گیا اور بلبن نے
سلطان غیاث الدین کا لقب اختیار کر کے تخت سنبھالا۔

بلبن کا دورِ سلطانی
۱۲۶۶ء — ۱۲۸۷ء

اصلاحات:۔ سلطان غیاث الدین بلبن کو انتظامِ سلطنت کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ امراء اور جاگیرداروں کی
طاقت توڑ کر ہی بغاوتوں کا سدباب اور ملک میں امن و امان قائم رکھا جا
سکتا ہے اس کے لئے سلطان کے ذاتی دبدبے اور رعب داب کی ضرورت کا بھی
اُسے شدت سے احساس تھا چنانچہ بلبن نے اپنے دربار کے لئے کئی ایرانی

رسم درواج اور قاعدے مقرر کئے اُس کے دربار میں ہنسی۔ ٹھٹھے۔ شراب نوشی گانے بجانے یا اسی قسم کی باتوں کی بالکل اجازت نہ تھی۔ سلطان کے دربار میں اُس کا محافظ دستہ حاضر رہتا تھا۔ امیر وزیر۔ بڑے ادب اور خاموشی سے حاضر ہوتے تھے اُس کے دربار میں کئی شہزادے۔ رئیس۔ فلاسفر۔ شاعر۔ عالم اور قانون داں ہوتے تھے جن کی سرپرستی پر بادشاہ فخر کیا کرتا تھا حضرت امیر خسرو دہلوی جو ہندی اور فارسی کے مشہور ہندوستانی شاعر ہو گذرے ہیں سلطان کے دربار کی زینت تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی بھی سلطان بڑی عزت و تکریم کرتا تھا ان وجوہات سے سلطان کے ذاتی دبدبے اور رعب داب کی دھاک بیٹھ گئی اور امراء کو سر اٹھانے کی جرأت نہ رہی۔

سلطان بغاوتیں کچلنے اور امراء کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی سزا دینے میں سخت بے رحمی اور شدت کا سلوک روا رکھتا تھا خاص طور پر چالیس سرداروں کی طاقت توڑنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

اس کے علاوہ سلطان عدل و انصاف میں چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہ کرتا تھا اس سے بھی امراء تھراتے رہتے تھے کہتے ہیں ایک دفعہ بدایوں کے حاکم ملک بق بق نے اپنے نوکر کو پیٹتے پیٹتے جان سے مار ڈالا۔ سلطان کے پاس شکائت ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ ملک بق بق کو کوڑے مار مار کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا سلطان کے عہد میں عدل و انصاف میں ظالموں پر سخت گیری کی ایسی ہی کئی اور مثالیں بھی ملتی ہیں۔

بلبن نے ملک میں ہر طرح کی اطلاعات مہیا کرنے اور جاسوسی کا نہایت عمدہ انتظام کر رکھا تھا اُسے سلطنت کے ہر حصّہ سے امراء کی نقل و حرکت اور رعایا کی کیفیت کی پوری پوری اطلاع ملتی رہتی تھی اور اس سے اُسے ملک میں امن و امان قایم رکھنے اور باغی امراء کی بروقت سرکوبی کرنے میں بڑی مدد ملتی تھی۔

بلبن نے جاگیرداری نظام ختم کر دیا اور فوجی افسروں کو جاگیروں کی بجائے نقد تنخواہیں دینے کا حکم دیا اس سے جاگیرداروں کی فوجی طاقت کم ہو گئی اور حکومت کو فوج کی اچھی تربیت اور دیکھ بھال میں زیادہ سہولت ہو گئی۔ اسی طرح بلبن نے فوج کی اصلاح کرنے اسے نہایت

مستعد بنا دیا۔ اس فوج سے اُس نے ملک میں امن و امان بھی قایم کیا اور بیرونی حملوں سے ملک کو محفوظ بھی کر دیا۔

بغاوتیں سلطان غیاث الدین بلبن ملک میں امن و امان قایم رکھنے کو حکومت کا مقدس فرض خیال کرتا تھا اس لئے باغیوں کی سرکوبی کے لئے وہ ہر وقت پا بہ رکاب رہتا تھا چنانچہ میواتیوں کی بغاوت اور اُن کی سرکوبی اس کی مشہور مثال ہے۔ میواتی متھرا اور الوز کے درمیانی علاقے میں آباد تھے۔ یہ لوگ بڑے جنگجو تھے اور ہوتے ہوتے انہوں نے دہلی تک لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ دہلی میں ان سے خوف کی یہ حالت تھی کہ شام ہوتے ہی شہر کے دروازے بند کر لئے جاتے تھے تاکہ کہیں میواتی شہر میں گھس کر رات کے اندھیرے میں ادھم نہ مچا دیں۔ سلطان نے ان لوگوں کی پناہ گاہوں پر حملے کئے اور ان کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جنگل کٹوا دئے تاکہ یہ باغی لٹیرے چھپ چھپا کر راہ گیروں پر حملے نہ کر سکیں اور جا بجا فوجی چوکیاں قائم کر کے پورے میوات میں اپنا سکہ بٹھا دیا اسی طرح دہلی اور بنگال کے درمیان جا بجا باغی سردار لوٹ مار کرتے رہتے تھے راستے غیر محفوظ تھے اور اس طرح مسافران سرداروں کے رحم و کرم پر رہتے تھے سلطان نے یہاں بھی باغیوں کی پناہ گاہیں برباد کر کے جنگل کٹوا کر اور فوجی چوکیاں قائم کر کے امن و امان بحال کیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔ جا بجا بڑے بڑے طاقتور افغان سرداروں کو زمینیں دیکر آباد کیا تاکہ مقامی باغی سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ کوہستان نمک (مغربی پاکستان) میں بغاوت ہوئی تو سلطان خود موقعہ پر پہنچا اور باغیوں کو لوٹ مار کر فنا کر دیا اور اُن کے ہزاروں گھوڑے اپنی فوج کے لئے لے آیا۔

لیکن سلطان کے عہد کی سب سے بڑی اور اہم بغاوت ۷۹-۱۲۷۸ء میں بنگال میں ہوئی۔ بنگال کا حاکم طغرل خاں یا طغرل بیگ ۱۲۶۸ء سے بنگال پر سلطان دہلی کے صوبیدار کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا۔ ۱۲۷۰ء میں اُس نے سلطان غیاث الدین بلبن کو ضعیف سمجھ کر سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بلبن نے صوبیدار اودھ کے ماتحت دو فوجی مہیں طغرل کی سرکوبی کے لئے بھیجیں۔ مگر دونوں کو طغرل کے ہاتھوں ہار اٹھانی پڑی اب بلبن نے بڑھاپے کے باوجود کمان خود سنبھالی اور ایک لشکر جرار

لے کر بنگال پر ٹوٹ پڑا طغرل یہ سنتے ہی لکھنوتی سے بھاگ نکلا لیکن سلطان
نے سنار گاؤں (متصل ڈھاکہ) کے قریب اُسے جا لیا۔ طغرل کے سپاہی سر
پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ طغرل مارا گیا اُس کا سر کاٹ کر دھرا ندی میں
جھونک دیا۔ اور اب سلطان لکھنوتی آیا اُس کے سینے میں انتقام کی آگ
کے شعلے بھڑک رہے تھے اُس نے لکھنوتی کے دو میل لمبے بازار میں جا بجا
سولیاں گڑوا دیں اور طغرل کے رشتہ داروں اور ہوا خواہوں کو چن چن کر ان
سولیوں پر لٹکوا دیا۔ اس قدر بھیانک منظر دیکھ کر لوگوں کے اوسان خطا
ہو گئے اب بلبن نے بنگال کی حکومت اپنے منجھلے بیٹے بغرا خان کے سپرد
کی اور اُسے نصیحتیں کر کے خبردار کیا کہ بغاوت کی سزا ہر باغی کو اُسی طرح
دی جائے گی جس طرح طغرل اور اُس کے ساتھیوں کو دی گئی تھی دہلی واپس
آ کر سلطان نے اُن امیروں اور افسروں کو جو طغرل سے جا ملے تھے نہایت
سخت سزائیں دیں۔ بعض کو بدر کر دیا گیا۔ بعض قید کر لئے گئے اور کئی
چیدہ باغی افسروں کو بھینسوں پر بٹھا کر دہلی کے شہر میں نشر کیا گیا۔

منگول حملے اور وطن کا بچاؤ

منگول قبیلے ساری اسلامی دنیا
کو للکار رہے تھے ۱۲۵۸ء میں
اُن کے سردار ہلاکو خان نے خلیفہ اسلام مستعصم عباسی کو شکست دے کر قتل کر
دیا اور ہر طرف آتش زنی اور قتل و غارت سے بغداد کی اینٹ سے اینٹ
بجا دی۔ مسلمان حکومتیں اس طوفان کے آگے ایک ایک کر کے اکھڑ رہی تھیں وسط
ایشیا اور خراسان کے کئی امیر۔ فلاسفر۔ شاعر۔ قانون دان بھاگ بھاگ کر
سلطنت دہلی کی پناہ لے رہے تھے غیاث الدین بلبن اس خطرہ کے مقابلہ
کے لئے جان کی بازی لگانے پر تیار تھا اس وقت ساری اسلامی دنیا
میں وہی ایک بادشاہ تھا جس کی طرف سب کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ ادھر
سلطنت دہلی کی اندرونی شورشوں کو ختم کر کے سلطان اب ہندوستان کو
منگولوں سے محفوظ کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ جب اُس کے مشیروں نے اُسے
مالوہ اور گجرات فتح کرنے کی ترغیب دی تو سلطان نے جواب دیا کہ وہ دہلی
کا بھی وہی حشر ہوتا نہیں دیکھنا چاہتا جو بغداد کا ہوا تھا۔ بلبن نے
سلطنت کی توسیع کی بجائے اس کے استحکام کو اپنی حکمت عملی کی بنیاد
بنایا ہوا تھا چنانچہ اب اُس نے شمال مغربی سرحد پر غزنی سے سندھ اور

افغانستان سے پنجاب آنے والی شاہراہوں کی ناکہ بندی اور حفاظت کے لئے ملتان اور سامانہ میں نہایت مستحکم فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور اپنے بیٹے سلطان محمد اور بغرا خان کو اعلیٰ کمانڈر مقرر کیا پرانے قلعوں کی مرمت کی گئی اور جا بجا فوجی چوکیاں قائم کی گئیں ملکی بچاؤ کے اس اعلیٰ انتظام کی وجہ سے دیر تک منگول کوئی جارحانہ حملہ نہ کر سکے۔

آخر ۱۲۷۹ء میں منگول شمالی پنجاب پر چڑھ آئے اور لوٹ مار کرتے دریائے ستلج کے کنارے تک آپہنچے۔ شہزادہ محمد اور شہزادہ بغرا خان اور ملک بیتمار کی متحدہ فوج نے منگولوں پر حملہ کرکے اُن کا منہ توڑ دیا

۱۲۸۵ء میں پھر منگول اپنے سردار تامور خان کی کمان میں ملتان پر حملہ آور ہوئے اور ایک جھپٹ میں شہزادہ سلطان محمد دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گیا اسی لئے اُسے "خان شہید" بھی کہتے ہیں یہ شہزادہ خود عالم تھا اور عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ میر حسن سنجری دہلوی اور حضرت امیر خسرو شروع شروع میں اُسی کی سرپرستی میں تھے۔ شہزادہ محمد بہادری میں بھی اپنی مثال آپ تھا یہی وجہ ہے کہ بلبن اُس سے بہت محبت کرتا تھا۔ جب بلبن نے اپنے اِس ہونہار قابل بہادر اور پیارے بیٹے کی شہادت کی خبر سُنی تو دُنیا اُس کے لئے اندھیر ہو گئی وہ ساری ساری رات روتا رہتا تھا لیکن دن کو دربار میں بیٹھتا تھا۔ آخر اسی صدمے سے ۱۲۸۶ء میں بوڑھا سلطان گھل گھل کر مر گیا۔

بلبن کی سیرت اور عظمت

سلطان غیاث الدین بلبن ایک معمولی حیثیت سے ترقی کرتے کرتے سلطنت دہلی کا وزیر اعظم اور پھر سلطان بنا۔ یہ اُس کی ذاتی قابلیت محنت اور ارادے کی سب سے بڑی ... تا ہے۔ ہندوستان کی حکومت کی بھاگ ڈور چالیس برس تک اُس کے ہاتھ میں رہی اُسے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اپنی ہمت سے اُس نے ان سب پر قابو پا لیا۔ اُس نے بادشاہت کے وقار کو پھر سے قائم کیا۔ انتظام سلطنت اور فوج کو نئی ترتیب دی اور عدل و انصاف کا دور دورہ کیا۔ امیروں ... راجاؤں کی طاقت کچل کر ملک میں امن و امان قائم کیا اور وطن کی حفاظت کا شاندار انتظام کیا اسی لئے وہ ہندوستان کے بہت بڑے حکمرانوں میں گنا جاتا ہے اور کئی مورخ اسے کو ملتمش کے مقابلہ

میں خاندان غلاماں کا سب سے بڑا بادشاہ مانتے ہیں۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے چہرے سے متانت ٹپکتی تھی اُس کا رعب ایسا تھا کہ اُس کے سامنے بڑے بڑے بہادر سرداروں اور باہر سے آئے ہوئے سفیروں کے زہرے پگھل جاتے تھے وہ قاعدے قانون کی پابندی پر سخت زور دیتا تھا خود محنتی اور جفاکش تھا اور اپنے افسروں سے بھی محنت اور جفاکشی کی توقع کرتا تھا باغیوں اور سرکشوں کو نہایت سخت سزائیں دیتا تھا اور غریبوں کا سچا ہمدرد تھا۔ بلبن انصاف کی ننگی تلوار تھا اور عدل انصاف میں کوئی رو رعایت نہ کرتا تھا اور غریبوں اور بے کسوں کی فریاد۔ سننے کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔

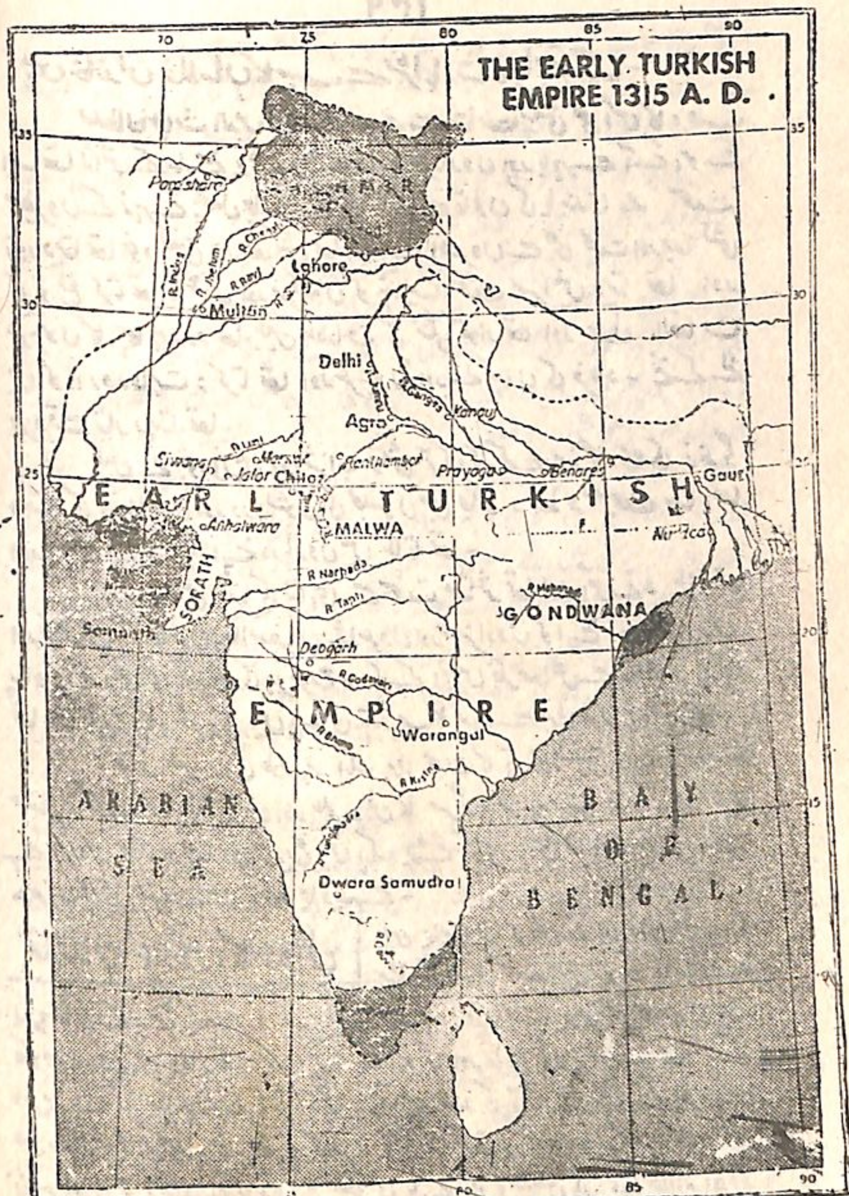
بلبن نے جوانی میں ہی شراب نوشی ترک کر کے پرہیزگاری کی زندگی اختیار کی وہ عالموں اور درویشوں کی مجلسوں میں جاکر وعظ و نصیحت سنا تھا اور انہیں دعوت دیکر اپنے درباروں میں بلاتا تھا۔

بلبن اسلامی دنیا کی تباہی سے سخت متاثر تھا اور اُس نے وسط الشیا اور خراسان کے عالموں۔ فلاسفروں۔ شاعروں اور شہزادوں کو اپنے دربار میں پناہ دے رکھی تھی اور اُن کی ہر طرح مدد کر کے انہیں فکر معاش سے آزاد کر رکھا تھا اس طرح دہلی اُس زمانہ میں اسلامی تہذیب کا سب سے بڑا مرکز بن گئی تھی۔

غرضیکہ بلبن ذاتی طور پر ایک بڑا محبت کا آدمی شفیق باپ۔ زبردست منتظم حاکم اور من چلا جرنیل اور علم و فن کا سرگرم سرپرست تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام ہماری تاریخ میں ایک بڑے آدمی۔ اعلےٰ سیاست دان اور مدبر حاکم کی حیثیت سے زندہ جاوید ہے۔

خاندان غلاماں کا زوال

بلبن چاہتا تھا کہ اُس کے بعد خان شہید کا بیٹا کے خسرو تخت نشین ہو مگر امراء نے بغرا خان کے بیٹے کیقباد کو تخت نشین کر دیا۔ کیقباد سترہ برس کا جوان تھا۔ حکومت ملتے ہی وہ رنگ رلیوں میں مست ہو گیا اور راج کاج سب اُس کے وزیر ملک نظام الدین کے ہاتھ آ گیا باقی امیر حسد کی آگ میں جلنے لگے بغرا خان صوبیدار بنگال بھی اپنے بیٹے کو سمجھانے آیا مگر کیقباد سنبھل نہ سکا۔ اُس نے نظام الدین کو زہر دے کر اُس سے خلاصی پانے کی کوشش کی اور جلال الدین فیروز خلجی [illegible]


THE EARLY TURKISH EMPIRE 1315 A. D.
Lahore
Multan
Delhi
Agra
Kanauj
Jalor
Chitor
Prayaga
Benares
Gaur
EARLY TURKISH EMPIRE
Anhalwara
MALWA
SORATH
R. Narbada
R. Tapti
GONDWANA
Deogarh
Warangal
R. Kistna
Dwara Samudra
ARABIAN SEA
BAY OF BENGAL

گئے۔ ادھر کیقباد پر شراب نوشی کی وجہ سے فالج کا حملہ ہوگیا۔ امراو نے
ن کے نابالغ بیٹے شمس الدین کیمورث کو تخت پر بٹھا دیا۔ کچھ دیگر امراء
ی سازش سے جلال الدین فیروز نے مارچ ۱۲۹۰ء میں کیقباد کو قتل کرکے
ود تخت سنبھال لیا اور اس طرح خاندان غلاماں کا خاتمہ اور خاندان خلجی
(۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء) کا آغاز ہوا۔ البتہ بغرا خان (ناصر الدین محمود شاہ بغرا
بنگال) کی اولاد ۱۳۱۸ء تک بنگال میں خود مختار سلطنت بنا کر حکمران رہی۔

(ب) خاندان خلجی ۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء

سلطان جلال الدین فیروز خلجی
۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۶ء

فیروز خلجی ایک پٹھان سردار تھا اور شروع میں پنجاب میں ایک اعلیٰ عہدہ دار تھا سلطان کیقباد نے اُسے برن (بلند شہر) میں جاگیر عطا کی اور فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ سلطان کیقباد سے تنگ آئے ہوئے اُمرا کی مدد سے فیروز نے ۱۲۹۰ء میں سلطان کیقباد کو قتل کرکے سلطان جلال الدین کا لقب اختیار کرکے ستر سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا اور خلجی خاندان کی بنیاد رکھی۔

سلطان جلال الدین نے دہلی کے قریب کیلوکھری کے مقام پر نئی راجدھانی بنائی اور اپنے امیروں وزیروں سمیت یہاں چلا آیا کیونکہ ادب و لحاظ کی خاطر وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے محل میں نہ رہنا چاہتا تھا سلطان بذات خود بڑا نیک۔ رحم دل اور سادہ مزاج انسان تھا چنانچہ اُس کے عہد میں سلطان غیاث الدین کے بھتیجے ملک چھجو حاکم کڑا مانک پور نے بغاوت کر دی۔ سلطان کے بیٹے شہزادہ ارکلی خان نے اُسے شکست دے کر ساتھیوں سمیت گرفتار کرکے دربار میں پیش کیا۔ سلطان جلال الدین ملک چھجو کو

اس حال میں دیکھ کر زار زار رونے لگا اور سب بائیوں کو رہا کر کے ان کی ضیافت پکا کر خاطر تواضع کی۔ اس کے افسروں نے اس سلوک کے خلاف احتجاج کیا تو سلطان نے جواب دیا کہ وہ ناحق مسلمانوں کا خون بہا کر گناہ مول لینے کے لئے تیار نہیں۔ اسی طرح ایک دفعہ ہزار کے قریب ٹھگ پکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کئے گئے مگر سلطان نے انہیں بجائے سزا دینے کے بنگال بھیج کر آزاد کر دیا۔ لیکن سیدی مولی نامی درویش اور اُس کے مریدوں پر سلطان نے از حد ظلم توڑے۔ سید مولی پر یہ الزام تھا کہ اُس کے مُرید اُسے خلیفہ بنا کر تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ سلطان کے حکم سے سید مولا کو ہاتھی کے پاؤں تلے روندوا کر مروا دیا گیا۔ اس سال اتفاق سے بڑا سخت قحط پڑا۔ خوش عقیدہ لوگوں نے اسے سیدی مولی کی کرامت خیال کیا۔ قیاس ہے کہ سیدی مولی اسمٰعیلی شیعہ تھا اور اسلئے سلطان جلال الدین نے اُس سے اس قدر انتقامی جذبے کا سلوک کیا۔

سلطان جلال الدین خلجی نے رنتھمبور کے قلعہ پر چڑھائی کی لیکن خون خرابے سے بچنے کے لئے قلعہ کا محاصرہ کئے بغیر ہی لوٹ آیا لیکن جب ۱۲۹۲ء میں ہلاکو خان کے پوتے منگو نے منگول لشکر دریائے سندھ کے اس پار اُتارا تو سلطان جلال الدین ایک بہادر سپاہی اور قابل جرنیل کی طرح پوری تیاری سے مقابلہ پر آیا اور جنوبی پنجاب میں منگولوں کو عبرت ناک شکست دی۔ ہزاروں منگولوں نے اسلام قبول کر کے سلطان کی ملازمت اختیار کر لی یہ نو مسلم دہلی کے قریب مغلپورہ کی بستی میں آباد ہو گئے

سلطان جلال الدین کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ علاء الدین خلجی کی ۱۲۹۴ء میں دیوگری پر لشکر کشی ہے۔

مہم دیوگری اور سلطان جلال الدین کا قتل

سلطان جلال الدین نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی کو اعلیٰ عہدے پر فائز کیا اور ملک چھجو کی بغاوت کے بعد کڑا مانک پور کی جاگیر بھی علاء الدین کو عطا کی گئی لیکن علاء الدین کی بیوی اور ساس ملکہ جہاں نے سلطان جلال الدین کے کان بھر بھر کر اُسے علاء الدین کے خلاف بھڑکا دیا۔ علاء الدین اب اپنی قسمت آزمانے کے لئے [illegible] کی تلاش کرنے لگا ۱۲۹۲ء [illegible] الدین سلطان

کی اجازت لے کر اُس نے مالوہ پر حملہ کیا اور بھیلسہ کو لوٹ کر بے شمار مال غنیمت دہلی لایا۔ سلطان نے خوش ہو کر اودھ کی حکومت بھی علاء الدین کو سونپ دی۔

علاء الدین کو مالوہ کی مہم کے دوران میں ہی معلوم ہو چکا تھا کہ دکن میں دولت کی فراوانی کا کچھ اندازہ نہ تھا۔ وندھیاچل کے قریب دیوگری (موجودہ اورنگ آباد دکن) پر یادو خاندان کا راجہ رام چند راج کرتا تھا۔ علاء الدین نے اس راجہ پر حملہ کی ٹھانی۔ سلطان جلال الدین کو تو وہ یہ جتلاتا رہا کہ وہ مالوہ میں اب کے چندیری فتح کرنے جا رہا ہے اور خود فوجیں آراستہ کر کے دیوگری پر حملہ کی تیاریاں کرتا رہا۔ آخر ۱۲۹۴ء میں وہ دکن کی طرف روانہ ہوا اور لوگوں کو یہ کہتا رہا کہ اُس کی اپنی چچا سے رنجش ہے اس لئے وہ دکن میں ملازمت کی تلاش کے لئے جا رہا ہے یکایک علاء الدین نے دیوگری پر حملہ کر دیا۔ اور راجہ رام چند بے خبری کے عالم میں اس شدید حملہ کی تاب نہ لا کر شکست کھا گیا۔ علاء الدین نے دیوگری کے شہر کو جی بھر کے لوٹا اور بے شمار زر و جواہر اور گھوڑے ہاتھی اُس کے ہاتھ لگے آخر راجہ رام چند نے صلح کی درخواست کی۔ اسی اثناء میں راجہ کا بیٹا شنکر جو دور دکن میں کسی مہم پر تھا واپس آ پہنچا اور اس نے علاء الدین پر حملہ کر دیا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا لیکن میدان علاء الدین کے ہاتھ رہا اب علاء الدین نے راجہ کو ایلچ پور برار کا علاقہ اور بھاری تاوان جنگ دینے پر مجبور کر دیا اور مال و دولت سے لد کر بخیریت واپس کڑا آن پہنچا۔

ادھر افسروں کے سمجھانے کے باوجود سلطان جلال الدین کو یقین نہ آیا کہ علاء الدین در اصل اپنی طاقت بڑھا کر تاج و تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے آخر علاء الدین کے بھائی الغ خان کے پھسلانے پر جلال الدین علاء الدین سے ملنے کے لئے کڑا روانہ ہو گیا اور اپنے وفادار امیروں کی ایک نہ سُنی۔ کڑا پہنچ کر جلال الدین تن تنہا اور نہتا علاء الدین کو ملنے گیا وہاں پہلے ہی سب انتظام پکا تھا۔ اشارہ پاتے ہی دو قاتلوں نے سلطان جلال الدین کو قتل کر کے اُس کا سر نیزے پر چڑھا دیا۔ ۱۹ جولائی ۱۲۹۶ء کو علاء الدین خلجی نے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب وہ زر جواہر اور مال و دولت لٹاتا دہلی کی طرف بڑھا تاکہ

لوگ اُس کی سفاکی اور محسن کشی کو بھول جائیں۔ اُدھر جلال الدین کا بڑا بیٹا ارکلی خان ملتان میں تھا ملکہ جہاں نے اپنے چھوٹے بیٹے رکن الدین ابراہیم کو تخت پر بٹھا دیا۔ علاء الدین نے روپے کے زور سے امیروں وزیروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور دہلی میں آ دھمکا۔ رکن الدین ابراہیم اور ملکہ جہاں ملتان کی طرف بھاگ گئے جہاں الغ خان اُن کا پیچھا کرتا ہوا گیا۔ ارکلی اور ابراہیم کو اندھا کر کے اُن کی والدہ سمیت سب کو قید کر لیا۔ ۳، اکتوبر ۱۲۹۶ء کو سلطان غیاث الدین کے محل میں علاء الدین کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی۔

سلطان علاء الدین خلجی
۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء

سلطان علاء الدین خلجی کی زندگی کے ابتدائی حالات کا بیان تو اوپر ہو چکا ہے کہ کس طرح علاء الدین نے اپنے چچا سلطان جلال الدین خلجی کو قتل کروا کے تاج و تخت سنبھالا۔ سلطان علاء الدین خلجی سلطنت دہلی کا سب سے بڑا سلطان اور ہندوستان کے نامور شہنشاہوں میں سے ایک ہے اس نے سمدرہ گپت کی طرح سارے ہندوستان کو متحد کرنے۔ چندر گپت موریہ شیر شاہ سوری اکبر کی طرح ایک اعلیٰ نظام حکومت قائم کرنے امیر طبقہ سے دولت چھین کر غریبوں کی حمایت کرنے اور ہندوستان میں سب سے پہلے سیکولر حکومت قائم کرنے میں وہ نمایاں کامیابیاں حاصل کیں کہ آج تک اُس کا نام زندہ ہے۔ اُس نے ہندوستان کی حفاظت کے لئے سینہ تان کر منگولوں کا مقابلہ کیا۔ سلطنت دہلی کا وہ پہلا سلطان تھا جس نے شمالی ہند کے علاوہ دکن کو بھی سلطنت دہلی میں شامل کیا۔ اُس کی فوجی اور انتظامی اصلاحات سے ملک میں امن و

امان اور سکھ چین کا دور دورہ ہو گیا۔

ملکی بچاؤ اور منگولوں سے مقابلے

سلطان علاء الدین خلجی کے تخت پر بیٹھتے ہی منگولوں نے ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ چنانچہ ۱۲۹۷ء میں مغلوں نے پنجاب پر حملہ کیا لیکن علاء الدین کے بہادر سپہ سالار الغ خان نے انہیں شکست دیکر بھگا دیا۔ مغل سردار سلدی نے دوبارہ حملہ کیا اب کے جالندھر کے قریب بڑا زبردست معرکہ ہوا لیکن میدان الغ خان کے ہاتھ رہا اور سلدی اور اس کے کئی ہمراہی جنگی قیدی بنا لئے گئے۔ ۱۲۹۹ء میں مغل سردار خواجہ قتلغ نے دو لاکھ منگولوں کا لشکر تیار کر کے سلطنت دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا تہیہ کیا۔ مغل لشکر بڑھتا بڑھتا دہلی کے قریب دریائے جمنا کے کنارے پڑاؤ ڈال کر دہلی پر حملہ کی تیاری کرنے لگا۔ یہ علاء الدین خلجی کی زندگی کا سب سے خطرناک مرحلہ تھا تاہم علاء الدین خلجی کے مشہور اور قابل جرنیل ظفر خان نے منگولوں کے چھکے چھڑا دئے گو خود جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مغل شکست کھا کر تتر بتر ہو گئے اب ۱۳۰۳ء میں سردار طرغی نے منگولوں کو پھر منظم کیا اور دہلی فتح کرنے کے ارادے سے سر سے کفن باندھ کر میدان میں اُترا۔ شہری اور حاکم ان کی خونخواری کی خبر سُن کر سخت پریشان ہوئے لیکن پتہ نہیں کیوں طرغی بغیر لڑائی کے واپس چلا گیا۔ خوش عقیدہ لوگ اسے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی دعاؤں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ ان پے در پے حملوں سے علاء الدین خلجی پوری طرح چوکنا ہو گیا۔ اُس نے شمالی مغربی سرحد کی قلعہ بندیاں مضبوط کر کے فوجی طاقت کو از سرِ نو منظم کیا لیکن پھر بھی ۱۳۰۴ء میں منگولوں نے پھر حملہ کیا اور امروہہ (یو۔پی) تک جا پہنچے۔ ملک کافور اور ملک غازی تغلق مقابلہ کے لئے بڑھے اور منگولوں کو شکست فاش ہوئی۔ ہزاروں منگول جنگی قیدی بنا لئے گئے۔ بڑے بڑے سردار ہاتھیوں کے پاؤں تلے روند دلئے گئے اور کئی قتل ہوئے سلطان نے خوش ہو کر غازی تغلق کو پنجاب کا حاکم اعلیٰ بنا دیا۔

۱۳۰۶ء میں منگول سردار کبک نے ملتان کے قریب دریائے سندھ پار کر کے شمالی مغربی پنجاب میں لوٹ مار شروع کر دی۔ ادھر غازی تغلق نے ان کے کمک اور رسد کے راستے کاٹ کر ان پر حملہ کیا اور کبک کے سمیت پچاس

ہزار منگولوں کو قید کر لیا۔ مردوں کو قتل کر کے ان کے بیوی بچے لونڈی غلام بنا کر بیچ دیئے۔ ۱۳۰۷ء میں منگول سردار اقبالمند نے ایک بار پھر قسمت آزمائی کے لئے حملہ کیا لیکن شکست کھا کر مارا گیا اس کے بعد کسی منگول سردار کو سلطنت دہلی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس طرح سلطان علاء الدین نے منگولوں کے مقابلے کر کے اور ملکی بچاؤ کے اعلیٰ انتظام کر کے ہندوستان کو منگولوں کی لوٹ مار خونخواری غارت گری اور ظلم وستم سے بچایا یہ اس کا ایک بڑا کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔

سلطان علاء الدین خلجی اور راجپوت

۱۲۹۷ء سے ۱۳۰۵ء تک سلطان علاء الدین نے نام و نمود جنگی شہرت اور مال و دولت اور ملک گیری کی خواہش سے گجرات۔ رنتھمبور چتوڑ اور مالوہ کے راجپوت راجاؤں کے خلاف لشکرکشی کی اور ان کے علاقے فتح کر کے سلطنت دہلی میں شامل کئے۔

۱- فتح گجرات۔ سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد بیرونی حملوں کے خوف اور اندرونی بغاوتوں کی وجہ سے بلبن جیسے بڑے بادشاہ بھی سلطنت کی توسیع کا خیال نہ کر سکے یہ امتیاز سلطان علاء الدین خلجی کو ہی حاصل ہے کہ بیرونی حملہ آوروں سے مقابلہ کے ساتھ ساتھ اس نے ملک گیری کی مہمیں بھی جاری رکھیں۔ اس سلسلہ میں اس نے ۱۲۹۷ء میں اپنے جرنیل الغ خان اور نصرت خان کو گجرات پر حملے کا حکم دیا۔ یہاں اس وقت بگھیلہ راجپوت راجہ کرن راج کرتا تھا راجہ کرن اپنی بیٹی دیول دیوی کے ساتھ جان بچانے کے لئے دیوگری کو بھاگ گیا لیکن اس کی بیوی کملا دیوی گرفتار ہو گئی جب اسے علاء الدین کے حضور میں پیش کیا گیا تو علاء الدین نے اسے اپنی ملکہ بنا لیا نصرت خان نے کھمبائت پر حملہ کر کے شہر کو خوب لوٹا یہیں ملک کافور نامی ہندوستانی مسلمان غلام اس کے ہاتھ آیا جس نے دکن کی مہموں میں بہت شاندار کام کر کے ناموری حاصل کی۔ گجرات میں پٹھان گورنر مقرر کر کے شاہی فوجیں لوٹ گئیں۔

۲- فتح رنتھمبور۔ رن استمبا پور یا رنتھمبور راجپوتانہ کا مشہور قلعہ بند شہر تھا یہاں چوہان راجپوت راجہ ہمیر راج کرتا تھا جو پرتھوی راج سیوم

INDIA

KINGDOM OF DELHI

GHUR
PARASHUR
GAZNI
R. JHELUM
R. CHENAB
KANGRA
R. RAVI
LAHORE
R. SUTLEJ
MULTAN
R. INDUS
JUMNA
DELHI
BUDAON
BARAN
MUTTRA
KANAUJ
KINGDOM OF DELHI
AJODHAYA
R. BRAHMAPUTRA
R. GANGES
R. GANGES
R. CHAMBAL
PRAYAG
BENARES
ANHILWARA
BHILSA
GUJARAT
R. NARBADA
R. TAPTI
R. MAHANADI
YADAVAS
DEOGIRI
R. GODAVARI
WARANGAL
ORISSA
KAKATIYAS
R. KRISHNA
RAICHUR
HOYSALABALLALAS
ARABIAN SEA
BAY OF BENGAL
DVARAVATIPURA
CHOLA
PANDYANS

کی اولاد سے تھا۔ اس قلعہ کی فوجی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ ادھر راجہ ہمیر نے
چند نومسلم منگول باغیوں کو بھی اپنے ہاں پناہ دی تھی اس لئے سلطان
علاؤ الدین نے ۱۲۹۹ء میں اپنے جرنیل الغ خان اور نصرت خان کو رنتھمبور
پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ہمیر کے سپہ سالار میر محمد شاہ نے جم
کر مقابلہ کیا اور نصرت خان لڑتا ہوا مارا گیا۔ الغ خان واپس ہونے
پر مجبور ہو گیا۔ یہ سن کر سلطان خود تازہ دم فوج لے کر رنتھمبور آن پہنچا۔
راستے میں اس کے بھتیجے اکت خاں نے سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن
کامیاب نہ ہو سکا اور گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ سلطان علاء الدین نے
رنتھمبور کا محاصرہ کر لیا لیکن راجپوت فوجیں مقابلہ پر ڈٹی رہیں۔ آخر
ہمیر کے سردار رتی پال اور کرشن پال کی غداری سے ہمیر کو شکست
ہوئی۔ میر محمد شاہ لڑتا ہوا میدان میں کام آیا۔ ہمیر کو سلطان نے قتل کر
دیا اور رنتھمبور پر الغ خان کو اپنا حاکم مقرر کر کے سلطان علاء الدین
لوٹ گیا۔

۳- فتح چتوڑ۔ چتوڑ سسودیہ راجپوتوں کی ریاست میواڑ کی راجدھانی
تھی یہاں کے راجے قدیم زمانے سے خود مختار تھے اور آس پاس کے راجپوت
قبیلے انہیں اپنا سردار مانتے تھے۔ دہلی کے کسی سلطان کو بھی میواڑ کی فتح
کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ رنتھمبور اور گجرات کی فتوحات سے حوصلہ پا کر
سلطان علاء الدین اب میواڑ پر حملہ آور ہوا اور چتوڑ گڑھ کا محاصرہ
کر کے ۲۶ اگست ۱۳۰۳ء میں اس پر قابض ہو گیا۔ چتوڑ گڑھ کا نام
خضر آباد رکھا گیا اور سلطان نے اپنے بیٹے شہزادہ خضر خاں کو یہاں کا
حاکم مقرر کیا۔ راجہ رتن سنگھ والئے میواڑ کو سلطان قیدی بنا کر دہلی
لے گیا۔ کچھ عرصہ بعد یہاں کی حکومت راجہ مالدیو کے سپرد کر دی گئی
کچھ تاریخوں میں یہ لکھا گیا ہے کہ سلطان نے میواڑ پر حملہ اس لئے کیا تھا
کہ وہ یہاں کے راجہ بھیم سین کی خوبصورت رانی پدمنی کو حاصل کرنا
چاہتا تھا۔ یہ قصہ در اصل مشہور اودھی شاعر ملک محمد جائسی کے لکھے
ہوئے قصے "پدماوت" پر مبنی ہے اور اس کی تاریخی حیثیت کچھ نہیں
نہ تو اس زمانے میں میواڑ کا راجہ بھیم سین تھا اور نہ ہی اس زمانے

کی تاریخوں میں اس بناوٹی کہانی کا کچھ ذکر ہے اس لئے یہ روایت اب بالکل جھوٹی قرار دے دی گئی ہے۔

۴۔ فتح مالوہ۔ ۱۳۰۵ء میں سلطان علاء الدین نے اپنے سردار عین الملک ملتانی کو فتح مالوہ پر مامور کیا یہاں غالباً پرمار راجپوتوں کی حکومت تھی۔ عین الملک نے مانڈو۔ اُجین۔ دھار اور چندیری میں پے در پے فتوحات حاصل کرکے سارے مالوہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے خوش ہوکر اُسے مالوہ کا صوبیدار مقرر کر دیا۔

اس طرح آٹھ سالوں میں ایک طرف تو سلطان نے بیرونی حملہ آور منگولوں کی کمر توڑ دی اور دوسری طرف بنگال چھوڑ کر باقی سارے شمالی ہند پر اپنے جھنڈے گاڑھ دئے اب وہ دکن کی فتح کی تجویزیں سوچنے لگا؛

ملک کافور اور فتوحات دکن

ملک کافور کھمبائت کا رہنے والا غلام تھا۔ شروع شروع میں وہ ہندو تھا لیکن بعد میں مسلمان ہوگیا جب سلطان علاء الدین کے سپہ سالار نصرت خان نے کھمبائت پر حملہ کیا تو ملک کافور بھی اُس کے ہاتھ آیا۔ اپنی ذہانت۔ محنت۔ قابلیت اور بہادری کی وجہ سے وہ جلد ہی سلطان علاء الدین کا منظور نظر ہوگیا اور ہوتے ہوتے نائب مملکت کے اعلیٰ ترین عہدہ پر جا پہنچا۔ ۱۳۰۸ء سے ۱۳۱۳ء تک سلطان علاء الدین نے اُسے مہمات دکن پر مامور رکھا اور اُس نے شاندار کامیابیاں حاصل کرکے ہندوستان کی فوجی تاریخ میں اپنے لئے ایک ممتاز مقام پیدا کیا۔ ملک کافور پہلا ہندوستانی مسلمان تھا۔ جس نے اس قدر ترقی کی اتنا بلند مقام پایا اور ایسی ناموری حاصل کی؛

۱۔ مہم دیوگری۔ دیوگری کے راجا رام چندر یادو نے تین برسوں سے خراج ادا نہ کیا تھا اور گجرات کے راجہ کرن کو پناہ دے رکھی تھی ان باتوں کو بہانہ دھر کے علاء الدین کی ملکہ کملا دیوی کے کہنے پر اُس کی بیٹی دیول دیوی کو حاصل کرنے کے لئے ملک کافور

کو دیوگری کی مہم پر مامور کیا گیا۔ الپ خان صوبیدار گجرات کو بھی اُس کی
مدد کی ہدایت کی گئی۔ راجہ کرن نے جھٹ پٹ دیول دیوی کی شادی راجہ
رام چندر کے بیٹے شنکر سے کر دی۔ لیکن الپ خان نے راستہ میں ہی بیاہتی
ڈولی پر حملہ کر کے دیول دیوی کو پکڑ لیا۔ ادھر راجہ کرن شکست کھا کر ایسا
بھاگا کہ اس کا پھر کچھ پتہ نہ چلا۔ راجہ رام چندر نے بھی اطاعت قبول کرنے
میں ہی خیریت دیکھی اور خود دہلی پہنچکر سلطان کی بارگاہ میں بڑے قیمتی
تحفے اور نذرانہ پیش کیا۔ سلطان علاء الدین نے اُسے "رائے رایاں" کا خطاب
دے کر دیوگری کی حکومت سونپ دی اور دیول دیوی کی شہزادہ خضر خان
سے شادی کر دی گئی۔

۲- مہم وارنگل۔ دیوگری کے مشرق میں وارنگل کی ریاست پر کاکیتیا
خاندان کا راجہ پرتاپ رُدر دیو ثانی حکومت کرتا تھا۔ ۱۳۰۸ء میں سلطان
علاء الدین نے ملک کافور کو وارنگل کے لوٹ مار پر مامور کیا لیکن وہ یہ
علاقہ فتح کرنا نہ چاہتا تھا اس مہم میں راجہ رام چندر والئے دیوگری نے
ملک کافور کی بہت مدد کی۔ راجہ پرتاپ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا مگر آخر
محاصرے سے تنگ آکر ۱۳۱۰ء میں ہتھیار ڈال بیٹھا۔ ملک کافور کو بے شمار
ہاتھی گھوڑے اور جواہرات نذر کئے اور آئندہ سالانہ خراج دینے کا
وعدہ کیا۔

۳- ہوئسل اور پانڈیہ راجاؤں کے خلاف یورش۔ ۱۳۱۰ء میں سلطان
علاء الدین نے ملک کافور اور خواجہ حاجی کو دکن کا باقی حصّہ بھی فتح کرنے پر
مامور کیا چنانچہ ملک کافور نے ہوئسل راجہ ویر بلّال کی راجدھانی دوار سمدر
(ضلع حسن ریاست میسور) پر ہلّہ بول دیا۔ راجہ اس حملہ کے مقابلہ کے لئے
بالکل تیار نہ تھا اس لئے شکست کھا گیا اور بہت سا تاوان جنگ ادا کر کے
سلطان دہلی کی اطاعت قبول کر لی۔ دوار سمدر کے جنوب میں پانڈیہ راجے
راج کرتے تھے اُن کی راجدھانی مدورا میں تھی یہاں راجہ کل شیکھر کے مرنے
کے بعد اُس کے بیٹے ویر پانڈیہ اور سندر پانڈیہ میں خانہ جنگی ہو رہی تھی
سندر پانڈیہ نے سلطان دہلی سے مدد چاہی لہٰذا ملک کافور کو اس
ریاست پر حملہ کرنے کا بھی بہانہ مل گیا اور ملک کافور مدورا کو غارت

کر کے رامیشورم تک بڑھتا چلا گیا اور یہاں ایک مسجد تعمیر کروائی ۔ وہاں اپنا حاکم مقرر کر کے ۱۳۱۱ء میں دہلی لوٹ گیا۔

۴- دیوگری اور ہوئسل ریاست پر دوسرا حملہ :- راجہ رام چندر کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے شنکر نے دیوگری سے خراج بھیجنا پھر بند کر دیا۔ اب ملک کافور ۱۳۱۳ء میں پھر دیوگری پر چڑھ آیا۔ راجہ شنکر مارا گیا اور دیوگری کی ریاست سلطنت دہلی میں شامل کر لی گئی۔ اس کے بعد ملک کافور ہوئسل ریاست پر پھر چڑھ آیا ۔ دبھول اور چول کی بندرگاہوں پر قابض ہو گیا۔

اس طرح ملک کافور کی ہمت سے سلطنت دہلی معراج کمال تک جا پہنچی اور سارے جنوبی ہند پر پہلی بار سلطنت دہلی کا جھنڈا لہرانے لگا۔ گو یہ اتحاد زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔

سلطان علاء الدین خلجی کی فوجی اور انتظامی اصلاحات

فتح گجرات کے بعد سلطان علاء الدین نام و نمود اور انمٹ شہرت حاصل کرنے کے لئے چاہتا تھا کہ یا کوئی نیا مذہب جاری کرے اور یا سکندر اعظم کی طرح فتوحات حاصل کر کے نام پیدا کرے مگر اُس کے وفادار دوست علاء الملک کوتوال دہلی نے سلطان کو سمجھایا کہ نئے مذہب جاری کرنا بادشاہوں کا نہیں بلکہ پیغمبروں کا کام ہے رہا سکندر اعظم کی طرح دنیا فتح کرنے کا دم بھرنا تو اُس کے لئے ہندوستان میں ایک طرف بیرونی منگول حملے روکنا اور دوسری طرف راجپوت اور دکنی ریاستیں فتح کرنا ایک فاتح کے لئے کافی وسیع میدان تھا۔ چنانچہ علاء الدین نے علاء الملک کے اس مخلصانہ مشورے کی بڑی قدر کی اور اُسے انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ سلطان نے یہ تہیہ کیا کہ ملک میں امن و امان قائم کر کے بغاوتوں کا قلع قمع کر دے منگولوں کے حملوں کے خلاف ملکی بچاؤ کا کیا انتظام کرے اور سارے ہندوستان کو متحد کر کے سلطنت دہلی میں شامل کرے اُسے ان سب مقصدوں میں نمایاں کامیابی ہوئی وہ سلطنت دہلی کا پہلا سلطان تھا جس نے سارا ہندوستان اپنے جھنڈے تلے متحد کر کے ملک میں باقاعدہ نظام حکومت قائم کیا۔

فسادیوں کا قلع قمع۔ سلطان علاء الدین کا خیال تھا کہ ملک میں بغاوتیں ہونے کے چار سبب ہوتے ہیں:۔ (۱) سرمایہ داری (۲) امیروں وزیروں کی گٹھ بندی اور رشتہ داریاں (۳) شراب پینا (۴) بادشاہ کا حالات ملکی سے آگاہ نہ ہونا چنانچہ بغاوتیں ہمیشہ کے لئے روکنے کے لئے سلطان نے یہ احکام جاری کئے:۔

۱۔ جاگیریں اور انعام میں ملی ہوئی زمینیں ضبط کر لی گئیں۔ اس میں کئی مذہبی وقف بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ دوآب کے زمیندار جو آئے دن بغاوتیں کرتے رہتے تھے ان پر مالیہ کی شرح بہت زیادہ کر دی گئی اس طرح سرمایہ دار طبقہ کو فکر معاش سے ہی آزادی نہ رہی اور نہ ان کے پاس اتنی دولت ہی رہی کہ وہ لشکر بنا کر بغاوت کرنے کا کوئی حل سوچ سکیں۔

۲۔ اس نے امیروں وزیروں کو دعوتیں کرنے اور آپس میں بیاہ شادیاں کرکے اپنے تعلقات مضبوط کرنے کی ممانعت کر دی اس کے علاوہ اب سلطان کی خاص اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی اور اس طرح سلطان ہر طرح باخبر رہتا تھا

۳۔ سلطان علاء الدین نے خود شراب نوشی چھوڑ کر شراب کے برتن تک پھوڑ ڈالے اور ملک میں نشہ بندی کا حکم دے دیا۔

۴۔ سلطان نے ملک کے روزانہ واقعات افسروں کی دیکھ بھال اور رعایا کے حالات سے آگاہ رہنے کے لئے جاسوسی کا محکمہ قائم کیا اس سے سلطان کو پوری اطلاعات ملتی رہتی تھیں اور بغاوت فساد رشوت ستانی سب کا سد باب ہوتا رہتا تھا

ان اصلاحات کی وجہ سے پھر کسی کو بغاوت کرنے کی ہمت نہ پڑی اور ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔

فوجی اور انتظامی اصلاحات

منگولوں کے پے در پے حملوں کے پیش نظر اور ملک گیری کی خواہش پورا کرنے کے لئے سلطان علاء الدین کو ایک نہایت عمدہ مضبوط اور جانباز فوج کی ضرورت تھی۔ پہلے بادشاہوں کی طرح وہ جاگیرداروں کے لشکریوں پر بھروسہ کرنا نہ چاہتا تھا کیونکہ اس سے اُس کی اپنی طاقت کمزور ہوتی

تھی۔ اس لئے سلطان علاء الدین نے ایک تنخواہ دار فوج کو ترتیب دی اور عمدہ سامان جنگ سے لیس کر کے اسے ایک طاقتور جنگی مشین کی صورت دے دی۔ اس فوج کی عمدہ تربیت۔ قابلیت اور جانبازی کی وجہ سے ایک طرف تو منگولوں کی کمر ٹوٹ گئی اور دوسری طرف رامیشورم سے کشمیر کی جنوبی سرحد تک سلطان علاء الدین کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اس نے سپاہیوں کی تنخواہ ۲۳۴ ٹنکے سالانہ مقرر کی۔ لیکن یہ تنخواہ کچھ کم نہ تھی کیونکہ سلطان علاء الدین نے قیمتوں پر پورا کنٹرول کرنے کے لئے قوانین بنا رکھے تھے جن کی وجہ سے ارزانی بہت تھی اور اس تنخواہ میں نہایت عمدہ گذارہ ہوتا تھا اسی لئے بہادر جوق در جوق سلطان کی فوجوں میں بھرتی ہونے آتے تھے۔

سلطان علاء الدین نے روزانہ استعمال کی چیزوں کی قیمتوں پر کنٹرول کرنے کے لئے ایک خاص محکمہ بنایا جس کا افسر اعلیٰ شحنۂ منڈی کہلاتا تھا۔ اس افسر کے دفتر میں سب سوداگروں کو اپنا نام درج کروانا پڑتا تھا اور مقررہ قیمتوں پر مال بیچنے کا عہد کرنا پڑتا تھا اسی طرح غلے کی فروخت کے لئے حکومت نے گودام بنا رکھے تھے جہاں مقررہ ارزاں قیمتوں پر غلہ بکتا تھا اگر کوئی دوکاندار کم تولتا تو اس کا اتنے ہی وزن کا گوشت جسم سے کاٹنے کی سزا دی جاتی تھی۔ سلطان علاء الدین سارے انتظام کی دیکھ بھال کرتا تھا اور قاعدہ توڑنے پر سخت سزائیں دیتا تھا۔ اس سخت گیری اور اعلیٰ انتظام کی وجہ سے دوکانداروں نے دغا بازی اور ناجائز نفع اندوزی چھوڑ دی اور تھوڑی آمدنی والے لوگ بھی اچھی طرح گذارہ کرنے لگے۔ غریبوں کی یہ سچی ہمدردی سلطان علاء الدین ہی کا حصہ تھی

سلطان نے شاہی خزانہ کو بھرپور رکھنے کے لئے لشکر کشی اور لوٹ مار کو ذریعہ بنایا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے زمینوں پر رقیم ماپ کر لگان لگانے اور مال کے افسروں کی رشوت ستانی جس سے حکومت کی آمدنی میں نقصان ہوتا تھا سختی سے بند کر دی۔ سلطان کے نائب وزیر شرف قائی نے ساری سلطنت میں ایک اعلیٰ مالیاتی نظام قائم کر کے

سلطنت کی مالی بنیادیں مضبوط کر دیں ۔ جاگیروں کی ضبطی اور سرمایہ دار طبقہ کی دولت چھیننے کے نئے نئے بہانے بنا کر یہ دولت شاہی خزانے میں داخل ہونے سے بھی حکومت کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوتا رہا ۔

سلطان علاء الدین کی کامیابی کی بڑی وجہ اُس کی سخت گیری تھی لیکن زور زبردستی زیادہ دیر قایم نہیں رہ سکتی اور ایسے نظام حکومت دیرپا نہیں ہوتے پھر بھی سلطان کی کئی اصلاحات ایسی تھیں جو مدتوں قائم رہیں اور بعد کے سلطانوں نے اُن میں تبدیلی کی ضرورت نہ سمجھی ۔

سلطان علاء الدین کی سیرت اور کارنامے

سلطان علاء الدین ہندوستان کے بڑے بڑے نامور شہنشاہوں میں شمار ہوتا ہے اس میں عجیب و غریب صفات تھیں وہ بلا کا بہادر اور منچلا سپاہی سخت گیر اور مستقل مزاج حاکم اور معاملہ فہم مدبر اور سیاست دان تھا ۔ دیوگری کی فتح اُس کی جنگی قابلیت کی عمدہ مثال ہے ۔ اور اس کی فوجی اور انتظامی اصلاحات اُس کے مدبر اور سیاست دانی کی شہادت دیتی ہیں ۔ سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان کا پہلا بادشاہ تھا جس نے ہندوستان کو متحد کر کے بیرونی حملوں سے محفوظ کیا اور ملک میں امن و امان قائم کر کے ایک سیکولر حکومت قائم کی اور سیاسی معاملات میں مذہب کی دخل اندازی کو سختی سے روکا وہ اپنی رعایا کی بھلائی کو ہر جذبے پر مقدم سمجھتا تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا تھا وہ سرمایہ داروں اور رشوت خور افسروں پر ضرور سختی کرتا تھا لیکن اُس کے عہد میں عام لوگوں پر ایسی سختی کی کوئی مثال نہیں ملتی دشمنوں اور باغیوں کی سرکوبی میں وہ ایک ظالم اور سنگ دل حاکم تھا اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے دوستی رشتہ داری یا مذہبی اصولوں کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا ۔ وقت کی ضرورت اور قومی بھلائی کے تقاضوں کے مطابق وہ اپنا طرز عمل بدلنے میں ہچکچاتا نہ تھا ۔ بے محسن آقا اور شفیق چچا سلطان جلال الدین کا قتل اس کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے ۔

سلطان علاء الدین خلجی خود اَن پڑھ تھا مگر عالموں کی قدر کرتا

تھا اُس کے دربار میں قاضی مغیث الدین جیسے مذہبی عالم اور حضرت امیر خسرو دہلوی جیسے عظیم شاعر تھے جن کی سرپرستی سلطان اپنے لئے فخر کا باعث سمجھتا تھا۔ قطب مینار کے قریب سلطان قطب الدین کا جو ایا ہوا علائی دروازہ اور درگاہ خواجہ نظام الدین کی مسجد سلطان کی یادگار ہیں اور فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہیں

سلطان علاء الدین نے ۱۳۱۲ء میں اپنے بیٹے خضر خان کو اپنا ولی عہد مقرر کیا لیکن اس کے منظور نظر سپہ سالار ملک کافور کو یہ بات نہ بھائی۔ آخر ملک کافور کی سازش سے خضر خان۔ شادی خان اور سلطان علاء الدین کی بیگم قید کر دئے گئے اور علاء الدین ملک کافور کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا۔ اُس کی صحت جواب دے چکی تھی اور ضعیفی کا زور تھا چند ہی دنوں میں علاء الدین کی آنکھوں کے سامنے ہی اُس کی خون و پسینہ سے بنائی ہوئی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ گجرات اور دکن میں بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ اس حسرت ناک انجام کا سلطان علاء الدین کو ایسا دھکا لگا کر وہ سخت بیمار رہ کر ۲ جنوری ۱۳۱۶ء کو اس جہاں فانی سے کوچ کر گیا۔

خلجی خاندان کا زوال

علاء الدین کی وفات کے بعد ملک کافور نے ایک مصنوعی وصیت نامہ دکھا کر سلطان کے پانچ سالہ بیٹے شہاب الدین عمر کو تخت پر بٹھا کر حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی۔ خضر خان اور شادی خان دونوں شہزادوں کی آنکھیں نکلوا دیں لیکن شہزادہ مبارک بچ نکلا۔ اور چند امراء کی مدد سے ملک کافور کو قتل کروا کے قطب الدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۳۱۶ء میں تخت نشین ہوا۔ مبارک نے جاگیریں بحال کر کے سرمایہ دار طبقہ کو خوشنودی حاصل کر لی لیکن اپنے باپ کا سب کیا کرایا غارت کر دیا ۱۳۱۷ء میں عین الملک ملتانی گجرات کا صوبے دار مقرر ہوا اور اس نے وہاں امن بحال کیا مبارک نے خود راجہ رامچندر یادو کے داماد ہرپال حاکم دیوگری پر جو خود مختار ہو بیٹھا تھا حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور کچھ عرصہ بعد اپنے وزیر خسرو خاں کو مدرا پر قبضہ بحال کرنے کے لئے روانہ کیا اور خود شراب نوشی

اور عیش و عشرت میں پڑ گیا۔

مبارک خسرو خان پر بڑا مہربان تھا۔ یہ شخص ایک نیچ ذات کا ہندو تھا جس نے دکھاوے کے لئے اسلام قبول کر رکھا تھا۔ سب امیر اس کی غیر معمولی ترقی کے شاکی تھے وہ خسرو سے خطرہ محسوس کر رہے تھے لیکن مبارک کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔ آخر خسرو خان نے اپنی قوم کے کچھ آدمی جمع کر کے ۱۴ اپریل ۱۳۲۰ء کی رات کو مبارک کو قتل کر دیا اور راتوں رات تخت نشین ہو کر سلطان ناصر الدین کا لقب اختیار کیا۔ کچھ دیر بعد ہی اس نے مسلمانوں پر ظلم و ستم شروع کر دیا۔ مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کیا۔ علماء کی سخت ہتک اور قرآن کریم کی توہین کی۔ آخر پنجاب کے حاکم ملک غازی تغلق نے دہلی پر حملہ کر کے خسرو خان کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۱۳۲۰ء کی متفقہ درخواست پر غازی تغلق نے تاج و تخت سنبھالا کیونکہ مبارک کے سب خلجی شہزادے قتل کروا دئے تھے اور اس خلجی خاندان سے کوئی نہ بچا تھا

(ج) خاندان تغلق سنہ ۱۳۲۰ء تا سنہ ۱۴۱۴ء

سلطان غیاث الدین تغلق
۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۵ء

ملک غازی تغلق سلطان غیاث الدین بلبن کے ایک ترک غلام کا بیٹا تھا اور قرونہ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ سلطان علاء الدین کے عہد میں اس نے منگولوں کے خلاف اپنی ہمت اور جوانمردی کے جوہر دکھلائے اور ترقی کرتے کرتے پنجاب کا حاکم اعلیٰ مقرر ہو گیا۔ بالآخر خسرو خان کی اسلام دشمنی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور ۱۳۲۰ء میں خسرو خان کو قتل

کرکے امرائی درخواست پر سلطان غیاث الدین کا لقب اختیار کرکے تخت پر
بیٹھا اس وقت وہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا پھر بھی ہمت اور تدبر میں کسی
سے کم نہ تھا۔ اُس نے زراعت کی ترقی کے لئے نہریں کھدوائیں۔ لگان
بالکل کم کر دیا اور کسانوں پر بے جا سختی کو روک کر اُن سے نرمی سے
سلوک کرنے کی ہدایت کی۔ اُس نے انصاف اور پولیس کے محکمہ کی از سر
نو تنظیم کی اور ڈاک چوکیوں کا مکمل انتظام کیا۔ ہر طرف امن و امان قایم
کیا اور اس طرح رعایا خوش حال ہو گئی۔

غیاث الدین تغلق کے تخت نشین ہونے سے پہلے ہی وارنگل کا راجہ
پرتاپ ردر دیو ثانی کاکتیا خود مختار ہو بیٹھا تھا۔ سلطان نے اپنے بیٹے
شہزادہ جونا خاں کو وارنگل بھیجا اور اُس نے تھوڑی مدت میں ہی وارنگل فتح
کر لیا لیکن فوج میں یہ افواہ پھیل گئی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا انتقال
ہو گیا ہے لہذا جونا خاں کو یہ کام ادھورا چھوڑ کر لوٹنا پڑا۔ دو سال
بعد شہزادہ جونا خاں پھر وارنگل پر حملہ آور ہوا اور راجے اور اُس کے
خاندان کو قید کرکے یہاں ترک حاکم مقرر کر دیا۔

ادھر بنگال میں سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے بغرا خان کی
اولاد حکمران تھی لیکن ۱۳۲۲ء میں وہاں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ غیاث
الدین تغلق نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور فوج لے کر ۱۳۲۴ء میں
بنگال پر چڑھ آیا۔ وہاں کے تخت کے دعویدار ناصر الدین نے سلطان
کا ساتھ دیا اور بنگال پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ شمالی بنگال پر ناصر الدین
کی باجگذار حکومت قایم کی گئی اور مشرقی مغربی بنگال پر بہرام خان
صوبیدار مقرر ہوا۔

فتح بنگال سے واپسی پر دہلی کے قریب افغان پور میں شہزادہ
جونا خاں نے اپنے باپ کے استقبال کے لئے ایک لکڑی کا محل تیار کروایا
جب سلطان اس محل میں داخل ہوا اور ضیافت کھانے لگا تو یکایک ہاتھیوں
کی دوڑ کی دھمک سے یہ عمارت گر پڑی اور بوڑھا سلطان اس کے نیچے دب
کر جان کھو بیٹھا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ کا کہنا ہے کہ اس میں شہزادہ جونا خاں
کا ہاتھ تھا لیکن کئی مورخ اس الزام کو بالکل غلط سمجھتے ہیں۔

سیرت :۔ سلطان غیاث الدین تغلق بڑا پرہیزگار مسلمان تھا اُس کی دلیری اور ہمت کی وجہ سے ہی سلطان علاء الدین نے اُسے پنجاب کی حکومت بخش رکھی تھی۔ ایک بہادر جرنیل ہونے کے علاوہ وہ بڑا مدبر منتظم اور رعایا کا سچا ہمدرد بادشاہ تھا اُس نے دہلی کے قریب تغلق آباد کا فصیل بند شہر بسایا اور یہاں اپنی راجدھانی بنائی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سلطان نے یہاں اپنے محل بنائے اور خزانے قائم کئے اُس کا اپنا محل ایسی روغنی اینٹوں سے بنا ہوا تھا کہ سورج کی روشنی میں اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی اُس کے خزانے زر و جواہر سے بھرے رہتے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے بڑا بغض رکھتا تھا اور اُنہیں تنگ کرتا رہتا تھا لیکن حضرت خواجہ کے عقیدت مند سلطان کی ایک نہ چلنے دیتے تھے البتہ سلطان حضرت امیر خسرو دہلوی کی بڑی قدر کرتا تھا۔ سلطان کے مرنے کے بعد یہ دونوں بزرگ بھی اس دُنیا سے چل بسے۔

سلطان غیاث الدین تغلق نے فروری ۱۳۲۵ء میں وفات پائی اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا شہزادہ فخر الدین جونا خاں سلطان محمد شاہ بن تغلق کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

سلطان محمد شاہ بن تغلق
۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء

سلطان غیاث الدین تغلق کا بیٹا شہزادہ فخر الدین جونا خاں فروری ۱۳۲۵ء میں سلطان محمد شاہ بن

تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا وہ عام طور پر محمد تغلق کے نام سے مشہور ہے۔

محمد تغلق ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان تھا قدرت نے اُسے بہترین دل و دماغ دے رکھا تھا۔ بچپن میں ہی اُس نے ملتان میں حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے مدرسے میں تعلیم پائی جہاں عراق و عجم کے بہترین عالم اور اُستاد پڑھاتے تھے۔ محمد تغلق کا حافظہ نہایت اچھا اور ذہن غضب کا تیز تھا چنانچہ علم ریاضی۔ ہیئت۔ منطق۔ طب۔ فلسفہ اور سائنس میں نہایت ماہر۔ فارسی و عربی زبان و ادب کا عالم و شاعر خوش خط کاتب اور نہایت فصیح مقرر تھا۔ اُس کے اخلاق عادات اسلام کی سچی تعلیم کا عمدہ نمونہ تھے۔ رواداری اور انصاف کا دلدادہ تھا اور مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری اور سیاسی معاملات میں عمل دخل کا سخت مخالف تھا وہ قابل ہندوؤں کی سرپرستی کرتا تھا چنانچہ اُس نے صوبہ سندھ کا صوبیدار ایک ہندو کو ہی بنایا اور دوسرے کئی ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ وہ ہندو مسلم رعایا کو ایک نظر سے دیکھتا تھا عالموں شاعروں اور سیاحوں سے اس قدر سخاوت کا سلوک کرتا تھا کہ اس کی مثال کہیں اور مشکل سے ملتی ہے۔ رعایا کی بھلائی کے لئے مسلمانوں میں آزاد خیالی اور رواداری پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ہندوؤں کی سماجی اصلاح میں اُس نے سب سے پہلے ستی کی رسم بند کرنے کا حکم دیا۔ ان سب صفات کے ساتھ ساتھ اُس میں کچھ عیب بھی تھے وہ بڑا تیز مزاج اور ضدی انسان تھا وہ ایسے منصوبے باندھتا تھا جو عملی مشکلات کی وجہ سے ناکام رہتے تھے لیکن سلطان ان مشکلات کا پہلے سے اندازہ نہ کر پاتا تھا وہ کسی کی کہی نہ سنتا تھا اور مخالفت کرنے والوں کے ساتھ نہایت سخت گیری سے پیش آتا تھا۔ سلطان مبارک کے عہد میں وہ میر شکار کے عہدے پر مقرر ہوا۔ خسرو خاں کے زمانے میں اُسی نے اپنے باپ کو دہلی پر حملہ کی ترغیب دی۔ سلطان غیاث الدین کے عہد میں وہ دیوگری اور ورنگل کی مہم کا سالار مقرر ہوا اور جب سلطان غیاث الدین بنگال گیا تو محمد تغلق نائب سلطان کی حیثیت میں کام کرتا رہا۔ اس طرح اُسے جنگی

اور انتظامی تجربہ حاصل ہوا اور وہ ہر طرح ہندوستان کا شہنشاہ بننے
کے اہل بن گیا تاہم ایسا عالم و فاضل اور اتنا قابل ہونے کے باوجود
سلطان محمد تغلق ایک کامیاب بادشاہ نہیں سمجھا جاتا۔ کئی مورخ تو اُسے
ظالم اور پاگل کہتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سلطان کا ظلم صرف
رعایا کے دشمنوں پر ہوتا تھا اور اُس کے بڑے بڑے منصوبے جن کی
ناکامی کی وجہ سے اُسے پاگل کہا جاتا ہے درحقیقت نہایت عمدہ اور
اعلیٰ اصولوں پر مبنی تھے لیکن رعایا کی کم فہمی اور افسروں کی نالائقی
کی وجہ سے ناکام رہے جن کے لئے سارا الزام محمد تغلق کے سر تھوپنا
انصاف کی بات نہیں محمد تغلق کے عہد میں زراعتی تباہی اور بغاوتوں
سے سلطنت کو بڑا دھکا لگا ان میں اُس صدی کے موسمی حالات کا
بڑا حصہ تھا چنانچہ محمد تغلق کے عہد میں سات سال تک بارش نہ ہوئی
جس کی وجہ سے ہندوستان قحط کی مصیبت میں جکڑا گیا۔ رعایا تباہ حال
ہوئی اور بغاوتیں سر اٹھانے لگیں۔ غرضیکہ یہ سب اسباب ایسے تھے
کہ ان پر محمد تغلق قابو نہ پا سکا اور ایک کامیاب بادشاہ ثابت نہ ہوا

سلطان محمد تغلق کے منصوبے

(۱) سلطان محمد تغلق نے خزانے کی آمدنی بڑھانے کے لئے دوآب
کے زمینداروں پر سلطان علاؤالدین خلجی کی طرح شرح لگان زیادہ کر دی
صوبوں کی مالگذاری صوبیداروں کو ٹھیکہ پر دے دی اور زمینداریاں بحال
کر دیں۔ اِس سے سلطنت کی آمدنی تو بڑھ گئی لیکن کاشتکاروں پر پھر
ظلم ٹوٹنے لگے۔ اس مصیبت پر خشک سالی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔
ٹھیکہ دار بے ایمان ہو گئے۔ زمین بنجر رہنے لگی اور ہر طرف بے چینی اور
شورش پھیلنے لگی۔ اب سلطان نے دوآبہ کے زمینداروں اور کاشتکاروں
کو قحط زدگی سے بچانے کے لئے تقاوی قرضے دئے کنویں اور نہریں
کھدوائیں اور زراعت کی ترقی کے لئے "دیوان کوہی" کے نام سے ایک
نیا محکمہ قائم کیا۔ تباہ حال کسانوں کو نئے سرے سے آباد کرنے کے لئے
دہلی سے ڈیڑھ سو میل دور گنگا کے کنارے ایک نیا شہر "سورگ دوار"
بسایا [illegible]
[illegible] اٹھانے اور سخت سزاؤں کی وجہ

سے کسانوں کے دل پر لگے ہوئے زخم بھر نہ سکے اور سلطان کی اصلاحات اور مدد کے باوجود دوآب کی رعایا پھر خوش حال ہو کر آباد نہ ہو سکی۔

(۲) سلطان کا دوسرا مشہور منصوبہ راجدھانی کی تبدیلی کا تھا اس کے متعلق مورخوں میں بہت اختلاف ہے بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ دہلی کے باشندے بادشاہ کو رقعوں میں گالیاں لکھ لکھ کر بھیجتے تھے اس لئے سلطان نے انتقامی جذبے سے دہلی کے سب باشندوں کو دیوگری جا بسنے کا حکم دیا اور دہلی اُجڑ گئی بعض لکھتے ہیں کہ یہ بالکل حماقت کی بات ہے اور قابل یقین نہیں درحقیقت سلطان محمد تغلق شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند میں بھی اپنی سلطنت مضبوط کر کے وہاں اسلامی تہذیب و تمدن پھیلانا چاہتا تھا ویسے بھی دہلی کی نسبت دیوگری کو زیادہ مرکزی پوزیشن حاصل تھی اس لئے سلطان نے بڑے بڑے علماء۔ استاد۔ تاجر کاریگر دہلی سے لاکر دیوگری میں آباد کئے۔ دیوگری کا نام دولت آباد رکھا اور اسے اپنی نئی راجدھانی بنایا۔ لیکن دہلی کو بھی راجدھانی بنائے رکھا اور وہاں دوسرے قصبوں سے عالم و فاضل لوگوں کو آ بسنے کی ترغیب دی مگر کچھ عرصہ بعد جب دہلی سے دولت آباد آئے ہوئے لوگوں کو وطن کی یاد نے ستایا تو محمد تغلق نے انہیں واپس دہلی آنے کی اجازت دے دی جس طرح انگریزوں نے ۱۹۱۲ء میں کلکتہ کی بجائے دہلی کو راجدھانی بنایا ویسے ہی محمد تغلق نے دولت آباد (موجودہ اورنگ آباد دکن) کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اصولی طور پر یہ اصلاح قابل قدر تھی۔ محمد تغلق اگر اس میں ناکام ہوا تو اس کے لئے ساری ذمہ داری اُس کے سر نہیں منڈھی جا سکتی۔

(۳) سلطان محمد تغلق کا تیسرا قابل ذکر منصوبہ سکّے کی تبدیلی کے متعلق تھا۔ ہندوستان میں قدیم زمانے سے سونے چاندی اور تانبے کے سکے چلتے تھے لیکن سلطان محمد تغلق نے چاہا کہ سونے اور چاندی کے سکوں کی بجائے تانبے کے سکے چلائے جائیں اور نوٹوں کی طرح ان کی قیمت سونے اور چاندی کے سکوں کی ہی مانی جائے۔ اس سے قبل یہ قابل قدر مالی اصلاح چین اور ایران میں ...

میں سونے چاندی کے سکوں کا کام کاغذ کے نوٹوں یا مختلف دھاتوں کے سکوں سے لیا جاتا ہے یہ اصلاح بھی اصولی طور پر بڑی دانشمندانہ تھی لیکن سلطان محمد تغلق کی حکومت جعلی سکوں کا بنانا نہ روک سکی نہ ہی اُن کے حکام، تاجروں اور رعایا نے حکومت سے تعاون کیا نتیجہ یہ ہوا کہ تانبے کے سکے کی کوئی وقعت نہ رہی اور جب سلطان نے لوگوں میں بھروسہ پیدا کرنے کے لئے تانبے کے سکوں کے عوض میں اصلی چاندی سونے کے سکے دینے کا حکم دیا تو خزانوں کے سامنے تانبے کے جعلی سکوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اس طرح اس اصلاح سے بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہوا اور مالی افراتفری مچ گئی اور لوگوں نے اس کے لئے سلطان کو ہی ذمہ دار سمجھا۔

(۴) چوتھا منصوبہ ایران اور چین پر حملے کے متعلق تھا۔ عام مورخوں کا خیال ہے کہ سلطان محمد تغلق جنگی نام و نمود کے لئے سلطان علاء الدین خلجی کی طرح دُنیا فتح کرنے کا شوق رکھتا تھا اس لئے اُس نے ایران اور چین فتح کرنے کے منصوبے بنائے جن پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے مگر سوائے ناکامی کے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق کے عہد کے شروع میں ہی کئی خراسانی امراء آکر ہندوستان آباد ہو چکے تھے اور سلطان کی سخاوت سے مالا مال ہوکر آسودہ حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے ایک تو یہ سلطان کو خراسان پر حملے کی ترغیب دیتے رہتے تھے دوسرے خراسان میں اندرونی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اس لئے سلطان نے خراسان پر حملہ کرنے کے لئے تین لاکھ ستر ہزار فوج جمع کی مگر سال بھر کے اندر ہی خراسان کے حالات بدل گئے۔ ادھر ہندوستان میں قحط سالی کا آغاز ہوگیا اور سلطان کو اپنا ارادہ چھوڑنا پڑا۔

دوسری مہم دراصل چین فتح کرنے سے کوئی سروکار نہ رکھتی تھی۔ بلکہ کسی کش پہاڑی سردار کی گوشمالی کے لئے ہمالیہ کے کوہستان میں بھیجی گئی اور شروع شروع میں نہایت کامیاب رہی لیکن واپسی پر رسل و رسائل کے ناقص انتظام اور لگاتار برف و باراں کی وجہ سے راستے مسدود ہو گئے اور پہاڑیوں نے چھاپے مار مار کر اور سنگ باری کر کرکے شاہی فوجوں کو

سخت نقصان پہنچایا اور دس بارہ آدمی ہی بچ سکے سلطان کو ان پر اس قدر غصہ آیا کہ وہ ان کے قتل کا حکم دے بیٹھا۔ ویسے یہ مہم اپنے مقصد میں کامیاب رہی لیکن فوج کا نقصان ہوا جس کے لئے فوجی افسر ذمہ دار تھے

بغاوتیں غرضیکہ حسن نیت کے باوجود سلطان کو اپنے منصوبوں میں کامیابی نہ ہوئی اور باوجودیکہ وہ ان منصوبوں کے ذریعے سلطنت کو مضبوط اور رعایا کو آسودہ کرنا چاہتا تھا وہ اپنے مقصدوں میں کامیاب نہ ہو سکا اور رعایا کو دکھ پر دکھ پہنچتے رہے۔ رہی سہی کسر ۱۳۳۵ سے ۱۳۴۲ء تک کی خشک سالی نے پوری کر دی اور ہر طرف بغاوتیں پھیل گئیں۔ چنانچہ ۱۳۳۵ میں مدورا کے حاکم نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ۱۳۳۷ء میں سندھ اور اودھ میں بغاوتیں ہوئیں لیکن سلطان نے انہیں کچل کے رکھ دیا۔ اسی زمانے میں جنوبی ہند میں ہری ہر اور بکا دو بھائیوں نے وجیا نگر کی ہندو سلطنت کی بنیاد رکھی۔ دکن اور گجرات میں خراسانی اور مغل امراء نے سرکشی اختیار کی اور دکن میں سلطان حسن گنگو بہمن شاہ نے بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ سلطان محمد تغلق نے سندھ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے وہاں حملہ کیا اور اسی دوران میں ۱۳۵۱ء میں ٹھٹھہ (سندھ) میں بیمار ہو کر اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

آخری نظر یورپین مورخوں نے سلطان محمد تغلق کو بدنام کرنے اور غلط رنگ میں پیش کرنے کے لئے بہت سی غلط بیانیاں کی ہیں اور اس کو ظالم اور پاگل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن درحقیقت سلطان محمد تغلق ایک نہایت عالم و فاضل۔ آزاد خیال۔ پرہیزگار۔ منصف مزاج۔ سخی اور رعایا کا سچا ہمدرد بادشاہ تھا۔ وہ سخت گیر ضرور تھا مگر صرف دشمنوں کے لئے۔ اس نے اپنے دوران حکومت میں رعایا کے ساتھ ہر طرح ہمدردی کی اور سلطنت کی بنیادیں مضبوط کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے منصوبے رعایا کی بہبود کے لئے تھے لیکن حکام کی نالائقی کے باعث ناکام رہے۔ جن کی وجہ سے سلطان بدنام ہو گیا سلطان نے اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لئے خلیفہ مصر کے فاطمی خلیفوں کے پاس سفیر بھیجے اور فاطمی خلیفہ مصر نے ایک سفیر خلعت و فرمان دے کر

سلطان محمد تغلق کو بھیجا۔ محمد تغلق نے اُس کی بڑی آؤ بھگت کی اور خلیفہ کے نام کا سکہ بھی جاری کیا اس کے باوجود مذہبی طبقے نے سلطان محمد تغلق کی آزاد روش کی قدر نہ کی اور اُسے بدنام کرنے میں پیش از پیش رہے۔

ابن بطوطہ سیاح

ابن بطوطہ الجزائر شمالی افریقہ کا رہنے والا مشہور سیاح ہو گذرا ہے اس نے افریقہ، عرب۔ عجم۔ ہندوستان۔ لنکا۔ جزائر شرق الہند اور چین تک کے سفر کئے اور اپنا ایک سفرنامہ یادگار چھوڑا۔ وہ ہندوستان میں سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں آیا۔ سلطان سیاحوں اور غیر ملکی عالموں کا بڑا قدردان تھا چنانچہ ابن بطوطہ پر بھی اپنی سخاوت کی بارش کر دی اور ۱۳۳۳ء سے ۱۳۴۲ء تک ابن بطوطہ ہندوستان میں ہی رہا سلطان نے اُسے دہلی میں قاضی کا عہدہ دیا اور ہر طرح اُس کی عزت و خاطر کرتا رہا لیکن ابن بطوطہ اپنی پوزیشن کو نبھا نہ سکا اور سلطان کا دل اُس سے کھٹا ہو گیا۔ اب سلطان نے اُسے اپنا ایلچی بنا کر چین کے شہنشاہ کے دربار میں روانہ کیا لیکن ابن بطوطہ کو پے در پے حادثے پیش آئے اور وہ واپس الجزائر چلا گیا۔ اُس نے سلطان محمد تغلق کے متعلق بھی کافی کچھ لکھا ہے اور اُس پر کئی اعتراض کئے ہیں وہ لکھتا ہے کہ محمد تغلق خونریزی اور سخاوت میں بے نظیر تھا۔ کوئی دن خالی نہ جاتا کہ اُس کے در پر کسی آدمی کا سر تن سے جُدا نہ ہو اور کوئی کنگال آئے اور لاکھ پتی بن کر نہ جائے۔ اس کے باوجود ابن بطوطہ شہادت دیتا ہے کہ سلطان بڑا پرہیزگار اور پاکباز تھا اور اسلامی اصولوں کی سچے دل سے پیروی کرتا تھا اور دنیا کے اُن بادشاہوں سے ایک تھا جن کی نیک بختی اور پاکبازی حد سے زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ اس سفرنامے میں لوگوں کی زندگی۔ رہن سہن رسم و رواج اور ملکی

کیفیت معلوم کرنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ اور یہ ہماری تاریخ کا
ایک اہم ماخذ ہے اس کے ترجمے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں ہو
چکے ہیں۔

سلطان فیروز شاہ تغلق

۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء

فیروز تغلق سلطان غیاث الدین تغلق
کے بھائی رجب اور ایک بھٹی خاندان
کی راجپوتنی کا بیٹا تھا وہ پہلا سلطان
تھا جس کی رگوں میں بیک وقت ترک اور خالص ہندوستانی خون دوڑ
رہا تھا۔ سلطان محمد تغلق کے عہد میں وہ کئی ذمہ دار عہدوں پر کام کر
چکا تھا اور کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق نے اسے اپنی زندگی میں ہی
اپنا جانشین نامزد کر رکھا تھا۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد
امراء نے اسے اپنا سلطان تسلیم کر لیا۔ فیروز تغلق بڑا محنتی۔ مخلص
اور پرہیزگار شخص تھا لیکن افسوس ہے کہ نہ تو وہ سلطان علاء الدین
خلجی کی طرح بہادر اور قابل جرنیل تھا اور نہ محمد تغلق کی طرح بلند نظر
مدبر اور آزاد خیال انسان تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے مذہبی
پیشواؤں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ملکی معاملات میں ان کے
صلاح مشورہ پر چلنے اور کچھ عرصہ بعد بغاوتیں فرو کرنے کے علاوہ

جنگ نہ کرنے کا عہد کیا اور اس عہد کو پوری طرح نبھایا۔ اُس کے ہمعصر مورخ اُس کے عجز و انکساری۔ رحم۔ دینداری اور حق پرستی کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ اُس کی حکومت کے تین اعلیٰ اصول تھے (۱) جہاں تک ممکن ہو سکے شریعت اسلام کے مطابق حکومت کرنا (۲) علما اور امیروں وزیروں کو خوش رکھنا (۳) رعایا کی خوش حالی اور بہتری کے لئے کوشش کرنا۔

بنگال۔ نگرکوٹ اور سندھ کی لڑائیاں

بنگال سلطان محمد تغلق کے زمانے میں خود مختار ہو چکا تھا۔ سلطنت فیروز شاہ نے دو بار ۱۳۵۳ء اور ۱۳۵۹ء میں بنگال کو فتح کر کے پھر سے سلطنت دہلی میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ دوسری مہم کی واپسی پر اُس کی فوجوں نے اوڑیسہ پر حملہ کیا اور پُوری کے شہر کو لوٹ مار اور غارت گری کا نشانہ بنایا۔ آخر اوڑیسہ کے راجہ نے بیس ہاتھی سالانہ خراج کے طور پر دینے کا وعدہ کیا اور اطاعت قبول کر لی۔

نگرکوٹ کانگڑہ کا مشہور شہر تھا یہاں کا راجہ سلطان محمد تغلق کا باجگذار تھا مگر اب خود مختار ہو بیٹھا تھا۔ ۱۳۶۱ء میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے نگرکوٹ پر چڑھائی کی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا آخر راجے نے اطاعت قبول کر لی۔ یہاں سے فیروز شاہ کو سنسکرت زبان کی کتابوں کے کئی نسخے ملے جن میں سے چیدہ چیدہ حصّوں کا سلطان نے "دلائل فیروز شاہی" کے نام سے فارسی میں ترجمہ کروایا۔

۱۳۶۲ء میں سلطان فیروز شاہ نے سندھ کے لوگوں کو سلطان محمد تغلق کے خلاف بغاوت کرنے کا مزا چکھانے کے لئے نوے ہزار سوار چار سو اسی ہاتھیوں کا لشکر اور ایک کشتیوں کا بیڑہ تیار کر کے سندھ پر حملے کا حکم دیا۔ ٹھٹہ کے حاکم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا ادھر سلطان کی فوجیں وبا اور قحط سے تنگ آ گئیں۔ آخر سلطان نے فوجوں کو گجرات جانے کا حکم دیا۔ فوجیں راستہ بھول کر بھٹکتی رہیں۔ آخر بڑی مصیبتیں اٹھانے کے بعد گجرات آئیں اور تازہ دم ہو کر پھر سندھ پر حملہ آور ہوئیں۔

آخرکار ٹھٹھہ کے حاکم نے اطاعت قبول کر لی۔

اسی مہم کے دوران میں سلطنت بہمنی کے ایک غدار نے سلطان کو دکن پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ لیکن سلطان نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ اب بغاوتیں فرو کرنے کیلئے جنگ نہ کرنے کا پکا تہیہ کر چکا تھا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان نے صرف کتھیر (بندھیلکھنڈ) پر فوج کشی کی کیونکہ یہاں کے زمینداروں نے بغاوت کر کے مالگزاری ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہاں ۱۳۷۷ء سے ۱۳۸۲ء تک باغیوں کی نہایت سختی اور بے رحمی سے سرکوبی کی گئی۔ سلطان خود باغیوں کے قتل و غارت کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

عمر کے آخری حصہ میں سلطان فیروز شاہ کو ۱۳۷۴ء میں اپنے عزیز اور قابل بیٹے فتح خاں کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا اور اُس کا دل دنیا کے کاموں سے سخت اُچاٹ ہو گیا۔ سلطنت کا کام کاج اب اُس کا قابل وزیر اور تلنگانے کا رہنے والا ہندوستانی مسلمان خواجہ جہاں نبھانے لگا۔ ۱۳۸۷ء میں اُس کے بیٹے محمد خاں نے خواجہ جہاں کو نیچا دکھا کر وزارت خود سنبھال لی لیکن جلد ہی عیش و عشرت میں پڑ گیا آخر سلطان نے اپنے پوتے تغلق خاں ابن فتح خاں کو وزیر مقرر کیا لیکن چند ماہ بعد تریاسی برس کی عمر میں ۱۳۸۰ء میں سلطان فیروز شاہ تغلق ملک عدم کو سدھارا۔

انتظام سلطنت

سلطان نے تخت سنبھالتے ہی ان تمام قانونوں اور ٹیکسوں کو منسوخ کر دیا جو شریعت اسلام کے مطابق نہ تھے اس کے علاوہ اُس نے ہندوؤں پر جزیہ لگایا اور باطنی فرقہ کے شیعوں پر انتہائی سختی روا رکھی۔ یہ تنگ نظرانہ سلوک اُس کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ اس کے باوجود سلطان فیروز شاہ عدل و انصاف اور رعایا کی بہتری کے کاموں میں کوئی تمیز اور فرق روا نہ رکھتا تھا اُس نے غیر اسلامی سزائیں بھی منسوخ کر دی تھیں اور فوجداری مقدموں میں ملزموں پر زیادہ سختی اور شدت پسند نہ کرتا تھا۔ غریبوں کو روزگار دلانے اور یتیم

لڑکیوں کی سرکاری خرچ سے شادیاں کروانے میں بڑی دلچسپی لیتا تھا
ان خیراتی کاموں کے لئے اُس نے "دیوان خیرات" یا دھرم ارتھ کا
محکمہ قایم کر رکھا تھا وہ عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا اور حکومت
کے کاموں میں اُن سے صلاح مشورہ کرتا رہتا تھا خلیفہ اسلام نے
اُسے دوبار فرمان اور خلعتیں ارسال کیں۔ فیروز تغلق بھی اپنے
آپ کو خلیفہ اسلام کا نائب کہتا تھا اور اپنے سکوں پر ایک طرف
خلیفہ اسلام کا نام کندہ کرواتا تھا ان سب مثالوں سے اُس کے
انتظام سلطنت پر شریعت اسلام کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ قیاس
ہے کہ ان میں سے کئی باتوں کو اُس کی غیر مسلم رعایا پسند نہ کرتی
ہوگی۔

سلطان فیروز شاہ نے مذہبی پیشواؤں اور عالموں کو خوش کرنے
کے لئے جا بجا مدرسے اور مکتب قایم کئے جہاں اسلامی عوام کی تعلیم
دی جاتی تھی بڑے بڑے عالموں اور استادوں کو سلطان کی طرف
سے وظیفے اور جاگیریں ملتی تھیں اُس کے عہد میں علم و فن کی
بڑی قدر تھی۔ چنانچہ سلطان کے عہد میں تاریخ پر ضیاء الدین برنی
اور شمس سراج عفیف نے فارسی میں تاریخیں لکھیں۔ شرف عطائی نے
سلطان کے قاضیوں کی رہنمائی کے لئے شرع اور اسلامی قانون
پر "فوائد فیروز شاہی" کے نام سے کتاب لکھی۔ سنسکرت کتابوں کا
فارسی میں ترجمہ ہوا۔ خود سلطان نے "فتوحات فیروز شاہی" کے
نام سے اپنے خود نوشت حالات لکھے۔ سلطان فیروز شاہ نے ایک
عمدہ کتب خانہ بھی قایم کیا۔

سلطان فیروز شاہ امیروں وزیروں اور فوجی افسروں کو بھی
خوش رکھنا چاہتا تھا اس لئے اُس نے سلطان علاء الدین خلجی کے
جاگیرداری ختم کرنے کے احکام منسوخ کر دئے اور سارے ملک میں
بڑے بڑے امیروں وزیروں اور فوجی افسروں کو جاگیریں دی گئیں
اور صوبائی امیروں کے خرچ اور آمدنی کے حساب کی پڑتال بھی
نرم کر دی اس سے یہ لوگ تو بہت خوش ہوئے مگر جاگیرداروں کی

طاقت بڑھنے سے ایک تو سلطنت کمزور ہوئی اور دوسرے عام لوگوں پر ظلم وستم کے دروازے پھر کھُل گئے۔ فوج میں بھی وہ پہلے سی طاقت اور اتحاد قایم نہ رہا اور آہستہ آہستہ ان سب کی وجہ سے خاندان تغلق اور سلطنت دہلی کو زوال آنے لگا۔

سلطان فیروز شاہ کا سب سے شاندار کارنامہ رفاہ عامہ کے کام ہیں اور درحقیقت انہی کی وجہ سے اُس کا نام آج بھی زندہ ہے

سلطان فیروز شاہ نے عام کسانوں کی بھلائی اور زراعت کی ترقی کے لئے ٹھیکہ داروں کے ذریعے مالگذاری وصول کرنے کا طریقہ منسوخ کر دیا۔ مالگذاری وصول کرنے کا کام صوبہ داروں ماتحت عہدہ داروں اور ہندو زمینداروں کے سپرد ہوا لیکن اُن سے بڑی رعایت کا سلوک ہونے لگا اور ایک طرف تو وہ سلطنت کے وفادار رہے اور دوسری طرف کسان ٹھیکہ داروں کے بیجا ظلم سے بچ گئے فیروز شاہ کسانوں کی حوصلہ افزائی کر کے زراعت کو ترقی دینا چاہتا تھا۔ اسی سلسلہ میں اُس نے نہریں کھدوانے کا شاندار کام کیا اور دریائے ستلج اور دریائے جمنا سے چار بڑی بڑی نہریں نکلوائیں جن سے دہلی کے آس پاس اور گنگا جمنا دوآب کا علاقہ سیراب ہونا شروع ہوا زراعت کی ترقی سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔

سلطان فیروز شاہ کو باغ لگوانے۔ سرائیں مسجدیں اور مدرسے تعمیر کروانے حمام بنوانے اور نئے نئے شہر بسانے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ جونا گڈھ (کاٹھیاواڑ) حصار فیروز (حصار پنجاب) جون پور۔ فیروز آباد (کوٹلہ فیروز شاہ دہلی) اور فتح آباد (اُتر پردیش) کے شہر اُسی کے آباد کئے ہوئے ہیں۔

سلطان نے غریبوں کے مفت علاج کے لئے دارالشفا یا ہسپتال قایم کر رکھے تھے جہاں سے مریضوں کو دوائیں بھی مفت ملتی تھیں۔ تعلیم کی روشنی پھیلانے کے لئے جا بجا مدرسے اور مکتب تھے جہاں تعلیم بالکل مفت دی جاتی تھی بلکہ طالب علموں کو کپڑے کتابیں خوراک اور رہنے کے لئے جگہ بھی مفت دی جاتی تھی یہ تعلیمی ادارے پرائیویٹ

ہوتے تھے مگر حکومت کی طرف سے انہیں بہت مالی امداد دی جاتی تھی۔

سلطان فیروز شاہ صنعت و حرفت کا بھی بڑا سرپرست تھا۔ اُس کے عہد میں کئی سرکاری ادارے قائم تھے جن میں سلطان کے ذاتی غلام یا بندگان فیروزی کام کرتے تھے ان غلاموں کی تعداد بڑھتے بڑھتے ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہو چکی تھی یہ غلام کارخانوں میں کام بھی کرتے اور بادشاہ کے باڈی گارڈ اور سلطنت کے محافظ بھی تھے۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک الگ محکمہ قائم تھا یہ غلام جاگیرداروں کی طاقت کو کم کرنے کے کام بھی آتے تھے لیکن بذات خود ایک ایسی طاقت تھی جو ملکی امن اور سلطنت کے استحکام کے لئے خطرے کا موجب تھی۔

فیروز شاہ تغلق کے جانشین

سلطان فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد اُس کا پوتا غیاث الدین تغلق ثانی تخت پر بیٹھا لیکن چار پانچ ماہ کے بعد ہی قتل ہو گیا اور تخت پر سلطان فیروز شاہ کے بیٹے ظفر خاں کا بیٹا ابوبکر تخت پر قابض ہو گیا لیکن اُسے سلطان فیروز شاہ کے چھوٹے بیٹے ناصر الدین محمد شاہ نے تخت سے اُتار حکومت خود سنبھالی اور ۱۳۹۰ سے ۱۳۹۴ء تک حکمران رہا۔ اس دور میں دوآب اور میوات میں بغاوتیں پھیل گئیں اور شاہی اقتدار کو سخت دھکا لگا۔ محمد شاہ کی وفات کے بعد جنوری ۱۳۹۴ء میں اُس کا بیٹا علاء الدین سکندر شاہ تخت پر بیٹھا مگر دو ماہ بعد ہی مر گیا اُس کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی ناصر الدین محمود تغلق تخت پر بیٹھا یہ تغلق شاہی خاندان کا آخری بادشاہ تھا اس کے عہد میں اُس کے بھائی نصرت شاہ نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور پنجاب اور دوآب کے امیروں نے اُس کا ساتھ دیا۔ اُدھر گجرات میں ظفر خاں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ محمود تغلق کے وزیر ملک سرور جسے سلطان نے ملک الشرق کا خطاب دے رکھا تھا جونپور میں سلطان الشرق کا لقب اختیار کر کے شرقی شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح دوسرے علاقے اور صوبے بھی خود مختار ہو گئے اور سلطان دہلی کی

سلطنت جو سندھ سے بنگال اور اٹک سے راس کماری تک پھیلی ہوئی تھی سمیٹ سمٹا کر دہلی اور اس کے گرد و نواح تک محدود ہو گئی۔ اس کی رہی سہی ساکھ ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور کے حملہ نے ختم کر دی اور تغلق خاندان کا نام و نشان مٹ گیا۔

امیر تیمور | امیر تیمور سمرقند کے قریب ۱۳۳۶ء میں ترکوں کے مشہور چغتائی قبیلے میں پیدا ہوا اور ۳۳ سال کی عمر میں قبیلے کا سردار بن گیا اُس نے ترکستان میں اپنی طاقت مضبوط کر کے سمرقند میں اپنی راجدھانی قایم کی اور تھوڑی مدت میں ہی افغانستان ایران اور عراق فتح کر کے ایک وسیع سلطنت کا شہنشاہ بن گیا۔ اُس کی فوجی قوت۔ خونخواری اور جنگ جوئی کی دھاک دور دُور تک بیٹھ گئی ادھر ہندوستان میں خاندان تغلق کا زوال شروع ہو چکا ہوا تھا۔ اور چاروں طرف بغاوت اور خانہ جنگی کے شعلے بھڑک رہے تھے ملک سیاسی اور فوجی لحاظ سے بالکل کمزور ہو چکا تھا بیرونی حملہ آور کے لئے یہ نادر موقع تھا چنانچہ امیر تیمور نے ملک گیری اور فوجی نام و نمود کی خاطر ہندوستان پر حملہ کرنے کی ٹھان لی لیکن ظاہرا یہ کیا کہ وہ سلطنت دہلی پر اس لئے حملہ آور ہو رہا ہے کیونکہ یہاں بت پرستی کی عام اجازت ہے لیکن ہر جنگجو جرنیل اور امپریلسٹ اسی طرح مذہب کا نام لے کر اپنی ہوس پوری کرنے کے بہانے سوچتا رہتا ہے امیر تیمور بھی اسی طرح مذہب کا لبادہ اوڑھ کر لوٹ مار کے لئے ہندوستان پر حملہ آور ہوا اس قسم کی دُنیاوی غرضوں کے لئے لڑی گئی لڑائیوں کو در اصل مذہب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

حملہ | امیر تیمور نے سب سے پہلے اپنے بیٹے پیر محمد کو کچھ فوج دے کر

ہراول کے طور پر ہندوستان روانہ کیا چنانچہ اس نے آتے ہی اُچھ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ ستمبر ۱۳۹۸ء میں تیمور خود ایک تازہ دم فوج کے ساتھ ساتھ دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہوا اور ہر طرف لوٹ مار اور غارت گری مچاتا ہوا دہلی کی طرف بڑھنے لگا۔ راستہ میں دیپالپور اور بھٹنیر کے حاکموں نے کچھ مقابلہ کیا لیکن پس کر رہ گئے آخر دسمبر ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور کی فوجوں نے دہلی کے سامنے آن ڈیرے ڈالے۔ سلطان محمود تغلق اور اُس کا وزیر ملّوخان دس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ فوج اور ایک سو بیس ہاتھی لے کر مقابلہ کے سے ہے ۱۷ دسمبر ۱۳۹۸ء کو بڑے گھمسان کا رَن پڑا۔ امیر تیمور کو فتح نصیب ہوئی۔ ملّوخان برن یا بلند شہر اور محمد تغلق گجرات کی طرف بھاگ گئے اور ۱۸ دسمبر ۱۳۹۸ء کو امیر تیمور فاتحانہ طور پر دہلی میں داخل ہوا۔ شہر کے علماء کی درخواست پر امیر تیمور نے شہریوں کی جان بخشی کا یقین دلایا۔ امیر تیمور نے شہنشاہ ہند ہونے کا اعلان کیا بدقسمتی سے تیموری سپاہیوں اور چند شہریوں میں جھگڑا ہو گیا اور یہ سپاہی مارے گئے۔ امیر تیمور آپے سے باہر ہو گیا اور اسی غصے میں اُس نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ ان سپاہیوں کا مقصد بھی یہی تھا لوٹ مار کی کھلی چھٹی پاتے ہی انہوں نے ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور شہر کو جی بھر کے لوٹا کئی کاریگر اور معمار قیدی بنا کر سمرقند بھیجدئے گئے تاکہ وہاں وہ امیر تیمور کی عمارتیں بنانے میں کام آسکیں اور خود امیر تیمور چند روز دہلی ٹھہر کر شوالک کے کوہستان کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں میرٹھ۔ ہردوار۔ کانگڑہ اور جموں فتح کرتا ہوا شمالی پنجاب میں آیا۔ یہاں دریائے جہلم کے کنارے سلطان سکندر کشمیری شاہ کشمیر کے نمائندوں نے اُس کا استقبال کیا امیر تیمور نے کھوکھروں کی سرکوبی کی اور پھر اپنے جرنیل سید خضر خان کو لاہور۔ ملتان اور دیپالپور کا حاکم مقرر کر کے خود سمرقند لوٹ گیا۔

نتائج امیر تیمور سلطان محمود غزنوی کی طرح ہندوستان میں کوئی مستقل سلطنت قایم کرنے کا خواہشمند نہ تھا اُس کا مقصد صرف

لوٹ مار اور جنگی شہرت حاصل کرنا تھا وہ ہوا کی طرح آیا اور بگولے کی طرح لوٹ گیا اس لئے اُس کے حملے کے کوئی مستقل نتیجے نہ نکلے تاہم اس کے حملے کے نتیجے کے طور پر مندرجہ ذیل اثرات پیدا ہوئے۔

(۱) تیمور کے حملے سے سلطنت دہلی کی رہی سہی ساکھ بھی مٹی میں مل گئی۔ اور خاندان تغلق کو زوال آگیا۔ ہر طرف بغاوتیں پھوٹ پڑیں اور مقامی حاکم خود مختار ہو بیٹھے۔ میواڑ۔ گوالیار اور مارواڑ کے راجپوتوں نے اپنی آزاد حکومتیں قایم کر لیں۔

(۲) تیمور کے حملے سے شمالی ہند میں تباہی اور غارت گری مچ گئی۔ بوڑھے بچے مرد عورت لاکھوں کی تعداد میں مارے گئے اور کئی غلام بنا لے گئے۔ جائیداد کا نقصان ہوا اور زراعت کو سخت دھکا لگا جس کی وجہ سے ملک قحط اور وباؤں کا شکار ہو گیا۔ ڈاکہ زنی اور چوری چکاری بھی بہت بڑھ گئی۔

(۳) تیمور کے حملے سے ہندوستان اور وسط ایشیا میں پھر سے تعلقات قایم ہو گئے اور تجارت کے لئے شاہراہیں بن گئیں انہیں کے ذریعہ میں مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی

(۴) خاندان تغلق کے زوال کے بعد خاندان سادات نے دہلی کی حکومت سنبھالی چنانچہ امیر تیمور کی واپسی پر نصرت شاہ دہلی پر قابض ہوا لیکن چند دنوں بعد محمود تغلق پھر دہلی کا سلطان بن گیا لیکن ۱۴۱۲ء میں فوت ہو گیا۔ امراء نے دولت خاں کو گدی پر بٹھایا لیکن ۱۴۱۴ میں امیر تیمور کے جرنیل سید خضر خاں نے دہلی پر قبضہ کر کے خاندان سادات کی بنیاد رکھی جو ۱۴۱۴ء سے ۱۴۵۱ء تک برسرِ اقتدار

(د) سلطنت دہلی کا زوال
آخری دَور

(I) خاندان سادات
۱۴۱۴ء — ۱۴۵۱ء

اس خاندان کے بادشاہ اپنے آپ کو سید بتاتے تھے اسی لئے اسے خاندان سادات یا سیدوں کا خاندان کہا جاتا ہے۔ اس خاندان کا بانی سید خضر خان تھا جو امیر تیمور کی طرف سے پنجاب کا حاکم تھا۔ ۱۴۱۴ء میں اس نے دہلی پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت قائم کر لی مگر زندگی بھر امیر تیمور کے بیٹے اور جانشین شاہ رخ کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر کے خراج ادا کرتا رہا۔ خضر خاں کی زندگی لڑنے بھڑنے میں ہی گذری اور وہ کوئی یادگار کارنامہ نہ کر سکا۔ آخر ۱۴۲۱ء میں اُس کا بیٹا مُبارک شاہ تخت نشین ہوا مبارک شاہ نے خود مختاری اختیار کر لی۔ اور سلطنت دہلی پوری طرح تُرک شاہی خاندانوں کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ اس کے زمانے میں بھی بغاوتوں کا دَور دورہ رہا۔ اس نے انتظامی اصلاح کی کوشش کی لیکن امراء اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بہلول خان لودھی نے جو مبارک شاہ کی طرف سے لاہور اور سرہند کا حاکم تھا۔ مبارک شاہ کا ساتھ دیا چنانچہ اُس نے خوش ہو کر بہلول کو خانخاناں کا خطاب دے کر اپنا بیٹا بنا لیا۔ بالآخر ۱۴۳۴ء میں مبارک شاہ قتل ہو گیا اور اُس کا بھتیجا محمد شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں محمود خلجی شاہ مالوہ نے دہلی پر حملہ کرنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ شروع میں بہلول لودھی نے محمد شاہ کی مدد کی لیکن آخر اُس نے خود دہلی پر قابض ہونے کی ٹھان لی۔ ۱۴۴۵ء میں محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا علاء الدین عالم شاہ تخت پر بیٹھا یہ بادشاہ بڑا کمزور اور نکما تھا اس کے وزیر حمید خان نے بہلول لودھی سے ساز باز کر کے دہلی پر اُس کا قبضہ کروا دیا۔ علاء الدین عالم شاہ نے مقابلہ کئے بغیر بدایوں کی راہ لی اور باقی زندگی نہایت سادگی اور قناعت سے گذار کر ۱۴۷۸ء

میں انتقال کیا۔ بہلول لودھی نے ۱۴۵۱ء میں ہی اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر کے لودھی خاندان کی بنیاد رکھی۔

(II) خاندان لودھی ۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء

اس خاندان کا بانی بہلول پٹھانوں کے ایک مشہور قبیلہ لودھی کا سردار تھا اور سادات کے زمانہ میں پنجاب کا حاکم تھا اس نے ۱۴۵۱ء میں سادات کے آخری بادشاہ کو تخت سے اتار خود عنان حکومت سنبھالی۔ وزیر حمید خاں کو گرفتار کر کے اُس کی غداری کا مزا چکھایا اور پھر سلطنت کو مضبوط کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس دور میں سلطنت دہلی کے بیشتر صوبے خود مختار ہو چکے تھے لیکن دہلی کو سب سے بڑا خطرہ جونپور کی شرقی شاہی حکومت سے تھا۔ محمود شاہ شرقی خود دہلی کا سلطان بننے کے خواب دیکھ رہا تھا کہتے ہیں کہ جب بہلول پنجاب کے دورہ پر گیا تو محمود شاہ نے دہلی پر حملہ کر دیا لیکن بہلول نے پلٹ کر محمود شاہ کو بُری طرح شکست دی اس سے بہلول کا دبدبہ قائم ہو گیا اُس نے میوات اور دوآب میں پوری طرح اپنا سکہ بٹھا لیا اور اب شرقی حکومت کے خاتمہ پر تل گیا ۱۴۷۹ء میں حسین شاہ شرقی اور بہلول کے کئی مقابلے ہوئے مگر آخر کار بہلول نے حسین شاہ شرقی کو شکست دیکر جون پور پر قبضہ کر لیا۔ حسین شاہ شرقی اپنی سلطنت کے مشرقی حصہ پر جا کر راج کرنے لگا۔ بہلول نے کالپی اور دھولپور کے راجاؤں کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ ۱۴۸۹ء میں جب وہ گوالیار کی مہم سے لوٹ آئے تو راستے میں ہی بیمار ہو کر ملک عدم کو سدھارا۔

سلطان بہلول لودھی بڑا بہادر۔ نیک۔ رحم دل اور سخی حاکم تھا وہ خود اتنا زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن عالموں کا بڑا قدردان تھا۔ بہلول لودھی دوسرے پٹھان امراء کی بڑی عزت و خاطر کرتا تھا اور اُن کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتا تھا یہاں تک کہ بعض اوقات اُس کے بادشاہ ہونے میں بھی شک ہونے لگتا تھا اسی لئے بعض مورخ کہتے ہیں کہ سلطان بہلول لودھی کو بادشاہ کی بجائے امیر الامراء کہنا زیادہ موزوں ہے۔ سلطان نے سلطنت دہلی کو بچانے کی آخری کوشش کی

اور سلطنت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو پھر سے سمیٹنے کے لئے دوڑ دھوپ کرتا رہا۔ اس سلسلہ میں جون پور کی فتح اُس کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ بہلول لودھی کو دہلی کی سلطنت کو وقتی طور پر بچانے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

سکندر لودھی
۱۴۸۹ء — ۱۵۱۷ء

سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا نظام خان سکندر شاہ لودھی کے لقب سے جانشین ہوا۔ اُس کے عہد میں سلطان حسین شاہ شرقی ایک بڑی فوج اکٹھی کر کے جون پور کی طرف روانہ ہوا۔ بنارس کے قریب شرقی اور لودھی فوجوں میں مقابلہ ہوا جس میں شرقی شکست کھا کر میدان سے بھاگ نکلے اور شرقی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ دہلی کی سلطنت اب بنگال تک جا پھیلی۔ سلطان سکندر لودھی نے بنگال کے بادشاہ ملک غندل فیروز شاہ سے صلح و دوستی کا معاہدہ کر کے اپنی مشرقی سرحد مضبوط کر لی۔ جون پور اور بہار کی فتح سے سکندر لودھی کی دھاک بیٹھ گئی اور مرکزی حکومت کی ساکھ قائم ہو گئی۔ بڑے بڑے افغان سردار اب بغاوت اور سرکشی کی بات بھی نہ سوچ سکتے تھے۔ سکندر لودھی نے حسابات کی دیکھ ریکھ اور پڑتال کا سختی سے انتظام کیا اور بد دیانتی اور خیانت کے لئے نہایت سخت سزائیں دینی شروع کیں۔ اُس نے جاسوسی کا پکا انتظام کر رکھا تھا جس سے وہ ملکی حالات سے ہر وقت باخبر رہتا تھا۔ سکندر لودھی نے اناج پر محصول معاف کر دیا اور تجارت پر پابندیاں ختم کر دیں جس سے رعایا کو بہت فائدہ ہوا۔

سیرت

سکندر لودھی اپنے خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ مانا جاتا ہے اُس نے افغان سرداروں کو پوری طرح قابو کر کے ملک میں امن و امان قائم کیا۔ فتوحات سے سلطنت کی حدود کو وسیع کیا اور انتظام حکومت کو بہتر بنانے کی کوشش کی وہ انصاف کا بڑا دلدادہ تھا اور خود لوگوں کی فریادیں سنا کرتا تھا البتہ ہندوؤں کے ساتھ کبھی کبھی ناروا سلوک بھی کر بیٹھتا تھا۔ وہ خود عالم تھا اور عالموں کی

بڑی قدر کرتا تھا اُس کے حکم سے سنسکرت کی طب کی ایک کتاب کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا گیا۔ ۱۵۰۴ء میں اُس نے سکندرہ (آگرہ) کی بنیاد رکھی اور اسے اپنا پایۂ تخت بنایا کیونکہ یہاں سے اٹاوہ۔ بیانہ۔ کول۔ گوالیار اور دھولپور کے سرکش زمینداروں پر قابو پانا زیادہ آسان تھا۔ زندگی کے آخری دنوں میں اس نے رنتھمبور فتح کر لیا اور گوالیار پر لشکر کشی کرنے ہی والا تھا کہ موت نے اُس کے ارادے مٹی میں ملا دئے اور وہ اس جہان فانی سے چل بسا۔

سلطان ابراہیم لودھی
۱۵۱۷ء تا ۱۵۲۶ء

۱۵۱۷ء میں سلطان سکندر کے بعد اُس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودھی تخت پر بیٹھا لیکن سلطان سکندر کے بھائی جلال خاں نے ابراہیم کی سخت مخالفت شروع کر دی جس سے سلطنت کی ساکھ کو بڑا دھکا لگا سلطان ابراہیم لودھی بڑے بڑے افغان سرداروں کو پوری طرح اطاعت کرنے پر مجبور کرنے لگا تو وہ بھی اُس کے خلاف ہو گئے کیونکہ آج تک وہ بادشاہ کو اپنی طرح کا ایک سردار سمجھتے اور اُس سے برابری کے دعویدار تھے۔ بہار۔ غازی پور اور پنجاب کے حاکموں نے بغاوتیں بپا کر دیں۔ سلطان ابراہیم نے ان سب کا بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں اُسے اب کسی پر اعتبار نہ رہا۔ آخرکار دولت خاں لودھی حاکم پنجاب نے ۱۵۲۴ء میں کابل کے بادشاہ ظہیرالدین محمد بابر کو سلطنت دہلی پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ بابر اس موقعہ کی تلاش میں تھا ہی وہ حملہ کر کے مغربی پنجاب پر چڑھ آیا لیکن یہ کام ادھورا چھوڑ کر ہی اُسے واپس لوٹنا پڑا۔ آخر ۱۵۲۶ء میں بابر نے دہلی پر چڑھائی کی پانی پت کے میدان میں سلطان ابراہیم لودھی اور بابر کی فوجوں کا مقابلہ ہوا ابراہیم لودھی بہادروں کی طرح لڑتا ہوا میدان جنگ میں کام آیا اور بابر نے فتح حاصل کر کے دہلی میں خاندان مغلیہ کی سلطنت کی بنیاد رکھی

شکست کی وجوہات

سلطان ابراہیم لودھی کے مزاج نے سب افغان امراء کو اُس کے خلاف کر رکھا تھا۔

ہندوستانی امیروں میں رانا سنگرام سنگھ والئے میواڑ اور حسن خان میواتی بھی اُس سے ناراض تھے ابراہیم لودھی خود کوئی قابل جرنیل نہ تھا۔ ہندوستانی فوجیں فن جنگ اور سامان میں بابر کے حملہ آوروں سے بہتر نہ تھیں۔ اُدھر بابر کی فوجیں بابر کی کمان میں متحد تھیں۔ بابر خود بڑا قابل جرنیل تھا اور اس کے ساتھی اُمرا بھی بڑے جیالے سپاہی تھے بابر کی فوجیں فن جنگ میں ماہر اور ساز و سامان سے لیس تھیں۔ اس کے علاوہ بابر کے پاس آتشیں اسلحہ جات یعنی توپیں اور بندوقیں تھیں۔ جن سے ہندوستانی جنگجو ابھی تک آشنا نہ تھے۔ غرضیکہ ان وجوہات سے پانی پت کی پہلی لڑائی میں ہندوستانی فوجوں کو شکست ہوئی اور مغلیہ فوجیں کامیاب رہیں۔

(ب) سلطنت دہلی کے زوال کی وجوہات

سلطان قطب الدین ایبک کے عہد سے سلطان محمد تغلق کے عہد کے آخر تک سلطنت دہلی پھولتی پھلتی اور ترقی کرتی رہی لیکن سلطان محمد تغلق کے جیتے جی ہی سلطنت کے زوال کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے تھے۔ سلطنت دہلی پر ترکوں کے پانچ شاہی خاندانوں نے ۳۲۰ برس حکومت کی اور بالآخر ۱۵۲۶ء میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطنت دہلی کے زوال کی اہم وجوہات یہ تھیں:-

۱۔ سلطنت دہلی کے بادشاہ مطلق العنان اور زور زبردستی سے بنے ہوئے بادشاہ تھے۔ رعایا اور امراء موقعہ پاتے ہی باغی ہو جاتے تھے۔ ان بغاوتوں کی وجہ سے کمزور بادشاہ سلطنت کا لنگر نہ سنبھال سکتے تھے اس لئے سلطنت دہلی کی قسمت ادلتی بدلتی رہتی تھی۔

۲۔ چونکہ اسلام کے مطابق وراثتی بادشاہی خلاف قانون ہے اس لئے اسلام میں بادشاہوں کی جانشینی کے کوئی اصول مقرر نہیں کئے گئے چنانچہ بادشاہ کے مرتے ہی ہر شخص تخت کا دعویدار بن بیٹھتا تھا کئی بار خانہ جنگی تک بھی نوبت آن پڑتی تھی اور اس طرح سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی رہتی تھیں

۳- اُس زمانہ میں ذرائع آمد و رفت نہایت مشکل تھے اس لئے اتنی بڑی وسیع سلطنت میں امن و امان قائم رکھنا اور بر وقت بغاوتوں کی اطلاع پاکر انہیں دبانے کے انتظام کرنا ممکن نہ تھا اس لئے بھی سلطنت کمزور ہوتی چلی گئی۔

۴- ترک اور افغان سپاہی جو شروع شروع میں بڑے جری اور جفاکش تھے ہندوستانی آب و ہوا۔ دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کی وجہ سے نکمّے ہو گئے اور اُن میں وہ پہلے سی جنگجوئی بہادری اور جذبہ باقی نہ رہا اور حکمران طبقہ کی طاقت کم ہوتی چلی گئی

۵- سلطان محمد تغلق کی تجویزوں کی ناکامی اور سندھ۔ دکن اور بنگال کی بغاوتوں سے سلطنت دہلی کے وقار کو سخت دھکا لگا۔ فیروز تغلق بھی اس زخم کو بھر نہ سکا۔ بلکہ اُس نے جاگیرداری دوبارہ رائج کر کے اور غلاموں کی تعداد زیادہ کر کے سلطنت کو اور کمزور کر دیا۔ اس کے جانشین سخت نکمے نکلے۔ اس پر امیر تیمور کے حملے نے لوٹ مار غارتگری اور خون خرابے سے سلطنت دہلی کے تابوت میں آخری کیل گاڑ دی۔

۶- سلطان شمس الدین ایلتمش کے عہد سے لے کر سلطان محمود تغلق کے عہد تک منگولوں کے پے در پے حملے ہوتے رہے جن کی وجہ سے سلطنت دہلی کو بھاری نقصان پہنچتا رہا اور سلطنت دن بدن کمزور ہوتی رہی۔

غرضیکہ ان وجوہات سے سلطنت دہلی کو زوال آیا بالآخر پانی پت کے میدان میں دہلی کا آخری سلطان ابراہیم لودھی لڑائی میں کام آیا اور سلطنت دہلی کا خاتمہ ہو گیا۔

EXERCISE.

1. (a) Who was Muhamad Ghauri ? Describe the first and seond battles of Train and their sesults.
   (b) What fate did Raja Jai Chand meet at the hands of Muhammad Ghauri ? Write a brief note. (J & K. U. 1960)
2. What were the causes of the success of Sultan Shahab-ud Din Muhamad Ghauri against the Rajputs ?
3. Who was the founder of the Slave Dynasty ? Give an account of his reign.
4. Give a brief account of the reign of Sultan Shams ud-Din Illtutmish. Why is he regarded as the real founder of the Slave Dynasty ?
5. Give a brief account of the reign of Sultan Razia.
6. How did Sultan Ghias ud-Din Balban save India from foreign invasions and establish peace and order in the country. (J & K. U. 1957)
7. "Balban was a great man, a great statesman and a great administrator." Discuss. (J & K. U. 1957)
8. Give a brief account of the, life conquests and character of Ala-ud-din Khilji. (J & K. U. 1956)
9. Describe briefly the South Indian campaigns of Malik Kafur. (J & K. U. 1952)
0. Give an account of the career and character of Sultan Muhamad Shah bin Tughlaq.

OR

Describe the main schemes of Sultan Muhamad bin Tughlaq. Discuss their merits and demerits. (J & K. U. 1949)

Descibe briefly the reign of Sultan Feroz Shah Tughlaq and estimate him as a ruler. (J & K. U. 1953)

OR

Give a brief account of the administration of Sultan Feroz Shah Tughlaq with special reference to his works of public utility and buildings and restoration of law and order. (P. U. 1940)

Give a brief account of Amir Timur's invasion of India. What were its results ? (J & K. U. 1957)

What were the causes of the 6ownfall of the Delhi Sultanate ?

باب چہارم

تمدنی میل جول
(CULTURAL SYNTHESIS)

ترک سلاطین دہلی اسلام کے پیرو تھے فارسی زبان ان کی درباری اور کاروباری زبان تھی۔ اس لئے ان پر اسلامی تہذیب و تمدن کا اثر غالب تھا ان کے تین سو بیس سالہ دور حکومت میں کئی مسلمان تاجر۔ عالم صوفی۔ درویش۔ سپاہی اور ... ہندوستان میں آئے اور کئی نے یہاں مستقل سکونت اختیار کرکے شادی ناطے کر لئے۔ ان کے علاوہ صوفیوں درویشوں عالموں اور تاجروں کے پرچار سے لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ظاہر ہے کہ جب دو بڑے تمدنی گروہ ایک دوسرے کے ساتھ راج کاج تجارت کام دھندے اور مرنے جینے میں شریک ہوں تو ان کا ایک دوسرے پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ سلاطین دہلی کے دور حکومت میں بھی اسی طرح اسلامی اور ہندی تہذیب و تمدن کا میل جول بڑھتا گیا اس میل جول کی شہادت ہمیں اس زمانہ کے سماج۔ نظام حکومت۔ علم و فن کی ترقی۔ ادب۔ فن تعمیر اور مذہبی رجحانات میں ملتی ہے۔

سماج سلاطین دہلی کے زمانے میں حکمران طبقہ زیادہ تر ترک نسل کے لوگوں پر مشتمل تھا لیکن ان کے علاوہ افغان اور ایرانی

بھی آ آ کر ہندوستان میں بسنے شروع ہوئے۔ مسلمان صوفیوں کی کوششوں سے اسلام کا پرچار بھی ہونے لگا اور کئی ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان ہندوستانی مسلمانوں نے ترکوں۔ افغانوں اور ایرانیوں سے شادی ناطے بھی کئے اور آہستہ آہستہ یہ سب آپس میں گھل مل کر ہندوستانی مسلمان بن گئے یہ ہندوستانی مسلمان ذات پات کے قائل تو نہ تھے لیکن پھر بھی ہندوؤں کی طرح ان میں بھی قبیلوں اور سماجی گروہوں کی تقسیم پیدا ہوگئی اور مغل سید پٹھان وغیرہ ذاتیں بن گئیں۔ ان کے ہاں شادی۔ غمی کی رسمیں میلے۔ عرس اور زیارتوں پر جانے اور ہندوؤں کی طرح تہوار منانے کا رواج ہوگیا۔ حکمران طبقے میں شراب نوشی۔ جوا کھیلنے اور راگ رنگ کی بری عادتیں بھی جڑ پکڑنے لگیں جس کی وجہ سے کئی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ ہندوؤں میں جو رعایا میں بہت بڑی اکثریت میں تھے زمیندار۔ چھوٹے چھوٹے راجے۔ چوہدری اور مقدم حکومت میں حصہ لینے اور اسلامی رہن سہن اختیار کرنے لگے۔ لیکن دیہات کے عام لوگ اپنی پرانی طرز کی زندگی ہی بسر کرتے رہے۔ ان کا شہروں میں آنا جانا کم تھا ذات پات کی تفریق اور کم علمی اور توہم پرستی عام تھی۔ یہ لوگ عام طور پر کاشت کار اور دست کار تھے اور ذقتی حکومت کو مالگذاری ادا کرنے کے علاوہ اور ہر طرح آزاد تھے۔ حکومت کی ٹکر صرف زمینداروں اور سرمایہ دار طبقے سے رہتی تھی جو موقعہ پاکر بغاوت کرنے سے نہ چوکتے تھے لیکن حکومت عام ہندو رعایا سے بڑی رواداری اور نرمی کا سلوک کرتی تھی کیونکہ ملکی مصلحت اور اصول ملک گیری کا تقاضا یہی تھا۔ عدالتوں میں ہندو مسلمان کی کوئی تمیز روا نہ رکھی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں حکومت ہندوؤں کی دادرسی میں کبھی دریغ نہ کرتی تھی۔ مسلمان ترک افغان ایرانی جو بھی ہندوستان میں آئے یہیں کے ہو رہے اُن کا مرنا جینا ہندوستان کے لئے ہی تھا وہ جو دولت ہندوستان

سے حاصل کرتے تھے۔ ہندوستان میں ہی خرچ کرتے تھے۔ انگریزوں کی طرح بدیشی سلطنتوں پر خرچ نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں بڑی محبت اور ایکتا تھی۔

نظام حکومت

سلاطین دلی شروع شروع میں حکمران طبقہ کی مرضی سے منتخب ہوئے تھے نہیں کوئی موروثی حق حکومت حاصل نہ تھا لیکن بعد میں خلجی اور تغلق سلاطین نے مطلق العنان اور موروثی بادشاہی کے طریقہ کا رواج دینے کی کوشش کی اور شاہی اختیارات کو وسیع کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی بادشاہ ملک گیری اور جنگجوئی فرض سمجھتے تھے اور سارے ہندوستان میں اپنا سکہ چلانے کے لئے کوشاں رہتے تھے اس سے ملک کا اتحاد اور یک جہتی بڑھتی تھی۔ بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے لیکن اُن کی طاقت پر دو بڑی قیدیں تھیں ایک شریعت اسلامی اور دوسرے بغاوت کا ڈر۔ اس لئے عام طور پر وہ اپنے مشیروں کے مشورہ سے حکومت کرتے تھے۔ بادشاہ دربار خاص میں وزیروں حاکموں اور اہل کاروں سے مشورہ کرکے حکومت چلانے کے لئے احکام دیتا تھا دربار عام میں ہر شخص بادشاہ تک اپنی فریاد پہنچا سکتا تھا اور انصاف حاصل کرسکتا تھا اس میں ہندو مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی۔

سلاطین دلی کی ہندوستانی راجاؤں سے عموماً ٹھنی رہتی تھی جنگ میں بڑی بے رحمی برتی جاتی تھی دونوں طرفوں سے قتل و غارت اور لوٹ مار سے دریغ نہ ہوتا تھا لیکن یہ لڑائیاں مذہبی نہ ہوتی تھیں۔ ہندو راجے ہوں یا مسلمان بادشاہ کوئی بھی دین دھرم کی خاطر نہ لڑتے تھے بلکہ دونوں ملک گیری اور اقتدار کی خاطر لڑتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کی فوج میں ہندو اور ہندو راجاؤں کے جھنڈے تلے مسلمان فوجی اپنے مسلمان اور ہندو حلیفوں کے شانہ بہ شانہ میدان جنگ میں اترتے تھے۔

بادشاہ کے چار بڑے وزیر ہوتے تھے وزیر مال یا دیوان وزارت مالی معاملات اور حساب کتاب کا۔ وزیر جنگ ملکی دفاع اور افواج کا وزیر

تجارت بیوپار اور سرکاری کارخانوں کا اور میر منشی خط و کتابت اور معاملات خارجہ کے ذمہ دار تھے ان کے علاوہ زراعت کا امیرہ کوہ اور دریائی شاہراہوں اور گھاٹوں کا امیر البحر نگران ہوتا تھا۔ عدالت کا محکمہ قاضی القضاۃ کے سپرد تھا۔ امن و امان قائم رکھنے کے لئے کوتوال اور فوجدار مقرر رہتے تھے۔ صوبوں میں صوبیدار بادشاہ کی طرف سے حکومت چلانے کے ذمہ دار تھے۔ فوجوں میں ہندو اور مسلمان دونوں بھرتی ہوتے تھے فوجیوں کی تنخواہیں مقرر ہوتی تھیں لیکن کئی فوجیوں کی کفالت جاگیرداروں کے ذمہ تھی۔

ملک کے بہت بڑے حصہ میں ایک ہی طرز کی حکومت۔ مشترک قانون اور سانجھی عدالتیں قائم ہونے سے ہندوستانیوں کے اتحاد اور میل جول کو بڑی تقویت پہنچی۔

علم و ادب اور فن تعمیر

سلاطین دہلی اور اس زمانے کے دوسرے مسلمان بادشاہ ہندوستانی علوم و ادب کی بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور ہندوؤں کے مذہب فلسفہ اور علوم سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ البیرونی نے اپنی کتاب "تحقیق الہند" میں ہندوؤں کے مذہب فلسفہ۔ ریاضی ہیئت وغیرہ پر پہلی بار تحقیقی بحثیں کیں۔ فیروز تغلق نے کئی سنسکرت کتابوں کے ترجمے فارسی زبان میں کروائے اور سکندر لودھی نے ویدک طریقۂ علاج پر سنسکرت زبان سے ایک کتاب فارسی میں ترجمہ کروائی۔ اس کے علاوہ کاغذ سازی۔ تیزابوں کا استعمال نئی دھاتوں کا کام اور مختلف قسم کی صنعتیں اور کیمیا دی طریقے رائج ہوئے۔

ہندوستانی زبانوں میں بنگالی ادب مسلمان بادشاہوں کی توجہ سے ترقی پانے لگا۔ جون پور کے بادشاہوں نے اودھی ادب کی سرپرستی اختیار کی اس زبان کا پہلا بڑا شاعر ملک محمد جائسی مصنف پدماوت ہو گذرا ہے۔ گجرات میں نرسنگھ مہتا پندرھویں صدی میں ایک با کمال شاعر ہو گذرا ہے۔ جسے گجرات کے حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ دکن میں یوسف شاہ عادل نے مرہٹی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے کر

اس کی ترقی کی راہیں کھول دی تھیں۔ اسی زمانے میں ہندی اور فارسی کے میل جول سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جسے اُردو کہتے ہیں۔ ہمارے متحدہ تمدن کی سب سے بڑی یادگار ہے۔ شروع شروع میں بیجاپور اور گولکنڈہ اُردو کے بڑے مرکز تھے اور کئی دکھنی بادشاہ خود اس زبان کے شاعر تھے اور اس زبان کے شاعروں اور ادیبوں کے سرپرست تھے۔

اس زمانہ میں ہندوستان میں فارسی زبان عام سرکاری زبان تھی اور اس کا ہر طرف چلن تھا فارسی میں امیر خسرو میر حسن سنجری اور بدر چاچ شاعر۔ منہاج السراج۔ ضیاء الدین برنی مورخ اور عین الملک ادیب بڑے پایہ کے مصنف ہو گزرے ہیں۔

مسلمان بادشاہوں کو عمارتیں اور یادگاریں بنوانے کا بڑا شوق تھا اس زمانے کی بنی ہوئی عمارتوں میں ہندو طرز تعمیر کی مضبوطی اور سجاوٹ اور اسلامی فن تعمیر کی خوبصورتی اور سادگی کا بڑا عمدہ امتزاج ملتا ہے اس دور میں سب سے پہلی اہم عمارت مسجد قوت الاسلام (واقعہ مہرولی نزد دہلی) ہے جس کا بانی سلطان قطب الدین ایبک تھا دوسری قابل تعریف یادگار قطب مینار ہے جو سلطان شمس الدین التمش نے اپنے مرشد حضرت پیران پیر خواجہ قطب الدین بختیارؒ کے نام پر بنوایا تھا اس کے پاس ہی سلطان علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا علائی دروازہ ہے جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ مانا جاتا ہے اس کے علاوہ جون پور کی اٹالہ مسجد۔ احمد آباد کی عمارتیں اور وجے نگر کے راجاؤں کے محل اور مندر بھی قابل دید ہیں یہی وجہ ہے کہ جب امیر تیمور ہندوستان سے لوٹا تو کئی ہندوستانی کاریگروں کو ہمراہ لے گیا تاکہ ہندوستان کی عمارتوں کی طرز کی عمارتیں سمرقند میں بھی بنوا سکے۔ اس کے علاوہ تغلق آباد دہلی کے کھنڈر اور کئی مسجدیں اور قلعے بھی اس زمانہ کے ہندوستانی کاریگروں کے فن کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ اور ہمارا اہم قومی ورثہ ہیں۔

لیکن اس تمدنی میل جول کی سب سے نمایاں جھلک ہمیں چودھویں

اور پندرھویں صدی کے مذہبی رجحانات میں ملتی ہے۔ جو اسلامی اور ہندوستانی تہذیب و تمدن اور مذہب کے میل جول کی سب سے عمدہ مثال ہے۔

اسلام کا اثر ہندوؤں پر

تیرھویں صدی کے وسط میں اسلامی دنیا پر منگولوں کی یورش شروع ہوئی۔ ان نیم وحشی حملہ آوروں نے ایک ایک کر کے وسط ایشیا اور ایران و عراق کی مسلمان ریاستوں کی اینٹ سے اینٹ بجانا شروع کی لیکن سلاطین دہلی کی دانشمندی اور حکمت عملی سے ہندوستان منگولوں کے سیلاب سے بہت حد تک بچا رہا۔ اس عرصے میں وسط ایشیا ایران اور عراق سے مذہبی بزرگ۔ صوفی۔ عالم۔ شاعر۔ ادیب اور تاجر جوق در جوق ہندوستان میں آ آ کر بسنے لگے۔ منگولوں کے مشترکہ خطرہ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لالے اور وطن کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے متحد ہونے میں بڑی مدد دی اور اس طرح اسلام اور ہندو تہذیب کا میل جول بڑھنے لگا۔

صوفی تحریک

سلاطین دہلی کے طفیل سیاسی اتحاد کی داغ بیل پڑ چکی تھی اب مسلمان صوفیوں نے اپنی پاک اور سادہ زندگی اور حسنِ اخلاق سے ہندوستانی سماج میں ایک خاموش مگر مؤثر انقلاب بپا کر دیا۔ یہ لوگ دنیا کے دھندوں سے آزاد شہروں کے باہر خانقاہیں بنا کر رہتے تھے۔ زیادہ وقت عبادت اور وعظ و نصیحت میں گزارتے تھے اور لوگ دور دور سے اُن کا فیض محبت حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ ہندو مسلمان سب اُن کی عزت کرتے تھے اور اُن کی نصیحتوں پر عمل کرنا نجات کا باعث سمجھتے تھے آج بھی ان بزرگوں کے مزار ہندو مسلمانوں کی زیارت گاہیں ہیں۔ ان صوفیوں کی بدولت ہی اسلام ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلا اور کئی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں مشہور صوفی حضرت علی بن عثمان ہجویری ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں رہنے لگے آپ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی

کتاب کشف المحجوب "صوفیاء تعلیم کی مشہور کتاب ہے آپ نے ۴۶۹ھ میں لاہور میں ہی وفات پائی اور آپ کا مزار بھی وہیں ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں ہندوستان کے صوفیوں کے سرتاج حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی یہاں تشریف لائے اور اجمیر میں ایک جھونپڑا بنا کر رہنے لگے۔ آپ کی پاکیزہ زندگی اور وعظ ونصیحت سے ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کی شہرت ایران وعراق تک پھیل گئی۔ آپ ۱۱۹۷ء میں اجمیر میں آئے اور یہیں ۱۲۳۶ء میں وفات پائی۔ شہنشاہ اکبر کو آپ سے اس قدر عقیدت تھی کہ وہ پیادہ پا آپ کے روضہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ کا مزار اور اس کی ملحقہ عمارتیں شاہانِ مغلیہ نے ہی بنوائی ہوئی ہیں۔ آپ کے مرید خاص حضرت پیران پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بھی اپنے زمانے کے مانے ہوئے بزرگ تھے۔ سلطان شمس الدین التمش آپ ہی کا مرید تھا اور اس نے آپ ہی کی یادگار کے طور پر قطب مینار تعمیر کروایا تھا آپ کا مزار قطب مینار سے کچھ دور مہرولی کے گاؤں میں واقع ہے اور ہندو مسلمان سب اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔

خواجہ قطب الدین بختیار کے مرید حضرت فرید الدین گنج شکر المعروف بابا فرید پنجاب کے مشہور بزرگ ہوئے ہیں آپ کی ریاضت اور عبادت کی مثال مشکل سے ہی ملتی ہے آپ کے پنجابی اشعار معرفت سے بھرے ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار پاک پٹن (مغربی پاکستان) میں واقع ہے آپ کے مرید حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بدایوں کے رہنے والے تھے آپ نے علم وفضل کی تکمیل کے بعد حضرت بابا فرید کے فیض سے بہت ہی بڑا روحانی مرتبہ حاصل کیا آپ نے دہلی کے باہر ایک خانقاہ بنائی اور عمر بھر کسی بادشاہ یا امیر کے گھر میں قدم نہ رکھا۔ آپ نے سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور آخر سلطان محمد تغلق کے عہد میں وفات پائی۔ آپ کا مزار بستی نظام الدین دہلی میں واقع ہے اور ہندو مسلمان سب یہاں نذر عقیدت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں آپ کے مریدوں میں فارسی کے مشہور شاعر حضرت امیر خسرو دہلوی بھی بڑے پایہ کے بزرگ تھے آپ کے دوسرے مشہور مرید حضرت میر حسن سنجری بھی بڑے عالم اور بزرگ تھے آپ نے حضرت نظام الدین اولیاء کے اقوال جمع کر کے ایک کتاب لکھی جو صوفیوں میں بہت مقبول ہے۔

ان بزرگوں کے طفیل اسلامی تعلیم ہندوستان میں عام ہوگئی۔ ان کے خلیفے ملک کے دور دراز حصوں تک گئے اور اپنے اپنے علاقوں میں اسلام کی تبلیغ میں لگ گئے۔ سلطان محمد تغلق کے عہد میں یہ لوگ دکن میں بھی پہنچے اور یہاں بھی مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ دکنی بزرگوں میں سب سے مشہور حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز ہوئے ہیں آپ کا مزار آندھرا پردیش میں گلبرگہ کے مقام پر واقع ہے۔
ان صوفی بزرگوں کے حسن اخلاق اور وعظ و نصیحت سے ہندو اور مسلمان بڑی محبت سے رہنے لگے۔ مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھی اور انہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنا کر یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کے خیالات کا ہندو سنت مہاتماؤں پر بھی اثر پڑا اور اس طرح اسلام اور ہندو دھرم کے دھارے بھگتی کی تحریک میں مل کر بہنے لگے۔

بھگتی مت

ابتدا ہی سے ہندوؤں میں ویدانتی لوگ موجود تھے جو اُپنشدوں کی تعلیم پر چلتے تھے۔ ان کے خیالات اور خدا کی عبادت کے تصور تقریباً وہی تھے جو مسلمان صوفیوں میں مقبول تھے۔ چنانچہ یہ اصول ہندوؤں کے لئے کوئی نئے نہ تھے البتہ مسلمان صوفیوں کی بدولت انہیں پھر تر و تازہ زندگی اور کئی لحاظ سے اسلامی تعلیم کا اثر حاصل کر کے یہ ویدانتی تحریک بھگتی مت کے روپ میں نمودار ہوئی۔

بھگتی مت کے اصول یہ تھے:۔ (۱) ظاہری اعمال مثلاً مالا پھیرنا۔ برت رکھنا تیرتھ یاترا کرنا کی بجائے سچی بھگتی کرنے اور خدا کی مہربانی کے اُمیدوار رہ کر اُس کی معرفت حاصل کرنا (۲) گرو یا مرشد کو خدا کا مظہر مان کر اُس کی سیوا من سے کرنا (۳) بت پرستی، ذات پات، دھرم کرم اور برہمنوں کی نسلی برتری کے دعووں کو فضول اور بُرا سمجھنا (۴) ہر چھوٹے بڑے اونچے نیچے امیر غریب انسان کو بحیثیت انسان ایک جیسا ماننا (۵) خدا کو ایک ماننا۔ رام رحیم۔ دیوی۔ شیو۔ وشنو سب کو اُسی ایک خدا کے روپ تسلیم کرنا۔

چودھویں اور پندرھویں صدی میں اس تعلیم کو ہندوؤں میں مقبول کرنے کے لئے بھگت کبیر۔ گورو نانک دیوجی مہاراج۔ چیتنیہ مہا پربھو اور کئی اور سنت مہاتماؤں نے جی بھر کر کوشش کی اور اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کیلئے بڑا کام کیا۔

بھگت کبیر

کبیر رامانج کے چیلے تھے آپ نے ایک مسلمان جولاہے کے گھر میں

پرورش پائی تھی شروع سے ہی آپ مورتی پوجا کے سخت خلاف تھے۔ خدا نے آپ کو رسیلی زبان دے رکھی۔ آپ کی بانی سنتے ہی لوگ آپ کی طرف کھنچے آتے تھے آپ ذات پات کے بھی سخت خلاف تھے اور سب انسانوں کو برابر مانتے تھے آپ سب مذہبوں کے اتحاد کے علمبردار تھے اور رام اور رحیم۔ قران اور پوران۔ وید اور کتاب اور مکہ کاشی میں کوئی فرق نہ سمجھتے تھے آپ کے پیرو کبیر پنتھی کہلاتے ہیں اور مدھیہ پردیش گجرات اور دکن میں ان کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

گورو نانک دیو جی مہاراج آپ سکھ مت کے بانی ہو گئے ہیں۔ آپ پندرہویں صدی میں ننکانہ صاحب (ضلع شیخوپورہ مغربی پاکستان) میں ایک کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ شروع سے ہی آپ کا دل خدا کی عبادت سے معمور تھا۔ آپ ایک خدا کی بھگتی پر بہت زور دیتے تھے اور ذات پات بت پرستی اور توہم پرستی کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بہت کوشش کی۔ آپ کے پیرو نانک پنتھی بھی ہیں اور سکھ بھی۔ آپ نے ۱۵۳۸ء میں کرتارپور (ضلع جالندھر پنجاب) میں وفات پائی۔ آپ کی ہر دلعزیزی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آج بھی مسلمان آپ کو مسلمان اور ہندو آپ کو ہندو سمجھتے ہیں۔ گورو نانک دیو جی مغل بادشاہ ظہیرالدین محمد بابر کے ہمعصر تھے

چیتنہ مہاپربھو ۱۴۸۵ء میں آپ کا جنم بنگال کے شہر ندیا میں ہوا۔ آپ ویشنو مت میں یقین رکھتے تھے اور سری کرشن بھگوان سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اور راگ رنگ کے ذریعہ بھگوان کی بھگتی کرنے کو ذریعہ نجات مانتے تھے۔ آپ کے پیرو بنگال اور پنجاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کے پیروؤں میں ہر ذات کے لوگ حتیٰ کہ کئی ایک مسلمان بھی شامل تھے۔ آپ نے ۱۵۳۳ء میں وفات پائی۔

EXERCISE.

1. What do you know about the cultural synthesis under the Sultans of Delhi.
2. What do you understand by Bhakti movement? Mention the names of chief reformers and write a note on any of them. (J & K. T. 1960)

حصہ سوم

باب اوّل

(الف) سلطنت مغلیہ کا آغاز

سولھویں صدی کے شروع میں ہندوستان کی سیاسی حالت نہایت خراب ہو چکی تھی ملک میں جا بجا چھوٹے چھوٹے راجواڑے اور حکومتیں قایم ہو چکی تھیں اور ملکی اور قومی اتحاد کا شیرازہ پوری طرح بکھر چکا تھا۔ دراصل اس سیاسی ابتری کا آغاز تغلق خاندان کے زوال کے ساتھ ہی شروع ہو چکا تھا امیر تیمور کے حملے کے بعد سلطنت دہلی پھر اپنی ساکھ اور مرکزی حیثیت قائم نہ کر سکی۔ اس زمانے میں ہندوستان کی خاص خاص مملکتیں یہ تھیں :-

(۱) شمالی ہندوستان میں کشمیر میں ۱۳۴۶ء سے سلطان شمس الدین شہمیر کے خاندان کی خود مختار حکومت قایم تھی۔ اس خاندان میں سلطان شہاب الدین (۱۳۵۹ء – ۷۸) ایک نہایت مدبّر اور بہادر بادشاہ تھا اُس نے کشمیر کی سلطنت کی حدیں پنجاب اور سندھ تک پھیلا دی تھیں۔ ۱۳۹۳ء سے ۱۴۱۶ء تک کشمیر پر سلطان سکندر کی حکومت تھی۔ سلطان سکندر بڑا پکا مسلمان اور علم و فضل کا سرپرست تھا چنانچہ اُس کی سخاوت اور علم پروری کی شہرت سُن کر عراق و ایران سے عالم صوفی اور کاریگر جوق در جوق کشمیر آنے شروع ہوئے۔ اسی سلطان کا بیٹا سلطان زین العابدین تھا جس کی انصاف پروری۔ رواداری۔ علم و ہنر کی سرپرستی۔ ملکی ترقی اور رعایا نوازی پر کشمیر آج تک ناز کرتا ہے اس سلطان نے ۱۴۷۰ء میں وفات پائی اس کے بعد شہمیری خاندان کا زوال شروع ہوگیا اور سولھویں صدی میں گو کشمیر نام کو خود مختار تھا لیکن اس کی طاقت۔ عظمت اور قومی اتحاد کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں سلطان اپنے وزیروں امیروں کے ہاتھوں میں کٹھ پُتلی بن چکے تھے اور لوگ ظلم و ستم اور فساد کا شکار ہو چکے تھے۔

(۲) پنجاب برائے نام طور پر لودھی سلطنت میں شامل اور دہلی کی مرکزی حکومت کے ماتحت تھا لیکن یہاں کے افغان صوبیدار خاص طور پر دولت خان لودھی اپنے آپ کو سلطان دہلی سے کسی طرح کم نہ سمجھتا تھا اور سلطان ابراہیم لودھی والئے سلطنت کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا۔

(۳) دہلی اور آگرہ میں سلطان ابراہیم لودھی حکمران تھا۔ دوآبہ۔ جونپور کی مشرقی سلطنت کے علاقے اور بہار لودھی سلطنت میں شامل ہو چکے تھے لیکن مقامی سردار اور حاکم سرکش تھے اور سلطان کے ساتھ ان کے تعلقات کشیدہ رہتے تھے۔ سلطان ابراہیم لودھی کی کمزوری کا سب سے بڑا باعث یہی تھا۔

(۴) مالوہ میں چودھویں صدی سے دلاور خان غوری کے خاندان کی حکومت،

تھی۔ سن ۱۴۰۶ء میں ہوشنگ شاہ اپنے باپ دلاور خان غوری کو قتل کرکے خود تخت پر بیٹھا اور گجرات کے سلطان مظفر شاہ اول سے لڑتا بھڑتا رہا اور اوڑیسہ پر بھی حملہ آور ہوا۔ ۱۴۳۵ء میں اُس کی وفات کے بعد خلجیوں نے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس خاندان کا سب سے بڑا سلطان محمود خلجی اول ۱۴۳۶ء سے ۱۴۶۹ء تک حکومت کرتا رہا۔ اُس نے میواڑ کے رانا کمبھا اور بہمنی سلطنت کے خلاف کئی جنگیں لڑیں اور ناموری پائی۔ اس خاندان کا آخری حکمران محمود خلجی ثانی ۱۵۱۰ سے ۱۵۳۱ء تک حکومت کرتا رہا یہ سلطان بڑا کمزور اور نکما تھا اور اپنے راجپوت سرداروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ بالآخر ۱۵۳۱ء میں بہادر شاہ سلطان گجرات نے مالوہ فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

(۵) گجرات۔ سلطنت دہلی کے کھنڈروں پر قایم شدہ سلطنتوں میں گجرات کی مالدار ریاست سب سے اہم تھی۔ یہاں ۱۳۹۶ء میں ایک ہندوستانی مسلمان ظفر خاں نے اپنی خود مختار حکومت کی اور مظفر شاہ کا لقب اختیار کرکے حکومت کرنے لگا۔ اس کے پوتے احمد شاہ نے احمد آباد کے شہر کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کا سب سے مشہور حکمران سلطان محمود بیگرہ (۱۴۵۸ء تا ۱۵۱۱ء) تھا۔ اس کے عہد میں گجرات کی مملکت اپنے پورے جوبن پر آچکی تھی اسی کے عہد میں دیو کے مقام پر پرتگیزوں نے ایک بستی بسائی تھی جو آج تک اُن کے قبضے میں ہے اس کے بعد سلطان مظفر شاہ ثانی نے راجپوتوں کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑیں۔ آخر ۱۵۲۶ء میں اس خاندان کے آخری حکمران سلطان بہادر شاہ نے عنان حکومت سنبھالی۔ اسے ایک طرف راجپوتوں اور دوسری طرف مالوہ کے خلجیوں سے کئی بار لڑنا پڑا۔ بالآخر ہمایوں کے عہد میں بہادر شاہ نے میواڑ پر حملہ کرکے راجپوتوں کے اس گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مالوہ کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے عہد کے آخر میں ہمایوں نے حملہ کرکے گجرات کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا۔

لیکن شیر شاہ کی جنگی تیاریوں کی خبر پاکر ہمایوں کو لوٹنا پڑا۔ ۱۵۳۷ء میں پرتگیز یولں نے دھوکے سے بہادر شاہ کو سمندر میں ڈبا کر مار دیا۔ اس کے بعد گجرات میں کوئی نامور حکمران نہ ہوا اور بالآخر ۱۵۷۲ء میں اکبر نے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

۶۔ راجپوتانہ۔ اس علاقے میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ ان میں میواڑ جودھپور، بیکانیر اور امبیر (جے پور) کی ریاستیں زیادہ مشہور تھیں میواڑ سب راجپوت ریاستوں میں ممتاز ریاست تھی۔ یہاں گہلات یا سسودیا خاندان حکمران تھا۔ پندرھویں صدی میں یہاں مشہور راجہ کمبھا (۱۴۳۳ - ۱۴۶۸ء) راج کرتا تھا۔ وہ خود عالم اور عالموں کا قدردان تھا اور طاقت اور بہادری میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا اسی کے خاندان سے رانا سنگرام سنگھ میواڑ پر ۱۵۰۹ سے ۱۵۲۸ء تک حکمران رہا وہ عام طور پر رانا سانگا کے نام سے مشہور ہے۔ رانا سانگا کئی لڑائیاں لڑ چکا تھا اور ان میں ایک ٹانگ اور ایک آنکھ بھی کھو بیٹھا تھا۔ رانا سانگا نے محمود خلجی ثانی والئے مالوہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا مگر بعد میں اُسے رہا کر دیا۔ رانا سانگا سلطان ابراہیم کی آنکھوں میں بھی کھٹکتا تھا۔ سلطان نے اُسکے خلاف ایک مہم بھی بھیجی تھی لیکن یہ رانا سانگا کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکی۔ رانا سانگا نے بابر کو سلطنت دہلی پر حملہ کی ترغیب دی لیکن بعد میں جب بابر چاروں طرف ملک گیری کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا تو رانا سانگا مقابلے پر ڈٹ گیا لیکن آخر ۱۵۲۷ء میں کنواہہ کی لڑائی میں شکست کھا گیا۔

جودھپور اور بیکانیر میں راٹھور اور امبیر میں کچھواہہ راجپوت خاندان حکمران تھے لیکن سولھویں صدی تک یہ سب میواڑ کے جھنڈے تلے ہی جمع ہوتے تھے بعد میں مغلیہ خاندان سے رشتہ جوڑ کر سترھویں صدی تک ان کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا۔

۷۔ بنگال۔ سولھویں صدی کے آغاز میں سلطان حسین شاہ نے بنگال میں اپنی حکومت قائم کی اور ۱۴۹۳ سے ۱۵۱۹ تک حکمران رہا۔ اس

نے آسام اور اوڑیسہ میں لڑائیاں لڑیں ملک میں امن و امان قایم کیا اور اپنے حسن سلوک سے ہندو رعایا کا دل موہ لیا۔ اس کی سخاوت اور علم پروری مشہور ہے اُس کے بعد اس کا بیٹا نصرت شاہ تخت پر بیٹھا اور ۱۵۳۲ء تک بڑی کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔ اُس نے بہادر شاہ سلطان گجرات سے سیاسی تعلقات قایم کئے۔ ترہٹ فتح کیا اور علم و ہنر کی سرپرستی اختیار کی۔ اُس کا بیٹا غیاث الدین محمد شاہ ۱۵۳۳ سے ۱۵۳۸ء تک حکمران رہا بالآخر سلطان شیر شاہ سوری نے بنگال فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

۸- دکنی ریاستیں۔ شمالی ہند کی طرح دکن میں بھی کئی چھوٹی بڑی ریاستیں تھیں جو بالکل آزاد اور خود مختار تھیں۔

(الف) بہمنی سلطنت

سلطان محمد تغلق کے عہد میں دکن میں سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ نے سلطنت بہمنی کی بنیاد رکھی اور یہ سلطنت ۱۳۴۷ سے ۱۵۲۶ تک قایم رہی۔ ۱۴۸۲ء تک اس سلطنت کے عروج کا زمانہ ہے اس زمانہ میں اس سلطنت کا وجیانگر کے زبردست حکمرانوں سے مقابلہ رہا اور ہر میدان میں کامیابی بہمنی بادشاہوں کے قدم چومتی رہی۔ ۱۴۸۲ء کے بعد سلطنت میں سرداروں کا عمل دخل بڑھتا گیا اور آخرکار بہمنی سلطنت پانچ سلطنتوں میں بٹ گئی جن کے نام یہ ہیں :- (۱) عادل شاہی بیجاپور (۲) نظام شاہی احمد نگر (۳) عماد شاہی برار (۴) برید شاہی بیدر (۵) قطب شاہی گولکنڈہ۔

۱۵۷۵ء میں عماد شاہی اور نظام شاہی سلطنتیں مدغم ہو گئیں بیدر کی ریاست ۱۶۰۹ تک قایم رہی۔ احمد نگر گولکنڈہ اور بیجاپور شاہجہان اور اورنگ زیب کے عہد میں سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گئیں۔

بہمنی سلطان علم و ہنر کے بڑے دلدادہ اور سرپرست تھے اُن کی فیاضی کی شہرت سُن سُن کر ایران و عراق سے اہل علم۔ شاعر۔ کاریگر۔ اور قسمت آزما بہادر جوق در جوق آتے رہے اور بہمنی سلطانوں

سے حسب مراتب انعام اور منصب پاتے رہے۔ بہمنی خاندان نے دکنی ہندی یعنی اردو زبان اور مرہٹی کی سرپرستی بھی اختیار کی صوفیوں درویشوں اور سنتوں نے ان دونوں زبانوں کی خدمت میں بڑا حصہ لیا۔

(ب) بیجے نگر یا وجیا نگر

دکن میں تلنگانہ کی تلنگڈی کے سردار ہری ہر اور اس کے بھائی بکا نے ۱۳۳۶ء میں بیجے نگر میں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ہوتے ہوتے سب دکنی راجاؤں نے اس سلطنت کی باجگذاری تسلیم کر لی اور ہوتے ہوتے دریائے تنگ بھدرا سے لے کر ساحل سمندر تک سارے جنوبی جزیرہ نما پر بیجے نگر کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اس خاندان کا مشہور راجہ دیو رائے ثانی ۱۴۲۱ سے ۱۴۴۸ء تک حکمران رہا۔ اس نے مسلمان تیر اندازوں کے دستے بھرتی کر رکھے تھے اور ان کی راجہ بڑی خاطر کرتا تھا۔ اسی راجہ کے عہد میں عبدالرزاق سمرقندی بیجے نگر آیا اور اپنے سفرنامہ میں وہاں کی شان و شوکت کا آنکھوں دیکھا حال لکھا اٹلی کا سیاح کونٹی بھی انہی دنوں بیجے نگر سے گذرا تھا۔ دیو رائے ثانی کے بعد ۱۵۰۵ء میں بیجے نگر میں ایک نئے خاندان کا عروج ہوا۔ اس خاندان کا سب سے مشہور راجہ کرشن دیو رائے تھا۔ اسی راجہ کے عہد میں گوا پر پرتگیزوں نے قبضہ جمایا تھا۔ کرشن دیو رائے نے رائچور کے دوآبہ پر تسلط بٹھایا اور ۱۵۳۰ء میں انتقال کر گیا۔ اس راجہ کے مرتے ہی بیجے نگر کا زوال شروع ہو گیا بالآخر اس خاندان کے آخری راجہ سدا شو رائے نے ۱۵۶۵ء میں حماقت کی وجہ سے پڑوسی بہمنی ریاستوں پر حملہ کر دیا اور سب نے مل کر تلی کوٹ کے مقام پر سدا شو رائے کو شکست فاش دی جان گھمسان کا رن پڑا کہ بیجے نگر کا سپہ سالار بھی میدان جنگ سے جان بچا کر نکل سکا۔ سدا شو رائے جنوبی علاقوں میں جا چھپا اور اس عظیم سلطنت کا مکمل خاتمہ ہو گیا؛

INDIA IN 1525

KASHMIR
DELHI SULTANATE
Lahore
Multan
MULTAN
Panipat
Delhi
SINDH
RAJAPUTANA
Agra
Ajmere
Ranthambor
Marwar
Gwalior
JAUNPUR
Prayaga
Patna
BEHAR
Gaur
Chanderi
MALWA
Damoh
Jabalpur
Ahmadabad
GUJERAT
Ujjain
Mandu
BENGAL
Diu
KHANDESH
Ellichpur
Ratanpur
GONDWANA
BERAR
AHMADNAGAR
Ahmadnagar
Choul
Dabul
BIDAR
Bidar
Kulburga
Warangal
Golkonda
GOLKONDA
Bijapur
BIJAPUR
Rajamahendri
Raichur
Mudgal
Goa
Vijayanagar
ARABIAN SEA
BAY OF BENGAL
Bhatkal
VIJAYANAGAR
Mysore
Seringapatam
Cannanore
Calicut
Cochin
Quilon

بابر کی زندگی کے حالات

ظہیر الدین محمد بابر باپ کی طرف سے امیر تیمور اور ماں کی طرف سے مشہور فاتح چنگیز خان کی اولاد سے تھا وہ ۲۴ فروری ۱۴۸۳ء میں وسط ایشیا کی موجودہ روسی جمہوریت تاجکستان کے شہر فرغانہ میں پیدا ہوا اُس کا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ کا فرماں روا تھا۔ بابر ۱۲ برس کا ہی تھا کہ اُس کا باپ اس دنیا سے چل بسا اور بابر تخت پر بیٹھا۔ اُس کی تمنا تھی کہ وہ اپنے بزرگ امیر تیمور کے دار الحکومت سمرقند کو فتح کرے لیکن وہ چاروں طرفوں سے دشمنوں سے گھرا ہوا تھا اُس نے دو بار سمرقند فتح کیا لیکن پورا قبضہ جمانے میں ناکام رہا۔ آخر اُزبک سردار شیبانی خاں نے بابر کو وسط ایشیا سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ بڑی کٹھن منزلیں کاٹ کر اور طرح طرح کی مصیبتیں جھیل کر بابر افغانستان پہنچا اور خوش قسمتی سمجھئے کہ بغیر کسی خاص مقابلے کے کابل غزنی اور ان کے آس پاس کے علاقوں پر بابر کا قبضہ ہو گیا اور بابر نے بادشاہ کا لقب اختیار کر کے حکومت سنبھالی اور ایک بار پھر سمرقند فتح کرنے کے لئے وسط ایشیا میں آدھمکا۔ مگر اُزبکوں کے سامنے اُس کی کچھ پیش نہ گئی۔ اب بابر نے اپنی طاقت کو بڑھانا شروع کیا اور ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا تاکہ اس ملک کو فتح کر کے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھے۔

بابر کی ہندوستانی جنگوں کا آغاز ۱۵۱۹ء میں بھیرہ (مغربی پاکستان) کی فتح سے ہوا لیکن اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا ۱۵۲۰ء میں بابر نے بدخشاں اور پھر قندھار پر اپنا پورا تسلط جمایا اور اب پھر ہندوستان

کا رُخ کرنے کی سوچنے لگا یہاں سلطان ابراہیم لودھی کی حکومت کی کمزوری سرداروں کی نا اتفاقی اور ملک کی نا اتفاقی بابر کو بہترین موقعہ پیش کر رہے تھے ۱۵۲۴ء میں دولت خاں حاکم پنجاب نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دی۔ بابر نے لشکر کشی کی اور لاہور پر قابض ہو گیا دولت خاں لودھی کو اب اپنے کئے پر پچھتاوا آیا اور اُس نے بابر کی رفاقت سے منہ موڑ لیا۔ بابر نے سلطان ابراہیم لودھی کے چچا عالم خاں کو ساتھ لیا اور اُسے دیپالپور کا حاکم بنا کر خود کابل واپس چلا گیا۔

پانی پت کی پہلی لڑائی
۱۵۲۶ء

اس لڑائی کی اہم وجہ بابر کی ملک گیری کی ہوس اور ہندوستان کی سیاسی نا اتفاقی تھی۔ بابر دہلی کو اپنے باپ دادا کا ورثہ سمجھتا تھا چونکہ امیر تیمور نے دہلی فتح کی ہوئی تھی۔ اس لئے بابر نے دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ ادھر رانا سانگا اور افغان سرداروں نے ابراہیم لودھی کے خلاف بابر سے ساز باز شروع کر دی تھی۔ بابر موقعہ کی انتظار میں تھا۔ ۱۵۲۵ء میں دولت خاں لودھی نے عالم خاں حاکم دیپالپور کو بھگا دیا۔ نومبر میں بابر بارہ ہزار چیدہ سپاہیوں کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوا۔ دولت خاں لودھی کے پاس چالیس ہزار سپاہیوں کی فوج تھی اور سلطنت دہلی سے بھی اُسے کمک پہنچ سکتی تھی لیکن پھر بھی اُسے بابر کے مقابلہ کی ہمت نہ پڑی اور اُس نے گڑ گڑا کر بابر سے معافی مانگ لی۔ اب بابر دہلی کی طرف بڑھنے لگا اُدھر سے سلطان ابراہیم لودھی بھی ایک لاکھ سے زیادہ فوج کے ہمراہ مقابلہ کے لئے بڑھا اور ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء میں دونوں فوجوں کا پانی پت کے تاریخی میدان میں مقابلہ ہوا جس میں سلطان ابراہیم لودھی شکست کھا کر مارا گیا اور بابر کا دہلی اور آگرہ پر قبضہ ہو گیا۔ ۲۷ اپریل کے دن دہلی کی جامع مسجد میں ظہیر الدین بابر کے نام سے خطبہ پڑھا گیا اور اس کی بادشاہی کا اعلان ہو گیا۔

پانی پت کی لڑائی دنیا کی تاریخ میں ایک مشہور معرکے کے طور پر

یاد کی جاتی ہے۔ اس لڑائی سے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی داغ بیل پڑی اور ہندوستان کی تاریخ میں سب سے درخشاں باب کا اضافہ ہوا۔ ملک میں اتحاد اور سیاسی یک جہتی۔ مشترکہ قوانین اور علامتیں۔ مشترکہ تمدن فن مصوری فن تعمیر اور ہندو مسلمانوں کے میل جول سے ایک نئی قومیت کی بنیاد پڑی۔

پانی پت کی فتح کے بعد بابر نے ہندوستان میں اپنی سلطنت قایم کرنے کا منصوبہ پکا کر لیا لیکن اسے آخری صورت دینے میں کئی مشکلات اُس کی راہ میں حائل تھیں۔ پانی پت کی لڑائی سے بابر کا کام ختم نہیں بلکہ شروع ہوتا ہے یہ اُس کی منزل مقصود کی طرف پہلا قدم تھا۔ بابر چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا تھا خود اُس کے اپنے ساتھی سپاہی کابل لوٹ جانا چاہتے تھے۔ لودھی اور دوسرے افغان سردار در رانا سانگا اور دوسرے راجپوت سردار یہی سمجھتے تھے کہ بابر سلطان محمود غزنوی یا امیر تیمور کی طرح لوٹ مار کرکے اور ہندوستان کی دولت سمیٹ کر اپنی راہ لیگا۔ لیکن جب انہوں نے بابر کے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو وہ بھی اُس کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔

آگرہ اور دہلی پر قبضہ کے بعد شہزادہ ہمایوں نے جون پور اور غازی پر بھی قبضہ کر لیا اور فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا کالپی کے راستے سے آگرے لوٹا۔ اب بابر کو راجپوتوں اور افغانوں کے مقابلہ کے لئے کمر ہمت باندھنی پڑی۔

کنواہا کی لڑائی ۱۵۲۷ء

راجپوتوں کا سب سے بڑا گڑھ میواڑ تھا۔ یہاں رانا سنگرام سنگھ یا رانا سانگا حکمران تھا اس نے میواڑ کے آس پاس کے علاقے فتح کرکے میواڑ کی مملکت کو کافی وسیع کر رکھا تھا اُس کی خاندانی شرافت اور ذاتی شجاعت نے اس کی شہرت دور دُور تک پھیلا رکھی تھی اور عام طور پر راجپوت قبیلے اُسے اپنا سردار اعلیٰ تسلیم کرتے تھے۔ چندیری کا راجہ میدنی رائے اور میوات کا حاکم حسن بھی خان میواتی اُس کے زبردست حلیف تھے جب رانا سانگا نے دیکھا کہ بابر

ہندوستان میں مستقل قیام اور سلطنت کی بنیاد ڈالنے کا ارادہ کر چکا ہے تو اُس نے اپنے سب سرداروں دوستوں اور حلیفوں کو اس مشترک خطرے کے مقابلہ کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع ہونے کی دعوت دی چنانچہ مارواڑ۔ گوالیار۔ اجمیر۔ چندیری کے راجپوت سردار بچے کھچے لودھی اور حسن علی خان میواتی رانا سانگا سے آملے اور ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوؤں کی متحدہ فوج وطن کی حفاظت کے لئے مارنے مرنے پر تیار ہو کر آگرہ کی طرف بڑھنے لگی۔ اُدھر بابر نے جب ہندوستانیوں کے اس عزم و استقلال کا حال سنا تو اُس کا دل دہل گیا۔ اب اُس نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے مذہب کے نام پر اپیل کی اور خود شراب نوشی سے توبہ کر کے سب سے قرآن شریف پر عہد لیا کہ وہ میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھائیں گے بالآخر ۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء کو آگرہ سے کچھ دُور کنواہا کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ راجپوت اور میواتی مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے۔ حسن علی خان مردانہ وار عزت وطن پر کٹ مرا۔ لیکن بابر کے تجربے ہوئے سپاہیوں کے سامنے ہندوستانی فوجوں کے قدم اکھڑ گئے۔ رانا سانگا میدان سے بھاگ نکلا۔ ہزاروں سپاہی میدان میں کام آئے اور فتح و نصرت نے بابر کے قدم چومے۔ بابر نے اس فتح کی یاد میں سپاہیوں کی لاشوں کے سر کاٹ کر کھوپڑیوں کا ایک مینار بنوایا اور خود غازی کا لقب اختیار کیا اس لڑائی نے ہندوستان کی بادشاہی بابر کے قدموں میں لا رکھی اور اب اس نے چندیری کا رخ کیا۔ راجہ میدنی راؤ نے مقابلہ کی تیاری کی۔ راجپوت عورتوں نے جوہر کی رسم ادا کر کے بے آبروئی پر موت کو ترجیح دی اور راجپوت سر بکف میدان میں آن آئے لیکن بابر کے سامنے اُن کی کچھ پیش نہ گئی۔

گھاگرا کی لڑائی ۱۵۲۹ء

بغربی سرداروں کی اس ناکامی کے بعد سلطان ابراہیم لودھی کے بھائی محمود لودھی نے اب مشرقی صوبوں کا رُخ کیا اور افغان سرداروں اور نصرت شاہ والئے بنگال کی رو سے ایک لاکھ فوج تیار کر کے بابر

کو پھر للکارا۔ افغان فوج نے جون پور پر قبضہ کر لیا لیکن بابر کی فوجوں نے انہیں دم نہ لینے دیا۔ اب افغان مشرق میں اودھ اور بہار پر قابض ہوکر اپنی طاقت بڑھانے لگے اور قلعہ چنار میں بابر کی فوج کے ایک حصہ کا محاصرہ کر لیا۔ بابر اپنی پوری قوت سے افغانوں پر حملہ آور ہوا اور دریائے گنگا و دریائے گھاگرا کے سنگم پر بڑی شدید لڑائی ہوئی۔ آخر افغانوں کو شکست ہوئی۔ نصرت شاہ والئے بنگال نے دوستی کا وعدہ کرکے امان پائی اور بابر سلطنت دہلی پر پوری طرح قابض ہوگیا۔ پانی پت کی لڑائی سے جو کام شروع ہوا تھا۔ گھاگرا کی لڑائی نے اس کی پوری تکمیل کر دی۔

کوئی ایک سال بعد ۱۵۳۰ء میں بابر چند روز بیمار رہ کر اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

بابر کی کامیابی کی وجوہات

ہندوستان کی لڑائیوں میں بابر کی فتوحات کی کئی وجوہات تھیں ان میں چند ایک قابل ذکر ہیں :-

(۱) ہندوستان میں کوئی مستحکم مرکزی حکومت نہ تھی۔ سارے ملک میں گھر گھر راج کا دور دورہ تھا خود سلطنت دہلی میں افغان سردار ایک دوسرے کے مخالف اور سلطان دہلی سے حسد و بغض رکھتے تھے

(۲) ہندوستانی حاکموں اور راجاؤں کی غداری سے بھی ہندوستان کو سخت نقصان پہنچا۔ چنانچہ دولت خان لودھی اور رانا سانگا نے بابر کو دعوت دے کر ہندوستان پر حملہ کروایا اور اس طرح ملک کی یک جہتی کو دھکا لگایا گو بعد میں انہیں اپنی غلطی کا مزہ چکھنا پڑا۔

(۳) ہندوستانی فوجوں میں اتحاد اور جذبے کی کمی تھی اُن کا سامان جنگ اور جنگی طریقے دقیانوسی تھے

(۴) بابر کے ذاتی عزم و استقلال۔ بہادری۔ جنگی تجربہ اور رہنمائی کے جوہر نے اسے اپنے مدمقابل دشمنوں سے ممتاز کر رکھا تھا۔

(۵) بابر کے جنگی طریقے اور آتشی اسلحہ جات نے اُسے ہندوستانیوں پر

فوقیت دے رکھی تھی۔

(۴) سب سے بڑھ کر یہ کہ بابر کی فوج پوری طرح متحد اور جوش و جذبے سے سرشار تھی اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں اُتری تھی۔

ان وجوہات کے باعث بابر ہر میدان میں فتح یاب ہوا اور ہندوستان میں اپنی سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوا۔

بابر کی سیرت اور کارناموں پر ایک نظر

بابر یوں تو سلطنت مغلیہ کا پہلا بادشاہ تھا اور ایک فاتح کی حیثیت سے اس سلطنت کا بانی مانا جاتا ہے لیکن کسی ملک پر بزور قبضہ جما لینا ہی ہے ایک سلطنت کے قیام کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ درحقیقت سلطنت کی اصلی بنیاد نظام سلطنت قائم کرنے سے پڑتی ہے۔ بابر نے پانچ برسوں میں مالوہ سے بنگال اور وسط ہند سے اٹک تک کا علاقہ فتح کیا لیکن قدرت نے اُسے یہاں ایک مستحکم نظام حکومت قائم کرنے کی مہلت نہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ سلطنت مغلیہ کا پودا تو اُس نے لگا دیا لیکن یہ جڑ پکڑ پھولنے پھلنے کے قابل نہ ہوا اُس کے جانشین نصیر الدین محمد ہمایوں کی شکست اور بربادی کی یہ ایک بڑی وجہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بابر کی بجائے جلال الدین محمد اکبر کو ہی سمجھا جاتا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیئے کہ بابر کسی معمولی حیثیت کا بادشاہ تھا۔ اُس کا نام دنیا کے عظیم فاتحوں اور شہنشاہوں میں شمار ہوتا ہے اُس کا عزم و استقلال بے مثل ہے وہ پے در پے ناکامیوں کے بعد اُٹھا اور ان کو عظیم الشان کامیابیوں میں بدل کر کابل اور دہلی کی سلطنت کا مالک بن گیا۔ یہی ایک کارنامہ اُس کے نام کو زندہ جاوید کرنے کے لئے کافی تھا۔

بابر کی ساری زندگی جنگ و جدل میں گذری تھی؛ وہ ایک تجربہ کار جرنیل بہادر اور نڈر سپاہی اور آہنی ارادے کا فاتح تھا۔ جنگ پانی پت اور جنگ کنواہا میں اس کی فتوحات اُس کی جنگی قابلیت اور شجاعت کی



HUMAYUN (1530-40, 1555-6) AND BABUR (1526-30)

عمدہ مثالیں ہیں۔

بابر اپنے ماتحت افسروں اور سپاہیوں کا سچا رفیق اور ہمدرد تھا اور وہ بھی اُس پر جان چھڑکتے تھے اور تنگی و خوش حالی میں اُس کے دم کے ساتھ دم بھرتے تھے بابر کا سلوک دشمنوں سے بھی بڑی شرافت اور مروت کا رہتا تھا وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بڑی مہربانی برتتا اور اگر اُن سے کوئی خطا بھی ہوتی تو درگذر کرتا تھا۔

بابر کو مناظر قدرت اور حسن و خوبصورتی سے بڑا لگاؤ تھا۔ وہ شاعر بھی تھا اور نثر نگار بھی۔ اُسے رنگا رنگ بزم آرائیاں بہت پسند تھیں اور جنگ کنواہہ سے پہلے شراب نوشی کا بھی شوقین تھا۔

بابر کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ اُس کی خود نوشت آپ بیتی یعنی "تزک بابری" ہے۔ اس کا انداز بیان۔ حق گوئی۔ مردم شناسی کی مثالیں سماجی اور اقتصادی حالات مناظر قدرت کی نقشہ کشی سب نے اس تزک کو ایک بے مثل خود نوشت سوانح عمری کا درجہ دیا ہے اور دنیا کے خود نوشت سوانح عمری نویسوں میں بابر کو ایک نہایت ممتاز درجہ حاصل ہے۔ یہ کتاب ترکی زبان میں تھی شہنشاہ اکبر کے عہد میں ہندی کے عظیم شاعر اور مشہور عالم و سیاست دان عبدالرحیم خان خاناں نے اسے فارسی کا جامہ پہنایا اور بعد میں اس کا کئی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

غرضیکہ ہر لحاظ سے ظہیرالدین محمد بابر ایک ممتاز شخصیت کا مالک تھا۔ اُس کے ذاتی اوصاف اُس کی عظمت کی دلیل ہیں۔ اُس کی ساری زندگی مسلسل جد و جہد اور حصول مقصد کے لئے دوڑ دھوپ کا ایک شاندار مرقع ہے یہی وجہ ہے کہ بابر کو تاریخ میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

نصیر الدین محمد ہمایوں

۱۵۳۰ — ۱۵۴۰ء
و
۱۵۵۵ تا ۱۵۵۶ء

بابر کی وفات کے بعد اُس کا بڑا بیٹا اور ولی عہد نصیر الدین محمد ہمایوں کے لقب سے تخت پر بیٹھا لیکن یہ تخت نشینی اُس کے لئے پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا تاج ثابت ہوئی۔ مصیبتیں اور ناکامیاں اُسے ورثے میں ملی تھیں۔ ہمایوں کئی معرکوں میں نام پا چکا تھا۔ بڑا بہادر اور تجربہ کار جرنیل تھا۔ علم و فن سے ہر طرح آراستہ تھا لیکن اُس کے باوجود سونا بھی اُس کے ہاتھ میں آکر مٹی ہو جاتا تھا۔ اُس کی ناکامی میں اُس کی سہل انگاری اور عیش و عشرت سے زیادہ قسمت کا ہاتھ تھا۔ اُس کی بدقسمتی اُس کی مشکلات کی صورت میں نمودار ہوئی۔ ایک طرف اُس کے غدار بھائی کامران حاکم کابل و پنجاب۔ ہندال حاکم روہیلکھنڈ۔ عسکری حاکم میوات تھے جو موقعہ بموقعہ ہمایوں سے بدسلوکی اور غداری کرنے سے باز نہ رہتے تھے دوسری طرف مغل سردار تھے جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر بغاوت اور دشمنوں سے ساز باز کرنے میں لگے رہتے تھے گجرات میں بہادر شاہ ہمایوں کا سخت دشمن تھا۔ مشرق میں افغان سردار اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو پھر سے حاصل کرنے کے لئے موقعہ کی تاک میں تھے سلطنت کا نظام حکومت اچھی طرح قائم نہ ہو پایا تھا۔ بابر کی لڑائیوں نے خزانہ خالی کر رکھا تھا اور اُس کی فوج ہندوستان میں رہنے اور یہاں سلطنت مغلیہ کو وسعت دینے میں بالکل دلچسپی نہ رکھتی تھی ان مشکلات کا سامنا کرنا ہمایوں کے بس کا روگ نہ تھا۔

فتح گجرات

ہمایوں نے گجرات کی فتح سے پہلے جون پور اور کالنجر میں افغان سرداروں کی سرکوبی کی اور بہار آیا جہاں کے حاکم شیر خان نے اطاعت قبول کر کے اپنا بیٹا اور پانچ سو سپاہی خدمت شاہی پر مامور کئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر ہمایوں گجرات کی مہم کی طرف متوجہ ہوا۔

گجرات میں اس وقت بہادر شاہ حکمران تھا۔ یہ بادشاہ اپنی قابلیت اور بہادری کی وجہ سے مشہور تھا اُس نے محمود خلجی ثانی کو شکست دے کر مالوہ گجرات کی سلطنت میں شامل کر لیا تھا چتوڑ کے راجہ نے اُس کی اطاعت قبول کر لی تھی اور گجرات کے ساحل پر پرتگیزی بستیوں سے اُس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ بہادر شاہ مغلوں کے ارادوں سے بے خبر نہ تھا اور خوب سمجھتا تھا کہ یہ طوفان ایک دن اُسے بھی اپنی لپیٹ میں لئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اُس نے مغلوں کے دشمنوں اور باغیوں کو پناہ دینا شروع کر دی چنانچہ سلطان ابراہیم لودھی کا چچا عالم خان اور اس کا بیٹا تاتار خان بہادر شاہ کے دربار میں پناہ گزین تھے کئی خود غرض مغل سردار بھی ہمایوں کا ساتھ چھوڑ کر بہادر شاہ سے آ گئے تھے۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کو ان باغیوں کو پناہ نہ دینے کے لئے پیغام بھیجے لیکن بہادر شاہ نے اس کی قطعاً پروا نہ کی اور جنگی کوششوں میں مصروف رہا۔

آخر ہمایوں گجرات کی مہم پر روانہ ہوا۔ بہادر شاہ بھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور مندسور کے مقام پر دونوں فوجوں کی مٹ بھیڑ ہوئی جس میں میدان مغلوں کے ہاتھ رہا۔ بہادر شاہ میدان سے بھاگ کر مانڈو آن پہنچا لیکن مغلوں نے تعاقب نہ چھوڑا۔ اب بہادر شاہ پرتگیزوں کی پناہ میں چلا گیا اور ہمایوں نے گجرات سے ہوکر کھمبائت اور پھر چمپانیر پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کی خوشی میں ہمایوں مانڈو آیا اور رنگ رلیوں میں مست ہوگیا اور اپنی طاقت مستحکم کرنے کے نادر موقع سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مرزا عسکری کو گجرات کا حاکم مقرر کیا گیا ادھر مشرق میں شیر خاں نے علم بغاوت بلند کر دیا اور ہمایوں کو آگرے واپس آنا پڑا۔ گجراتیوں نے موقعہ پاتے ہی مغلوں کو مار بھگانا شروع کیا اور بہادر شاہ نے پھر گجرات پر تسلط جما لیا۔ لیکن بد قسمتی سے ۱۵۳۷ء میں پرتگیزوں نے اُسے دھوکے سے سمندر میں ڈبو دیا اور گجراتیوں میں پریشانی پھیل گئی تاہم ہمایوں کے کئے کرائے پر پانی پھیر گیا اور اُسے گجرات اور مالوہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔

ہمایوں اور شیر شاہ سوری

بہار کے ضلع شاہ آباد میں سسرام کا جاگیردار حسن خاں ایک افغان سردار تھا اُس کا سب سے بڑا لڑکا فرید خاں تھا جو بعد میں شیر شاہ سوری کے نام سے مشہور ہوا۔ فرید اپنی سوتیلی ماں کے بُرے سلوک سے تنگ آکر ۱۴۹۴ء میں جون پور چلا آیا۔ جون پور ان دنوں علم و فنون کا مرکز تھا۔ فرید نے دل لگا کر پڑھائی شروع کر دی اور فارسی و عربی زبانوں کے علاوہ فقہ یعنی اصول قوانین اور تاریخ میں مہارت حاصل کی۔ آخر چند خیر خواہوں نے باپ بیٹے کی صلح کروا دی اور حسن خاں نے سسرام کی جاگیر کا انتظام فرید خاں کے سپرد کر دیا۔ فرید خاں نے جاگیر کا انتظام ایسا عمدہ کیا کہ آمدنی بھی بڑھی اور رعایا بھی خوشحال ہو گئی لیکن پھر بھی وہ اپنے والد کو خوش نہ کر سکا اور پھر دوبارہ گھر بار چھوڑ کر ملازمت کی تلاش میں سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں پہنچا اور کچھ عرصہ بعد بہار خاں حاکم بہار کی سرکار میں ملازم ہو گیا۔ اسی دوران میں ایک شیر مارنے پر بہادر خاں نے فرید کو شیر خاں کا خطاب عطا کیا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد شیر خاں بابر کے دربار میں پہنچا اور کوئی سال بھر ملازم بھی رہا۔ اس دوران میں اُسے مغلوں کی فوجی تنظیم اور نظام حکومت کے مطالعہ کا موقع مل گیا۔ جو بعد میں اُس کے کام آیا۔ کچھ عرصہ بعد شیر خاں پھر بہار لوٹ آیا اور بہار خاں جو سلطان محمد شاہ کے نام سے بہار پر حکومت کر رہا تھا کے مرنے کے بعد اُس کے نابالغ بیٹے جلال خاں کا دلی اور اتالیق مقرر ہوا۔ اس عرصہ میں عملی طور پر بہار کی پوری حکومت شیر خاں کے ہاتھ میں تھی۔

۱۵۳۰ء میں شیر خاں نے قلعہ چنار پر قبضہ کیا تو ہمایوں نے اُس پر چڑھائی کی لیکن شیر خاں نے اپنا بیٹا اور پانچسو سپاہی خدمت کے لئے پیش کر کے صلح کر لی لیکن جب ہمایوں گجرات کی مہم پر گیا تو شیر خاں نے پورے بہار پر قبضہ جما کر بنگال کا کچھ حصہ بھی دبا لیا اور اپنی طاقت مستحکم کر کے مغلوں کو ہندوستان سے باہر نکالنے اور افغان اقتدار بحال کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔

چونسا اور قنوج کی لڑائیاں ١٥٣٧ء

ہمایوں کو اب ایک طرف گجرات کے ہاتھ سے نکلنے اور دوسری طرف شیر خاں کے خوفناک منصوبوں کے فوج جمع کرنے کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر ہمایوں بہت سا قیمتی وقت ضائع کرنے کے بعد پوری فوج لے کر بہار اور بنگال کا رُخ کیا قلعہ چنار پر قبضہ کرنے کے بعد اُس نے بنگال کا رُخ کیا اور بنگال راجدھانی گوڑ پر قبضہ کر لیا اس فتح کی خوشیاں منانے میں وہ ایسا مگن ہوا کہ اُسے آس پاس کے خطروں کی کچھ سدھ نہ رہی برسات کا موسم آن پہنچا شیر خاں نے چنار اور جونپور کا محاصرہ کر لیا

اب جو ہمایوں واپس آنے کے لئے بڑھا تو گنگا کے کنارے ١٥٣٩ء میں چونسا کے مقام پر افغانوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ہمایوں کو شکست فاش ہوئی اور نظام سقے کی مدد سے بمشکل دریا پار کر کے اُس نے اپنی جان بچائی اور اس سقے کو شکر گزاری کے طور پر ڈھائی گھڑی راج کرنے کی اجازت دی۔

اس فتح کے بعد شیر خاں نے شیر شاہ کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ہمایوں نے اپنے غدار بھائیوں سے مدد حاصل کرنے کی بہت کوشش کی مگر سب بے سود۔ آخرکار ہمایوں اپنے چند رفیقوں کے ساتھ پھر شیر شاہ سے مقابلہ کے لئے نکلا۔ قنوج کے مقام پر ١٥٤٠ء میں آخر فیصلہ کن معرکہ ہوا جس میں ہمایوں کو شکست ہو گئی اور اب اُسے ہندوستان چھوڑنے بغیر چارہ نظر نہ آیا عارضی طور پر ہندوستان کی حکومت مغلوں کے ہاتھوں سے نکل کر پھر افغانوں کے ہاتھ آ گئی۔

ہمایوں کی شکست کی وجوہات اُس کے بھائیوں کی غداری۔ اپنی سہل انگاری اور قیمتی وقت فتح پر خوشیاں منانے میں ضائع کرنے کی عادت۔ مغل سرداروں کی بے رخی اور دشمنوں سے جا ملنا۔ خزانے کا خالی ہونا اور ہمایوں کے دشمنوں یعنی بہادر شاہ اور شیر شاہ کا طاقتور ہونا اور افغانوں میں قومی غیرت اور انتقامی جذبہ جن کا ذکر ہمایوں کی ابتدائی مشکلات میں ہو چکا ہے ؛

شیرشاہ سوری ۱۵۴۰ء ۱۵۴۵ء

شیرشاہ سوری کی ابتدائی زندگی کے حالات آپ اوپر پڑھ چکے ہیں ۱۵۴۰ء میں ہمایوں کی شکست کے بعد شیرشاہ سوری نے عنان حکومت سنبھالی دہلی اور آگرہ پر قبضہ کے بعد شیرشاہ ہمایوں کا پیچھا کرتا ہوا پنجاب آیا اور یلغار کرتا ہوا شمالی مغربی پنجاب تک جا پہنچا۔ یہاں گکھوکھروں سے اُس کی زبردست لڑائیاں ہوئیں۔ اُن کی سرکوبی کے لئے اُس نے رہتاس (ضلع جہلم مغربی پاکستان) میں ایک قلعہ تعمیر کروایا۔ اور اس کے بعد سندھ اور مالوہ فتح کر کے مارواڑ پر حملہ آور ہوا۔ راجہ مالدیو سے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ راجستھان کے بہت بڑے حصے پر شیرشاہ کا پرچم لہرانے لگا۔ آخر کار ۱۵۴۵ء میں شیرشاہ نے کالنجر کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اسی دوران میں بارود میں ایکا ایک آگ لگ جانے سے شیرشاہ جل گیا اور ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء میں ہندوستان کا یہ نامور سپوت اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں شیرشاہ نے بنگال سے سندھ تک اور شمالی پنجاب سے مالوہ تک اپنی سلطنت کو وسعت دی یہ بذات خود ایک شاندار کارنامہ تھا لیکن شیرشاہ ایک فاتح سے بڑھ کر ایک دانا سیاست دان مدبر اور منتظم حکمران کی حیثیت سے زندہ جاوید ہے۔ اُس کا نظام حکومت اکبر کے لئے ایک روشنی کا مینار تھا اور آج تک کسی نہ کسی صورت میں ہماری قومی زندگی پر اثر انداز ہو رہا ہے۔

شیرشاہ کا نظام سلطنت اور طریقہ حکومت

شیرشاہ ایک مطلق العنان بادشاہ تھا لیکن حق و انصاف کی حمایت میں اچھے بے گانے چھوٹے

برتاؤ یا ہندو مسلم میں کوئی تمیز نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تاریخ میں شیر شاہ عادل کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اُس کی جو مرضی بجا ہے وہ کر سکتا تھا اور اس کے اختیارات پر کوئی روک ٹوک نہ تھی تاہم وہ حکومت کے کاموں میں رعایا کی بھلائی خوش حالی اور ملکی ترقی کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ وہ اُن سب حاکموں اور جاگیرداروں پر سختی کرتا تھا جو رعایا کو تنگ کرتے تھے وہ کسانوں کا بڑا ہمدرد تھا اور اُن پر کسی قسم کی سختی کی اجازت نہ دیتا تھا۔ شیر شاہ اپنا وزیر اعظم خود تھا وہ ہر کام کی تفصیل خود طے کرتا اور ساری حکومت خود چلاتا تھا ہر محکمہ کا ایک نائب ہوتا تھا جو موجودہ زمانہ کے وزیر اور سیکرٹری دونوں کا کام کرتا تھا اور اپنے ہر کام کے لئے بادشاہ کے سامنے جواب دہ ہوتا تھا۔

بادشاہ خود انصاف کرنے والا سب سے بڑا حاکم تھا اور اُس کا دروازہ ہر فریادی کے لئے کھلا رہتا تھا اس کے علاوہ ہر ضلع کے صدر مقام پر عدالتیں موجود تھیں جہاں قاضی اور میر عدل مقرر تھے انتظامی سہولت کے لئے ساری سلطنت ۴۷ سرکاروں میں بٹی ہوئی تھی ہر سرکار میں کئی پرگنے ہوتے تھے۔ پرگنہ یا ضلع کا حاکم شقدار کہلاتا تھا اور امن عامہ کا ذمہ دار تھا اُس کی مدد کے لئے ایک امین یا مالی معاملات کا فیصلہ کرنے والا حاکم ایک منصف یا جج ایک خزانہ دار ایک ہندی محاسب اور ایک فارسی محاسب اور دوسرے چھوٹے موٹے کارکن مقرر ہوتے تھے۔ گاؤں میں مقدم چوہدری اور پٹواری مقرر ہوتے تھے۔ پرگنے کے حاکموں کے اوپر سرکار یا صوبہ کے حاکم ہے نہیں شقدار شقداراں اور منصف منصفاں کہا جاتا تھا۔

شیر شاہ سوری نے انتظام مالگذاری (Revenue adminis-tration) کا بہت اچھا طریقہ جاری کیا۔ اُس نے سارے ملک کی اراضی کی باقاعدہ پیمائش کروائی اور جمع بندی تیار کروائی۔ اس جمع بندی کی بنیاد پر پیداوار کا ⅓ حصہ سرکاری مالیہ مقرر کیا۔ لیکن کسانوں کو مالیہ نقدی یا جنسی صورت میں جیسے وہ چاہیں ادا کرنے کی اجازت

تھی فصل برباد ہونے قحط سالی یا خشک سالی کی صورت میں کسانوں کو مالیہ میں چھوٹ دی جاتی تھی اور اُن کی مدد کے لئے انہیں تقاوی قرضے بھی دئے جاتے تھے۔

شیر شاہ کی کامیابی کا دار و مدار بڑی حد تک اس فوج پر تھا۔ جس کی تعداد لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ پیادے اور پچیس ہزار سوار تھی۔ اس فوج کا کچھ حصہ تو خالصہ یعنی شاہی فوج تھا اور باقی جاگیرداروں کی طرف سے مہیا کیا جاتا تھا اس فوج کو مضبوط قابل اور مفید مطلب بنانے کیلئے شیر شاہ نے سلطان علاؤ الدین خلجی کے فوجی نظام سے فایدہ اٹھایا۔ سپاہیوں کے حلیہ کا ریکارڈ گھوڑوں پر داغ لگانے کا طریقہ اور شاہی فوج کے سپاہیوں کو نقد تنخواہیں دینا شروع کیا فوج دستوں میں تقسیم تھی اور جہاں جہاں ضرورت ہوتی تھی یہ دستے تعینات کر دئے جاتے تھے۔ فوج میں نظم و ضبط کی سختی تھی اور سپاہیوں کو رعایا سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کی سخت ہدایت تھی فوج میں ہندوؤں کو بھی بڑے بڑے عہدے حاصل تھے لیکن کل ملاکر زیادہ تعداد افغان افسروں اور سپاہیوں کی تھی ترقی کا انحصار ذاتی جوہر اور قابلیت پر تھا۔ بادشاہ فوجی بھرتی میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا اور گاہے بگاہے فوجی معائنے بھی کرتا رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پانچ سال کے قلیل عرصے میں اس قابل فوج نے سارے شمالی ہند پر سوری سلطنت کے جھنڈے گاڑ دئے اور ملک میں امن و امان کا سکہ بٹھا دیا۔

شیر شاہ سوری نے جرائم کی روک تھام کے لئے گاؤں کے مقدموں کو ذمہ دار بنا رکھا اگر انہیں چوری چکاری قتل ڈکیتی کچھ بھی واقعہ ہوتا تو مجرموں کا پتہ لگانا مقدم کی ذمہ داری تھی اگر مجرم کا پتہ نہ لگ پاتا تو اُسے خود اس جرم کی سزا بھگتنا پڑتی تھی شاہراہوں کی حفاظت اور امن عامہ قائم رکھنے کے لئے پولیس کا عمدہ انتظام تھا۔

شیر شاہ کا سب سے بڑا کارنامہ اُس کی بنوائی ہوئی قومی شاہراہیں

تھیں ان سے ملکی اتحاد کو تقویت ملی۔ تجارت کی ترقی ہوئی اور سفر میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ ان شاہراہوں میں پہلی پندرہ سو میل لمبی شاہراہ سونار گاؤں (ڈھاکہ) سے اٹک تک جاتی تھی اور اب بھی گرینڈ ٹرنک روڈ کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری شاہراہ آگرہ سے دریائے تاپتی کے کنارے واقع شہر برہان پور کو جاتی تھی۔ تیسری شاہراہ آگرے کو جودھپور سے اور چوتھی لاہور کو ملتان سے ملاتی تھی۔ بادشاہ نے مسافروں کے آرام کے لئے ان شاہراہوں کے دونوں طرف سایہ دار پیڑ لگوا رکھے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر جگہ جگہ سرائیں بنوا رکھی تھیں۔ جن میں ہندو اور مسلمان مسافروں کے ٹھہرنے کا الگ الگ انتظام تھا ان سراؤں میں ڈاک چوکیاں بھی قائم تھیں۔ جن کے ذریعہ بادشاہ کو ملک کے ہر حصہ کی روز بروز کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔

ان شاہراہوں کے بنانے کے علاوہ شیر شاہ نے چونگی محصول اور راہداری کا طریقہ منسوخ کر دیا جس سے ملک کی تجارت میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔

شیر شاہ سوری ہندو رعایا سے جزیہ لیتا تھا لیکن اس کے علاوہ ہندوؤں کو ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل تھی اُن سے حکومت انتہائی رواداری کا سلوک کرتی تھی اور وہ حکومت کے ہر محکمہ میں افغانوں اور ہندوستانی مسلمانوں کے دوش بدوش کام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بھی بادشاہ کے دل سے وفادار تھے۔

شیر شاہ سوری کا نظام حکومت اس قدر عمدہ تھا کہ مغلیہ خاندان کے عظیم شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر نے بھی معمولی رد و بدل سے شیر شاہ ہی کے نظام حکومت کو اپنایا چنانچہ ٹوڈرمل کا انتظام مالگزاری شیر شاہ کے بندوبست اراضی کی بنیاد پر قائم تھا اسی طرح فوجی نظم و ضبط۔ گھوڑوں کو داغنے اور سپاہیوں کے حلیہ تیار کرنے کے طریقے بھی شیر شاہ کے فوجی نظام سے ہی اخذ کئے گئے تھے۔ ہندو رعایا کے ساتھ مساوات اور رواداری کا سلوک اور انہیں قابلیت

کی بنا پر ہر عہدہ پر کام کرنے کا موقع دینا بھی اکبر نے شیر شاہ ہی سے سیکھا تھا اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ درحقیقت انتظامی قابلیت اور سیاسی تدبر میں شیر شاہ اکبر کا سچا پیش رو تھا۔

شیر شاہ ایک محنتی اور قابل مدبر رعایا کا سچا خیر خواہ اور نہایت منصف مزاج بادشاہ تھا وہ صبح سے شام تک اَن تھک کام کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ اُس نے پانچ سال کے قلیل عرصہ میں ایک اتنی بڑی سلطنت بھی قائم کی اور اس سے ایک ایسا عمدہ نظام حکومت قائم کر گیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ہر بڑا آدمی ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے اور خود عملی طور پر اس اصول کی نظیر تھا۔

شیر شاہ صبح سویرے اٹھتا اور نماز اور قرآن شریف کی تلاوت سے فارغ ہو کر سلطنت کا کام شروع کر دیتا اور دوپہر کی نماز اور کھانے کے وقفہ کے بعد رات تک مشغول رہتا تھا۔ اُسے رعایا سے دلی ہمدردی تھی۔ انصاف کرنے کو وہ ایک مقدس فرض مانتا تھا اور غریبوں اور حاجت مندوں کا سچا خیر خواہ اور ہمدرد تھا۔ شیر شاہ اسلام کا سچا پیرو تھا لیکن تعصب سے اُس کا دامن بالکل بری تھا وہ سارے شمالی ہندوستان کو متحد کرنا چاہتا تھا اور افغانوں کو نئی اُمید دلا کر اُن میں تازہ روح پھونکنا چاہتا تھا وہ اپنی ہندو رعایا کا دل جیت کر اُن پر حکومت کرنا چاہتا تھا گو قدرت نے اُسے زیادہ مہلت نہ دی پھر بھی اُسے اپنے مقاصد میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ شیر شاہ کو ہندوستان کے مایہ ناز سپوتوں اور بڑے بڑے شہنشاہوں کی صف اول میں جگہ دی جاتی ہے۔

شیر شاہ سوری کے جانشین اور ہمایوں کی واپسی

شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اسلام شاہ تخت پر بیٹھا اور ۱۵۵۲ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے

بھائی ابراہیم اور سکندر سوری دہلی پر قابض ہو گئے۔ اسلام شاہ کے بعد اُس کے سالے نے اپنے بارہ برس کے بھانجے کو قتل کر کے عادل شاہ کے نام سے خود تخت و تاج سنبھالا۔ یہ بادشاہ ہر وقت عیش و عشرت میں ڈوبا رہتا تھا اور پرے درجے کا نکما تھا۔ اُس نے اپنا راج کاج ایک بنیئے ہیمو بقال کے سونپ رکھا تھا جو خود مہاراجہ بننے کے خواب دیکھتا تھا۔ ملک میں چاروں طرف بغاوتیں پھیل رہی تھیں۔ عادل شاہ خود بہار میں بغاوتیں فرو کرنے میں مشغول تھا۔ اس افراتفری میں ۱۵۵۴ء میں ہمایوں نے کابل سے پنجاب پر حملہ کیا اور سکندر سوری کو ماچھیواڑہ کی لڑائی میں شکست دے کر جموں کی طرف بھگا دیا اور خود ۱۵۵۵ء میں فاتحانہ انداز سے دہلی میں داخل ہوا۔ بیرم خان اور شہزادہ اکبر سکندر سوری کے تعاقب میں مشرقی پنجاب کے کوہستانی علاقوں میں مشغول تھے کہ اچانک ۱۵۵۶ء میں ہمایوں اپنے کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر راہی ملک عدم ہوا اور اکبر کلانور نزد گورداسپور میں تخت نشین ہوا۔

ہمایوں قنوج کی شکست کے بعد پہلے پنجاب اور پھر قندھار آیا لیکن یہاں کے حاکموں کامران اور عسکری نے مصیبت زدہ بھائی کی کچھ امداد نہ کی مجبوراً ہمایوں ایران چلا گیا وہاں کے بادشاہ طہماسپ شاہ صفوی نے اُس کی بڑی آؤ بھگت کی اور بالآخر اُس کی مدد سے ہمایوں نے قندھار اور کابل پر پھر قبضہ کیا اور ۱۵۵۴ء میں پنجاب فتح کر کے پھر اپنی سلطنت بحال کی یہ اُس کے عزم و استقلال کی اعلےٰ مثال ہے ہمایوں کی پریشانیوں میں اُس کے بھائیوں کا بڑا حصہ تھا مگر وہ بار بار اُن سے زک اٹھاتا مگر پھر بھی اُن سے نرمی کا سلوک کرتا تھا وہ بزدل یا نالائق نہ تھا بلکہ بڑا بہادر اور تجربہ کار جرنیل تھا البتہ کبھی کبھی موقعہ شناسی سے کام نہ لے کر عیش و عشرت میں پڑ جاتا تھا اور اس غفلت کا بُرا نتیجہ بھگتتا تھا اور دشمن کے ہاتھوں نقصان اٹھاتا تھا۔ وہ بابر کی طرح مستقل مزاج بھی نہ تھا لیکن سب سے بڑھ کر وہ بدقسمت تھا سونے میں ہاتھ ڈالتا تو وہ بھی مٹی ہو جاتا۔ ہمایوں نیک اور نرم دل تھا۔ علم و فن اور شعر

ادب کا دلدادہ تھا۔ اُسے ستارہ شناسی کے علم کا بڑا شوق تھا۔ وہ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا علماء اور شعراء سے بڑی فیاضی کا سلوک کرتا تھا۔ ہمایوں میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی کا ذرا بھر احسان بھی عمر بھر یاد رکھتا تھا وہ ایک فرماں برادر بیٹا۔ خطا پوش اور مہربان بھائی وفادار خاوند اور شفیق باپ تھا۔ وہ ایک بڑے باپ کا بیٹا اور ایک بڑے بیٹے کا باپ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مورخ اس کی صحیح عظمت کا اندازہ کرنے میں عموماً دھوکا کھا جاتے ہیں +

(ب) شہنشاہ اکبر کے زمانے میں سلطنت مغلیہ کا استحکام

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ

۱۵۵۶ء — ۱۶۰۵ء

جب ہمایوں شکست کھا کر سندھ میں مارا مارا پھر رہا تھا تو امرکوٹ۔ (مغربی پاکستان) میں ۱۵۴۲ء میں اُس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اکبر رکھا گیا اُس وقت کسے معلوم تھا کہ اس مصیبت اور پریشانی مسافرت اور بے سر و سامانی میں پیدا ہونے والا یہ لڑکا ایک ہندوستان کا سب سے عظیم الشان بادشاہ بنے گا۔ جب ہمایوں قندھار سے ایران جانے لگا تو اُس کے بھائی مرزا عسکری کی بیوی نے اکبر کو اپنے پاس رکھ لیا۔ ایران سے واپس آکر ہمایوں نے کابل اور قندھار کو فتح کیا تو بچھڑے ہوئے بیٹے کو ہمایوں پھر اپنے پاس لے آیا ہمایوں نے

بہت کوشش کی کہ اکبر کچھ پڑھ لکھ جائے لیکن اکبر نے ایک نہ مانی وہ کھیل کود۔ شکار۔ تیر اندازی اور شہسواری کا رسیا تھا اور ان شوقوں سے اُسے فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ ہمایوں نے اپنے جانثار اور وفادار سردار بیرم خان کو اکبر کا اتالیق مقرر کر دیا اور ماچھیواڑہ کی فتح کے بعد بیرم خان کی معیت میں سکندر سوری کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اکبر ابھی چودہ برس کا بھی نہ ہوا تھا کہ ۱۵۵۶ء میں ہمایوں فوت ہو گیا اور بیرم خان نے کلانور ضلع گورداسپور پنجاب میں اکبر کی جانشینی کا اعلان کر دیا اور وہ "جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی" کے لقب سے تخت پر بیٹھا اور اُنچاس برس حکومت کر کے سلطنت مغلیہ کو نہایت مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر گیا۔

اُس کا عہدِ حکومت فوجی مہمات اور فتوحات۔ انتظامی اصلاحات اور ایک مشترکہ تمدن کے عروج اور ہندو مسلم اتحاد کی ترقی کے لئے مشہور ہے جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے :-

(۱) پانی پت کی دوسری لڑائی ۱۵۵۶ء

ہمایوں کے مرتے ہی سوری خاندان کے آخری سلطان عادل شاہ کے سپہ سالار اور وزیر ہیموں بقال نے دہلی پر دھاوا بول دیا اور تردی بیگ حاکم دہلی بھاگ کر پنجاب میں اکبر کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ بیرم خاں نے اُس کی بزدلی کی پاداش میں اس کا سر قلم کروا دیا۔ اب بادشاہ نے امراء وزراء کو جنگی مشورے کے لئے بلایا۔ بہت سے امیروں وزیروں نے بادشاہ کو کابل واپس چلے جانے کی صلاح دی لیکن بیرم خاں نے اس مشورہ کی سخت مخالفت

کی اور مشورہ دیا کہ بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اکبر کو یہی مشورہ پسند آیا چنانچہ جنگی تیاریاں جلد مکمل کرنے اور فوجوں کو دہلی پر چڑھائی کرنے کے لئے کوچ کرنے کا حکم سنا دیا گیا۔ اُدھر ہیموں نے اپنی طاقت اور اثر و رسوخ اس قدر بڑھا لیا تھا کہ وہ اب ایک خود مختار حکومت کے قیام کے خواب دیکھ رہا تھا چنانچہ اُس نے راجہ بکرماجیت کا لقب اختیار کر لیا اور مغلوں کے مقابلہ کے لئے ایک ہزار ہاتھی اکیاون توپیں اور پچاس ہزار سوار فوج کے ہمراہ پانی پت کے تاریخی میدان کی طرف چل نکلا۔ دونوں فوجوں کا ۵ نومبر ۱۵۵۶ء کے دن پانی پت کے میدان میں آمنا سامنا ہوا۔ مغلوں نے بڑی جانبازی سے مقابلہ کیا لیکن ہیموں کی فوجوں نے بھی کم حوصلہ نہ دکھایا۔ ان مغلوں نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور چاروں طرف سے ہیموں کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک تیر سیدھے آ کر ہیموں کی آنکھ میں لگا اور وہ گر کر بے ہوش ہو گیا۔ بس اب کیا تھا ہیموں کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور میدان مغلوں کے ہاتھ رہا۔ ہیموں اسی بے ہوشی کی حالت میں جکڑ کر اکبر کے سامنے لایا گیا اور بیرم خاں نے اکبر سے کہا کہ وہ اپنے ہاتھ سے دشمن کا کام تمام کر دے لیکن اکبر نے یہ گوارا نہ کیا بیرم خاں نے خود بڑھ کر ہیموں کا سر تن سے جُدا کر دیا اور حکم دیا کہ یہ سر کابل بھیج دیا جائے اور ہیموں کی لاش شہر دہلی کے دروازے پر لٹکا دی جائے تاکہ سب کو عبرت حاصل ہو۔

(۲) بیرم خاں اور اُس کی بغاوت

۱۵۵۶ء ——— ۱۵۶۰ء

بیرم خاں ایک ترکمان ایرانی سردار تھا اُس نے فتح قندھار کے بعد بابر اور اس کے بعد ہمایوں کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ ہمایوں کی فتح بنگال میں بیرم خان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جنگ قنوج میں ہمایوں کی شکست کے بعد بیرم خان بھی بھاگ نکلا لیکن کچھ دنوں



Akbar receiving Jesuit

بعد ہی سلطان شیر شاہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ شیر شاہ سوری نے اُسے اپنے ساتھ ملانے کے لئے بڑے ہاتھ پیر مارے لیکن بیرم خان نے اپنے آقا سے غداری کرنے سے صاف انکار کر دیا آخر موقعہ پاکر بیرم خان اس قید سے بھاگ نکلا اور سندھ میں پھر ہمایوں سے آ ملا۔ جب ہمایوں نے ایران میں جلا وطنی اختیار کی تو بیرم خان نے بھی دامن رفاقت ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ایران چلا آیا اور جلا وطنی کے پورے دور میں ہمایوں کا رفیق اور مشیر خاص رہا۔ چنانچہ ہمایوں کو شاہ طہماسپ صفوی والئے ایران سے مدد دلانے میں بیرم خان کا بڑا ہاتھ تھا۔ بالآخر جب ہمایوں پھر ہندوستان لوٹا تو قندھار اور ماچھیواڑہ کی فتوحات میں بیرم خان نے مردانگی کے جوہر خوب دکھائے۔ ہمایوں نے خوش ہو کر اُسے شہزادہ اکبر کا اتالیق مقرر کر دیا۔ اتالیق کی حیثیت میں بیرم خان کو شاہ ابوالمعالی اور تردی بیگ جیسے سرداروں کو سزائیں دے کر ذلیل کیا جس سے مغل سرداروں میں اُس کے خلاف اندر ہی اندر حسد کی آگ سلگ رہی تھی۔ ہیموں کی یورش کے وقت بیرم خان نے ان مغل سرداروں کے برعکس مقابلہ کی ٹھان لی اور پانی پت کی دوسری لڑائی میں شاندار فتح حاصل کر کے سلطنت مغلیہ کی نئی بنیادیں استوار کیں اور سارے شمالی ہند میں پھر سے مغلیہ سامراج کی دھاک بٹھادی۔ اب بیرم خان کا اقتدار عین عروج پر تھا لیکن مغل سردار اندر ہی اندر اس کے خلاف کھچڑیاں پکا رہے تھے۔ ۱۵۵۸ء میں بیرم خان نے شیخ گدائی کو صدر الصدور کے عہدے پر قائم کر دیا۔ چونکہ بیرم خان خود شیعہ تھا اس لئے مغل سرداروں نے جن کی اکثریت سنی تھی اس کارروائی کو فرقہ پرستی کہہ کر بیرم خان کو بدنام کیا غرض یہ کہ دربار میں ایک اچھا خاصہ گروہ بیرم خان کی مخالفت پر کمربستہ ہو چکا تھا۔ اکبر جو اب اٹھارہ برس کا ہو چکا تھا۔ خود

پورے اختیارات سنبھالنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا آخر ملکہ حمیدہ بانو بیگم (والدہ اکبر) ماہم انگہ (اکبر کی دودھ ماں) اُس کے بیٹے ادہم خان وغیرہ کے کہنے کہلانے پر اکبر نے ۱۵۶۰ء میں بیرم خان کو معزول کر کے مکہ شریف چلے جانے کا حکم دے دیا اور سارے اختیارات خود سنبھال لئے۔ بیرم خان نے سر تسلیم خم کر دیا لیکن جب اکبر نے بیرم خان کے ایک سابق ملازم پیر محمد خان کو جلد از جلد مکہ شریف روانہ کرنے کے لئے بھیجا تو بیرم خان اس توہین آمیز سلوک کو برداشت نہ کر سکا اور بغاوت کرنے پر اُتر آیا لیکن شاہی فوجوں نے اُسے جالندھر کے قریب شکست دے کر گرفتار کر لیا لیکن اکبر نے بیرم خان کی سابقہ خدمات کے مدنظر اُسے معاف کر دیا اور اُس کے مکہ شریف جانے کے لئے مناسب انتظام کر کے سفر کی اجازت دے دی دوران سفر میں جب بیرم خان گجرات پہنچا تو ایک افغان سپاہی نے ذاتی عداوت کی بناء پر اُسے چھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ بیرم خان کے خاندان کو اکبر نے اپنی پناہ میں لے لیا اور اُس کے بیٹے عبدالرحیم خان کی پرورش و تربیت کا عمدہ انتظام کر دیا یہ ہونہار بچہ بعد میں عبدالرحیم خان خاناں کے نام سے مشہور ہوا اور اپنی علم دوستی اور ہندی شعر گوئی کی وجہ سے اَن مٹ شہرت کا مالک ہوا۔

(۳) ابتدائی فتوحات ۱۵۵۸ء تا ۱۵۶۱ء

اکبر ہندوستان کے نامور فاتحوں میں گنا جاتا ہے وہ کہا کرتا تھا کہ "بادشاہوں کو ہر وقت ملک گیری میں لگے رہنا چاہیئے۔ بصورت دیگر اُن کے آس پاس کے ملکوں کے حملے کا خطرہ رہتا ہے"۔ یہی پالیسی چندر گپت موریہ۔ چانکیہ

سمدر گپت۔علاء الدین خلجی۔نے اپنا رکھی تھی۔اکبر کے جانشینوں نے بھی یہی راستہ اختیار کیا حتیٰ کہ اورنگ زیب کے عہد میں یہ پالیسی اپنے انتہائی کمال پر جا پہنچی۔اس لمبی کہانی میں اکبر کی فتوحات ایک اہم کڑی مانی جاتی ہیں۔

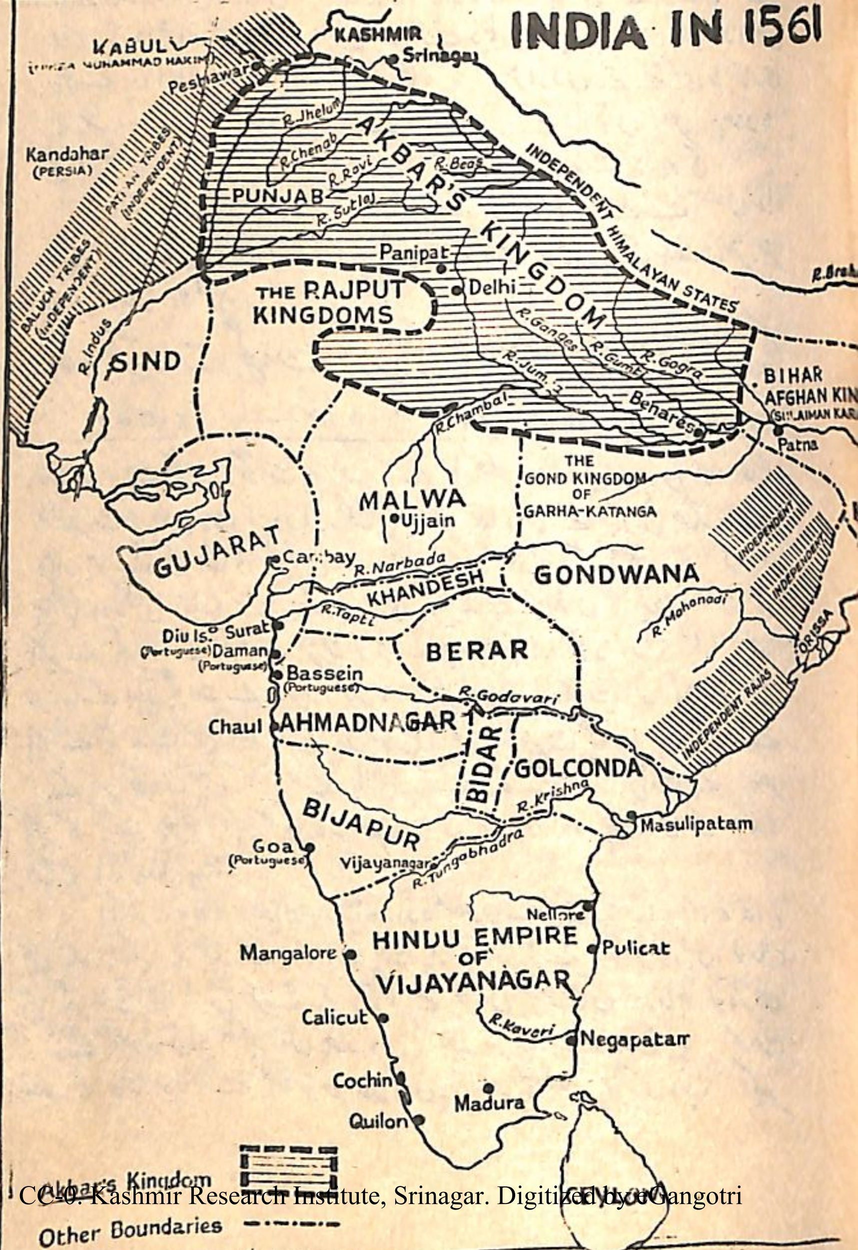
پانی پت کی دوسری لڑائی کے بعد بیرم خان نے دہلی اور آگرہ کے آس پاس مغلیہ تسلط جمایا اور آہستہ آہستہ جون پور۔اجمیر اور گوالیار کے علاقے فتح کئے۔ ۱۵۶۰ء - ۶۱ میں اکبر کے دودھ بھائی ادہم خان اور پیر محمد خان شروانی نے مالوہ پر حملہ کر کے وہاں کے بادشاہ باز بہادر کو سارنگ پور کے قریب شکست دی اور اس مفتوحہ علاقہ کی حکومت پیر محمد خان شروانی کے سپرد ہوئی لیکن وہ دریائے نربدا میں ڈوب کر مر گیا اور اس کے بعد عبداللہ خان ازبک مالوے کا حاکم مقرر ہوا اس نے باز بہادر کی رہی سہی طاقت بھی برباد کی اور باز بہادر جنگلوں کو بھاگ گیا۔ آخر کار ۱۵۷۱ء میں اس نے شہنشاہ اکبر کی اطاعت قبول کر لی۔

۱۵۶۲ء میں جب اکبر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی درگاہ کی زیارت کے لئے جا رہا تھا تو امبیر (موجودہ جے پور) کے راجہ بہاری مل نے بغیر لڑائی کے اطاعت قبول کر لی۔ اکبر نے اسے پنجہزاری منصب عطا کیا اور اس کے بیٹے بھگوان داس اور پوتے مان سنگھ کو بھی مغلیہ فوج میں اعلیٰ عہدے عطا کئے۔ ان دونوں نے اپنی بہادری اور جانثاری سے بعد میں بہت ترقی کی اور مغل سلطنت کی توسیع کے لئے بڑے شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔

۱۵۶۴ء میں اکبر نے پورب کے حاکم آصف خان کو گونڈوانہ پر حملہ کا حکم دیا۔یہاں کا راجہ بیر نرائن نابالغ تھا اور اس کی طرف سے اس کی ماں رانی درگاوتی راج کرتی تھی۔اس راجواڑے کا صدر مقام گڑھ کاٹنگا شمالی مدھیہ پردیش میں واقعہ تھا۔رانی نے مغل فوجوں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن جب میدان ہاتھ سے جاتا دیکھا تو ہار کی ذلت سے بچنے کے لئے سینے میں کٹاری مار کر میدان

جنگ میں ڈھیر ہوگئی۔ بیر نرائن بھی چوراگڑھ کے قلعہ کی حفاظت کرتا ہوا کام آیا اور راجپوت عورتوں نے جوہر کی جوالا میں کود کر اپنی زندگی اپنی عزت پر قربان کر دی۔ اس تباہی و بربادی کے بعد گونڈوانہ پر مغلیہ جھنڈا لہرا دیا گیا۔

راجپوتانہ میں سب سے مشہور ریاست میواڑ تھی۔ میواڑ کا راجہ اودے سنگھ بڑا ڈرپوک تھا لیکن اس کے سپہ سالار جے مل اور پتہ نہایت ہی جری سپاہی تھے اور قوم و ملک کی عزت پر مر مٹنا کھیل سمجھتے تھے۔ ۱۵۶۷ء میں اکبر کی فوجوں نے میواڑ کی راجدھانی چتوڑ کا رخ کیا تو یہ دونوں بہادر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ آخر اکبر کو خود مقابلے پر آنا پڑا۔ اکبر نے قلعہ کی فصیل کو بارود کی سرنگ کے ذریعے اڑا کر اس میں شگاف کر دیئے رات کو جے مل ان شگافوں کو بھرنے کی فکر میں دوڑ دھوپ کر رہا تھا۔ کہ اکبر نے نشانہ باندھ کر گولی چلا دی جے مل پر یہ وار کاری لگا اور وہ مر گیا۔ راجپوت فوجوں پر مایوسی کی فضا چھا گئی۔ بہادر راجپوتانیاں جوہر کی جوالا میں بھسم ہو گئیں اور راجپوت ویر سر بکفن میدان میں آ گئے اور گاجر مولی کی طرح کٹ مرے اور چتوڑ پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ اودے سنگھ نے اودے پور کا شہر بسا کر نئی راجدھانی قائم کر لی۔ ۱۵۷۲ء میں اس کے مرنے کے بعد اس کے نامور بہادر اور جانباز سپوت رانا پرتاپ نے مغلوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے کی قسم کھائی اور پچیس سال تک مغلوں کے خلاف لڑتا رہا آخر راجہ مان سنگھ کے ہاتھوں ہلدی گھاٹ کی لڑائی میں شکست کھا گیا اور اس کے چودہ ہزار سپاہی کھیت رہے۔ رانا پرتاپ نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا اور کئی مقام پھر مغلوں کے چنگل سے چھڑا لئے۔ مسلسل پریشانیوں اور مصیبتوں نے اس کی صحت برباد کر دی اور ۱۵۹۷ء میں یہ بہادر سپاہی اور آزادی کا متوالا اس دنیا سے چل بسا۔ رانا پرتاپ کے بعد اس کا بیٹا امر سنگھ گدی پر بیٹھا جس نے جہانگیر کے عہد میں شہنشاہ دہلی کی اطاعت قبول کر لی


INDIA IN 1561
KABUL
KASHMIR
Srinagar
Peshawar
Kandahar (PERSIA)
PATHAN TRIBES (INDEPENDENT)
BALUCH TRIBES (INDEPENDENT)
R. Jhelum
R. Chenab
R. Ravi
R. Beas
R. Sutlaj
PUNJAB
AKBAR'S KINGDOM
INDEPENDENT HIMALAYAN STATES
Panipat
Delhi
THE RAJPUT KINGDOMS
R. Indus
SIND
R. Ganges
R. Gumti
R. Gogra
R. Jumna
R. Chambal
Benares
BIHAR
AFGHAN KIN
Patna
THE GOND KINGDOM OF GARHA-KATANGA
MALWA
Ujjain
GUJARAT
R. Narbada
KHANDESH
GONDWANA
INDEPENDENT
INDEPENDENT
R. Tapti
R. Mohanadi
ORISSA
Diu Is.
Surat
(Portuguese)
Daman
(Portuguese)
Bassein
(Portuguese)
BERAR
R. Godavari
INDEPENDENT RAJAS
Chaul
AHMADNAGAR
BIDAR
GOLCONDA
R. Krishna
BIJAPUR
Masulipatam
Goa
(Portuguese)
Vijayanagar
R. Tungabhadra
Nellore
HINDU EMPIRE OF VIJAYANAGAR
Mangalore
Pulicat
Calicut
R. Kaveri
Negapatam
Cochin
Madura
Quilon
Akbar's Kingdom
Other Boundaries

میواڑ کی فتح کے دو سال کے اندر اندر اکبر نے رنتھمبور۔ کالنجر اور بونڈی کی ریاستیں بھی فتح کر لیں لیکن اُس نے بڑی فیاضی سے بونڈی کے راجہ کی درخواست پر یہ مان لیا کہ اُسے دہلی میں ہتھیار سجا کر داخل ہونے کی اجازت ہوگی اُسے شہنشاہ یا شہزادوں کے لئے کسی راجکماری کا رشتہ دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا اور اس کے علاقوں میں ہندو عبادت گاہوں پر کسی قسم کی دست درازی کی اجازت نہ ہوگی۔

اکبر کی یہ راجپوت پالیسی اُس کے جانشینوں کے لئے مشعل راہ رہی اور جونہی اُنہوں نے اس پالیسی سے مُنہ موڑا اُن کی سلطنت تتر بتر ہونا شروع ہو گئی۔

۵۔ فتوحات گجرات و بنگال

۱۵۷۲ء ——— ۱۵۷۶ء

مالوہ۔ گونڈوانہ اور میواڑ کی فتح کے بعد اکبر کا گجرات فتح کرنے کا راستہ ہموار ہو چکا تھا ۱۵۷۲ء میں اکبر نے گجرات پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ یہاں کا حاکم مظفر شاہ سوم بڑا کمزور اور نکما بادشاہ تھا اس نے میدان جنگ سے فرار ہونے کی ٹھانی مگر اس سے پہلے ہی مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور کسی زیادہ تردد کے بغیر ہی گجرات پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ اکبر نے گجرات کی حکومت عزیز کوکہ کے سپرد کی اور خود لوٹ آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد گجرات کے وزیر امیر اور مغل سردار بغاوت پر اُتر آئے اکبر نے یہ بات سنی اور پانچ چھ سو میل کا سفر صرف گیارہ دن میں طے کر کے پھر گجرات میں آن دھمکا۔ باغی ہکے بکے رہ گئے اور گجرات پر پھر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ اکبر کا یہ کارنامہ اس کی تندہی اور بہادری کی عمدہ مثال مانی جاتی ہے۔

اُدھر بنگال کا افغان بادشاہ داؤد مغلوں سے بگاڑ بیٹھا۔ ۱۵۷۴ء میں اکبر بنگال پر حملہ آور ہوا اور پٹنہ پر قبضہ کر کے خود تو واپس لوٹ آیا مگر باقی علاقہ فتح کرنے کے لئے اپنے جرنیل منعم خان اور راجہ ٹوڈر مل کو پیچھے چھوڑ آیا۔ منعم خان چند دنوں بعد مر گیا۔ داؤد نے یہ موقع غنیمت جانا اور اپنے مفتوحہ علاقوں پر پھر قابض ہو گیا۔ اب اکبر

نے خان جہاں کو مامور کیا۔ اُس نے آتے ہی داؤد کو شکست دی اور اُس کا سر کاٹ کر اکبر کے دربار میں بھیج دیا اور سارے بنگال پر مغلیہ پرچم لہرانے لگا۔

کچھ عرصہ بعد بنگال میں بغاوت نے پھر زور پکڑا۔ اکبر نے راجہ ٹوڈرمل کو بنگال بھیجا لیکن وہ بھی حالات پر قابو نہ پا سکا۔ اب عزیز کوکہ کو خان اعظم کا خطاب دے کر بنگال کا صوبیدار مقرر کیا گیا اور باغیوں کا قلع قمع کیا گیا۔ مشرق کی اس افراتفری کے دور میں ہی اکبر کے بھائی مرزا حکیم حاکم کابل نے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ اکبر خود مقابلہ کے لئے بڑھا مرزا حکیم بھاگ نکلا۔ لیکن اکبر نے اُس کا پورا تعاقب کیا اور کابل پر پھر قبضہ کر لیا لیکن بعد میں مرزا حکیم کو معاف کر کے بحال کر دیا اور ۱۵۸۵ء میں اکبر لاہور میں مقیم ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ صوبہ سرحد میں پٹھانوں کی شورش اور عبد اللہ خان ازبک کا بدخشاں پر قبضہ تھا اس شورش کو فرد کرنے میں اکبر کا عزیز دوست اور درباری راجہ بیربل مارا گیا ۱۵۸۶ء میں راجہ بھگوان داس نے کشمیر پر چڑھائی کر کے کشمیر کے آخری آزاد تاجدار سلطان یوسف شاہ چک کو شکست دی اور کشمیر سلطنت مغلیہ کا ایک حصہ بن گیا اس کے بعد ۱۵۹۲ء میں سندھ کے حاکم مرزا جانی بیگ نے ۱۵۹۵ء میں حاکم قندھار نے اکبر کی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح سارے شمالی ہند پر اکبر کا سکہ چلنے لگا۔

۶۔ مہمات و فتوحات دکن

اکبر نے پہلے تو صلح صفائی سے دکن کے حکمرانوں کو اطاعت پر مائل کرنا چاہا مگر اس میں کامیابی نہ دیکھ کر اکبر نے لشکر کشی کی ٹھانی۔ سب سے پہلی یورش احمد نگر پر ہوئی۔ یہاں اس وقت مشہور قابل ملکہ چاند بی بی حکومت کر رہی تھی اُس نے جان توڑ کر مقابلہ کیا مگر آخر اُسے علاقہ برار سے ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن بات یہیں ختم نہ ہوئی چند دنوں کے بعد پھر لڑائی چمک اُٹھی اُدھر چاند بی بی چند غداروں کے ہاتھوں قتل ہو گئی اور احمد نگر پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا ۱۶۰۱ء میں اسیر گڑھ کا مشہور قلعہ بھی فتح ہو گیا جس کی وجہ سے سارا خاندیش مغلوں کے زیر نگین

آگیا اب بھی سلطنت احمدنگر کے بڑے حصے پر مرتضیٰ نظام شاہ کا قبضہ تھا لیکن پھر اکبر احمد نگر - برار اور خاندیش میں تین صوبے قایم کر کے دہلی تک مغلیہ سلطنت کو توسیع دی۔ اس طرح بنگال سے افغانستان اور کشمیر سے گوداوری کی وادی تک سارا ملک اکبر کی سلطنت میں شامل ہوگیا۔

وفات

اکبر کے آخری دن بڑی پریشانی میں گذرے ابھی اکبر دکن میں ہی تھا کہ اُس کے بیٹے شہزادہ سلیم نے بغاوت کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا - اکبر بڑی تیزی سے آگرہ لوٹا اس عرصہ میں شہزادہ سلیم کی شہ پاکر بیر سنگھ بندیلے نے ابوفضل کو قتل کرایا - اس قابل مشیر عزیز دوست اور وفادار مدبر کی حیثیت سے اکبر کو سخت صدمہ ہوا۔ اکبر کے قہر سے خوف زدہ ہو کر سلیم نے باپ کی اطاعت قبول کر لی اور پھر الہ آباد کا حاکم مقرر ہوا اور اکبر نے اُسے معاف کر دیا لیکن شہزادہ سلیم نے پھر بغاوت کر دی - اسی دوران میں راجہ مان سنگھ نے سازش کی کہ سلیم کی جگہ اس کا بھانجہ اور سلیم کا بیٹا شہزادہ خسرو ولی عہد قرار پائے لیکن یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی - آخر اکبر نے سلیم کو پھر معاف کر کے ولی عہد نامزد کر دیا - اب اکبر کی صحت جواب دے چکی تھی جب وہ سخت بیمار ہوا تو سلیم آگرے آیا - اگرچہ اکبر کی زبان بند ہو چکی تھی اُس نے اشارے سے سلیم کو ہمایوں کی تلوار عطا کی اور اس طرح اُسے تاج و تخت سونپ کر اکتوبر ۱۶۰۵ء میں یہ نامور فاتح اور جلیل القدر شہنشاہ فوت ہوگیا اور آگرہ کے قریب سکندرہ کے مقام پر ایک شاندار مقبرہ میں دفن کر دیا گیا

بروئے کار لانے میں کہاں تک کامیاب رہا؟

اکبر اور راجپوت

راجپوت ہندوستان کے روایتی حکمران تھے اور ہندو اُنہیں اپنا سردار مانتے تھے۔ اکبر اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیادیں مضبوط کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اُسے کسی طرح ہندوؤں کی دوستی اور وفاداری حاصل ہو جائے اس مقصد کے پیش نظر اُس نے راجپوتوں سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی تجویز سوچی وہ سمجھتا تھا۔ کہ راجپوتوں کا تعاون حاصل کرکے وہ ہندو مسلم اتحاد کی مضبوط بنیادوں پر ہی ایک پائیدار سلطنت کی بنیادیں استوار کر سکتا ہے وہ دل سے چاہتا تھا کہ ہندوستان میں ایک سماج کی داغ بیل ڈالے جس کا شیرازہ ایک سانجھی تہذیب اور تمدن کے رشتوں سے بنا ہو۔ اس لئے اس نے راجپوتوں سے میل جول بڑھانے اور ہندوؤں میں اپنے لئے عقیدت اور وفاداری بڑھانے کے لئے یہ طریقے اختیار کئے۔

۱۔ راجپوت گھرانوں میں رشتہ داریاں

۱۵۶۲ء میں راجہ بہاری مل سے دوستی کے بعد اکبر نے اُس کی بیٹی سے شادی کی۔ جہانگیر اسی راجکماری کا بیٹا تھا۔ ۱۵۷۰ء میں اکبر نے بیکانیر اور جیسلمیر کی راجکماریوں سے بھی شادیاں کیں اس طرح اکبر راجپوت خاندانوں کے بالکل نزدیک آگیا۔ جب شہزادہ سلیم جوان ہوا تو اکبر نے اس کی شادی راجہ بھگوان داس کی لڑکی اور مان سنگھ کی بہن جودھا بائی سے کر دی۔ ان شادیوں کی وجہ سے اکبر کی سیاسی پوزیشن بہت مضبوط ہو گئی۔ یہ راجپوت خاندان اُس کے سچے وفادار اور جان نثار بن گئے۔ اور انہوں نے سلطنت مغلیہ کی شاندار خدمات انجام دیں۔

۲۔ راجپوتوں سے عمدہ سلوک

اکبر نے راجپوتوں کا دل موہ لینے کے لئے بوندی کے راجہ سے بڑی عزت و آبرو کا سلوک کیا اور اس کی سب شرطیں مان کر

اُس سے صلح کی اسی طرح اُس نے ہندوؤں کی فوج میں بھرتی کی عام اجازت دے دی۔ کہتے ہیں اُس کی فوج میں آدھے سے زیادہ ہندو تھے اس کے علاوہ راجہ بھگوانداس۔ راجہ مان سنگھ راجہ ٹوڈرمل اور راجہ بیربل اعلیٰ عہدوں پر قائم تھے اس حسن سلوک کی وجہ سے ہندو رعایا میں اکبر سے عقیدت اور وفاداری کے جذبے پیدا ہوئے اور ہندو محبت سے اُسے "مہابلی" کہہ کر پکارنے لگے۔ اور کئی ہندو اس کے درشن کرنے کو باعث سعادت سمجھنے لگے۔ اکبر جھروکے میں بیٹھ کر اُنہیں درشن دیتا تھا یہ رسم اُس کے بعد بھی مدتوں تک قائم رہی۔

۳۔ مذہبی ٹیکسوں کی منسوخی

اکبر نے یاترا ٹیکس اور جزیہ منسوخ کر دیا تاکہ ہندوؤں کی کسی طرح دلآزاری نہ ہو اور وہ مسلمانوں کی طرح اپنے آپ کو ہر طرح آزاد سمجھیں۔ اس سے ہندوؤں میں اُس کی ہردلعزیزی بہت بڑھ گئی

۴۔ مذہبی رواداری

اکبر نے ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی عطا کی۔ اُن کے مندروں اور طریقہ عبادت میں کسی قسم کی دخل اندازی کی اجازت نہ تھی اکبر دسہرہ اور دیوالی کی تہواروں میں شامل ہوتا تھا اور برہمنوں کو انعام و اکرام دیتا رہتا تھا اُس کے عہد میں گائے کشی بھی بند تھی اور کئی مقدس دنوں پر جانور ذبح کرنے بھی منع تھے۔ غرضیکہ اکبر ہندوؤں کی دلداری کے ہر طرح کوشاں رہتا تھا۔

اکبر کی یہ پالیسی بڑی کامیاب رہی۔ راجپوت اور عام ہندو اُس کے سچے وفادار بن گئے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں دینے پر تیار ہو گئے۔ راجپوت جرنیلوں اور ہندو امیروں وزیروں نے مغلیہ سلطنت کو بڑھانے اور مضبوط کرنے میں کسی طرح کی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس سے اکبر کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ مغل اور افغان سرداروں کی بغاوتوں ... [illegible]

لے سکتا تھا۔ اس حکمت عملی کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد کی شاندار روایات قائم ہوئیں۔ ملک میں امن و امان اور خوش حالی کو بڑھاوا ملا اور سلطنت کی جڑیں نہایت مضبوط ہوگئیں اور ملک میں ایک مشترکہ تہذیب و تمدن کا آغاز ہوا جو آج بھی ہندوستان کی متحدہ قومیت کا سنگ بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر کو ہندوستان کا سب سے پہلا قوم پرور بادشاہ مانا جاتا ہے اور سب ہندوستانی اُسے آج بھی عقیدت اور محبت سے یاد کرتے ہیں۔

اکبر کے مذہبی خیالات اور دین الٰہی

اکبر کے مذہبی خیالات کی نشوونما کی کہانی بڑی دلچسپ ہے شروع شروع میں وہ ایک سیدھا سادہ مسلمان تھا اور نماز روزہ کا بڑا پابند تھا اُسے صوفیوں اور بزرگان دین سے بڑی عقیدت تھی۔ لیکن ان دنوں میں اُس کا دامن تعصب سے بالکل پاک تھا اُسے چشتی صوفی بزرگوں سے بڑی محبت تھی چنانچہ وہ کئی بار پیادہ پا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی درگاہ پر حاضر ہوا اور شیخ سلیم چشتی کو اپنا پیشوا مانتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے اُس نے شیخ سلیم چشتی کے گاؤں فتح پور سیکری کو اپنی راجدھانی بنایا جہاں آج بھی اُس کے محلات اور دیگر عمارتوں کے کھنڈر اُس دور کی کہانی سنا رہے ہیں ۱۵۷۹ء سے اُس کے مذہبی خیالات میں تبدیلی آنی شروع ہوئی اس کی کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اکبر شروع ہی سے مذہبی سوچ بچار میں بڑی دلچسپی رکھتا تھا اور گھنٹوں اکیلے بیٹھ کر غور و فکر میں غرق رہا کرتا تھا وہ خود تو

اَن پڑھ تھا لیکن مذہب فلسفہ اور تاریخ کی کتابیں بڑے شوق سے پڑھوا کر سنتا تھا۔ کئی عبارتیں اشعار و اقوال اُسے ازبر یاد تھے۔ اس علمی ماحول نے اس کے دل کو انسانی عظمت اور محبت سے معمور کر رکھا تھا ۱۵۶۲ء کے بعد راجپوت شہزادیوں سے شادیوں کے بعد اُسے ہندو دھرم کو بغور سمجھنے کا موقعہ ملا اور حق کی تلاش میں اس کی جستجو بڑھتی رہی۔ آخر ۱۵۷۸ء میں اُس نے فتح پور سیکری میں عبادت خانہ تعمیر کروایا جس میں ہندو۔ عیسائی۔ جین۔ پارسی اور مسلمان عالم و فاضل آئے اور مذہبی بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے جنہیں اکبر بڑے شوق سے سنتا تھا اس کے علاوہ علامہ ابوالفضل۔ علامہ فیضی اور اُن کے والد شیخ مبارک نے جو بڑے فلسفی اور عالم تھے اکبر پر اپنی آزاد خیالی اور وسیع مشربی کے اثرات ڈالے۔ آخر اکبر کو یقین ہو گیا کہ مذہبی دیوانگی اور تنگ نظری کے مقابلہ میں مذہبی رواداری اور آزاد خیالی انسان کے کردار کے بنانے میں زیادہ کام آسکتی ہے۔ اُسے یہ بھی یقین آگیا کہ ہر دین و مذہب میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہے اس لئے اگر سب مذاہب کے اچھے اصول چن کر ایک مقبول عام مذہب جاری کیا جائے تو انسانیت مذہبی دیوانگی اور فرقہ پرستی کے مضر اثرات سے بچ سکتی ہے اور دنیا میں امن و امان اور سچی خوشی کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے ۱۵۸۱ء میں بہت سے بڑے بڑے علماء سے ایک محضر نامے پر دستخط کروائے جس میں انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے اختلاف بادشاہ کو پیش کر کے اُس کے فیصلہ کو آخری فیصلہ تسلیم کیا کریں گے لیکن عالموں نے بادشاہ کی یہ مذہبی سرداری تسلیم کرنے کو خلاف اسلام سمجھا اور اس کے خلاف آواز بلند کی۔

آخر ۱۵۸۲ء میں اکبر نے ایک نیا دین جاری کرنے کا اعلان کیا جسے "دینِ الٰہی" یا خدائی مذہب کا نام دیا گیا۔ یہ در اصل کوئی الہامی مذہب نہ تھا بلکہ سب مذہبوں کے اتحاد کی ایک فلسفیانہ یا صوفیانہ تحریک تھی اس کے اصول سب مذہبوں سے چن کر اپنائے گئے تھے

چنانچہ آگ اور سورج کا احترام۔ پیاز لسن اور گوشت۔ خوری سے بے زاری۔ قصابوں۔ شکاریوں اور ماہی گیروں کی صحبت اور اُن کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز اس مذہب کے خاص اصول تھے ہر عقیدت مند سے نیک دلی۔ صدق اور انسانی ہمدردی کے اعلےٰ جذبات کی توقع کی جاتی تھی۔ یہ لوگ سلام کی بجائے اللہ اکبر اور جواب کے لئے جل جلالہٗ کے کلمات استعمال کرتے تھے۔ اس مذہب کے ماننے والوں کے چار درجے مقرر کئے گئے تھے۔ جو پیر ہر شہنشاہ کی خاطر اپنے جان۔ مال۔ عزت اور مذہب کو قربان کرنے کی قسم کھاتے تھے وہ سب سے اعلیٰ جو ان میں سے صرف ایک چیز قربان کرنے پر تیار ہوتے تھے سب سے کمتر درجے کے مانے جاتے تھے۔ اس اصول سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین الٰہی کی ترویج میں مذہبی سے زیادہ سیاسی غرضیں پوشیدہ تھیں۔ جو لوگ شہنشاہ کی عنایات چاہتے تھے اُن کے لئے دین الٰہی ترقی کا زینہ ثابت ہو سکتا تھا لیکن اس کے باوجود صرف گنتی کے چند خوشامدی مصاحبوں کے سوا کسی نے اس مذہب کو قبول نہ کیا اس کی بڑی وجہیں یہ تھیں کہ اس دین کی کوئی خاص کتاب یا پیغمبر یا مبلغ نہ تھے اس لئے اس کی اشاعت زور و شور سے ممکن نہ تھی۔ خود اکبر کسی شخص کو یہ مذہب قبول کرنے پر مجبور نہ کرتا تھا اس کے لئے وہ تعریف کا مستحق ہے۔ مسلمان اور ہندو عام طور پر اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس نئے فلسفیانہ مذہب کو ماننے کے لئے آسانی سے تیار نہ ہوتے تھے۔ یہی وجوہات ہیں کہ یہ مذہب ترقی نہ کر سکا اور آہستہ آہستہ خود اپنی موت آپ مر گیا۔ کہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے خود اکبر نے بھی نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا تھا اور عام خوش عقیدہ مسلمانوں کی طرح قرآنِ شریف سنتے سنتے دم توڑا۔

"دین الٰہی" اکبر کی حماقت کا نمونہ اور دینی اور دنیاوی معاملات میں اعلیٰ ترین پوزیشن حاصل کرنے کی ہوس کی شہادت سمجھا جاتی ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دین الٰہی کے ذریعے اکبر ہندو مسلم اختلافات کی خلیج پاٹ کر ایک متحدہ قوم کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا

لیکن اکبر صرف دین الٰہی کے ذریعے یہ مقاصد نہ حاصل کر سکا۔ ہاں اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اس دین سے عوام کو اکبر کی بے تعصبی کا یقین ہو گیا لیکن جہاں تک ملکی مفاد کا تعلق ہے اُن کے دین الٰہی کے مقابلہ میں اس کے دوسرے اہم کارناموں سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ ہندوؤں اور راجپوتوں کو بڑے بڑے عہدے دینا۔ راجپوتوں سے رشتے ناطے کرنا۔ مذہبی ٹیکسوں کا معاف کرنا غیر مسلموں کو پوری مذہبی آزادی دینا اور اُن سے رواداری کا سلوک کرنا بذات خود اُس کے نہایت شاندار کارنامے ہیں۔ یہ اکبر کی مذہبی رواداری کا نتیجہ ہی تھا کہ اس کے عہد میں ہندو مسلم شیر و شکر کی طرح گھل مل گئے اور سلطنت کی بنیادیں نہایت مضبوط ہو گئیں۔

اکبر کا نظام حکومت

اکبر کی حکومت شخصی بادشاہی کے اصول پر قائم تھی۔ بادشاہ کے اختیارات نہایت وسیع تھے اور اُن پر کسی قسم کی کوئی روک نہ تھی۔ صرف اسلامی قانون اور بغاوت کا ڈر ہی کسی حد تک بادشاہ کی طاقت کو محدود کرتے تھے۔ بادشاہ اسلامی قانون کے علاوہ باقی سب طرح کے قانون اور قاعدے بنانے کا مجاز تھا وہ ملک کی سب سے بڑی عدالت اور انتظامی معاملات میں سب سے اعلیٰ حاکم تھا۔ میدان جنگ میں وہ اپنی افواج کا سپہ سالار ہوتا تھا اُسے اپنی رعایا کے جان و مال پر پورا اختیار تھا لیکن ان وسیع اختیارات کے ہوتے ہوئے بھی بادشاہ کو حکومت چلانے کے لئے وزیروں اور افسروں سے مدد لینا پڑتی تھی گو وہ کسی طرح اُن کے مشورہ کا پابند نہ ہوتا تھا۔

اکبر کے عہد میں بادشاہ کے بعد حکومت کا سب سے بڑا عہدہ دار وکیل سلطنت یعنی وزیر اعظم ہوتا تھا جو بادشاہ کا خاص مشیر اور معاون

ہوتا تھا اور ہر اہم ملکی معاملہ میں اس کا مشورہ حاصل کیا جاتا تھا۔

مالگزاری اور محکمہ مال کا سب سے اعلیٰ افسر وزیر یا دیوان کہلاتا تھا۔ مالگزاری کا جمع کرنا اور سلطنت کے اخراجات کی نگرانی اور حساب رکھنا دیوان کے اہم فرائض تھے۔ فوجی نظم و نسق اور تنخواہ و طلب کے معاملات کا افسر اعلیٰ "بخشی" کہلاتا تھا۔ مذہبی اور خیراتی معاملات عالموں اور طالب علموں کی مدد معاش کے معاملات کا اعلیٰ حاکم صدر الصدور کہلاتا تھا۔ عدالتیں اور محکمہ انصاف قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس کے ماتحت تھا۔

ان وزیروں کے علاوہ بادشاہ کے توپ خانہ کا افسر اعلیٰ میر آتش سرکاری کارخانوں کا حاکم یا میر بیوتات اور بادشاہ کے محل کا داروغہ یا خانساماں بھی اہم حاکم تھے۔

ان سب وزیروں اور حاکموں کی مدد کے لئے محرر منشی اور ماتحت عملے مقرر تھے۔

مرکزی حکومت کے اس ڈھانچہ پر ہی صوبوں کی حکومتوں کی تنظیم بھی کی گئی تھی۔ صوبے کی حکومت صوبائی گورنر ناظم یا صوبے دار کے ماتحت ہوتی تھی جو صوبے کے امن و سلامتی خوشحالی اور ترقی کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ ہر ضلع میں ایک فوجدار مقرر ہوتا تھا جو امن و امان قائم رکھنے میں صوبائی گورنر کا معاون ہوتا تھا۔ صوبے کا دوسرا بڑا حاکم جو براہ راست مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتا تھا دیوان تھا۔ صوبائی مالگزاری اور اخراجات کا حساب کتاب رکھنا اور فاضل رقم کو مرکزی خزانہ میں داخل کرنا اس کے اہم فرائض تھے۔ دیوان کی مدد کے لئے ہر تحصیل میں عامل۔ قانون گو اور پٹواری مقرر تھے جو مالگزاری کی تشخیص اور جمع کے ذمہ دار تھے۔ اہم قصبوں اور شہروں کی دیکھ بھال نگرانی اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے کوتوال مقرر تھے۔ جو مجسٹریٹ بھی تھے پولیس افسر بھی۔ انصاف کے لئے جا بجا عدالتیں مقرر تھیں جن میں قاضی اور میر عدل کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کہیں کہیں پنچائتیں بھی معمولی تنازعوں کا فیصلہ کرتی تھیں۔

اکبر اچھی طرح سمجھتا تھا کہ سلطنت کی پائداری اور حکومت کی کامیابی کا انحصار ملازموں کی تن دہی۔ نیک نیتی اور جذبہ خدمت پر منحصر ہوتا ہے اس لئے اس نے سرکاری ملازمتوں کی تنظیم کی جسے "نظام منصب داری" بھی کہا جاتا ہے۔ منصب دار سول اور فوجی ہر طرح کی خدمات انجام دیتے تھے کیونکہ ان دنوں ملازمتوں میں سول اور فوجی فرائض میں کوئی تمیز روا نہ رکھی جاتی تھی۔ منصب دار یا افسر اکبر نے تینتیس درجوں میں بانٹ رکھے تھے۔ سب سے نیچا درجہ دہ باشی یا دس سواروں والے منصب دار کا اور سب سے اعلیٰ درجہ دس ہزاری افسروں کا ہوتا تھا۔ یہ عدد صرف ان کی تنخواہ اور درجہ کے تعین کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ہر منصب دار اپنے عہدہ اور مرتبہ کے مطابق سرکاری فوج کو گھوڑے اور سوار مہیا کرتا تھا اندازہ ہے کہ ایک پنج ہزاری منصب دار کو اوسطاً اٹھارہ ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی جس میں وہ اپنا اور اپنے عملے کا ہر طرح کا خرچ پورا کرتا تھا منصب دار کی تقرری۔ تنزلی۔ موقوفی صرف بادشاہ کی مرضی سے طے ہوتی تھی۔ بعض منصب داروں کو تنخواہ نقد اور بعض کو جاگیر کی صورت میں ملتی تھی۔ منصب داری کے عہدے موروثی تو نہ تھے لیکن عام طور پر منصب داروں کے قابل اور مستعد بیٹے بھی باپ کی طرح اچھے عہدوں پر فائز کئے جاتے تھے۔ منصب دار کے مرنے پر اس کی کل منقولہ و غیر منقولہ جائداد کا وارث بادشاہ ہوتا تھا اور اس کے نابالغ بچوں اور بیواؤں کی دیکھ بھال بھی بادشاہ ہی کرتا تھا۔ بعد میں عام طور پر یہ جائداد منصب دار کے بالغ وارثوں کو انعام کے طور پر عطا کی جاتی تھی اس طرح منصب داروں کی وفاداری اور بادشاہ پر جان نثار کرنے کا جذبہ بڑھتا تھا۔ سلطنت مغلیہ کی وسعت اور پائداری میں منصب داروں کا حصہ بڑا شاندار اور اہم تھا۔

اکبر کے عہد میں مغلیہ فوج کے دو حصے تھے ایک تو سرکاری فوج تھی جو براہِ راست بادشاہ کے ماتحت ہوتی تھی اور دوسرا حصہ

جاگیرداروں کے مہیا کئے ہوئے سپاہیوں سواروں اور گھوڑوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ سرکاری فوج میں بادشاہ کا ذاتی حفاظتی دستہ بھی شامل تھا جس میں عام طور پر خاندانی شرفاء کے نوجوان بیٹے بھرتی کئے جاتے تھے اور احدی کہلاتے تھے۔ ساری سرکاری فوج کے اخراجات اور تنخواہ شاہی خزانہ سے دی جاتی تھیں۔ جاگیرداری فوج میں ماتحت ریاستوں کی وقتی طور پر مہیا کی ہوئی فوج اور منصب داروں کے سپاہی اور سوار شامل ہوتے تھے ان کی تنخواہ منصب داروں کے ذریعے نقد یا جاگیر کی صورت میں دی جاتی تھی۔ ان سب سپاہیوں کے حلیے درج کئے جاتے تھے اور گھوڑوں کو داغ لگائے جاتے تھے تاکہ نکمے سپاہی اور گھوڑے فوج میں ادل بدل کر کے داخل نہ کئے جا سکیں۔ مغلیہ فوج کا سب سے اہم حصہ سوار تھے۔ ان کے علاوہ بندوقچیوں اور تیر اندازوں کی سواری کے لئے ہاتھی بھی استعمال ہوتے تھے۔ پیدل سپاہی حقیر اور ادنے سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ شاہی توپ خانہ بھی تھا جس میں ہلکی اور بھاری توپیں تھیں جو قلعہ بندیوں کے مسمار کرنے میں کام آتی تھیں۔ یہ فوج ملک گیری کے کام بھی آتی تھی اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی بھی ذمہ دار تھی۔

اکبر کی سلطنت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ مالگزاری تھی اس کے بہتر انتظام پر سلطنت کی پائداری اور رعایا کی خوش حالی کا انحصار تھا۔ اس لئے اکبر نے مالگذاری کے بندوبست پر بڑی گہری توجہ دی۔ چنانچہ اس کے عہد میں مظفر خان تربتی اور راجہ ٹوڈرمل جیسے مدبر دیوان اس کام پر مامور رہے۔ اکبر کا نظام مالگزاری زیادہ تر شیر شاہ کے نظام پر مبنی تھا لیکن بعد میں مظفر خان تربتی اور راجہ ٹوڈرمل نے اس میں کئی اصلاحات کیں۔ گجرات کی فتح کے بعد راجہ ٹوڈرمل نے وہاں کی ساری زمین کی باقاعدہ پیمائش کروائی اور ہر قطعہ کا رقبہ اور اوسط پیداوار کا اندازہ کر کے مالگزاری مقرر کی گئی۔ یہ تجربہ بہت کامیاب رہا۔ اس سے حکومت کی مستقل آمدنی میں اضافہ بھی ہوا اور رعایا بھی اجارہ داروں اور

رشوت خور افسروں کی من مانی کارروائیوں کے ظلم سے نجات پاکر سکھ کا سانس لینے لگی۔ اب یہ تجربہ شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آزمایا جانے لگا ٹوڈرمل نے اب دس سال کے لگان کی اوسط پر آئندہ مستقل لگان مقرر کیا۔ پیداوار کے لحاظ سے زمین کی چار قسمیں متعین کی گئیں۔ درجہ اول کی زمین پولج درجہ دوم کی پروتی درجہ سوم کی چچر اور درجہ چہارم کی بنجر کہلاتی تھیں۔ پیمائش کے لئے رسی اور بانس کی بجائے لوہے کی معیاری جریب استعمال کی جانے لگی اور عام طور پر پیداوار کا ایک تہائی حصہ بطور لگان وصول ہونے لگا لگان کی تشخیص اور حساب کتاب کے لئے قانون گو اور پٹواری مقرر تھے اور لگان وصول کرنے کے لئے عامل ہوتے تھے۔ لگان کی وصولی کے عمدہ قاعدے اور اصول مقرر تھے جن سے افسروں کی بد دیانتی اور رشوت ستانی کا بڑی حد تک قلع قمع ہوتا تھا رعایا پر سختی کرنے یا رشوت ستانی کی سخت سے سخت سزائیں دی جاتی تھیں اور بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز روا نہ رکھی جاتی تھی۔ قحط اور خشک سالی کے موقعہ پر مالیہ سرکار کم یا بالکل معاف کر دیا جاتا تھا اور مستحق کسانوں کو تقاوی قرضے دے کر پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنایا جاتا تھا۔ اکبر کا نظام مالگزاری کسی نہ کسی شکل میں آج تک قائم ہے اور یہ اس نظام کی کامیابی اور فائدہ بخش ہونے کی سب سے بڑی دلیل مانی جاتی ہے۔ اکبر کے اس اعلیٰ نظام مالگزاری کی وجہ سے کسان کو پہلے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ اُس کے ذمہ مطالبہ سرکار کیا ہے اور وہ اپنی زمین کی پیداوار بڑھانے کی پوری کوشش کرتا تھا۔ فصل کا نقصان ہونے پر اُس کا مالیہ کم کر دیا جاتا تھا اس سے کاشتکار اور عام رعایا خوش حال ہوگئی اور حکومت کو بھی مستقل آمدنی کا صحیح اندازہ ہوگیا اور اس طرح ملکی انتظام اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں سہولت پیدا ہوگئی۔ اکبر نے کئی متفرق ٹیکس اور رسوم معاف کر دیں جن کی وجہ سے رعایا ناحق پریشان رہا کرتی تھی۔ اکبر نے اپنی رعایا کی بہتری کے لئے کئی سماجی بُرائیوں

کو دُور کرنے کی بھی حتی الوسع کوشش کی وہ ایک آزاد خیال بادشاہ تھا اور اپنی رعایا کو بھی تنگ نظری اور بُری رسموں سے چھٹکارا دلانا چاہتا تھا چنانچہ اُس نے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا طریقہ بالکل منسوخ کر دیا اور اُن کے بیوی بچوں سے کسی قسم کا بُرا سلوک کرنا سختی سے منع کر دیا۔ اُس نے اپنی مرضی کے خلاف کسی عورت کے ستی ہونے کی ممانعت کر دی۔ اور چھوٹی عمر میں شادی کرنے کی بھی مخالفت کی وہ توہم پرستی کا بھی سخت خلاف تھا۔ اُس نے مذہبی ٹیکس معاف کرکے رعایا کو پوری مذہبی آزادی دے دی۔ ہندوؤں کی دلجوئی کے لئے وہ ہندوانہ لباس پہنتا تھا اور اُن کی کئی رسموں کو پسند کرتا تھا چنانچہ اُس نے خیرات کے لئے تلا دان کا طریقہ اپنایا اور مقدس دنوں پر جانور ذبح کرنے کی ممانعت کر دی اکبر نے عبادت خانہ تیار کرکے مذہبی تبادلہ خیالات اور آزاد خیالی کو ترقی دی اور صداقت سکون ذہنی محبت اور انصاف پر مبنی معاشرے کی ترویج و ترقی کا حامی تھا یہی وجہ ہے کہ اکبر ایک مدبر اور قابل حکمران اور سلطنت مغلیہ کا حقیقی بانی مانا جاتا ہے۔

اکبر کی شخصیت، سیرت اور اُس کی عظمت

اکبر دُنیا کی تاریخ میں ایک پر شکوہ شہنشاہ۔ بلند ہمت۔ فاتح۔ مُدبّر۔ قوم پرور اور علم و فنون کے سرپرست کی حیثیت سے ایک عظیم شخصیت کا مالک شمار ہوتا ہے۔ اُس نے بچپن نہایت کس مپرسی کی حالت میں شروع کیا لڑکپن میں تاج شہنشاہی اُس کے سر پر رکھا گیا۔ چاروں طرف سے دشمنوں نے

اُسے گھیر رکھا تھا لیکن اُس نے اپنے آہنی ارادے۔ ذاتی قابلیت اور محنت سے سب دشمنوں کو زیر کیا اور کشمیر سے نربدا گھاٹ تک اور بنگال سے افغانستان تک ایک وسیع سلطنت قائم کر کے سارے ملک میں اپنی دھاک بٹھا دی۔ اُس نے اعلیٰ درجہ کے منتظم اور ہمدرد ملک وزیر کی مدد سے ایک نمونے کا نظام حکومت قائم کیا اور ملک میں امن و امان کر کے قومی اور ملکی ترقی اور خوش حالی کے دروازے کھول دیئے وہ بلا کا ذہین اور اعلیٰ جنگی قابلیت کا مالک تھا خود جنگی نقشے تیار کرتا اور نہایت ہوشمندی سے ان پر عمل کر کے علاقوں کے علاقے فتح کرتا اور اپنی سلطنت کی حدیں دُور دُور تک پھیلاتا رہا اُس کے ذاتی جوہروں کی وجہ سے اُس کے جرنیل اور امیر وزیر بھی حوصلہ اور عزم سے سرشار تھے اُس نے رعایا کی بہبودی اور حکومت کے استحکام کے لئے اپنی ملکی پالیسی ایسی بنیادوں پر قائم کی کہ سب ہندوستانی اُس کے گرویدہ ہو گئے مغل۔ پٹھان۔ راجپوت۔ ہندو اور ہندوستانی مسلمان سب اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اتحاد و اتفاق کے رشتے میں بندھ گئے۔ یہ اُس کا سب سے بڑا اور شاندار کارنامہ تھا۔ ایک طرف تو اُس نے ساری رعایا کے ساتھ مذہب و ملت کی تمیز کے بغیر انصاف۔ رواداری اور شفقت کا سلوک کر کے اُن کا دل موہ لیا اور دوسری طرف ہندوستان میں ایک ایسی مشترکہ تہذیب کی بنیاد رکھی جو قدیم ہندو اور اسلامی تہذیب و تمدن کا سنگم ثابت ہوئی اور آج ہمارا سب سے زیادہ قیمتی قومی ورثہ ہے اُس کی اس کوشش کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

اکبر قد کا لمبا۔ جسم کا مضبوط اور طاقت ور تھا۔ اونچی پیشانی۔ گھنی بھویں۔ چھوٹی اور چمکدار آنکھیں اُس کے چہرے پر جلال برساتی تھیں وہ ویسے تو بڑا حلیم مزاج۔ شفیق اور محبت کا آدمی تھا لیکن اس کا غصہ بڑا خوف ناک تھا۔ قدرت نے اس میں مستعدی جفاکشی اور قوت عمل کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ

سیدھا سچا اور کھرا آدمی تھا اور تدبیر و حکمت عملی ۔ بڑا طاق تھا اس کا دل انسانی عظمت کا قائل تھا یہی وجہ ہے کہ وہ سب انسانوں سے رنگ و نسل مذہب کی تمیز کے بغیر ایک سا سلوک کرتا تھا یہی اس کی اپنی عظمت کا راز تھا۔ اکبر کو شکار اور پولو کا بڑا شوقین تھا ؎

عہد اکبری میں تمدنی میل جول

(Cultural synthesis under Akbar)

اکبر خود اَن پڑھ تھا لیکن عالموں کی صحبت میں بیٹھنے اور علمی بحث و مباحثہ میں حصہ لینے کا اُسے بڑا شوق تھا وہ اچھی اچھی کتابوں کی تلاش میں رہتا انہیں منگواتا اور پڑھوا کے سنتا تھا۔ اس کے پاس ایک نہایت اعلیٰ کتب خانہ تھا جس میں عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ سنسکرت اور کشمیری کی کتابیں تھیں۔ اکبر نے کئی یونانی۔ عربی فارسی اور سنسکرت کتابوں کے ترجمے کروائے۔ اُس کے عہد میں اتھروید۔ رامائن۔ مہابھارت گیتا اور حساب کی مشہور سنسکرت کتاب لیلاوتی کے ترجمے فارسی زبان میں ہوئے جو اُس زمانے کی دفتری اور کاروباری زبان تھی۔

اکبر ہندی اور فارسی کے مصنفوں اور عالموں کا بڑا قدر دان تھا اُس کے عہد میں ابوالفضل اور فیضی بہت بڑے عالم اور مصنف ہو گزرے ہیں ان دونوں پر اکبر خاص عنایات کرتا رہتا تھا۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ اور آئین اکبری میں اُس زمانے کے تاریخی اور ملکی حالات قلمبند کئے جو مورخوں کے لئے ایک بے بدل خزینہ ہیں۔ فیضی اُس کا درباری شاعر تھا جس نے بھگوت گیتا کا فارسی نظم میں ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ نظام الدین احمد بخشی اور ملا عبد القادر بدایونی مشہور مورخ بھی اکبر کی سرپرستی سے مالا مال تھے۔ اسی عہد میں ہندی کے دو بڑے شاعر تلسی داس اور سور داس بھی ہو گزرے ہیں۔ تلسی داس نے ہندی میں رامائن لکھی اور سور داس نے جو اکبر کا درباری ہندی شاعر تھا شری کرشن جی کی شان

میں کئی نظمیں لکھیں۔ رحیم یعنی عبدالرحیم خان جو بیرم خان کا بیٹا تھا۔ فارسی و ترکی کے علاوہ ہندی کا مشہور شاعر تھا اس کی تعلیم و تربیت بھی اکبر نے ہی کروائی تھی۔

اکبر کو سنگیت یا موسیقی سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ اس کے دربار میں کئی بڑے بڑے اُستاد گویے ملازم تھے ان میں گوالیار کے رہنے والے میاں تان سین سب سے مشہور ہیں۔

اکبر مصوری کا بھی بڑا قدردان تھا اس کے عہد میں مشہور ایرانی اُستاد مصور عبدالصمد اور اس کے ساتھیوں نے ایرانی طرز مصوری کو رواج دیا۔ ہوتے ہوتے ایرانی اور ہندوستانی مصوری کے میل جول سے ایک نئی طرز مصوری جسے مغل مصوری کہتے ہیں رواج پا گئی۔ اس طرز کے مشہور ماہر وسونت اور بساون بھی اسی عہد میں ہو گذرے ہیں۔

اکبر فن تعمیر کا بھی بڑا سرپرست تھا۔ اس زمانے کے فن تعمیر میں اسلامی طرز تعمیر اور ہندو طرز کا حسین میل جول تھا چنانچہ فتح پور سیکری کے محل۔ بارہ دریاں اور مکان آج بھی اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ فتح پور میں شیخ سلیم چشتی رح کا مقبرہ۔ جامع مسجد اور اس کا بلند دروازہ قابل دید ہیں۔ اس کے علاوہ لاہور کے قلعے کا کچھ حصہ۔ لال قلعہ آگرہ اور ہمایوں کا مقبرہ بھی اکبر کی شاندار یادگار عمارتیں ہیں۔

غرضیکہ ملکی انتظام۔ رعایا پروری۔ فتوحات۔ قومی یک جہتی اور اتحاد کی کوششوں اور تمدنی ترقی کی وجہ سے اکبر کا عہد ایک یادگار دور ہے اور انہی کی وجہ سے اکبر زندہ جاوید ہے۔

ابوالفضل علم و فضل اور دانشمندی کے لحاظ سے ابوالفضل اپنی نظیر آپ تھا وہ شیخ مبارک کا بیٹا تھا اور عربی و فارسی زبانوں کا کامل استاد اور ہیئت ریاضی فلسفہ میں کمال کی مہارت رکھتا تھا صلح کل مذہبی رواداری اور آزاد خیالی کا حامی تھا۔ اکبر کی سیرت پر اُس کا گہرا اثر تھا اُس کی فارسی طرز تحریر سے فارسی زبان پر اُس کی قدرت کی شہادت ملتی ہے اُس کی لکھی ہوئی چٹھیوں کا مجموعہ "انشائے ابوالفضل" فارسی ادب کا بہترین نمونہ ہے اس کے علاوہ اس نے اکبرنامہ میں ہمعصر تاریخ اور "آئین اکبری" میں ملکی حالات انتظام حکومت۔ رسم و رواج اور سماجی کیفیتوں کا مفصل بیان کیا ہے یہ دونوں کتابیں تاریخ کے طالب علموں کے لئے بہت اہم ہیں۔ ابوالفضل دین الٰہی کو مانتا تھا اور اکبر کو خدا کا نائب مانتا تھا۔ اپنی قابلیت اور ذاتی جوہر کی وجہ سے وہ ترقی کرتے کرتے اکبر کا وزیر اعظم بنا ابوالفضل نے کئی جنگی مہموں میں بھی حصہ لیا۔ اکبر اس پر بہت اعتماد کرتا تھا اور اُسے اپنا عزیز دوست ہمدرد مشیر اور قابل غوث عالم سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ باقی شہزادے اور امیر وزیر اس سے حسد کرتے تھے ۱۶۰۲ء میں شہزادہ سلیم کے ایماء پر بیر سنگھ بندیلے نے ابوالفضل کو قتل کر دیا اکبر کو اس حادثہ سے ایسا دھکا لگا کہ اس غم سے نڈھال ہو گیا اس کے بعد اس کی صحت نہ سنبھلی اور آخر وہ خود بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ابوالفضل اکبر کے نو رتنوں میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم تھا۔

فیضی ابوالفضل کا بڑا بھائی تھا۔ فارسی شعر گوئی میں کمال رکھتا تھا فارسی و عربی کے علاوہ سنسکرت کا زبردست عالم تھا۔ اکبر نے اُسے اپنا ملک الشعراء مقرر کر رکھا تھا۔ فیضی نے قرآن شریف کی ایک تفسیر عربی زبان میں لکھی ہے۔ کمال یہ کیا کہ پوری تفسیر میں کوئی نقطہ دار

صرف استعمال نہ کیا۔ اس تفسیر کا نام "سواطع الالہام" ہے اور چھپ چکی ہے
اس کے علاوہ فیضی کا بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ مشہور ہے۔ فیضی بھی
مذہبی رواداری اور آزاد خیالی کا زبردست حامی تھا۔ اس کا شمار بھی اکبر
کے نو رتنوں میں ہوتا ہے۔

راجہ بیربل بیربل کالپی کا رہنے والا بھاٹ یا براہمن تھا۔ اُس
کا اصلی نام مہیش داس تھا اپنی ظرافت اور لطیفہ
گوئی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اکبر اُسے نہایت عزیز رکھتا تھا اور کبھی
اپنے سے جُدا نہ ہونے دیتا تھا چنانچہ اُس نے فتح پور سیکری کے محل
کے اندر ہی ایک مکان بیربل کو بنوا دیا تھا جب یوسف زئی
پٹھانوں نے بغاوت کی تو راجہ بیربل اُن کی سرکوبی کے لئے بھیجا
گیا اور آخر اسی مہم میں کام آیا بادشاہ کو اس عزیز دوست کی
موت سے ایسا صدمہ ہوا کہ کئی روز تک اُس نے کچھ مُنہ نہ لگایا۔
اور کھانا پینا تک ترک کئے رکھا۔ بیربل بھی اکبر کے نو رتنوں میں
سے ایک تھا۔

راجہ ٹوڈرمل پنجاب کے ایک کھتری گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔
چھوٹی عمر میں ہی اُس کا باپ مر گیا لیکن اُس
کی ماں بڑی ہوشمند اور جفاکش عورت تھی۔ اُس نے ٹوڈرمل کی تعلیم
و تربیت کی طرف پوری توجہ دی بالآخر شیر شاہ سوری کے
عہد میں چھوٹی سی نوکری سے اُس نے اپنی سرکاری زندگی کا
آغاز کیا اور ترقی کرتے کرتے محکمہ مالگزاری کا ایک اعلیٰ افسر بن
گیا بعد ازاں اکبر کے دیوان مظفر خان ترمتی نے ٹوڈرمل کی قابلیت
سے آگاہ ہو کر اُسے اپنے ماتحت ایک اعلیٰ عہدہ دے دیا اور
آخر ٹوڈرمل اکبر کا دیوان مقرر ہو گیا۔ ٹوڈرمل کا سب سے شاندار

کارنامہ اُس کا نظام مالگزاری اور بندوبست اراضی ہے لیکن اُس کی فوجی خدمات بھی قابل قدر تھیں۔ چنانچہ فتح بنگال میں راجہ ٹوڈرمل نے بہت نام پیدا کیا۔ راجہ ٹوڈرمل بھی اکبر کے دربار کے نو رتنوں میں سے تھا۔

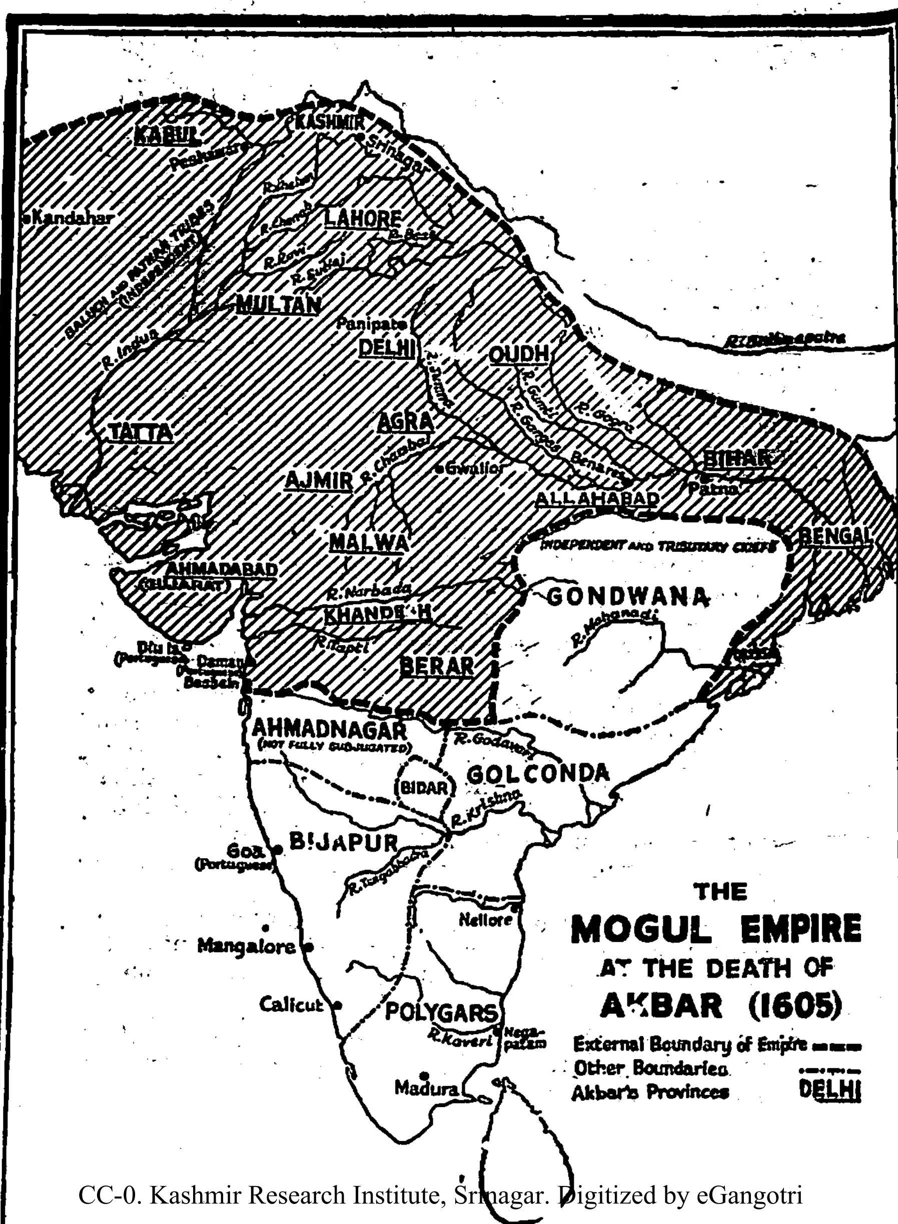
راجہ مان سنگھ راجہ بھگوانداس والئے جے پور کا منہ بولا بیٹا تھا ۱۵۶۲ء میں اکبر نے اُسے فوج میں ایک اچھے عہدے پر ملازم رکھا۔ راجہ مان سنگھ نے اپنی بہادری قابلیت اور جانثاری سے جلد ہی اکبر کے دل میں گھر کر لیا اور سپہ سالاری کے درجے پر پہنچا۔ راجہ مان سنگھ کا سب سے بڑا جنگی کارنامہ رانا پرتاپ والئے میواڑ کے خلاف ہلدی گھاٹ کا فیصلہ کن معرکہ اور اس کے ہاتھوں رانا پرتاپ کی شکست ہے۔ ان خدمات کی وجہ سے اکبر نے اُسے صوبائی گورنر کے عہدے پر فائز کیا اور وہ کابل اور بنگال کا صوبیدار رہا۔ راجہ مان سنگھ اکبر کے نو رتنوں میں سے تھا اور راج دربار میں اُسے ایک نہایت اہم اور بارسوخ شخصیت سمجھا جاتا تھا۔

عبدالرحیم خان خاناں عبدالرحیم خان بیرم خان کا فرزند تھا وہ ۱۵۵۶ء میں لاہور میں پیدا ہوا۔ ابھی کم سن ہی تھا کہ اُس کا والد معزول اور پھر قتل ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالرحیم خان کی پرورش و تربیت کا انتظام خود اکبر نے اپنی نگرانی میں کیا۔ عبدالرحیم خان نے فارسی۔ عربی اور ترکی زبانوں پر پورا عبور حاصل کیا وہ خود بھی عالم تھا اور عالموں کا بڑا مربی اور قدردان بھی تھا۔ عبدالرحیم نے تزک بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ رحیم کے نام سے ہندی ادب میں بھی اُس کا نام زندہ جاوید ہے۔ اس کے نصیحت بھرے دوہے آج بھی مقبول ہیں۔ عبدالرحیم نے میدانِ جنگ میں بھی بڑا نام پایا اور جہانگیر کے عہد میں اُسے خان خاناں کا خاندانی خطاب اور پنجہزاری منصب عطا ہوا۔ آخر جہانگیر کے عہد میں

عالم جاودانی کو سدھارا۔

ہیموں عام طور پر ہیموں بقال کے نام سے مشہور ہے وہ ریواڑی کا ایک ہوشیار بنیا تھا اور شروع شروع میں شورہ بارود کی تجارت کرتا تھا۔ اسلام خاں سوری کے عہد میں اس نے سرکاری ملازمت کر لی اور آخر سلطان عادل شاہ سوری کے عہد میں ترقی کرتے کرتے وزیر اعظم اور سپہ سالار کے عہدے پر فائز ہوا۔ ہمایوں کی وفات کے بعد اس نے دہلی اور آگرہ پر یلغار کر کے پورا تسلط جما لیا اور راجہ بکرماجیت کا لقب اختیار کر کے حکومت کرنے لگا۔ پانی پت کی دوسری لڑائی میں اس نے جان توڑ مقابلہ کے باوجود شکست کھائی اور زنجیر دل میں باندھ کر اکبر کے دربار میں پیش کیا گیا جہاں بیرم خاں خان خاناں نے اسے اپنے ہاتھ سے قتل کر کے اس کا سر کابل بھیج دیا اور لاش کو شہر دہلی کے دروازے پر لٹکوا دیا۔ ہیموں ایک منتظم مدبر اور اعلیٰ درجہ کا سپاہی تھا۔ آج کل کے تاریخدانوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے آقا کا سچے دل سے وفادار تھا اور اس کا اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے کی روایت محض افسانہ ہے۔

چاند بی بی چاند بی بی ہندوستانی عورتوں میں ایک ممتاز شخصیت کی مالک تھی وہ احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کی شہزادی اور سلطان علی عادل شاہ والئے بیجاپور کی ملکہ تھی۔ علی عادل شاہ کے بعد وہ احمد نگر لوٹ آئی اور یہاں اپنے بھتیجے مرتضیٰ نظام شاہ کی سرپرست بن کر اس کی طرف سے احمد نگر پر حکومت کرنے لگی۔ چاند بی بی بلا کی بہادر۔ ذہین جفاکش اور ایک اعلیٰ درجہ کی مدبر عورت تھی۔ ۱۵۹۵ء میں جب اکبر کی فوجوں نے احمد نگر پر یورش کی تو چاند بی بی مردانہ وار مقابلہ پر ڈٹ گئی اور مغلوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ افسوس ہے کہ ۱۵۹۹ء میں اس کے اپنے ملک کے ہی ساز شی امیروں کے ایماء پر چند باغیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔ اس کے مرتے ہی شہزادہ


KABUL
Peshawar
KASHMIR
Srinagar
Kandahar
LAHORE
R. Indus
MULTAN
Panipat
DELHI
OUDH
R. Gumti
R. Gogra
R. Ganges
Benares
TATTA
AGRA
AJMIR
Gwalior
BIHAR
Patna
ALLAHABAD
MALWA
BENGAL
INDEPENDENT AND TRIBUTARY CHIEFS
AHMADABAD
(GUJARAT)
GONDWANA
R. Narbada
R. Mahanadi
KHANDESH
R. Tapti
BERAR
Daman
Bassein
AHMADNAGAR
(NOT FULLY SUBJUGATED)
R. Godavari
(BIDAR)
GOLCONDA
R. Krishna
BIJAPUR
Goa
(Portuguese)
Nellore
Mangalore
Calicut
POLYGARS
R. Kaveri
Nega-patam
Madura
THE
MOGUL EMPIRE
AT THE DEATH OF
AKBAR (1605)
External Boundary of Empire
Other Boundaries
Akbar's Provinces
DELHI

دانیال نے حملہ کر کے احمد نگر فتح کر لیا۔ چاند بی بی نے اپنے وطن عزیز کی خاطر جو شاندار کارنامے سر انجام دئے اُن کی وجہ سے آج بھی اُس کا نام زندہ جاوید ہے۔

EXERCISE.

1. What do you know about the polilical condition of India on the eve of Babur's invasion of India ?
2. Give an account of the career and achievements of Zahir-ud-Din Muhamad Babur. How do you account for his success in his Indian campaigns ?
3. Give an estimate of the character of Shershah Suri. How do you account for his success against Humayun ? Relate Shershah's important reforms to show that he was a forerunner of Akbar the Great. (J & K. U. 1960)
4. Give a brief account of the military expeditions and conquests of Akbar in Northern India and his Deccan Policy.
5. Who was Bairum Khan ? What services did the render to the Mughal Empire ? How do you account for his ultimate fall ?
6. What was the policy of Akbar the Great towards the Rajputs and to what extent was he successful in carrying that out. (J & K. *U.* 1952, P. *U.* 1935)
7. Give an account of the religious policy of Akbar. (J & K. U. 1950)

   What do you understand by Din-i-Elahi ?
8. Briefly describe the administrative system of Akbar the Great.
9. Akbar was a national monarch. Describe the measures taken by Akbar to show that he wanted to be the ruler of all his people. (J & K. U. 1960)
10. Write short note on :—
    Abdul Fazl ; Fyzee ; Raja Birbal , Raja Todarmal ; Raja Man Singh ; Abdur Rahim Khan : Hemu ; Chand Bibi.

باب دوم

شہنشاہ اکبر کے جانشین

سنہ ۱۶۰۵ء تا سنہ ۱۷۰۷ء

نورالدین محمد جہانگیر
سنہ ۱۶۰۵ء تا سنہ ۱۶۲۷ء

شہزادہ سلیم اکبر کا سب سے بڑا بیٹا تھا اکبر نے اُسے بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا وہ محل کی بیگمات کی آنکھوں کا تارا تھا اسی لیے بےجا لاڈ نے سلیم میں خودسری اور عیش پرستی پیدا کر دی اور جوان ہو کر اُس نے دو بار اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی لیکن اکبر نے بڑی شفقت سے اُسے معاف کر دیا ۱۶۰۲ء میں اُس کی شہ سے بیر سنگھ بندیلے نے علامہ ابوالفضل کو قتل کر دیا کیونکہ شہزادہ سلیم ابوالفضل کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ شہزادہ سلیم اپنے باپ کے وفات کے بعد سنہ ۱۶۰۵ء میں نورالدین محمد جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا

جہانگیر ایک عظیم الشان باپ کا بیٹا اور ایک شاندار بیٹے کا باپ تھا اسی وجہ سے اُس کی اپنی شہرت ماند پڑ چکی تھی لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ گو جہانگیر



SHAH JAHAN (1627-58)



JAHANGIR (1605-27)



AURANGZEB (1658-1707)

اپنے باپ اور بیٹے (شاہجہاں) جیسا بڑا بادشاہ نہیں ہو گذرا
پھر بھی وہ بڑا نیک اور رعایا پرور حاکم تھا اُس نے اپنے
باپ کی صلح کل اور مذہبی رواداری کو جاری رکھا۔ عام طور
پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول کی حوصلہ افزائی کرتا رہا
لیکن یہ بھی اعلان کر دیا کہ وہ اسلام کا پیرو ہے اور اس کی
حفاظت اپنا فرض سمجھتا ہے اس کے عہد حکومت میں عام طور
پر امن وامان رہا۔

جہانگیر نے تخت سنبھالتے ہی ملک و قوم کی بہتری اور بھلائی
کے لئے کئی قانون جاری کئے اور تجارت پر ناجائز محصول معاف
کرنے کا اعلان کر دیا۔ جہانگیر نے سرائیں۔ مدرسے اور کتب خانے
بھی بڑی دلچسپی لی اور نشہ آور چیزوں کے استعمال پر روک
لگا دی جہانگیر نے انصاف و دادرسی کے لئے نہایت عمدہ انتظامات
کئے۔ وہ خود بر وقت فریادیوں کی دادرسی کے لئے تیار رہتا۔
اس کا عدل و انصاف آج بھی ضرب المثل ہے۔

شہزادہ خسرو کی بغاوت

شہزادہ خسرو جہانگیر اور بے پورہ کی راجکماری کا بیٹا تھا۔ وہ
خوبصورت۔ با اخلاق اور ہر دل عزیز شہزادہ تھا۔ عہد اکبری کے
آخری دور میں راجہ مان سنگھ اور دوسرے راجپوت سرداروں نے
سازش کی تھی کہ کسی طرح شہزادہ سلیم کی جگہ شہزادہ خسرو ولیعہد
قرار پا جائے لیکن یہ سازش ناکام ہو گئی تھی۔ تخت نشینی کے بعد
جہانگیر نے خسرو کو شاہی محل میں کڑی نگرانی میں رکھا ہوا تھا
اس سختی سے تنگ آکر موقعہ پاتے ہی خسرو بھاگ نکلا اور
پنجاب پہنچکر بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ جہانگیر خود اس کے
تعاقب میں آیا اور شکست دے کر خسرو کو گرفتار کر لیا۔ اس
بغاوت میں سکھ پیشوا گرو ارجن دیو نے شہزادے کا ساتھ دیا تھا
خود گرو صاحب کے سگے بھائی نے ان کے خلاف شہادت دی
اور جہانگیر نے گرو صاحب کو بغاوت کے الزام میں ضمانت کے

سپرد کر دیا جہاں سے انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ گرو صاحب اگر ایک باغی کی ہمدردی نہ کرتے تو اپنی عمر کے آخر تک نہایت چین کی زندگی بسر کرتے کیونکہ جہانگیر ویسے سکھوں کا کوئی مخالف نہ تھا۔ اس نے مذہبی بنا پر کبھی کسی فرقہ سے سختی کا سلوک روا رکھا۔ شہزادہ خسرو کے باقی ساتھیوں کو بھی سولیوں پر لٹکایا گیا اور خسرو کو قید کر دیا گیا۔ اس کے بعد جہانگیر خود کابل چلا گیا بعد میں خسرو کے حامیوں نے پھر بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن سب پکڑے گئے اور انہیں سخت سزائیں دی گئیں اور خود خسرو کو اندھا کر دیا گیا بعد میں جہانگیر کو ترس آیا اور اس نے علاج معالجہ کروایا جس سے اس کی ایک آنکھ کو کچھ روشنی آگئی۔ آخر ۱۶۲۳ میں شہزادہ خسرو مرگیا اور الہ آباد میں خسرو آباد میں دفن ہوا جہاں آج بھی اس کا مقبرہ موجود ہے۔

نورجہاں سے شادی

۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے نورجہاں سے شادی کر لی۔ نورجہاں جہانگیر کے مزاج میں اس حد تک دخیل ہوگئی کہ اس نے حکومت کا سارا کام خود سنبھال لیا اور اپنے باپ اعتماد الدولہ (غیاث بیگ) در آصف خان کو وزارت سپرد کر دی۔ جہانگیر اور نورجہاں کی شادی کے متعلق تاریخی روایات محبت کے ایک افسانہ کی طرح مشہور ہیں

ایران کے ایک منچلے مرزا غیاث بیگ نے مفلسی اوربے کا زور سے تنگ آکر قسمت آزمائی کے لئے ہندوستان کا رخ کیا جہاں اس وقت جلال الدین محمد اکبر راج کر رہا تھا اور ملک میں ہر طرف

ہن برس رہا تھا سفر کے دوران میں نہایت تنگ دستی کے عالم میں اُس کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام مہرالنساء رکھا گیا کسے معلوم تھا کہ اس کس مپرسی کے عالم میں پیدا ہونے والی یہ بچی ایک دن سارے ہندوستان کی ملکہ ہوگی۔ ہندوستان پہنچ کر امرزا غیاث بیگ اکبر کے دربار میں معمولی عہدے پر متعین ہوا لیکن اپنی تمانت، اور محنت سے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا ایک بڑا عہدے دار اور بارسوخ سردار بن گیا۔ جب مہرالنساء جوان ہوگئی تو مرزا غیاث بیگ نے اس کی شادی ایک ایرانی سردار علی قلی خان استاجلو سے کر دی جو اپنے خطاب شیر افگن سے مشہور ہے۔ شیر افگن کافی عرصہ شہزادہ سلیم کی سرکار میں ملازم رہا اور پھر اُسے بردوان (بنگال) میں جاگیر عطا ہوئی اور وہ وہاں چلا گیا جہانگیر کی تخت نشینی کے کے بعد شیر افگن اور قطب الدین کوکہ صوبیدار بنگال میں جھگڑا ہوگیا جس میں قطب الدین کوکہ شیر افگن کے ہاتھوں اور شیر افگن قطب الدین کے کشمیری سپاہیوں یوسف خان اور ایبہ خان کے ہاتھوں قتل ہوگیا ملک حیدر چغتائی کشمیری نے مہرالنساء اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کو بحفاظت آگرہ پہنچایا اور اس خدمت کے عوض میں ملک حیدر کو کشمیر کی حکومت عطا کی گئی۔ وہ اس سارے واقعہ کا عینی گواہ ہے اور اس نے اپنی "تاریخ کشمیر" میں اس واقعہ کا پورا تذکرہ کیا ہے۔ آگرے میں مہرالنساء اکبر بیوہ سلطان سلیمہ بیگم کی سرکار میں رہنے لگی۔ کچھ عرصہ بعد جہانگیر نے اُسے دیکھا اور مئی ۱۶۱۱ء میں جہانگیر اور مہرالنساء کی شادی ہوگئی اُسے پہلے نور محل اور بعد میں نور جہاں کا خطاب دیا گیا۔ کہتے ہیں نور جہاں اتنی حسین نہ تھی لیکن ایک نہایت اعلیٰ سیرت اور قابلیت کی مالک تھی اس کی بہادری اور سلطنت کے معاملات میں سوجھ بوجھ۔ اعلیٰ تعلیم اور علمی شوق نے اُسے نہ صرف سلطنت کی سب عورتوں میں ہی ممتاز کر رکھا تھا بلکہ حکومت میں اُسے بہت اہم سیاسی پوزیشن حاصل تھی۔ وہ نئی سے نئی پوشاکیں ایجاد کرتی تھی۔ جیل بوٹے کا کام۔ فرش کے

سامان۔ گلاب کا عطر اسی کی جدتِ طبع کا ہی نتیجہ تھا۔ جہانگیر سے شادی کے بعد سلطنت میں اس کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا اور اس نے ایک ایسا گروہ قائم کر لیا جس نے سلطنت کی باگ ڈور پوری طرح اپنے ہاتھ میں لے لی اس گروہ کا جہانگیر پر کافی اثر تھا لیکن یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ وہ اس گروہ کے ہاتھ میں محض ایک کٹھ پتلی کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ آخر عمر میں جہانگیر شراب اور افیم کا عادی ہونے کے سبب سے کاہل اور کمزور ہو گیا تھا پھر بھی اس کا اثر کافی تھا۔ جہانگیر کے بیٹے خسرو اور پرویز اور اُن کے ساتھی اس گروہ کے مخالف تھے لیکن خرم ۱۶۲۲ء تک اس گروہ کا چہیتا تھا جب نور جہاں نے لاڈلی بیگم کی شادی شہزادہ شہریار سے کر دی تو شہریار نور جہاں کا منظور نظر بن گیا۔ اب سلطنت میں چاروں طرف بغاوتوں اور سازشوں کا جال بچھ گیا لیکن نور جہاں بڑی ہمت سے مقابلہ کرتی رہی لیکن ۱۶۲۷ء میں جب جہانگیر کشمیر سے واپس آ رہا تھا تو بھمبر (نزد راجوری صوبہ جموں) میں انتقال کر گیا۔ اُس کی لاش چنگس سرائے (نزد نوشہرہ) تک پہنچی تو سڑنا شروع ہو گئی اس لئے یہاں اُس کی لاش سے انتڑیاں وغیرہ نکال کر دفن کی گئیں اور باقی لاش لاہور کے قریب شاہدرہ میں دفن کی گئی۔ اس کے بعد نور جہاں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور بالآخر اٹھارہ سال کے بعد اسی حالت میں مر گئی اور جہانگیر کے مقبرہ کے سامنے ایک سادہ سے مقبرہ میں دفن کی گئی اس کے مزار پر یہ پُر حسرت شعر کندہ ہے:

بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

فتوحاتِ جہانگیری

جہانگیر نے اپنی ملکی پالیسی میں اپنے باپ اکبر کی ہی پیروی کی۔ سب سے پہلے وہ میواڑ کی طرف متوجہ ہوا۔

۱۔ فتح میواڑ۔ میواڑ میں ۱۵۹۷ء میں مہارانہ پرتاپ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا رانا امر سنگھ تخت پر بیٹھا لیکن وہ اپنے باپ

مہارانا پرتاپ یا پرداوے رانا سانگا کی ٹکر کا بہادر نہ تھا۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد شہزادہ پرویز کی کمان میں بیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر روانہ کیا۔ ایک معرکہ بھی ہوا لیکن انہی دنوں خسرو کی بغاوت کی وجہ سے شاہی فوجوں نے منڈل گڑھ کے مقام پر رانا کی فوجوں سے صلح کر لی۔ ۱۶۰۸ء میں شہنشاہ نے اپنے ایک قابل جرنیل مہابت خان کو اس مہم پر مامور کیا لیکن اُسے کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی بالآخر ۱۶۱۴ء میں جہانگیر خود راجپوتانہ میں آیا اور اجمیر میں فوجی صدر مقام مقرر کرکے شہزادہ خرم کی کمان میں فوج کشی کا حکم دیا اور اس کی مدد کے لئے عبداللہ خان کو بھی مامور کیا۔ مغلوں نے رانا کو چاروں طرف سے گھیر کر لوٹ مار کر ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ راجپوتوں نے یہ تیاریاں دیکھ کر حوصلہ ہار دیا اور صلح کے لئے درخواست کر دی۔ جہانگیر نے بڑی فیاضی سے یہ درخواست قبول کر لی۔ رانا امر سنگھ نے ایک ہزار سوار پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ شہنشاہ نے اُس کے بیٹے راجکمار کرن کو پنجہزاری منصب عطا کیا اپنی کمر سے خنجر کھول کر اُسے دیا اور بیش بہا انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا رانا امر سنگھ کو دربار میں حاضری سے مستثنےٰ رکھا گیا اور شہنشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ رانا یا اس کے خاندان کو اپنی بیٹیاں مغلوں کو بیاہ دینے پر مجبور نہ کرے گا۔ جہانگیر کے حسن اخلاق نے ان دشمنوں کے دل رام کر لئے اور یہ اُس کی سیاسی سوجھ بوجھ کی ایک عمدہ دلیل سمجھی جاتی ہے۔

۲۔ احمد نگر:۔ اکبر کی وفات کے بعد احمد نگر میں ایک حبشی سردار ملک عنبر نے اقتدار سنبھالا اور تھوڑے ہی دنوں میں نظام شاہی خاندان کی حکومت پوری طرح بحال کر دی ملک عنبر ایک بڑھیا لا جرنیل ہی نہ تھا بلکہ ایک نہایت منتظم اور قابل مدبر بھی تھا۔ اُسے دکن کا ٹوڈرمل کہیں تو بجا ہے اُس نے احمد نگر کی مالی حالت کو مستحکم کرنے کے لئے ٹوڈرمل کے بندوبست اراضی کے مطابق احمد نگر میں بھی مالگزاری کے نظام کی از سر نو تنظیم اور اصلاح کی طرف پوری توجہ

دی۔ ملک عنبر نے مغلوں کے مقابلہ کے لئے مرہٹہ سرداروں کی مدد حاصل کی اور ان کے چھاپہ مار دستے مقرر کئے جنہوں نے آس پاس کے مغل علاقوں میں دھاندلی مچا دی۔ اس طرح مرہٹوں کو وہ تربیت حاصل ہوئی جو بالآخر شواجی کے کام آئی۔ مرہٹوں کی قومی بیداری میں ملک عنبر کی کوششوں کا بڑا اہم حصہ ہے ان سرداروں کی مدد سے ملک عنبر نے مغلوں کو احمد نگر سے نکال باہر کیا اور اس پر نظام شاہ کا جھنڈا لہرانے لگا۔ میواڑ کی فتح کے بعد جہانگیر نے دکن کی طرف توجہ کی اور خود آکر مانڈو میں ڈیرے ڈال دئے۔ ایک جرار لشکر شہزادہ خرم کی کمان میں آگے بڑھا اور دریائے نربدا پار کرکے احمد نگر کی طرف بڑھنے لگا۔ شہزادہ خرم نے احمد نگر اور بیجاپور کے حاکموں سے بات چیت بھی شروع کر دی۔ اس بڑھتے ہوئے طوفان سے ٹکر لینا ان حکومتوں کے لئے کچھ آسان نہ تھا۔ آخر انہوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ ملک عنبر کے فتح کئے ہوئے علاقے پھر سے مغلوں کو لوٹا دئے جائیں اور شہزادہ خرم کو بیش قیمت نذرانے اور تحفے پیش کئے جائیں۔ شہزادہ خرم کی اس کامیابی پر جہانگیر نے خوش ہوکر اُسے شاہجہاں کا خطاب عطا کیا اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ لیکن سچ پوچھئے تو عہد جہانگیری میں مغلوں کو ایک انچ زمین فتح کرنے کا موقعہ بھی نہ ملا۔ انہوں نے یہی غنیمت سمجھا کہ عہد اکبری کی حدود سلطنت ہی کسی طرح قائم رہ سکیں۔

۳۔ فتح کانگڑہ:۔ شمالی ہند میں کانگڑہ ہی ایک ایسا علاقہ تھا جہاں خود مختار راجواڑے باقی تھے۔ کانگڑہ کا قلعہ سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے اپنی مضبوطی اور ناقابل تسخیر ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ اکبر بھی اس قلعہ کو فتح کرنے میں ناکام رہا تھا۔ فتح احمد نگر کے بعد جہانگیر نے کانگڑہ کی فتح کے ارادے سے آکر قلعے کا سخت محاصرہ شروع کر دیا۔ چاروں طرف سے ناکہ بندی کرکے رسد کے سب راستے بند کر دئے

آخر قلعہ بند فوج، بھوکوں مرنے لگی اور مجبور ہوکر اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار ہوگئی۔ شہنشاہ نے اُن کی درخواست قبول کرلی اور ۱۶۲۰ء میں کانگڑہ اور اس کے آس پاس کے علاقے سلطنت مغلیہ میں شامل ہوگئے۔ جہانگیر نے اپنی خود نوشت سوانح عمری "تزک جہانگیری" میں اس واقعہ کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔

شاہجہاں کی بغاوت

۱۶۲۲ء کے بعد جہانگیر کی صحت روز بروز گرنے لگی اور اس کی جانشینی کا مسئلہ نازک صورت اختیار کرتا گیا۔ اب تک کچھ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ جہانگیر اپنے بڑے بیٹے خسرو کو ولی عہد بنادے گا لیکن ۱۶۲۲ء میں یہ بدقسمت شہزادہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا غالباً یہ کاروائی شہزادہ خرم کے ایما پر ہوئی تھی۔ پرویز ایک کم ہمت اور نا اہل شہزادہ اب تک نور جہاں شہزادہ خرم کی ولی عہدی کا ہی دم بھرتی تھی لیکن اب اس نے اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کی شادی شہزادہ شہریار سے کردی۔ اب وہ چاہتی تھی کہ میواڑ اور دکن کے فاتح شہزادہ خرم کا اثر و رسوخ جاتا رہے آخر ۱۶۲۳ء میں شہزادہ خرم یعنی شاہ جہاں نے کھلے بندوں تاج شاہی کے لئے جدو جہد شروع کر دی۔ ۱۶۲۳ء میں شاہ جہاں دہلی کی طرف بڑھنے لگا۔ نور جہاں نے بڑی تیزی سے جانثار امیروں کو مقابلہ کے لئے بھیجا اور شاہ جہاں شکست کھا کر دکن کی طرف بھاگ گیا وہاں اس نے احمد نگر اور بیجا پور کے سلطانوں سے مدد حاصل کرنے کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اب شاہجہاں نے اڑیسہ بنگال اور بہار پر قبضے کی ٹھانی لیکن یہاں بھی شاہی فوجوں کی بر وقت مداخلت سے اس کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اس مایوسی میں شاہ جہاں نے باپ سے معافی کی درخواست کی جو جہانگیر نے اپنی روائتی فیاضی کی وجہ سے قبول کرلی۔ شاہجہاں نے اپنے بیٹے دارا شکوہ اور اورنگ زیب کو یرغمال کے طور پر دربار شاہی میں بھیج دیا۔

شاہ جہاں کی بغاوت سے فارغ ہو کر نور جہاں نے مشہور جرنیل مہابت خاں کا زور توڑنے کی طرف توجہ دی۔ مہابت خاں شہزادہ پرویز کا حلیف تھا۔ نور جہاں نے اُس پر نااہلیت اور بد دیانتی کے الزام دھر کے برخاست کر دیا۔ مہابت خاں اپنے پانچ ہزار جاں نثار راجپوت سپاہیوں کو ساتھ لے کر جواب دہی کے لئے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونے کے لئے آیا اور پنجاب میں جہلم کے کنارے شاہی کیمپ میں آ دھمکا۔ موقعہ پاتے ہی اس نے شہنشاہ کو اپنے قبضہ و قابو میں کر لیا۔ نور جہاں جو بڑی چالاک تھی بھیس بدل کر مہابت خاں کے گھیرے سے نکل گئی اور آصف خاں کی فوج کی مدد سے آ کر جہانگیر کو اس علی قید سے آزاد کروا لیا۔ اب جہانگیر نے مہابت خاں کو سندھ جانے کا حکم دیا۔ مہابت خاں چلا تو آیا لیکن سندھ کے بجائے پہلے میواڑ اور پھر دکن کی طرف آ کر شاہجہاں سے آ ملا۔ ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپسی پر جہانگیر اس جہاں فانی سے چل بسا اور تخت و سلطنت نے شاہ جہاں کے قدم چومے۔

جہانگیر کی شخصیت و سیرت

جہانگیر اکبر کا چہیتا بیٹا تھا اور بیگمات کا بڑا لاڈلا تھا اُس نے بچپن عیش و عشرت سے شروع کیا جوانی میں اُس نے نہایت عمدہ تعلیم و تربیت پائی اور سلطنت کے کاموں میں پوری مہارت حاصل کی وہ خود بھی عالم اور مصنّف تھا اور عالموں اور درویشوں کی بڑی عزّت کرتا تھا وہ مذہباً سنّی مسلمان تھا لیکن ہر مذہب و فرقہ سے رواداری کا سلوک کرتا تھا اُس کی خود نوشت سوانح عمری "تزک جہانگیری" سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک باخلاص۔ کھرا۔ رحم پرور اور انصاف پسند انسان تھا فن مصوری۔ فن تعمیر اور فن موسیقی کا بڑا مربّی تھا۔ اُس کا انصاف ضرب المثل تھا اور ہر وقت رعایا کی فریاد سننے کے لئے تیار رہتا تھا اُسے غریبوں سے بڑی ہمدردی تھی ان خوبیوں

کے ساتھ ساتھ اس میں شراب نوشی اور افیم خوری کی بُری عادتیں بھی تھیں وہ جب غصے میں آتا تو بالکل آپے سے باہر ہو جاتا تھا جہانگیر کو اپنے باپ کے خلاف بغاوت کرنے کا عمر بھر افسوس رہا ویسے وہ اکبر کی بڑی عزت کرتا تھا اور اکثر اُس کی قبر پر جاکر اس کے لئے دُعائیں مانگتا تھا۔ جہانگیر ایک شفیق باپ اور باوفا خاوند تھا۔ اُسے نور جہاں سے سچی محبت تھی اور اس پر پورا اعتماد رکھتا تھا اُس نے حکومت کا سارا کام نور جہاں اور اُس کے عزیزوں کے ہاتھوں میں سونپ کر بُرے نتیجے بھگتے۔ اُمرا میں جتھہ بندی ہو گئی اور سازشوں اور بغاوتوں سے ملک کا امن درہم برہم ہو گیا۔ شہنشاہ کی اسی کمزوری کی وجہ سے بعض مورخ اُسے نالائق۔ عیش پسند اور ناکارہ بادشاہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ آخری پانچ سالوں کو چھوڑ کر جہانگیر کا سارا عہد پُر امن رہا اور فنون لطیفہ کی ترقی ہوتی رہی سکندرہ میں اکبر کا مقبرہ۔ آگرے میں اعتماد الدولہ کا مقبرہ اور جہانگیری محل اسی دور کی شاندار یادگاریں ہیں۔ انگریز سفیر ہاکنس اور طامس رو بھی جہانگیر کے دربار کی شان و شوکت کا بیان کرتے نہیں تھکتے۔ جہانگیر کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے اپنے باپ سے جو کچھ ورثہ میں پایا بڑی حفاظت سے اپنے جانشینوں تک پہنچایا۔ اُس نے اپنے باپ کی صلح کل اور رواداری کی پالیسی کو جاری رکھا اور راجپوتوں کی دوستی کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس کے عہد میں امن و امان اور انصاف کا دور دورہ رہا اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں مغلیہ حکومت کا دبدبہ اور محبت بڑھی اور سلطنت کی بنیادیں جڑ پکڑتی رہیں۔

شاہجہاں سنہ ۱۶۲۸ء تا سنہ ۱۶۶۶ء

شاہجہاں کی تخت نشینی ۱۶۲۸ء

جہانگیر کی وفات کی خبر پاتے ہی آصف خان نے اپنے داماد شاہ جہاں کو ہرکارے بھیج کر لاہور آنے کی دعوت دی اور خود شہزادہ خسرو کے بیٹے داور بخش کو تخت پر بٹھا کر حکومت کرنے لگا۔ ادھر شہریار نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا لیکن چند ہی دنوں بعد شکست کھا کر گرفتار ہوا اور اندھا کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ اب شاہ جہاں بھی لاہور آ پہنچا اور آتے ہی اُس نے ۹ر جنوری سنہ ۱۶۲۸ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ شہریار۔ داور بخش اور کئی دوسرے شہزادے موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ اور لاہور سے آگرہ پہنچکر شاہ جہاں نے اپنی تاجپوشی کا شاندار جشن کیا اور "ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہ جہاں صاحبقران ثانی بادشاہ غازی" کے پر شکوہ لقب سے تخت شاہی پر جلوہ گر ہوا۔

بغاوتیں

شاہ جہاں کی تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد بندیلوں کے سردار ججھر سنگھ نے بغاوت بپا کر دی۔ شاہ جہاں نے بڑی تیزی سے شاہی فوجیں مقابلہ کے لئے بھیجدیں۔ ججھر سنگھ اس سیلاب کی تاب نہ لاسکا اور باغی سختی سے کچلے گئے۔ ججھر سنگھ نے بھاگ کر جنگلی قبیلہ گونڈ کی پناہ لی اور بالآخر ۱۶۳۵ء میں اُنہیں کے ہاتھوں مارا گیا۔

دوسری اہم بغاوت دکن کے صوبیدار اور مشہور جرنیل خان جہاں لودھی نے کی۔ خان جہاں لودھی عہد جہانگیری کا ایک تجربہ کار اور بارسوخ امیر تھا اور دکن کا صوبیدار اور سپہ سالار تھا۔ جب شاہ جہاں آصف خان کی دعوت پر لاہور جاکر تخت و تاج پر قبضہ کرنے نکلا تو خان جہاں

لودھی نے جہاں تک ہو سکا اُس کی مزاحمت ہی کی۔ شاہ جہاں نے حکومت سنبھالتے ہی خان جہاں لودھی کو دربار میں بلوا لیا۔ لیکن خان جہاں لودھی کو اپنی توہین کا خیال اور بادشاہ کی نیت پر شبہ تھا اس لئے موقعہ پاکر خان جہاں لودھی بھاگ نکلا اور پھر دکن چلا آیا جہاں اُس نے احمد نگر کے سلطان سے ساز باز کرنے کی کوشش کی۔ شاہ جہاں اس خطرناک صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے خود میدان میں آیا۔ خان جہاں لودھی میدان سے بھاگ نکلا اور بیجاپور میں جا پناہ لی۔ آخر وہاں سے بھاگ کر بندھیلکھنڈ میں آ نکلا۔ یہاں ۱۶۳۰ء میں شاہی فوجوں نے اُسے شکست فاش دی اور اس کا سر کاٹ کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

۳۲-۱۶۳۱ء میں بنگال سے شکایت پہنچی کہ وہاں پرتگالی تاجروں نے دھاندلی مچا رکھی ہے انہوں نے کئی ہندو اور مسلمان بنگالی پکڑ کر غلام بنا لئے تھے اور اُنہیں زبردستی عیسائی بنا لیا تھا۔ آخر انہوں نے ممتاز محل بیگم کی دو کنیزیں بھی پکڑ لیں۔ شہنشاہ نے یہ سن کر حکم دیا کہ ان تاجروں کی بستیاں تباہ کر کے انہیں ملیا میٹ کر دیا جائے۔ قاسم خان صوبیدار بنگال نے ہگلی میں پرتگالی ٹھکانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بڑی بہادری سے لڑے لیکن بالآخر انہیں شکست فاش ہوئی اور بستی پر مغلوں نے قبضہ جما لیا۔ کئی پرتگالی مارے گئے اور سینکڑوں غلام بنا کر آگرہ لائے گئے جہاں ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔

شاہجہاں کی دکن پالیسی

اکبر کے عہد میں ہی دکن کو سلطنت مغلیہ میں شامل کرنے کی کوششیں شروع ہو چکی تھیں چنانچہ اُس کے عہد میں برار خاندیش اور احمد نگر کا کافی علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ جہانگیر کے عہد میں ملک عنبر نے ایک بار پھر ان علاقوں کو مغلیہ چنگل سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن شہزادہ خرم کے سامنے اُس کی پیش نہ گئی۔ اب شہزادہ خرم شاہ جہاں کے نام سے تاج و تخت کا مالک بن چکا تھا۔ خان جہاں لودھی کی بغاوت میں

مدد دے کر سلطان احمد نگر نے خود تباہی کو دعوت دی۔ احمد نگر کے اندرونی حالات بھی بد سے بدتر ہو چکے تھے۔ ملک عنبر مر چکا تھا۔ اس کا بیٹا سلطان مرتضیٰ نظام شاہ نے قید میں ڈال رکھا تھا۔ غرض یہ کہ شاہ جہاں کی مداخلت اور ملک گیری کے لئے ایک سنہری موقعہ تھا۔ مرتضیٰ نظام شاہ نے صورت حال بگڑتی دیکھ کر فتح خان کو رہا کر دیا تاکہ ملک کو مغلوں کے مقابلہ کے لئے تیار کر سکے لیکن فتح خان کے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اب اُس نے مغل سرداروں کی شہ پاکر مرتضیٰ نظام شاہ کو قتل کروا دیا اور ایک نابالغ حسین شاہ کو تخت پر بٹھا کر خود حکومت کرنے لگا۔ مرتضیٰ نظام شاہ کے ایک وفادار جاگیردار شاہ جی بھونسلے سے یہ غداری نہ دیکھی گئی۔ اُس نے سلطان بیجاپور کو احمد نگر پر حملہ کر کے فتح خان کو اپنے کئے کا مزا چکھانے کی دعوت دی۔ اب شاہ جہان نے فتح خان کی مدد کے بہانے مغل فوجوں کو احمد نگر کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ مہابت خاں خان خاناں نے دولت آباد کا قلعہ رشوت دے کر فتح کر لیا۔ سلطان حسین شاہ کو معزول کر کے گوالیار میں نظر بند کر دیا گیا اور فتح خان کو ایک اعلیٰ منصب عطا کر کے مطمئن کر دیا اس طرح ۱۶۳۳ء میں نظام شاہی کا خاتمہ ہوا اور احمد نگر کا سارا علاقہ شاہ جہاں کے پھندے تلے آ گیا۔

سلطان بیجاپور نے نظام شاہی سلطنت کو بچانے کے لئے جو مدد کی شاہ جہاں اس سے سخت ناراض تھا اُس نے آصف خان کو بیجاپور کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا لیکن اُسے کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی اُدھر شاہ جہاں کی پیاری ملکہ ممتاز محل ۱۶۳۱ء میں چل بسی اور اُس پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ قحط سالی کی وجہ سے شاہجہاں کی توجہ شمالی ہند میں غرباء کی مدد کرنے اور لوگوں کو فاقوں مرنے سے بچانے پر لگی رہی اور کچھ عرصہ دکنیوں کو دم لینے کا موقعہ مل گیا۔ ادھر شاہ جی بھونسلے نے مغلوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے ڈٹ کر مقابلہ شروع کر دیا۔ بیجاپوری بھی

اُسے مدد پہنچاتے رہے اب شاہ جہاں نے بیجا پور اور گولکنڈہ کی فتح کا پکا ارادہ کر لیا اور ایک جرار لشکر تیار کر کے دکن کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے ان دونوں حکومتوں کو چیلنج بھیج دیا کہ یا تو وہ اطاعت قبول کر کے شاہ جی بھونسلے کی مدد سے باز آجائیں اور یا مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ گولکنڈہ کے سلطان نے سلامتی اسی میں دیکھی کہ اطاعت کر کے اپنی سلطنت میں شاہ جہاں کا سکہ اور خطبہ جاری کر دے اور خراج ادا کرنا منظور کرے لیکن بیجا پوری مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ شاہ جہاں نے فوج کا ایک حصہ شاہ جی بھونسلے کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور دوسرا حصہ بیجا پور کی فتح پر مامور ہوا۔ مغلوں نے چاروں طرف مار دھاڑ اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ بیجا پوری بڑی ہمت سے مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر شاہ جی بھونسلا اور سلطان بیجا پور دونوں نے شہنشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ سلطان بیجا پور نے ۲۰ لاکھ روپیہ نذر کیا اور احمد نگر کا کچھ حصہ اُسے عطا کیا گیا۔ ۱۶۳۶ء میں اس صلح کے بعد شاہ جہاں نے دکن کی حکومت اورنگ زیب کو سونپ دی اور خود واپس آگرے چلا آیا۔ آئندہ بیس سال تک دکن میں پوری طرح امن و امان رہا اور اس حد تک شاہ جہاں کی دکن پالیسی کامیاب رہی۔

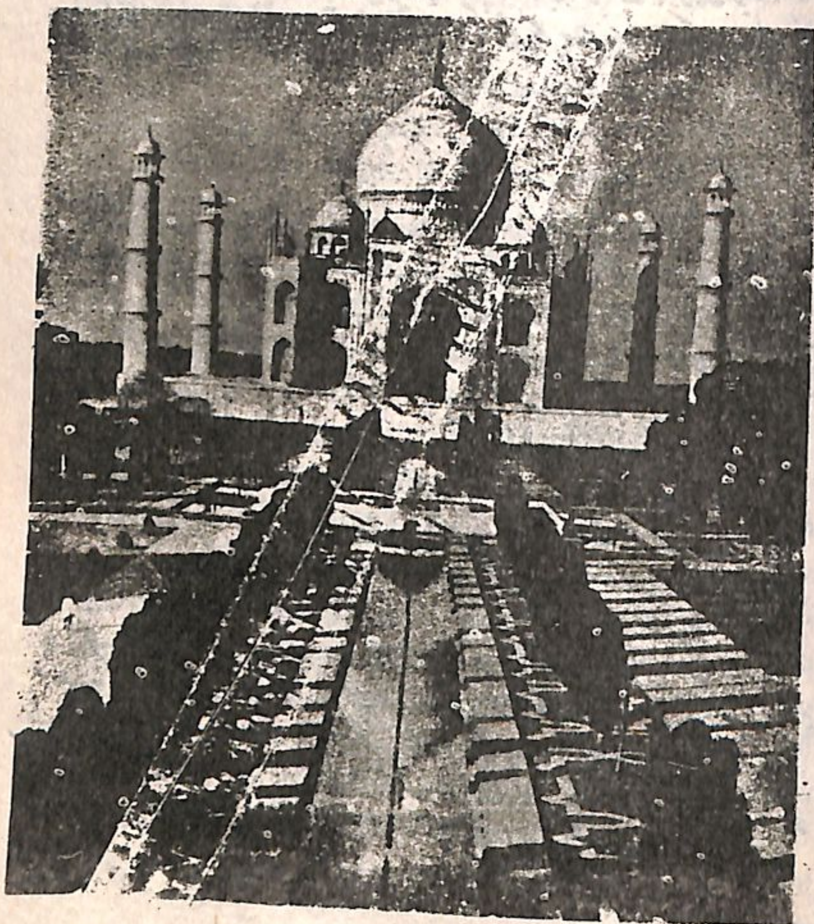
شاہجہان کی شمال مغربی سرحدی پالیسی

(الف) جہانگیر کے عہد میں قندہار پر ایرانی شہنشاہ شاہ عباس صفوی کا قبضہ ہو گیا تھا اس سے سلطنت مغلیہ کے وقار کو بڑا دھکا لگا تھا۔ شہزادہ خرم اور مہابت خاں کی بغاوت اور جہانگیر کی گرتی ہوئی صحت کی وجہ سے مغل کوئی فیصلہ کن قدم نہ اٹھا سکے۔ آخر ۱۶۳۸ء میں قلعدار قندہار علی مردان خان سے ساز باز کر کے قلعہ پر مغلوں نے قبضہ کر لیا۔ علی مردان خان نے اپنے آقا شہنشاہ ایران سے غداری کر کے مغلوں کی ملازمت کر لی لیکن مغلوں نے قلعہ کے دفاع

کا خاطر خواہ انتظام نہ کیا۔ اور ایرانی پھر قلعہ پر قابض ہو گئے شاہجہاں نے ۱۶۴۹ء – ۱۶۵۲ء اور ۱۶۵۳ء میں پے درپے شہزادہ اورنگزیب اور شہزادہ دارا شکوہ کی کمان میں مہمیں روانہ کیں لیکن ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ ورکئی جانیں اور کروڑوں روپیہ اکارت گیا اور آس پاس کے ملکوں میں سلطنت مغلیہ کی ساکھ بھی خواہ مخواہ مٹی میں مل گئی۔

(ب) مغل وسط ایشیا کے علاقہ ماوراء النہر سے آئے تھے۔ اس آبائی وطن کی یاد انہیں رہ رہ کر ستاتی تھی اور وہ اس ملک پر پھر سے اپنی بادشاہی کا سکہ بٹھانے کے خواب دیکھتے رہتے تھے چنانچہ شاہجہاں کی بھی بڑی خواہش تھی کہ وہ اپنے اصلی وطن کو فتح کرے انہیں دنوں سمرقند کے حاکم نذر محمد اور اس کے بیٹے عبدالعزیز میں کھلی جنگ پھوٹ پڑی۔ نذر محمد نے شاہ جہاں سے مدد مانگی شاہجہاں نے یہ موقع غنیمت جانا اور جھٹ شہزادہ مراد بخش کی کمان میں ایک لشکر ماوراء النہر روانہ کر دیا۔ نذر محمد شکست کھا کر ایران بھاگ چکا تھا۔ بہر کیف شہزادہ مراد بخش نے بلخ فتح کر کے وہاں کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ اب مراد بخش نے واپس لوٹنے کی اجازت مانگی تو شاہجہان نے شہزادہ اورنگ زیب کو بلخ کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔ اورنگ زیب کو عبدالعزیز حاکم سمرقند کے خلاف سخت لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں اورنگ زیب نے اپنی بہادری۔ ثابت قدمی اور استقلال سے دشمن کے دانت کھٹے کر دئے اور اس کی دھاک چاروں طرف بیٹھ گئی۔ پھر بھی مغلوں کو احساس ہو گیا کہ اس علاقہ کو فتح کرنا اور وہاں پائیدار انتظام حکومت قائم رکھنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے اورنگ زیب نے یہی بہتر سمجھا کہ اگر نذر محمد شہنشاہ ہند کو اپنا آقا مان لے تو ملک اس کے حوالے کر دیا جائے چنانچہ نذر محمد نے اپنے پوتے اورنگ زیب کی خدمت میں بھیج کر اطاعت قبول کر لی اور اورنگزیب نے ملک اس کو سونپ کر فوج کو کوچ کا حکم سنایا۔ راستے

تاج محل



میں کئی سپاہی سردی کی تاب نہ لاکر مر گئے۔ لٹیروں کے حملوں نے بھی تباہی مچائی اور اورنگ زیب بمشکل واپس آیا۔ کروڑوں روپیہ ضائع ہوا کئی جانیں بھی ضائع ہوئیں لیکن شاہ جہاں کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا اور ان مہموں کا کچھ نتیجہ نہ نکلا البتہ اورنگ زیب نے اپنی بہادری ثابت قدمی اور جفاکشی کا سارے ملک میں سکہ بٹھا دیا۔

جنگ جانشینی ۱۶۵۸ء

۱۶۵۸ء میں شاہ جہاں سخت بیمار ہو گیا اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ شاہ جہاں کے چاروں بیٹے تخت کے دعویدار تھے۔ یہ خبر سنتے ہی سب اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے تدبیریں سوچنے لگے شاہ جہاں کا سب سے بڑا بیٹا دارا شکوہ تھا۔ شاہ جہاں نے اسے اپنا ولی عہد بنا کر شہزادہ بلند اقبال کا خطاب دے رکھا تھا وہ پنجاب کا صوبیدار تھا لیکن رہتا باپ کے ساتھ ہی تھا شاہ جہاں کا بڑا لاڈلا تھا۔ باپ کی ناز برداریوں اور درباریوں کی خوشامد کی وجہ سے دارا شکوہ عیش پسند کمزور اور متکبر ہو چکا تھا اسے ہندو مذہب اور تہذیب سے بڑی عقیدت تھی اور فقیروں اور جوگیوں کی صحبت میں پڑا رہتا تھا اس آزاد خیالی کی وجہ سے مذہبی مسلمان سردار اس سے بڑے متنفر تھے۔ دارا شکوہ سے چھوٹا شہزادہ شجاع بنگال کا صوبیدار تھا وہ بہادری اور قابلیت میں کسی سے کم نہ تھا لیکن اس میں مستقل مزاجی نام کو نہ تھی وہ شیعہ تھا اور اس وجہ سے سنی مغل اور افغان سردار اس سے کھچے

رکھتے تھے سب سے چھوٹا شہزادہ مُراد گجرات کا صوبیدار تھا۔ لیکن
اُسے شراب نوشی اور عیش پرستی نے برباد کر رکھا تھا۔ شاہ جہاں
کے سب بیٹوں میں نامور اُس کا تیسرا بیٹا اورنگ زیب تھا جو
اپنے سب بھائیوں سے زیادہ قابل، ہوشیار، بہادر جرنیل اور مدبر
سیاست دان تھا اُس میں سرداری اور رہنمائی کے جوہر کوٹ کوٹ کر
بھرے ہوئے تھے وہ ذود رنج، سپہ گر، متقی اور نہایت جفاکش انسان
تھا۔ قندھار، ماوراء النہر اور بلخ کی لڑائیوں اور دکن کی صوبیداری
کے دوران میں وہ اپنی شجاعت اور انتظامی قابلیت کا سکہ بٹھا چکا
تھا اس کی نجی زندگی سادہ اور پاکیزہ تھی اور وہ اسلامی احکام کی
بڑی احتیاط سے پابندی کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ درباریوں کا ایک
اچھا خاصہ گروہ اُسے دل سے چاہتا تھا۔ دارا شکوہ اورنگ زیب کو
اپنا سب سے خطرناک حریف سمجھتا تھا اس لئے وہ خود اور اس کی طرفدار
بہن شہزادی جہاں آرا بیگم اورنگ زیب کے خلاف چالیں چلتے اور
شاہ جہاں کو اُس سے بیزار کرتے رہتے تھے۔ شہزادی روشن آرا
بیگم اورنگ زیب کی طرفدار تھی اور اُسے ہر چال سے پہلے سے آگاہ
کر دیتی تھی۔

شاہ جہاں کی خطرناک بیماری کی خبر پاتے ہی شجاع اور مُراد نے
اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ مرکزی حکومت پر دارا شکوہ نے پوری
طرح قبضہ جما لیا لیکن اورنگ زیب بغور صورت حال کا مطالعہ کرتا
رہا کیونکہ وہ جلد بازی میں کوئی غلط قدم اٹھانا نہ چاہتا تھا اورنگزیب
نے مُراد سے نامہ و پیام شروع کیا اور اُسے تخت و تاج کا وعدہ
دے کر دارا کے خلاف اتحادِ عمل کی دعوت دی چنانچہ مُراد اور اورنگزیب
دونوں کی فوجیں اُجین میں آملیں اور ایک مل کر آگرہ کی طرف بڑھنے
لگیں۔ اُدھر بنگال سے شجاع اپنی فوجیں لے کر راجدھانی کی طرف
روانہ ہوا۔ دارا شکوہ نے راجہ جے سنگھ اور شہزادہ سلیمان شکوہ کو
شجاع کے مقابلے کے لئے اور مہاراجہ جسونت سنگھ کو مُراد اور
اورنگ زیب کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ راجہ جے سنگھ نے شجاع کو

بنارس کے قریب بادر گڑھ میں روک کر شجاع کو شکست دی اور شجاع بہار کی طرف بھاگ گیا۔ اُدھر مہاراجہ جسونت سنگھ کا "دھرمت" کے مقام پر مراد اور اورنگ زیب کی فوجوں سے سامنا ہوا۔ مہاراجہ جسونت سنگھ کے کچھ افسر اُسے چھوڑ کر دشمن سے جا ملے۔ مہاراجہ جسونت سنگھ کو شکست فاش ہوئی اور وہ بھاگ کر اپنے وطن جودھپور چلا گیا۔ اب مراد اور اورنگ زیب کی فوجیں دریائے چنبل عبور کرکے تیزی سے آگرے کی طرف بڑھنے لگیں دارا بھی پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر مقابلہ کے لئے بڑھا۔ ساموگڑھ کے مقام پر مئی ۱۶۵۸ء میں ایک گھمسان کا رن پڑا اور دارا شکست کھا کر دہلی کی طرف بھاگ گیا اور اس لڑائی میں فتح کا سہرا اورنگ زیب کے سر رہا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں جن میں اہم یہ تھیں:-

اورنگ زیب ایک تجربہ کار جرنیل اور فن جنگ کا ماہر تھا۔ اُس کی فوج میں بلا کا تنظم و ضبط تھا اس کے مقابلہ میں دارا کی فوج بے ترتیب تھی۔ دارا کو خود میدان جنگ کے داؤ پیچ سے پوری طرح واقفیت نہ تھی۔ اُس کے فوجی سردار ایک دوسرے کے مخالف اور غدار تھے اور انہوں نے عین موقعہ پر نمک حرامی کرکے دارا کو دغا دی۔ دارا نے میدان جنگ میں زخمی ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے کی سواری اختیار کی جس کی وجہ سے فوجیوں نے سمجھا کہ شاید وہ میدان چھوڑ کر بھاگ رہا ہے اس لئے اُن کے بھی پیر اکھڑ گئے اگر دارا شاہ جہاں کو خود مقابلہ کے لئے نکلنے سے نہ روکتا تو شاید اس جنگ کا نتیجہ بالکل مختلف ہوتا اور اورنگ زیب اور مراد کو بھی شہنشاہ کے مقابلہ کی جرأت نہ پڑتی۔

ساموگڑھ کی فتح کے بعد اورنگ زیب آگرہ میں داخل ہوا اور اس نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ شاہ جہاں کو قلعہ سے باہر نکلنے کی ممانعت کر دی گئی اور وہ ایک شاہی قیدی کی طرح زندگی کے دن پورے کرنے لگا لیکن اورنگ زیب نے اس کے ادب و حرمت

اور آسائش کا پورا خیال رکھا آخر اسی حالت میں آٹھ برس گذار کر
ہندوستان کا یہ جلیل القدر شہنشاہ اورنگ زیب کی قید اور زندگی
کے پھندے سے آزاد ہوگیا اور اپنی بیگم ممتاز محل کے مقبرہ میں
دفن کر دیا گیا۔

ساموگڑھ کی فتح کے بعد ایک دعوت میں اورنگ زیب نے شہزادہ
مراد بخش کو گرفتار کروا لیا اور بعد میں گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ تین
سال کے بعد ایک قتل کے الزام میں مقدمہ چلا کر جرم ثابت ہونے
پر مراد کو موت کی سزا دے دی گئی۔

دارا شکست کھا کر دہلی سے ہوتا ہوا پنجاب اور سندھ میں
بھٹکتا رہا۔ اورنگ زیب کی فوجیں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ آخر
اجمیر میں دارا نے بھی مقابلہ کی کوشش کی لیکن یہاں بھی قسمت نے اس
کا ساتھ نہ دیا۔ اور آخر وہ ملک جیون بلوچ کے پاس پناہ لینے کے
لئے پہنچا لیکن اس احسان فراموش نے اسے شاہی فوج کے حوالے
کر دیا۔ دارا گرفتار کر کے دہلی لایا گیا اور ہاتھی پر بٹھا کر اسے
سارے شہر میں گھمایا گیا لوگ دارا کی یہ حالت دیکھ کر لہو کے
گھونٹ پیتے تھے اور زار زار آنسو بہاتے تھے لیکن دم نہ مار سکتے
تھے آخر دارا پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور عدالت میں جرم ثابت
ہونے پر سزائے قتل دی گئی دارا کا بڑا بیٹا سلیمان شکوہ بھی
گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا لیکن بعد میں قتل کر دیا گیا۔

ادھر شجاع نے پھر کچھ فوج جمع کر کے اورنگ زیب کے مقابلہ
کی ٹھانی۔ اورنگ زیب نے میر جملہ کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ کھجوا
کے مقام پر دونوں فوجوں کی مٹ بھیڑ ہوئی اور آخر شجاع شکست
کھا کر ڈھاکے کی طرف بھاگ گیا لیکن شاہی فوجوں نے پیچھا نہ چھوڑا
آخر شجاع اراکان (برما) میں پناہ گزین ہوا لیکن کچھ دیر بعد مقامی
راجہ سے اس کا جھگڑا ہو گیا اور شجاع اپنے ساتھیوں سمیت مارا گیا۔

سب دشمنوں کو مار کر اور باپ کو نظر بند کر کے اورنگ زیب
نے اپنی راہ صاف کر لی اور آخر ۱۶۵۹ء میں بڑی شان و شوکت سے

اپنی تاج پوشی کی رسم ادا کر گئے "محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر" کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

شاہ جہان خاندان مغلیہ کا سب سے پر شکوہ اور ہندوستان کے عظیم ترین شہنشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اُس کی سلطنت کشمیر سے دکن اور بنگال سے افغانستان اور وسط ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی اُس نے تیس برس تک سارے ہندوستان پر بڑی شان اور دبدبے سے حکومت کی اُس کے عہد میں ملکی آمدنی میں بہت اضافہ ہوا آج بھی ہندوستان بھر میں اس کی عظمت اور شان و شکوہ کے نقش بکھرے ہوئے ملتے ہیں اور زبان حال سے اُس دور کی خوش حالی اور تمدنی ترقی کی کہانی سنا رہے ہیں۔

شاہ جہان نے شہزادگی کے دوران میں ہی میواڑ اور دکن کی فتوحات میں بڑا نام پیدا کر لیا تھا اُس کا دامن باپ کے خلاف بغاوت کرنے اور عزیزوں رشتہ داروں کے خون بہانے سے داغدار ہے لیکن اس الزام سے دوسرے کئی مغلیہ شہنشاہ اور زمانہ وسطیٰ کے بادشاہ بھی بری نہیں۔ ویسے وہ عام طور پر طبیعت کا بڑا نرم اور منصف مزاج شہنشاہ تھا۔ وہ مذہب اسلام کا شیدائی اور بڑا خوش عقیدہ مسلمان تھا اور عام ہندو رعایا سے اُس کا برتاؤ نہایت عمدہ تھا۔ اُس کے عہد میں کئی ہندو اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اور عدل و انصاف میں کسی قسم کی رو و رعایت روا نہ رکھی جاتی تھی۔ وہ بذات خود ایک بہادر سپاہی اور قابل جرنیل تھا اور فنکار اور شہسواری کا بڑا شوقین تھا وہ ایک شفیق باپ اور ہمدرد خاوند تھا اُسے اپنی بیوی ممتاز محل بیگم سے سچی محبت تھی جسکی لازوال نشانی روضہ تاج محل رہتی دنیا تک اُس کی محبت کو خراج تحسین ادا کرتی رہے گی۔

شاہ جہان کے پاس ایک زبردست فوج تھی اُس کے زمانے میں منصب داروں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا اور جاگیرداری کی رسم

پھر سے جاری ہو گئی۔ مالیہ سرکار میں بھی اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے کاشت کار طبقہ کی مشکلات میں بہت اضافہ ہو گیا اور بھرپور خزانہ ہوتے ہوئے بھی رعایا کی مالی حالت تباہ ہونا شروع ہو گئی۔ اس سے حکومت و سلطنت کی بنیادیں کمزور ہونا شروع ہو گئیں اور انہی وجوہات نے بعد میں سلطنت مغلیہ کو گھن کی طرح اندر ہی اندر سے کھا کر کھوکھلا کر دیا۔

شاہ جہان کا عہد فن تعمیر کی ترقی کا سنہری زمانہ تھا اس عہد کی زندۂ جاوید یادگار روضۂ تاج محل ہے جسے دیکھنے کے لئے آج بھی دنیا کے کونے کونے سے لوگ آتے ہیں۔ اور اسے دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ روضہ تاج محل اُس زمانے کے ہندوستانی کاریگروں کی ہنرمندی کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ سارا مقبرہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ جس میں قیمتی پتھروں کے نگینوں سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی محرابوں پر قرآن شریف کی آیتیں نہایت خوش خط قلم سے کندہ ہیں اس کی نزاکت اور خوبصورتی کا دنیا کی کوئی عمارت جواب پیش نہیں کر سکتی۔ کہتے ہیں کہ اس پر بیس ہزار کاریگر بیس سال تک کام کرتے رہے اور کروڑوں روپیہ خرچ آیا۔ یہ ملکی دولت پر ایک بوجھ ضرور تھا لیکن اس سے کئی لوگوں کو روزگار اور ملک کی دولت ملک کے اندر ہی رہی اس لئے اسے ملکی دولت کی بربادی کہنا انصاف نہیں۔

تاج محل کے علاوہ قلعہ آگرہ کا کچھ حصہ اور اس کے اندر سنگ مرمر

کی ایک وسیع مسجد جسے موتی مسجد کہتے ہیں شاہ جہان کے عہد کی فن تعمیر کی ترقی کا عمدہ نمونہ ہیں۔

شاہ جہان نے شہر دہلی کو پھر سے آباد کر کے اس کا نام شاہجہان آباد رکھا۔ شہر کے گرد فصیل تعمیر کروائی۔ شہر کا بڑا بازار چاندنی

چوک تعمیر کروایا اس کے سرے پر جامع مسجد تعمیر کروائی جو ہندوستان کی بہترین مسجدوں میں شمار ہوتی ہے اس مسجد کے سامنے دریائے جمنا کے کنارے تاریخی قلعہ تعمیر کروایا۔ اسے قلعہ معلے اور لال قلعہ کہا جاتا ہے اس قلعہ کے اندر دیوان عام اور دیوان خاص کی عمارتیں حسن و خوبصورتی میں بے مثال ہیں اور آج بھی بڑی بڑی سرکاری تقاریب یہیں منائی جاتی ہیں۔

شاہ جہان نے لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ تعمیر کروایا جو ایرانی اور ہندوستانی فن تعمیر کے میل جول کا عمدہ نمونہ ہے۔

اجمیر کی بارہ دریاں اور درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز کے کچھ حصے بھی اسی عہد کی یادگار ہیں۔

شاہ جہان نے اپنے لئے ایک سونے کا تخت بنوایا جو بے بدل خان کی نگرانی میں سات برس میں بن کر تیار ہوا اس پر چتر کاری اور قیمتی پتھروں کا جڑاؤ اور کندن کا کام آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتا تھا اس پر ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کی لوٹ میں یہ تخت بھی ایران لے جایا گیا جہاں یہ آج تک موجود ہے۔

لاہور کا شالامار باغ اور کشمیر کا باغ نشاط۔ اچھہ بل اور نسیم باغ بھی اسی دَور کی یادگاریں ہیں۔

شاہ جہاں علم و ہنر کا بھی بڑا قدردان تھا۔ اُس کے عہد میں علامہ سعد اللہ خان وزیر اعظم ایک بے مثل عالم اور اعلےٰ پایہ کا مدبّر تھا اس کے دربار میں کئی مصور۔ شاعر اور خطاط رہتے تھے۔ کوی جگن ناتھ سنسکرت کا مشہور شاعر تھا اُس نے سنسکرت میں شاہ جہاں کے قصیدے یادگار چھوڑے ہیں۔

اس زمانہ میں ملا عبد الحمید لاہوری اور محمد صالح کمبوہ نے فارسی تاریخیں لکھیں جو اس زمانہ کی تاریخ کے بہترین ماخذ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عہد شاہ جہانی ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب سمجھا جاتا ہے۔

محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر
۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء

جنگ جانشینی میں کامیاب ہوکر اورنگزیب نے ۱۶۵۹ء میں آگرے میں اپنی تاجپوشی کی رسم نہایت دھوم دھام سے ادا کی۔ وہ ایک بہادر قابل اور ہوشیار آدمی تھا یہی اس کی کامیابی کا راز تھا وہ بادشاہت کے منصب کو بڑا اعلیٰ سمجھتا تھا اس میں دیانتداری اور خدمت خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا وہ ایک پُرخلوص مذہبی شخص تھا اور سب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا خواہاں تھا اسی وجہ سے اُس پر مذہبی تنگ نظری کا شُبہ ہوتا ہے۔ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی لگ بھگ ایسے ٹیکس معاف کر دئے جن سے شاہی خزانہ کو بہت نقصان ہوا لیکن رعایا کی بھلائی پر اُس نے اپنا مفاد قربان کرنے میں کچھ دریغ نہ کیا اُس نے ہندو امراء میں مہاراجہ جسونت سنگھ۔ مرزا راجہ جے سنگھ اور دیوان رگھو ناتھ رائے کا دل جیت کر انہیں اچھے اچھے عہدوں پر قائم کیا اور ملازمتوں میں قابلیت اور دیانت داری کو ترقی معیار ماننے کا اعلان کر دیا۔ اس کے باوجود اُس کے عہد میں چاروں طرف بغاوتیں پھوٹ پڑیں اور اُسے عمر بھر تلوار تھامے میدان جنگ میں ہی عمر کاٹنی پڑی۔

اورنگ زیب کا پچاس سالہ عہد حکومت دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ اورنگ زیب ۱۶۷۸ء سے ۱۶۸۱ء تک شمالی ہندوستان میں استحکام سلطنت اور بغاوتیں فرو کرنے میں اور ۱۶۸۱ء سے ۱۷۰۷ء تک دکن کی مہموں میں مشغول رہا۔ شمالی ہند کے واقعات مختصراً درج ذیل ہیں:-

شمال مشرقی سرحدی جنگ
۱۶۶۰ء

جنگ جانشینی کی دارد دیکھ میں مشرقی آسام کے آہوم ... نے سلطنت مغلیہ ... مشرقی سرحد پر لوٹ مار کر کے کامروپ اور بنگال کے صوبے کا کچھ حصہ دبا لیا تھا ۱۶۶۰ء میں اورنگ زیب نے حاکم بنگالہ میر جملہ کو آسامی قبائل کی سرکوبی کا حکم دیا۔ میر جملہ نے پوری تیاری سے حملہ کیا اور نیلے کوچ بہار اور پھر آسام کی راجدھانی گڑھ گانوں کو فتح کر لیا۔ جس میں بہت سا سامان ہاتھی اور مال و دولت مغلوں کے ہاتھ لگا یہ علاقہ بہت دشوار گذار تھا برسات شروع ہوتے ہی قبائلیوں نے چھاپے مارنے شروع کر دئے لیکن شاہی فوجیں بڑی بہادری سے مقابلے پر ڈٹی رہیں اور قبائلیوں کو منہ توڑ شکستیں دیتی رہیں آخر میر جملہ بیمار ہوکر واپس آرہا تھا کہ ڈھاکے کے قریب اس کا انتقال ہو گیا۔ میر جملہ اورنگ زیب کا ذاتی دوست۔ قابل مدبر اور بہادر جرنیل تھا اس کی موت سلطنت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تھا میر جملہ کے بعد شائستہ خان بنگال کا حاکم مقرر ہوا اس نے مشرقی سرحد کے جنوبی گوشہ پر اراکانی قبائل کو زیر کرنے کے لئے ان پر حملہ کیا کیونکہ یہ عام طور پر بحری ڈاکہ زنی کا کام کرتے تھے اور بنگال کے ہندو اور مسلمان ان سے سخت نالاں تھے اور پرتگیزی بحری لٹیروں کو پناہ دیتے تھے۔ شائستہ خان نے ان کے علاقوں پر حملہ کر کے چٹاگانگ اور مغربی اراکان کا کچھ حصہ سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا۔

شمالی مغربی سرحدی جنگ
۱۶۶۷ء ــــ ۱۶۷۵ء

ہندوستان کے شمال مغربی سرحدی علاقے بہادر اور غیور پٹھان قبیلوں کا وطن ہے یہ لوگ شروع سے ہی آزادی پسند تھے اور انہیں مغلیہ تسلط ایک آنکھ نہ بھاتا تھا جب کبھی انہیں موقعہ ملتا تو مغلیہ علاقے پر ہاتھ صاف کرنے یا اُن کے کابل جانے آنے والے قافلوں کو لوٹنے مارنے سے نہ چوکتے تھے چنانچہ اکبر کے عہد میں بھی انہوں نے مغلوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور راجہ بیربل انہیں کے خلاف لڑتا کام آیا تھا جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد میں بھی صورت حال میں کوئی خاص فرق نہ آیا تھا آخر ۱۶۶۷ء میں یوسف زئی قبیلہ کے سردار بارغ خان نے ضلع ہزارہ کے مغلیہ علاقے پر حملہ کر دیا اور یہ بغاوت ایک نہ ایک صورت میں ۱۶۷۵ء تک جاری رہی اٹک اور کابل کے حاکموں کے متحدہ حملہ نے سردار بارغ خان کی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ شاہی فوجیں پٹھانوں پر چڑھ پڑیں اور ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا اور پٹھانوں کے گاؤں کے گاؤں تہس نہس اور فصلیں برباد کر دی گئیں اس وحشت و ظلم نے کچھ دیر کے لئے تو پٹھانوں کو ادھوا کر دیا مگر اس آزادی کی جنگ کو توپ گولوں سے کب تک روکا جا سکتا تھا۔ ۱۶۷۲ء میں ایک اور بہادر وطن دوست آفریدی سردار اکمل خان میدان میں آیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مغل چار سال تک نردروں کے مقابلے رہے اور اس جنگ نے پٹھانوں کی ایک قومی جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ بڑے بڑے تجربہ کار مغل افسر عاجز آگئے آخر اورنگ زیب خود مقابلے کے لئے آیا اور حسن ابدال میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ گیا جہاں تلواروں کی دھاریں مڑ گئیں وہاں روپے کے سنہری سیلاب اورنگ زیب کے کام آئے اور بعض لالچی سرداروں نے قوم کو دغا دے کر اورنگ زیب کی راہ ہموار کر دی ۱۶۷۵ء میں اورنگزیب کامیاب ہوکر واپس لوٹ آیا۔ اس کے بعد اورنگ زیب کی وفات تک پٹھان پھر سر نہ اُٹھا سکے پھر بھی شاہی افسروں کو بہت محتاط

رہنا پڑتا تھا۔

بغاوتیں:۔
۱۶۶۹ تا ۱۶۸۰ء

۱۔ جاٹوں کی بغاوت۔ صوبہ آگرہ میں متھرا کے آس پاس جاٹ قوم کے لوگ آباد تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر کھیتی باڑی پر گزارہ کرتے تھے اور اپنی ہمت اور بہادری کے لئے قدیم زمانے سے مشہور تھے مغلوں سے مالگزاری کی ادائیگی پر ان کا جھگڑا رہتا تھا ان کا سردار گوکل اس زرعی بے چینی میں جاٹوں کا رہنما تھا ۱۶۶۹ء میں جاٹوں نے متھرا کے فوجدار غلام نبی کو ہلاک کر دیا شاہی فوجیں مغل اور راجپوت افسروں کی سرکردگی میں روانہ کر دی گئیں اور بادشاہ خود بھی موقعہ پر آیا۔ باغیوں کو نہایت سخت سزائیں دی گئیں۔ اسی مہم کے دوران میں بغاوت فرو کرنے کرنے کیشو دیو کا مندر بھی برباد کر دیا گیا۔ اسی سال اودھ کے رئیسوں نے بھی بغاوت کی اور بنارس میں وشوا ناتھ کا مندر برباد کیا گیا۔

۲۔ بندیلوں کی بغاوت۔ بندھیلکھنڈ کا راجہ چمپت رائے بندیلہ دارا شکوہ کا ہوا خواہ تھا اس نے اورنگ زیب کے عہد کے شروع میں بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا تھا آخر شاہی فوج کے مغل اور بندیلے افسروں کے ہاتھوں چمپت رائے مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا چھتر سال گدی پر بیٹھا وہ شاہی منصب دار مقرر ہوا لیکن جب کبھی اسے موقعہ ملتا تو اورنگ زیب کی حکومت کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ جب سختی ہوتی تو پھر اطاعت کر لیتا تھا۔

۳۔ ست نامیوں کی بغاوت۔ ست نامی میوات اور نارنول کے علاقوں میں آباد تھے یہ لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے اور درویشوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ یہ لوگ سخت قسم کے جادو گر تھے اس لئے شاہی فوج کے سپاہی بھی ان سے ڈرتے تھے ایک دفعہ ایک سرکاری پیادے نے ان سے برا سلوک کیا بات بڑھتی بڑھتی بڑھ گئی اور آخر ست نامی بغاوت کر کے

مقابلہ پر اُتر آئے انہوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا ادھر اورنگ زیب نے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے کیلئے اُنہیں تعویذ لکھ لکھ کر دئیے اور اُن کے دل سے ست نامیوں کے جادو کو وہم دور کرکے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ بالآخر دو ہزار ست نامی کٹ مرے اور بغاوت دبا دی گئی۔

سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر جو اورنگ زیب کی طرف سے آسام کی لڑائیوں میں لڑ چکے تھے بغاوت کے الزام میں گرفتار ہوئے اور بعد ازاں دہلی میں قتل کر دئیے گئے۔ اس قتل کی وجہ سے سکھ سلطنت مغلیہ کے دشمن بن گئے اور ان کی وجہ سے سلطنت کو بہت نقصان پہنچا۔

راجپوتوں کی بغاوت
یا
اورنگ زیب کی راجپوت پالیسی
AURANGZEB'S RAJPUT POLICY
(J & K 1949)

راجستھان کی تین مشہور ریاستیں مغلوں کی باجگذار تھیں۔ ان میں جے پور کے کچھواہے اور مارواڑ (جودھ پور) کے راٹھور مغلوں سے خونی رشتوں سے ملے ہوئے تھے۔ میواڑ کے سیسودئیے بھی رانا پرتاپ کے بعد مغلوں کے وفادار ہو چکے تھے۔ شاہ جہان کے عہد تک ان راجاؤں نے سلطنت مغلیہ کی نہایت شاندار خدمات انجام دیں۔ پھر اورنگ زیب کے عہد میں مارواڑ اور میواڑ نے زبردست بغاوت کی اس بغاوت کی وجہ سے راجپوتوں اور مغلوں کے پُر خلوص اتحاد کو سخت دھکا لگا۔

مارواڑ کا مہاراجہ جسونت سنگھ شاہ جہان کا بڑا قابل جرنیل تھا اور شاہ جہان کو اُس پر بڑا بھروسہ تھا چنانچہ شاہ جہان کی طرف سے جنگ دھرمت میں اس نے اورنگ زیب سے مقابلہ کیا لیکن بعد میں جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ تو اُس نے مہاراجہ جسونت سنگھ کو پھر اپنے عہدے پر بحال کیا۔ مہاراجہ جسونت سنگھ نے بھی وفا شعاری میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی وہ مرہٹوں کے خلاف بھی لڑا اور سرحدی

جنگلوں میں شاہی خدمات انجام دیتا رہا آخر اورنگ زیب نے اُسے کابل کا حاکم بنا دیا۔ ۱۶۷۸ء میں مہاراج جسونت سنگھ جمرود کے مقام پر فوت ہو گیا۔ اس کی رانیاں اور خاص خاص ساتھی لاہور چلے آئے جہاں دو رانیوں کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے ایک تو مر گیا لیکن دوسرا لڑکا بعد میں اجیت سنگھ کے نام سے مشہور ہوا۔ ادھر اورنگ زیب نے موقعہ غنیمت سمجھ کر جودھ پور پر قبضہ کر لیا اور اپنی طرف سے ناگور کے رانا اندر سنگھ کو وہاں کا راجہ بنا دیا۔ اس زمانے کا قاعدہ تھا کہ امراء کے مرنے کے بعد ان کی جائیداد پر بادشاہ کا قبضہ ہو جاتا تھا اور ان کے لواحقین کی پرورش بادشاہ کے ذمہ ہوتی تھی جب مرنے والے کا وارث جوان ہوتا تو عام طور پر اُسے اُس کے باپ کا سب کچھ مل جاتا تھا یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب نے اجیت سنگھ کی پرورش شاہی محلات میں کرنا چاہی اور راجپوتوں کی خاطر وعدہ بھی کیا کہ جوان ہونے پر اجیت سنگھ کو مارواڑ کا راجہ تسلیم کر لیا جائے گا لیکن راجپوت اورنگ زیب پر بھروسہ نہ کر سکے اور اُن کا سردار درگا داس اجیت سنگھ کو دہلی سے لے کر مارواڑ بھاگ گیا اور اُسے کہیں چھپا دیا۔ اب راٹھور کھلم کھلا بغاوت پر اُتر آئے۔ اجیت سنگھ کی ماں سیسودیہ خاندان کی راجکماری تھی اس نے میواڑ سے مدد چاہی چنانچہ اودے پور کا رانا بھی اس بغاوت میں راٹھوروں کی مدد کے لئے میدان میں آ گیا۔ اورنگ زیب نے شہزادہ معظم شہزادہ اعظم اور شہزادہ اکبر کے ماتحت مقابلہ کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ مغل فوجوں نے سارے مارواڑ کو کھوند ڈالا اور ہر طرف تباہی و بربادی مچا دی۔ راجپوت مقابلہ کی تاب نہ لا کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا گھسے۔ اب انہوں نے شہزادہ اکبر کو بادشاہ تسلیم کرنے کا وعدہ کر کے اورنگ زیب کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ اورنگ زیب اس وقت صرف تھوڑی سی فوج کے ساتھ اجمیر میں مقیم تھا۔ شہزادہ اکبر کے ماتحت ستر ہزار سپاہی تھے۔ اکبر نے باپ کے خلاف ہتھیار اُٹھا کر اجمیر کی طرف

بڑھنا شروع کیا۔ اورنگ زیب کی حالت نہایت خطرناک تھی اس کی جگہ
اگر کوئی اور ہوتا تو شاید اُس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے لیکن اورنگزیب
نے نہایت ہوشیاری سے کام لیا اور اکبر کے نام ایک فرضی خط لکھا
جس میں اُسے راجپوتوں کو دھوکا دے کر اپنے ساتھ ملانے پر خوب داد
دی اور داؤ یہ چلا کر یہ خط راجپوت سرداروں کے ہاتھ جا پڑے
راجپوت بات میں آ گئے اور اکبر کو چھوڑ کر میدان سے بھاگ گئے
درگا داس اس چال کو بھانپ گیا مگر اُس کی پیش نہ گئی اور درگا داس
نے اکبر کے کنبے کو اپنے پاس پناہ دی اور ان کی دیکھ بھال اور
اکبر کی بچیوں کی اسلامی تعلیم کا عمدہ انتظام کیا اور اکبر کو دکن
میں شنبھوجی مرہٹہ کے دربار میں پہنچا دیا۔ وہاں ایک سال گذار کر
اکبر ایران چلا گیا اور وہیں باقی زندگی گذار کر ملک عدم کو روانہ
ہوا آخر ۱۶۸۱ء میں اودے پور کے رانا نے اپنے ملک کا کچھ حصہ
نذر کر کے صلح کر لی لیکن مارواڑی لڑتے رہے۔ اورنگ زیب نے
زندگی بھر اجیت سنگھ کو مارواڑ کا راجہ تسلیم نہ کیا اُس کے مرنے
کے بعد ۱۷۰۸ء میں بہادر شاہ اول نے مارواڑ سے صلح کر کے
اجیت سنگھ کو جودھ پور کا راجہ تسلیم کر لیا کئی مورخوں کا خیال ہے
کہ اورنگ زیب کے اس سخت گیر رویہ سے سلطنت کی بنیادیں ہل
گئیں اور راجپوت کا مغلوں پر اعتماد جاتا رہا جس کی وجہ سے
اورنگ زیب کو دکن کی لڑائیاں راجپوتوں کی مدد کے بغیر لڑنا
پڑیں لیکن یہ خیال کچھ زیادہ صحیح نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان
لڑائیوں میں ناحق کا خرچ اور جانوں کا نقصان ہوا اور ان
کی وجہ سے راجپوتوں میں پھر سے خود مختار راج قائم کرنے کا
جذبہ زور پکڑ گیا اور سلطنت مغلیہ کے کمزور ہوتے ہی انہوں نے
مغلوں سے وفاداری سے منہ موڑ لیا۔

مرہٹوں کا عروج

مغربی گھاٹ کے مشرق کا علاقہ مرہٹوں کا آبائی وطن تھا اسے مہاراشٹر اور یہاں کے بسنے والوں کو مرہٹہ کہتے تھے چونکہ اس علاقہ کی آب و ہوا عمدہ ہے یہاں کے رہنے والے بھی چاک چوبند اور جفاکش ہوتے ہیں۔ نسلی اعتبار سے بعض مورخ انہیں راجپوت اور بعض چھوٹی ذات کا سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں میں سنت تکا رام اور رام داس جیسے بھگتوں نے زندگی کی نئی لہر پیدا کر دی اور اُن میں خود اعتمادی بہادری اور قومی احساس پیدا کر دیا۔ احمد نگر کے وزیر اعظم ملک عنبر نے اُنہیں فوجی زندگی اختیار کرنے پر راغب کیا اور انہیں مغلوں کے خلاف استعمال کیا ہوتے ہوتے مرہٹے بیجاپور اور گولکنڈہ کی فوجوں میں بھی بھرتی ہونے لگی۔ کئی مرہٹہ سردار اپنی جفاکشی اور بہادری سے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو گئے انہیں سرداروں میں ایک

شاہ جی بھونسلا بھی تھا جس نے احمد نگر میں اپنی فوجی زندگی کی ابتدا کی اور جب احمد نگر شاہ جہان نے فتح کر لیا تو شاہ جی بیجاپور کے سلطان کا ملازم ہو گیا اسی سردار کا بیٹا شیوا جی تھا جس نے مرہٹوں کو ایک عظیم قوت بنا کر ایک خود مختار اور مضبوط سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

شیوا جی مرہٹہ
۱۶۲۷ء — ۱۶۸۰ء

شیوا جی جہانگیر کے عہد میں ۱۶۲۷ء میں شاہ جی بھونسلا کے ہاں پیدا ہوا۔ اُس کی ماں جیجی بائی بڑی نیک عورت تھی چھوٹی عمر میں ہی جیجا بائی اور شیوا جی کے اتالیق دادا جی کانڈیو نے سیوا جی کے دل میں ہندو مذہب اور تہذیب کی فضیلت کا نقش بھرنا شروع کیا اور بہادروں کی

کہانیاں سنا سنا کر اس میں شجاعت اور خود اعتمادی کے جوہر پیدا
کرنے شروع کئے۔ دادا جی کانڈیو نے شیواجی کو سپہ گری اور
امور سلطنت میں بھی پوری طرح طاق کر دیا۔ شیواجی کے مذہبی
پیشوا رام داس کا بھی اس کی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ شیواجی
نے جوان ہوتے ہی دوسرے سرداروں اور زمینداروں کے بیٹوں
سے میل جول پیدا کر کے دولت اور ملک گیری کے خواب دیکھنے
شروع کر دیئے۔ دکن کی مسلمان سلطنتیں مغلوں کی پے در پے
یلغاروں سے پامال ہو چکی تھیں۔ شیواجی کے ارادوں کو پورا
کرنے کے لئے وسیع میدان اور عمدہ موقعہ تھا چنانچہ ۱۶۴۶ء
سے شیواجی نے اپنی فوجی کاروائیوں کا آغاز سلطان بیجاپور
کے قلعہ تورنا کی فتح سے کیا اور تین چار سال کے قلیل عرصہ میں
آس پاس کے علاقے زیر کر لئے۔ پورندھر وغیرہ کے پہاڑی قلعے
اور بالآخر کانکن کے زرخیز علاقے پر بھی ہاتھ صاف کئے اور
کلیان پر قابض ہو گیا۔ جب شیواجی کے حوصلے حد سے بڑھ گئے
تو سلطان بیجاپور نے اس کے والد شاہ جی بھونسلا سے جواب
طلب کیا لیکن شاہ جی نے شیواجی کی کاروائیوں سے بے تعلقی

کا اظہار کر کے کسی طرح کی ذمہ داری قبول کرنے سے صاف انکار کر
دیا۔ سلطان نے شاہ جی کو قید کر دیا۔ اب شیواجی نے شہنشاہ
دہلی سے درخواست کر کے بمشکل شاہ جی کو قید سے نجات دلوائی
جنگ جانشینی کے دوران میں سلطان بیجاپور مغلوں کے خطرہ سے
ذرا سنبھلا تو اس نے شیواجی کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کچلنے
کی ٹھانی اور اپنے ایک بہادر سردار افضل خان کو اس مہم پر مامور
کیا۔ شیواجی کو بھی ایسی منظم مہم کے مقابلہ کا موقعہ نہ ملا
تھا چنانچہ شیواجی نے افضل خان کو صلح کا پیغام بھیج کر
ملاقات کی خواہش کی اور کپڑوں کے نیچے زرہ بکتر پہن کر

ملاقات کے لئے اور بغلگیر ہونے نا چاہ یعنی آہنی پنجہ افضل خان کے پہلو میں بھونک کر اُسے ہلاک کر دیا۔ بس پھر کیا تھا سردار کو مرتا دیکھ کر بیجا پوری سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ سب درہم برہم ہو گئے۔ اس واقعہ سے شیواجی کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور شیواجی نے کئی اور قلعے فتح کر کے بیجا پوریوں کو شکست فاش دے دی اب سلطان بیجا پور نے چاروناچار شیواجی کو اپنے مفتوحہ علاقوں کا خود مختار حکمران تسلیم کر لیا یہ شیواجی کی زندگی کی پہلی شاندار کامیابی تھی۔

بیجا پور کے دانت کھٹے کرنے کے بعد شیواجی نے اب مغلوں کے علاقوں پر چھاپے مارنے شروع کئے اب اورنگ زیب نے اپنے ماموں امیر الامراء شائستہ خان کو سیواجی کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا شائستہ خان نے آتے ہی کئی شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر کے اپنی دھاک بٹھا دی اور سیواجی کو سامنے آکر مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ آخر برسات کے شروع ہونے پر شائستہ خان پونا میں آکر ٹھہرا۔ رمضان کا مہینہ تھا ایک رات جب چند باورچیوں کے بغیر سب سو رہے تھے شیواجی چار سو جانباز ساتھیوں سمیت ایک برات کا سوانگ رچا کر شہر میں داخل ہوا اور یکایک شائستہ خان کی قیام گاہ میں داخل ہو کر ان باورچیوں کو قتل کیا

اور پھر شائستہ خان اور اس کے ساتھیوں پر پل پڑے شائستہ خان نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا اور دو تین مرہٹوں کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس افراتفری میں شائستہ خان کا بیٹا اور کئی دوسرے سردار مارے گئے شائستہ خان جان بچانے کے لئے مکان سے باہر بھاگے تو بھاگتے بھاگتے اس کے ہاتھوں کی انگلیاں کٹ گئیں شائستہ خان کو بنگالہ تبدیل کر دیا گیا۔ اگلے سال شیواجی نے سورت پر حملہ

کرکے اسے جی بھر کر لوٹا۔ شیواجی کے یہ حوصلے دیکھکر اورنگزیب بڑا متفکر ہوا اور اس خطرناک صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے دو بہترین سپہ سالار دلیر خان اور راجہ جے سنگھ بڑے لاؤ لشکر کے ہمراہ روانہ کئے۔

راجہ جے سنگھ نے چند ہی دنوں میں ایسی یورش کی کہ مرہٹوں کے کئی قلعے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے اور رائے گڑھ پر حملے کا خطرہ اور مرہٹوں کی شکست چند دنوں کی بات نظر آنے لگی ایسی صورت حال میں ناچار شیواجی نے صلح کے لئے نامہ و پیام شروع کیا شیواجی نے بیس قلعے مغلوں کے حوالے کئے اور بیجاپور کے خلاف مغلوں کی مدد کا وعدہ کیا اور اس کے عوض میں بیجاپوری علاقے کے کچھ حصّے میں شیواجی کا چوتھ وصول کرنے کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ یہ صلح "معاہدہ پورندھر" کے ذریعے طے ہوئی۔

راجہ جے سنگھ اور اُس کے بھائی رام سنگھ کے کہنے کہلانے پر شیواجی نے شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہونا مان لیا چنانچہ ۱۶۶۶ء میں شیواجی اور اس کا بیٹا سنبھوجی آگرے میں آکر دربار میں حاضر ہوئے۔ اورنگ زیب نے شیواجی کو راجہ کا خطاب اور سنبھوجی کو پنجہزاری منصب اور گراں قدر جاگیر عطا کی لیکن شیواجی کو ان عنایات سے کہیں زیادہ کی توقع تھی۔ اُس نے دربار میں ہی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اورنگ زیب نے اُس کے ڈیرے کی کڑی نگرانی کا حکم دے دیا۔ بالآخر ایک دن خیرات کے بہانے شیواجی نے مٹھائی کے ٹوکرے منگوائے

اور ایک خالی ٹوکرے میں بیٹھ کر بھاگ نکلا اگر اورنگ زیب اس وقت شیواجی اور مرہٹوں کی اہمیت کا اندازہ کرکے شیواجی کو منہ مانگی مراعات دے دیتا تو شاید ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔ مگر اورنگ زیب کی مشکل یہ تھی کہ اگر وہ کل کے باغی کی پینے

راجپوت سپہ سالاروں اور افسروں سے زیادہ عزت افزائی کرتا تو شاید وہ راجپوت بھی برداشت نہ کرتے۔ بہرکیف اس واقعہ کے بعد شیواجی اپنی خود مختاری کے لئے جد و جہد کرنے لگا اور جب اورنگ زیب پٹھانوں کی بغاوت فرو کرنے میں الجھا ہوا تھا ۱۶۷۴ء میں شیواجی نے چھترپتی مہاراج کا لقب اختیار کر کے اپنی تاجپوشی کی رسم بڑے رکھ رکھاؤ سے ادا کی اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اس نے معاہدہ پورندھر میں چھینے گئے قلعے پھر فتح کئے اور سورت سے خاندیش تک کے سارے مغلیہ علاقے میں چھاپے مارنے اور لوٹ مار مچانے میں لگ گیا۔ بیجاپور کو ایک اور شکست دے کر کنٹری علاقہ کو لوٹا اور بگلانہ پر قبضہ کر لیا اس کے بعد شیواجی نے بیجاپور اور گولکنڈہ کے سلطانوں سے صلح کر لی ۱۶۷۵ء میں کنٹرا اور ۱۶۷۷ء میں جنجی اور کرناٹک بھی شیواجی نے فتح کر لئے ۱۶۷۸ء میں شیواجی کا بیٹا شبنھوجی مغلوں سے جا ملا۔ اب مغلوں نے مرہٹوں پر سخت انتقامی حملے شروع کر دئے مگر انہیں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی اسی اثناء میں ۱۶۸۰ء میں ۵۳ سال کی عمر میں کچھ عرصہ بیمار رہ کر شیواجی چل بسا۔

شیواجی کے انتظام سلطنت اور کارناموں پر ایک نظر

شیواجی کی سلطنت ہندوی "سوراج" یعنی ہندو خود مختار حکومت کہلاتی تھی یہ شمال میں دکن سے لے کر جنوب میں کروار تک اور مشرق میں بگلانا سے کولہاپور تک اور مغربی کرناٹک میں دریائے تنگ بھدرا تک پھیلی ہوئی

تھی اُس کے تین بڑے حصے یعنی شمالی جنوبی اور جنوب مشرقی اضلاع
میں صوبائی گورنروں کے ماتحت تھے۔ آس پاس کا علاقہ مغلئی کہلاتا
تھا اور ان میں لوٹ مار کرنا مرہٹے اپنا جائز حق سمجھتے تھے۔ اس
لوٹ مار کو مرہٹے "ملک گیری" کہا کرتے تھے۔ ان علاقوں کو اپنے
حملوں سے محفوظ رکھنے کے عوض میں وہ چوتھ (یعنی سرکاری
لگان کا چوتھا حصہ اور سردیش مکھی (یعنی کسانوں سے وصول شدہ
پیداوار کا دسواں حصہ) وصول کیا کرتے تھے لیکن ان علاقوں
کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنا مرہٹوں کے ذمہ نہ تھا۔
شیواجی کی مرہٹہ پادشاہی میں ہندوؤں سے اُسی طرح ترجیحی
سلوک کیا جاتا تھا جیسے اورنگ زیب کی حکومت میں مغلوں اور افغانوں
سے ہوتا تھا ورنہ اُس کی فوج میں اُسی طرح مسلمان سپاہی اور افسر
تھے جیسے اورنگ زیب کی فوج میں ہندو سپاہی اور افسر تھے مغل
سامراج کی طرح مرہٹہ پادشاہی بھی شخصی راج کے ماتحت تھی اور
حکمران کے اختیارات غیر محدود تھے۔ حکمران نظم و نسق کا اعلیٰ
سربراہ۔ سب سے بڑا حاکم انصاف اور قانون بنانے اور نافذ
کرنے والا حاکم تھا البتہ اُس کے ماتحت وزیروں کی ایک مجلس
تھی جو اُس کے اشارہ ابرو پر کام کرتی تھی اسے "اشٹ پردھان"
آٹھ وزیروں کی کونسل بھی کہتے تھے۔ سب سے بڑا وزیر "پیشوا"
ہوتا تھا اس کے بعد حساب کتاب اور خزانے کا وزیر یعنی "مجموعہ دار"
ہوتا تھا حالات ملکی سے باخبر رکھنے اور اطلاعات مہیا کرنے کا کام
"وقائع نویس" کے سپرد تھا۔ شاہی فرامین اور احکام جاری کرنا
"شروع نویس" یا سیکرٹری کے ذمہ تھا" دبیر" وزیر خارجہ تھا۔
سپہ سالار اعظم "سرنوبت" کہلاتا تھا۔ مذہبی امور اور خیرات
کی دیکھ بھال کا وزیر "پنڈت راؤ" کہلاتا تھا اور چیف جسٹس
"نیائے دھیش" کہلاتا تھا۔ پنڈت راؤ اور نیائے دھیش کے سوا
سب وزیروں کو فوجی خدمات بھی انجام دینا پڑتی تھیں۔
لحاظ سے مرہٹہ اور مغلیہ نظام ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے

شیواجی کی حکومت کا انحصار طاقت پر تھا اس لئے اُسے ایک
ایک منظم اور طاقت ور فوج بنانا پڑی اس میں رسالہ۔ پیدل اور
توپ خانہ شامل تھے رسالہ میں بارگیر اور سلاح دار دو قسم کے فوجی
ہوتے تھے۔ بارگیروں کو اسلحہ اور گھوڑے سرکار کی طرف سے ملتے
تھے لیکن سلاح داروں کو یہ چیزیں خود مہیا کرنا ہوتی تھیں۔ ساری
فوج سپہ سالار اعظم یعنی سر نوبت کے ماتحت ہوتی تھی۔ بڑے بڑے
سردار پنج ہزاری اور ان کے ماتحت ایک ہزاری سردار ہوتے تھے
پچیس سواروں کا افسر حوالدار اور پانچ حوالداروں کا افسر جملہ دار
کہلاتا تھا۔ پیادہ فوج زیادہ تر پہرہ داری اور قلعوں کی حفاظت
کے کام آتی تھی۔ شیواجی کا توپ خانہ بہت معمولی تھا اور اس
کے ساز و سامان کے لئے شیواجی پرتگیزوں کا محتاج تھا۔

شیواجی افسروں کا تقرر خود کرتا تھا اور سپاہیوں میں نظم
وضبط کی دیکھ بھال کے لئے دورے کرتا رہتا تھا بے ضابطگی کے
لئے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ فوج کو تنخواہ خزانے سے دی
جاتی تھی جاگیرداری کا رواج نہ تھا۔ شیواجی کی فوج کے سپاہی
بڑے بہادر اور جانباز تھے اور اپنے سردار کے حکم پر سر کٹوانے
کو ہمیشہ تیار رہتے تھے اُن کی زندگی سادہ تھی سامان جنگ بھاری
بھرکم نہ تھا وہ جم کر میدان میں لڑنے کی بجائے چھاپے مارنے
کا طریقہ زیادہ پسند کرتے تھے موقع پاتے ہی دشمن پر جھپٹنا اور
اُسے تحس نحس کر دینا اُن کی لڑائی کا عام طریقہ تھا۔

شیر شاہ سوری اکبر اور ملک عنبر کے انتظام مالگزاری کا
طریقہ شیواجی نے معمولی رد و بدل سے اپنی بادشاہی میں بھی
جاری کیا تھا ساری زمین کی بڑی احتیاط سے پیمائش کرکے زمین
کی خاصیت آبپاشی کی سہولتوں اور پیداوار کے لحاظ سے اسے
مختلف درجوں میں بانٹا جاتا تھا اور پیداوار کا ۲/۵ حصہ بطور
لگان سرکار نقد یا بصورت پیداوار وصول کیا جاتا تھا کسان
اور حکومت کے درمیان واسطہ دار یعنی زمیندار چک دار یا جاگیردار

نہ ہوتے تھے اس لئے رعایا ان واسطہ دار طبقوں کی لوٹ گھسوٹ سے بچی رہتی تھی قحط سالی یا جنگ کی وجہ سے فصلوں کو نقصان پہنچنے میں چھوٹ دی جاتی تھی کاشت کاروں کی مدد کے لئے انہیں تقاوی قرضے بھی دئیے جاتے تھے اور ان کی ہر طرح ہمت افزائی اور دلجوئی بھی کی جاتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ شیواجی کا شمار ہندوستان کی چیدہ ہستیوں اور اعلیٰ حکمرانوں اور فاتحوں میں کیا جاتا ہے۔ شیواجی کی اپنی زندگی سادگی اور شرافت کا نمونہ تھی اُسے ہندو مذہب اور تہذیب سے بڑی عقیدت تھی لیکن وہ تنگ نظر مذہبی جنونی نہ تھا وہ دوسرے مذاہب کا احترام کرتا تھا چنانچہ مشہور ہے کہ اُس نے اپنی فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ مسجدوں اور دوسرے عبادت خانوں کی تکریم کا خاص خیال رکھیں کہتے ہیں جب کبھی قرآن شریف کا کوئی نسخہ اُس کے ہاتھ آتا تو اسے بڑے احترام سے اپنے مسلمان افسروں کے حوالے کر دیتا تھا اسی طرح عورتوں کی عزت و حرمت اپنا ذاتی فرض سمجھتا تھا۔ شیواجی میں سرداری ذاتی بہادری اور مردم شناسی کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مرہٹوں کے منتشر اجزا کو جمع کر کے دنیا کی ایک عظیم سلطنت سے بڑی کامیاب ٹکر لی اور مرہٹوں کو ایک لڑی میں پرو کر ایک بہادر قوم اور ایک خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالتے ہوں شاندار کامیابی حاصل کی اور چاروں طرف اپنی دھاک بٹھا دی چنانچہ اس کا نام سن کر ہی بڑے بڑے سورماؤں کے زہرے پگھل جاتے تھے اور ان پر ہیبت چھا جاتی تھی۔

ان ذاتی خوبیوں کے باوجود شیواجی کو ایک مستقل اور پائیدار سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں ناکامی ہوئی اور اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی یہ شاندار عمارت شکست و ریخت کی نذر ہونا شروع ہو گئی۔ بقول ڈاکٹر تارا چند اس کی وجوہات یہ تھیں:۔

(۱) شیواجی کی سلطنت کا کل دار و مدار مرہٹہ ہندوؤں پر تھا مرہٹے ہندوستان کے اور سب لوگوں کو غیر سمجھتے تھے اولاً ان کے وجوہ

کا مصرف صرف یہ سمجھتے تھے کہ ان سے چوتھ وصول کریں اور لوٹ کا مال حاصل کریں۔

(۲) شیوا جی نے سماج کی ان بری رسموں اور رواجوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی جو قومی ترقی کی راہ میں حایل ہوتی ہیں۔

(۳) اس نے ملک میں تجارت و صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی طرف توجہ نہ کی حالانکہ ملک کی طاقت کا انحصار تجارتی و صنعتی ترقی پر ہی ہوتا ہے۔

(۴) اس نے قوم میں حکومت خود اختیاری کی قابلیت پیدا کرنے کے لئے سا بچھے قانون اور آئین کی نشو و نما کی کوشش نہ کی۔

مگر ان خامیوں کے باوجود شیوا جی کی زندگی میں مرہٹہ پادشاہی کو اپنی حدود میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی۔

اورنگ زیب دکن میں شیوا جی کی تاجپوشی اور خود مختاری کے اعلان سے مغلوں کے لئے خطرے کے سامان پیدا ہو چکے تھے لیکن سرحدی بغاوتوں اور راجپوتوں کی لڑائیوں کی وجہ سے اورنگ زیب دکن کا رخ نہ کر سکتا تھا۔ شیوا جی کے مرنے کے بعد شہزادہ اکبر بھی فرار ہو کر شنبھو جی مرہٹہ کے دربار میں جا پہنچا ادھر بیجا پور اور گولکنڈہ کی مسلمان سلطنتیں بھی مغلوں کو پریشان کرنے پر ادھار کھائی بیٹھی تھیں چنانچہ ۱۶۸۲ء میں اورنگ زیب نے دکن کا رُخ کیا اور اپنے عہد کے آخری پچیس برس اُسے دکنی لڑائیوں میں ہی گذارنے پڑے خود بھی دکن میں ہی مرا اور سلطنت مغلیہ کے زوال کی بنیاد بھی یہیں پڑی۔

تسخیر بیجاپور سنہ ۱۶۸۶ء سلطان بیجاپور مغلوں کا باجگذار تھا لیکن در پردہ شنبھو جی مرہٹہ کی مدد کرتا رہتا تھا اس لئے اورنگ زیب نے مرہٹوں سے آخری معرکہ لڑنے سے پہلے سلطان بیجاپور کو مرہٹوں کی مدد سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی مگر جب کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو ۱۶۸۵ء میں اورنگزیب نے احمد نگر میں اپنا فوجی صدر مقام قائم کرکے بیجاپور کا محاصرہ

کر لیا۔ مرہٹوں اور سلطان گولکنڈہ نے شاہی فوجوں کا زور توڑنے اور بیجاپوریوں کی مدد کرنے کی بہت کوشش کی لیکن آخر کار اورنگ زیب نے سلطان سکندر عادل شاہ کو دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا اور ۱۶۸۶ء میں سلطنت بیجاپور سلطنت مغلیہ میں شامل کر دی گئی۔

تسخیر گولکنڈہ ۱۶۸۷ء

گولکنڈہ میں نام کو تو سلطان ابوالحسن تاناشاہ کی حکومت تھی حکومت کی باگ ڈور در اصل دو مرہٹہ برہمنوں مدنّا اور اکنّا کے ہاتھ تھی یہ دونوں بھائی مرہٹوں کے حلیف تھے گو اوپر اوپر سے وہ مغلوں سے وفاداری کا اظہار کرتے رہتے تھے ابوالحسن خود راگ رنگ کا دلدادہ تھا اور باوجود فہمائش کے اُس نے اپنی سلطنت کی سدھ نہ لی اور جنگ بیجاپور میں کھلم کھلا مغلوں کے خلاف مرہٹوں اور سلطان بیجاپور کو مدد دی چنانچہ فتح بیجاپور کے بعد اورنگ زیب خود گولکنڈے پر حملہ آور ہوا اور گولکنڈہ کے مشہور قلعے کا محاصرہ شروع کر دیا۔ محصور فوجیں بڑی بہادری سے لڑتی رہیں لیکن قحط اور سازشوں نے اُن کی کمر توڑ دی۔ بالآخر اورنگ زیب نے سپہ سالار گولکنڈہ کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور اس غدار کی کرتوت سے قلعہ پر اورنگ زیب کا جھنڈا لہرانے لگا اور ابوالحسن تاناشاہ گرفتار ہوگیا۔ ۱۶۸۷ء میں گولکنڈہ کی سلطنت مغلیہ میں شامل کر دی گئی۔

مرہٹوں سے جنگ

شیوا جی کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا سنبھو جی تخت پر بیٹھا ۱۶۸۲ء میں مغلوں نے مرہٹوں پر حملے شروع کئے لیکن سنبھو جی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوا۔ اُس کی بے پروائی سے نظام حکومت تتر بتر ہو رہا تھا اور افسروں میں فرض ناشناسی بڑھ رہی تھی۔ سنبھو جی دونوں ہاتھوں سے اپنے باپ کی جمع کی ہوئی دولت عیش و عشرت کی نذر کر رہا تھا۔ اس صورت حالات سے مغلوں نے پورا فائدہ

اٹھایا اور بالآخر مرہٹوں کے اہم قلعوں پر قبضہ کر کے مغلوں نے شنبھو جی
کو گرفتار کر لیا اور ۱۶۸۷ء میں اُسے نہایت بے دردی سے قتل کر
دیا گیا۔ شنبھو جی کا خورد سال بیٹا شاہو اورنگ زیب نے اپنی نگرانی
میں لے لیا اور وہیں اس کی پرورش ہونے لگی۔ بظاہر اب ایسے
معلوم ہوتا تھا کہ سارا ہندوستان ایک ہی جھنڈے تلے متحد ہے
لیکن اس اتحاد کی بنیاد محض جبر و تشدد پر تھی اس لئے یہ اتحاد
پائیدار ثابت نہ ہوا۔

شنبھو جی کے قتل کے بعد اُس کے چھوٹے بھائی راجہ رام
نے کرناٹک کا رُخ کیا اور جنجی کو اپنا صدر مقام بنا کر حکومت
کرنے لگا ۱۶۹۸ء میں مغلوں نے جنجی فتح کر لیا تو راجہ رام کونکن
چلا جہاں ۱۷۰۰ء میں وہ چل بسا اور اُس کے مرنے کے بعد۔ اُس کی
قابل و بہادر رانی تارا بائی نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور بڑی
قابلیت سے حکومت کرنے لگی۔ مغل جرنیل ایک ایک کر کے تمام
اہم مرہٹہ قلعوں پر قابض ہوتے چلے جاتے۔ مرہٹہ سردار دھاوے
چھاپے مار مار کر مغلوں کو سخت پریشان کیا اور اُن کی رسد کے
راستے مسدود کر دیئے اُن کی لوٹ مار سے مغلوں کو پریشانی کے
علاوہ سخت مالی نقصان کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا لوگوں کو الگ
پریشانی اُٹھانا پڑتی تھی۔ سلطنت کے خزانہ پر ان لگاتار لڑائیوں
کا نہایت بُرا اثر پڑا۔ تجارت و صنعت کو بھی دھکا لگا۔ شہنشاہ
کی عدم موجودگی میں شمالی ہند کے نظم و نسق کی حالت بھی
خراب ہو گئی۔ جاٹ۔ راجپوت اور دوسرے سرکش لوگوں نے
بد امنی پھیلا دی۔

اورنگ زیب آخر وقت تک بڑی پامردی سے مرہٹوں
کا مقابلہ کرتا رہا لیکن وہ اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ بیجاپور اور
گولکنڈہ کی طرح مرہٹوں کی پوری طرح ختم کرنا اس کے لئے
ممکن نہ تھا ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب اورنگ آباد کے مقام پر
اس جہاں فانی سے کوچ کر گیا۔ اور قریب ہی خلد آباد میں

ایک کچے مقبرے میں مدفون ہے۔

اورنگ زیب کی دکن پالیسی اکبر، جہانگیر اور شاہ جہان کی دکن پالیسی اور ملک گیری سے کسی طرح مختلف نہ تھی۔ اورنگ زیب نے بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستوں کو سلطنت مغلیہ میں شامل کر کے مرہٹوں کو ان کی مدد سے محروم کیا اور بالآخر مرہٹوں کو تہس نہس کر دیا۔ لیکن اس کا زیادہ وقت لڑائیوں میں ہی گذرا اس لئے وہ یہاں ایک عمدہ نظام حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوا ان لڑائیوں سے خزانہ پر جو بار پڑا وہ بعد میں سخت نقصان دہ ثابت ہوا فوج کے سپاہی آرام طلب اور افسر نکمے ہو گئے اور اس طرح فتوحات دکن سے اورنگ زیب سلطنت مغلیہ کے لئے ایسے مسائل پیچھے چھوڑ گیا جو اس کے نا اہل جانشین حل نہ کر سکے اور مغلیہ سلطنت کے زوال کا باعث ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مورخ اورنگ زیب کو سلطنت مغلیہ کے زوال کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی

اورنگ زیب بذات خود ایک مذہبی خیال کا آدمی تھا اور اسلام کا بڑی سختی سے پابند تھا اور وہ بڑے خلوص سے اسی بات کو صحیح سمجھتا تھا کہ دوسروں کو بھی اسلام کی پیروی پر راغب کرے اور اپنی حکومت کو شریعت کے اصولوں کے سانچوں میں ڈھالے وہ مسلمانوں سے تو نیکی سلوک کرتا اور انہیں ہر طرح کی رعائتیں دیتا لیکن ہندوؤں سے اُس کا

محض رواداری کا سلوک تھا اس سے ایک تو مسلمان افسروں میں بے
پروائی اور اخلاقی گراوٹ آگئی اور دوسری طرف ہندوؤں کی
سلطنت مغلیہ کے لئے جاں نثاری جاتی رہی اس طرح شہنشاہ اکبر
کے کئے کرائے پر پانی پھر گیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل
جول سے ایک متحدہ ہندوستانی قوم کا عروج التوا میں پڑ گیا۔

اورنگ زیب مسلمان امراء کے اس طبقہ کے بل بوتے پر
کامیاب ہوا تھا جو دارا شکوہ کی ہندوؤں سے گہرے تمدنی اور
مذہبی میل جول کے خلاف تھا اس لئے بادشاہ بننے کے بعد اورنگزیب
نے اس گروہ کو خوش کرنے کے لئے مذہبی اصلاح کے لئے حکم جاری
کئے جن میں سے بعض ہندوؤں پر بھی اثر انداز ہوتے تھے اس کے
مذہبی اصلاح کے احکام میں سے خاص خاص یہ تھے :-

(۱) شروع سے مغلیہ سکوں پر ایک طرف کلمہ شریف لکھا جاتا تھا
اورنگ زیب نے کلمہ شریف کے ادب کے لحاظ سے یہ طریقہ
بند کر دیا۔

(۲) مغل بادشاہ ایرانی نوروز کی تقریب منایا کرتے تھے۔
اورنگ زیب نے اسے بند کر دیا۔

(۳) مغل بادشاہ قلعہ کے جھروکے میں بیٹھ کر رعایا کو درشن دیا
کرتے تھے۔ اورنگ زیب نے اس رسم کو بھی موقوف کر دیا۔

(۴) مسلمان امیروں کو اسلامی طریقہ کے مطابق السلام علیکم کہنے
کا حکم دیا گیا۔

(۵) نشہ پینے، جوا کھیلنے اور رنگ رلیاں منانے کی سخت سزائیں
مقرر کی گئیں اور ناچنے گانے والوں کا داخلہ دربار میں
بند کر دیا گیا۔

محرم کے جلوسوں اور ستی کی رسم پر پابندی عائد کر دی گئی۔

(۷) ایسے مندر جہاں آئے دن جن میں باغی سردار سازشیں کرتے رہتے
تھے یا جو بغیر شاہی اجازت کے تعمیر ہوئے تھے منہدم کر
دیئے گئے۔

۱۶۷۹ء میں اورنگ زیب نے ہندوؤں پر پھر سے جزیہ لگا دیا جس کی شرح فی کس تین آنے سے بارہ آنے فی کس سالانہ تک تھی لیکن یہ ٹیکس چونکہ مذہبی نوعیت کا تھا۔ اس لئے اس سے نفرت کی جاتی ہے ویسے بیگاری۔ پروہت۔ عورتیں بچے۔ بوڑھے۔ اور اندھے اپاہج اس کی ادائیگی سے مستثنا تھے

(۹) اورنگ زیب نے سکھوں کی بغاوت دبانے کے لئے بڑی سختی برتی اور سکھوں کے نویں گورو تیغ بہادر کو موت کی سزا دی جس کی وجہ سے سکھ مغلوں کی جان کے لاگو ہو گئے۔

اورنگ زیب کی یہ مذہبی پالیسی اکبر کی فراخدلی سے دور اور تنگ نظری پر مبنی تھی اور اس سلطنت مغلیہ کو فائدے کی بجائے نقصان ہی پہنچا تاہم بقول ڈاکٹر تارا چند" یہ واضح رہے کہ ہندوؤں پر جو کچھ بندشیں عائد کی گئیں انہیں خود اس زمانے کے ہندو بادشاہ کے خلاف عام بغاوت کرنے کی معقول وجہ نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے کبھی ان بندشوں کے خلاف احتجاج کیا اور نہ بادشاہ کی طرف سے لڑنے سے انکار کیا۔ اورنگ زیب نے مختلف فرقوں اور جماعتوں سے جتنی لڑائیاں لڑیں ان سب میں اس کے ہندو سپہ سالاروں نے اس کی طرف سے نہایت بہادری سے جنگ کی اس کے عہد حکومت میں اول سے آخر تک راجپوت۔ بندیلے مرہٹے اور سکھ افسر خود اپنے ہم قوموں کے مقابلہ میں بے تکلف لڑتے رہے اور سچ پوچھئے تو اورنگ زیب کی حکومت کے خلاف کوئی عام تحریک ایسی نہ ہوئی جس میں سارے ہندو شریک رہے ہوں

در اصل اس زمانے میں ہندو سرداروں کے ماتحت مسلمان اور مسلمانوں کے ماتحت ہندو اپنے ہم قوموں سے لڑنے میں کچھ تامل نہ کرتے تھے وطن پرستی کا احساس نہ مسلمانوں میں تھا اور نہ ہی ہندوؤں میں۔ دونوں شخصی وفاداری اور نمک حلالی کے خیال سے یا خونی تعلق کی وجہ سے جنگ پر آمادہ ہوتے تھے۔ اور کئی بار

ذاتی خود غرضی کو ان سب پر ترجیح بھی دے دیتے تھے۔

اس لئے اورنگ زیب کی پالیسی سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ عام ہندو رعایا کا دشمن تھا غلط ہے اسی طرح اُسے ہر سیاسی غلطی سے بری قرار دینا بھی غلط ہوگا۔ مذہبی پالیسی سے کہیں زیادہ اُس کی سیاسی غلطیوں سے سلطنت مغلیہ کو زک پہنچی۔

اورنگ زیب کی سیرت اور کارناموں پر ایک نظر

لڑکپن سے ہی اورنگ زیب اپنے سب بھائیوں میں ممتاز تھا اس کی ہمت بہادری اور قابلیت کو شاہ جہان بھی مانتا تھا چنانچہ مشکل سے مشکل مہموں پر بھیجنے کے لئے شاہ جہان کی نظر اُسی پر پڑتی تھی۔ اورنگ زیب لڑائی کے فن کا ماہر تھا چنانچہ بلخ کی جنگ میں اُس نے دشمنوں کے چھکے چھڑا کر اپنی دھاک بٹھا دی تھی دکن میں مدتوں اورنگ زیب صوبیدار رہا اس دوران میں اُس نے رعایا کی بھلائی اور خوش حالی کے لئے جس عقلمندی اور تدبّر سے حکومت کا نظام چلایا اس سے اس کی اعلیٰ انتظامی قابلیت کی شہادت ملتی ہے ایک بہادر سپاہی اور قابل مدبّر ہونے کے ساتھ ساتھ اورنگ زیب کی نجی زندگی بڑی درویشانہ تھی اور اُس کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے۔ اورنگ زیب حافظ قران حدیث کا بڑا عالم اور ایک ماہر ادیب تھا چنانچہ اُس کے خطوں کے جو مجموعے ملتے ہیں اُن میں کئی فارسی نثر کے نہایت اعلیٰ نمونے مانے جاتے ہیں۔ اورنگ زیب منطق اصول قانون اور فلسفہ کا بھی بڑا عالم تھا اس علم و فضل کے ساتھ وہ بڑا عبادت گزار اور خدا سے ڈرنے والا انسان تھا۔ اپنی ذات کے لئے شاہی خزانہ سے ایک کوڑی تک نہ لیتا تھا اور ٹوپیاں سی سی کر اور قران شریف کے نسخے نقل کرتے کرتے جو تھوڑا بہت حاصل کرتا تھا اسی سے اپنی ذات کے اخراجات

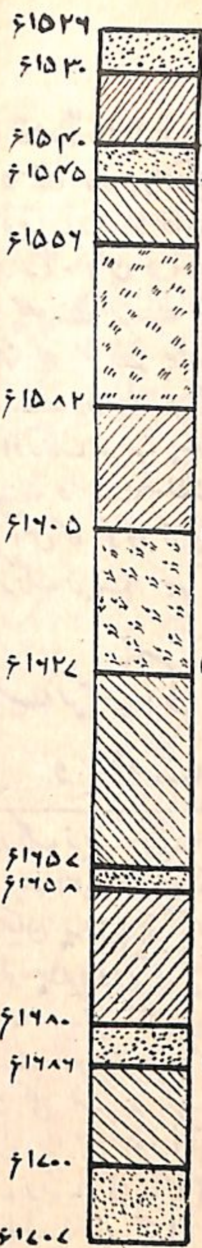
پورے کرتا تھا۔ اُسے عیش و عشرت اور آرام طلبی سے کچھ لگاؤ نہ تھا وہ ہر وقت مستعدی سے حکومت کا کام سرانجام دیتا اور بڑھاپے میں بھی اپنے معمول کا پوری طرح پابند رہا۔ امن و امان اور قانون کے احترام کے سامنے وہ چھوٹے بڑے ہندو مسلم سب سے یکسان سلوک کرتا تھا چنانچہ موقعہ پڑنے پر اُس نے اپنے بیٹوں کو سزا دینے سے دریغ نہ کیا۔

اورنگ زیب ہندوستان کے عظیم شہنشاہوں میں گنا جاتا ہے۔ وسعت سلطنت کے لحاظ سے ہندوستان کی تاریخ میں اُس کا کوئی ثانی نہیں لیکن ان سب خوبیوں کے باوجود اورنگ زیب اکبر کی طرح کامیاب حکمران نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اورنگ زیب کی ناکامی کی وجوہات

غیر معمولی دل و دماغ۔ ذاتی شجاعت مستقل مزاجی اور پاکیزہ زندگی کے باوجود اورنگ زیب ایک حکمران کی حیثیت میں ناکام رہا۔ عام طور پر اس ناکامی کی وجہ اُس کی مذہبی پالیسی بتائی جاتی ہے لیکن یہ زیادہ صحیح نہیں کیونکہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو ہندوؤں کی ہی مدد سے دبایا راجپوت اور مرہٹے خود اورنگ زیب کی طرف سے شیواجی کے خلاف لڑتے رہے اور مرہٹے جب مغلئی پر حملہ آور ہوتے تو ہندو مسلم کی تمیز نہ کرتے تھے اور خود اُس کی فوج میں کئی مسلمان سپاہی اور افسر تھے اگر غور سے دیکھا جائے تو اورنگ زیب کی ناکامی کے وجوہات تجارت و صنعت کی تباہی۔ زراعت کی بربادی اور سلطنت کی مالی پریشان حالی تھی۔ امراء عیش و عشرت میں ڈوب کر اپنے فرائض

ٹائم چارٹ سلطنت مغلیہ
۱۵۵۶ء تا ۱۷۰۷ء



پانی پت کی پہلی لڑائی
ہمایوں کی تخت نشینی
شیر شاہ سوری کا عہد
اکبر کی تخت نشینی
دین الٰہی کی ترویج
جہانگیر کی تخت نشینی
شاہ جہاں کی تخت نشینی
شاہ جہاں کے بیٹوں میں خانہ جنگی
اورنگ زیب عالم گیر کی تخت نشینی
شیواجی مرہٹہ کی وفات
اورنگ زیب کی مہمات دکن

سکیل - ۱" = ۳۰ سال

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات

بھلا دیئے۔ پے در پے جنگوں سے خزانے خالی ہو گئے۔ اس قدر وسیع سلطنت میں اُس زمانے کی ذرائع آمد و رفت کی مشکلات نے بھی ملک کو متحد رکھنے اور امن و امان قائم رکھنا دشوار بنا دیا تھا۔ خود یہ وسعت سلطنت کی سب سے بڑی کمزوری ثابت ہوئی یہی وجہ ہے کہ ایک عارضی فتح مندی کے باوجود اورنگ زیب کی بے نظیر جد و جہد کا کچھ پائدار نتیجہ نہ نکلا۔ اور اس کے مرتے ہی اُس کے نا اہل جانشینوں کے عہد میں سلطنت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا ؟

OR

Describe the glories of the reign of Shah Jehan.

6. Briefly describe the causes and results of the revolts against Aurangzeb in Northern India.
7. What do you know about the Rajput policy of Aurangzeb and its consequences. (J. & K. U. 1949)
8. Describe carefully the policy of Aurangzeb towards the Marhattas (J. & K. U. 1949) and the kingdom of Bijapur and Golkanda.
9. Give an account of the life and career of Shivaji Marhatta. (J. & K. U. Sup. 1958)
10. Describe the religious policy of Aurangzeb.
11. Form an impartial estimate of the character and achievements of Aurangzeb. What were the causes of his failure ?

باب سوم

سیاسی تنزل کا دور

(Period of political Decay)

بہادر شاہ اول
۱۷۰۷ء تا ۱۷۱۲ء

اورنگ زیب کی وفات کے بعد اُس کے تین بیٹے اعظم۔ معظم اور کام بخش میں جنگ جانشینی شروع ہوئی۔ اس وقت اعظم مالوہ میں معظم جمرود (شمال مغربی سرحدی صوبہ) میں اور کام بخش دکن میں تھا۔ اعظم اور معظم میں آگرہ کے قریب لڑائی ہوئی جس میں اعظم مارا گیا اور معظم بہادر شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا اُدھر کام بخش نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ معظم اُسے گولکنڈہ اور بیجاپور کا صوبیدار بنانے پر رضامند تھا لیکن کام بخش پورے ہندوستان کا شہنشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ بالآخر بہادر شاہ دکن کی طرف بڑھا کام بخش نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن میدان میں کام آیا۔

اب بہادر شاہ نے سلطنت مغلیہ کی گرتی عمارت کو تھامنے کے لئے سب دشمنوں کو رام کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ شیواجی کے پوتے شاہو کو وطن واپس جانے کی اجازت دی گئی۔ شاہو نے اپنے تخت پر قبضہ کرنے کی کوششیں شروع کیں اور مرہٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور وہ اپنی مصیبت میں ایسے گرفتار ہو گئے کہ انہیں مغلوں کی سُدھ نہ رہی۔ بہادر شاہ نے اجیت سنگھ کو مارواڑ کا حاکم تسلیم کر کے مارواڑ اور میواڑ سے راجپوتوں سے صلح کر کے

اسی طرح سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ جی سے بھی بہادر شاہ نے اچھے تعلقات قائم کر لئے اور گرو گوبند سنگھ جی کو پانچہزاری منصب دیا گیا اور مرہٹوں کے خلاف شاہی فوجوں کی مدد کے لئے دکن روانہ کیا گیا جہاں ناندیر (آندھرا پردیش) میں کسی پٹھان نے ذاتی رنجش کی وجہ سے آپ کو قتل کر دیا آپ کے بعد بندہ بیراگی نے سکھوں کی رہنمائی اختیار کی اور اپنی جمعیت اکٹھی کرکے سرہند پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ بہادر شاہ خود پنجاب آیا اور سکھوں کو شکست دے کر تتر بتر کر دیا۔ بندہ بہ مشکل اپنی جان بچا کر میدان سے بھاگ نکلا اور سرمور کی پہاڑیوں میں جا چھپا۔ اب سلطنت میں ہر طرف امن وامان ہوا ہی تھا کہ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ چل بسا اگر بہادر شاہ زندہ رہتا تو شاید کچھ حالات سنبھل جاتے اگرچہ دربار میں اس کی زندگی میں ہی مغل افغان سنی گروہ اور ایرانی شیعہ گروہ ایک دوسرے کے دست و گریبان ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے لیکن چاروں طرف کی خطرناک صورت حال اور بہادر شاہ کے تدبر کی وجہ سے یہ خطرہ ٹلتا رہا۔ بہادر شاہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں میں جنگ تخت نشینی چھڑ گئی اور اس کا بڑا بیٹا کامیاب ہو کر جہاندار شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا جہاندار شاہ بڑا عیش پرست اور نکما حکمران تھا اس کے بھتیجے فرخ سیر حاکم بنگال نے بغاوت کا جھنڈا بلند کرکے دہلی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ آگرہ کے قریب کھجوا کے مقام پر دونوں فوجوں کی مٹھ بھیڑ ہوئی جس میں جہاندار شاہ شکست کھا کر دہلی کی طرف بھاگا اور بعد میں گرفتار ہو کر مارا گیا اور تخت پر فرخ سیر کا قبضہ ہو گیا۔

فرخ سیر
۱۷۱۳ء تا ۱۷۱۹ء

فرخ سیر جہاندار شاہ کے چھوٹے بھائی عظیم الشان اور اس کی کشمیری بیوی کا بیٹا تھا اس نے پٹنے میں اپنی خود مختاری کا اعلان ۱۷۱۲ء میں ہی کر دیا۔ الہ آباد اور پٹنہ کے نائب صوبیدار سید عبداللہ خاں

اور سید حسین علی خان دونوں بھائیوں نے فرخ سیر کی حمایت کی اور انہیں کی مدد سے فرخ سیر نے تاج و تخت پر قبضہ حاصل کیا۔ تخت نشینی کے بعد فرخ سیر نے سید عبداللہ خان کو وزیر اعظم اور سید حسین علی خان کو سپہ سالار اعظم مقرر کر دیا۔ آٹھ برس تک انہیں دو بھائیوں کی حکومت تھی اور فرخ سیر ایک کٹھ پتلی کی طرح ان کے ہاتھ میں تھا اور صرف نام کا حکمران تھا۔ یہ دونوں بھائی تاریخ میں "سید برادران" اور "بادشاہ گر" کے ناموں سے مشہور ہیں۔

فرخ سیر کے عہد میں مارواڑ کے راجہ اجیت سنگھ نے اجمیر پر دھاوا بول کر قبضہ کر لیا۔ فرخ سیر نے حسین علی خان کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اجیت سنگھ نے شکست کھا کر اطاعت قبول کر لی اور اپنی بیٹی کی شادی فرخ سیر سے کر دی پنجاب میں بندہ بیراگی سکھوں کے جتھے لے کر پہاڑی ٹھکانوں سے آتا اور لوٹ مار مچا کر بھاگ جاتا تھا اس بدامنی کو روکنے کے لئے فرخ سیر نے ۱۷۱۵ء میں ایک مضبوط فوجی دستہ مقرر کیا۔ بندہ گورداسپور کے قلعہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا شاہی فوجوں نے گھیرا ڈال لیا اور آخرکار بندہ اپنے آٹھ سو ساتھیوں سمیت تہ تیغ کر دیا گیا ۱۷۱۶ء میں گنگا جمنا دوآبہ کے جاٹوں نے بغاوت کر دی ان کا سردار چوڑامن بہادر شاہ اول کا حلیف تھا اور مغلوں کی طرف سے سکھوں اور مرہٹوں کے خلاف لڑ چکا تھا فرخ سیر نے اُسے دہلی سے دریائے چمبل تک کی شاہی سڑک کا نگران بنا رکھا تھا لیکن چوڑامن نے اس اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھا کر شاہی علاقہ ہتھیانا شروع کر دیا۔ فرخ سیر نے جے پور کے راجہ جے سنگھ سوائی کو چوڑامن کی سرکوبی پر تعینات کیا۔ بالآخر ۱۷۱۸ء میں چوڑامن نے اطاعت قبول کر لی۔

فرخ سیر کو ابھی ان جھگڑوں سے پوری طرح فرصت نہ ملی تھی کہ دربار میں سید بھائیوں اور ان کے مخالفوں میں ٹھن گئی مغل اور ایرانی سردار سید برادران کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے فرخ سیر

خود بھی ان دونوں بھائیوں کے تحکمانہ انداز سے تنگ آچکا تھا۔ لیکن بے بس تھا شروع میں فرخ سیر نے سید برادران کے کہنے پر چین قلیچ خان نظام الملک صوبیدار دکن کو برطرف کردیا اور اُس کی جگہ سید حسین علی خان مقرر ہوا لیکن سید حسین علی خان محسوس کر رہا تھا کہ بادشاہ اُسے چھٹکارا پانے کی فکر میں ہے۔ حسین علی خان نے اب مرہٹوں کو چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا حق دلانے کا وعدہ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک بڑی فوج لیکر دہلی میں داخل ہوا اور محل اور قلعہ پر قبضہ کر کے ۱۷۱۹ء میں فرخ سیر کو معزول کر کے قید کر دیا اور جہاندار شاہ کے ایک اور بھائی رفیع الشان کے بیٹے رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھا دیا چند دنوں بعد فرخ سیر قتل کر دیا گیا۔ رفیع الدرجات نے صرف چند ماہ حکومت کی تھی کہ اُس کو بھی معزول کر دیا گیا۔ اور اس کے بھائی رفیع الدولہ شاہ جہاں ثانی کو تخت پر بٹھایا گیا لیکن وہ کچھ دنوں بعد مرگیا اور آخرکار ۱۷۲۰ء میں بہادر شاہ اول کے پوتے محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔

شہزادوں کو تخت پر بٹھانا اور قتل کرنا سید برادران کے ہاتھ میں ایک کھیل بن گیا اسی لئے انہیں بادشاہ گر بھی کہا جاتا ہے ان بھائیوں کی اس غارت گری کے خلاف الہ آباد کے صوبیدار چھبیلا رام اور اس کے بھتیجے گردھر بہادر نے بغاوت کر دی۔ چھبیلا رام تو کچھ دنوں بعد فوت ہوگیا اور گردھر بہادر سے سید برادران نے صلح صفائی کر لی۔ ادھر نظام الملک نے جو اب مالوہ کا حاکم تھا دکن پر چڑھائی کر کے اسیر گڑھ۔ برہان پور اور اورنگ آباد پر قبضہ کر لیا۔ حسین علی خان بادشاہ کو ساتھ لیکر دکن کی طرف روانہ ہوا لیکن راستے میں کسی مغل افسر نے اُسے جان سے مار دیا۔ بادشاہ آگرے واپس آیا تو سید عبداللہ خان اس کے مقابلے پر آگیا۔ آخر سید عبداللہ خان نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ اس طرح ملک کو ان دونوں بھائیوں سے نجات ملی۔

محمد شاہ
۱۷۲۰ء تا ۱۷۴۸ء

سید برادران کے خاتمہ کے بعد محمد شاہ بادشاہ نے نظام الملک کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ نظام الملک ایک قابل مُدبّر تھا۔ اُس نے حکومت میں اصلاحات کیں اور دربار کی حالت سدھاری لیکن محمد شاہ ہر وقت رنگ رلیوں میں مشغول رہتا تھا اور چاروں طرف نا اہل حاشیہ نشینوں سے گھرا رہتا تھا اُدھر امراء ایک دوسرے کے خلاف چالیں سوچتے رہتے تھے اُن کے لڑنے بھڑنے سے حکومت کی رہی سہی ساکھ بھی جا رہی تھی۔ نظام الملک نے جب دیکھا کہ اُس کی کچھ پیش نہیں جا سکتی تو وہ ۱۷۲۴ء میں پھر دکن چلا گیا اور وہاں جا کر اپنی خود مختار حکومت کی بنیاد رکھ دی۔

محمد شاہ کے عہد کے شروع میں ہی سنبل اور مراد آباد کے اضلاع میں روہیلہ پٹھان قبائل نے مغل افسروں کو معزول کر کے اپنے سردار علی محمد خان کے ماتحت اپنی نیم آزاد حکومت قائم کر لی۔ گنگا جمنا دوآب میں جاٹ بغاوت پر اُتر آئے لیکن راجہ جے سنگھ سوائی نے بمشکل امن و امان قائم کیا۔ مرہٹوں نے اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا اور بنگال۔ مالوہ۔ بندھیلکھنڈ گجرات میں بڑھ چڑھ کر چھاپے مارنے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اب بادشاہی خزانے خالی ہو گئے۔ بڑے بڑے جرنیل اور امیر مسلسل دار و گیر اور لڑائیوں کی نذر ہو گئے۔ فوج کی تنخواہیں چڑھتی گئیں اُن میں پہلی سی مستعدی اور کارگذاری نام کو بھی باقی نہ رہی اور ادنےٰ سے لے کر اعلیٰ تک سب طبقوں کی اخلاقی گراوٹ حد سے گزر گئی اور ہر طرف ابتری پھیل گئی ایسی صورت حال میں نادر شاہ کا حملہ ایک بلائے ناگہانی کی صورت میں ظاہر ہوا اور سلطنت مغلیہ کو ملیا میٹ کر دیا۔

نادر شاہ افشار ایران کا بادشاہ تھا کہتے ہیں کہ وہ ایک معمولی چرواہا تھا لیکن اپنی قابلیت اور محنت سے ۱۷۳۶ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ نے قندھار پر یورش کر کے قبضہ کر لیا یہاں سے بہت سے لوگ بھاگ کر کابل چلے آئے۔ نادر شاہ نے محمد شاہ کو لکھا کہ ان ملزموں اور دشمنوں کو پناہ نہ دی جائے۔ محمد شاہ نے وعدہ تو کر لیا لیکن اپنی کمزوری اور نااہلی کی وجہ سے یہ وعدہ پورا نہ کر سکا۔ نادر شاہ نے کابل پر حملہ کر کے چند ہی دنوں میں اس پر پورا تسلط جما لیا اُسے اب معلوم ہو چکا تھا کہ محمد شاہ کی حکومت محض بے جان ہے چنانچہ وہ بڑھتا ہوا پشاور اور یہاں سے لاہور آ پہنچا لیکن کوئی قابل ذکر مقابلہ نہ ہوا بالآخر نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کی تیاری شروع کر دی اب محمد شاہ کو بھی ہوش آیا اور وہ اپنی فوجیں لیکر مقابلہ کے لئے نکلا۔ کرنال کے قریب دونوں فوجوں کی مٹھ بھیڑ ہوئی جس میں محمد شاہ کو شکست فاش ہوئی اور ہزاروں ہندوستانی سپاہی کام آئے۔ ہندوستانی فوجوں کے پاس اچھا سامان جنگ نہ تھا ان کے افسر ایک دوسرے سے حسد و بغض رکھتے تھے اور ان میں اتفاق نام کو نہ تھا ادھر ایرانی اچھے سے اچھے سامان سے لیس تھے اور ان میں کامل اتفاق تھا سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کا سردار تجربہ کار جرنیل اور جنگ کا دھنی تھا۔ آخر محمد شاہ نادر شاہ کو ملنے کے لئے آیا نادر شاہ اُس سے بڑے اخلاق سے پیش آیا لیکن اُس نے محمد شاہ کو سخت فہمائش کی کہ غفلت ترک کر کے سلطنت کے کاموں کی طرف توجہ کرے۔ نادر شاہ نے اتنا وعدہ کیا کہ وہ سلطنت دہلی کو مغلوں سے نہ چھینے گا۔ نادر شاہ شہر دہلی میں داخل ہوا تاکہ اس کی فوج کچھ دیر آرام کرے اور خزانہ شاہی سے تاوان جنگ وصول کر کے واپس چلی جائے

نادرشاہ کے دہلی آنے کے کچھ دیر بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ نادر شاہ قتل ہوگیا ہے۔ شہر کے شرارت پسندوں کو موقعہ مل گیا۔ اور وہ ایرانیوں پر پل پڑے اور کئی ایرانی سپاہی تلوار کی نذر ہو گئے یہ دیکھ کر نادر شاہ کو سخت اشتعال آگیا اور اس نے اپنی فوج کو قتل عام کا حکم دے دیا۔ ایرانی سپاہی اشارے کے منتظر تھے حکم پاتے ہی وہ درندوں کی طرح اہل دہلی پر ٹوٹ پڑے اور ہر طرف قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا۔ عورتیں اور بچے بھی اس وحشت سے نہ بچ سکے۔ چاندنی چوک دریبہ اور جامع مسجد کے آس پاس کا علاقہ نذر آتش ہوگیا۔ جب تیس ہزار بے گناہ شہری قتل ہو گئے تو نظام الملک نے محمد شاہ کی طرف سے نادر شاہ کے حضور میں رحم کی درخواست کی اور نادر شاہ نے اپنی تلوار نیام میں کرکے اس غارت گری کو روکنے کا حکم دے دیا۔ اب نادر شاہ نے خزانہ شاہی اور شاہجہان کے تخت طاؤس پر قبضہ کرلیا اور کل ملاکر چار کروڑ روپیہ لوٹ کر محمد شاہ کو دہلی کی حکومت سونپ کر لوٹ گیا۔ محمد شاہ نے دریائے سندھ کے مغربی علاقوں پر نادر شاہ کا مستقل قبضہ بھی تسلیم کر لیا۔ اور اپنی لڑکی بھی نادر شاہ کے بیٹے سے بیاہ دی۔

نتائج نادر شاہ کے حملے سے سلطنت مغلیہ کی رہی سہی ساکھ بھی مٹی میں مل گئی۔ شہنشاہ کا اقتدار ختم ہوگیا اور چاروں طرف نیم خود مختار حکومتیں قائم ہونے لگیں چنانچہ دکن میں نظام الملک اودھ میں سعادت علی خان اور بنگال بہار و اڑیسہ میں علی وردی خان نے خود مختار حکومتیں قائم کر لیں جو شہنشاہ دہلی کو برائے نام حکمران اعلیٰ تسلیم کرتی رہیں لیکن دراصل خود مختار شخصی حکومتیں تھیں۔

نادر شاہ نے شمالی ہندوستان کی لوٹ کھسوٹ خاص طور پر شہر دہلی میں جو تباہی مچادی اس سے سلطنت مغلیہ کی مالی بنیادیں کھوکھلی ہوگئیں۔

دہلی کے قتل عام میں ہزاروں شہریوں کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے چاروں طرف لاشوں کے ڈھیر پڑے سڑ رہے تھے اور ہر طرف غارت گری اور درندگی کے وحشت انگیز نشان ملتے تھے
نادر شاہ کے حملہ کے بعد سلطنت مغلیہ کا افغانستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ سے اقتدار جاتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد پنجاب میں سکھوں کی تاراج شروع ہوگئی اور جنوب مغربی صوبوں میں مرہٹوں نے سر اٹھا لیا اور بالآخر شہنشاہ دہلی کی سلطنت سمٹ سمٹا کر دہلی اور آگرہ اور ان کے نواحی علاقوں میں محدود ہو کر رہ گئی
۱۷۴۸ء میں محمد شاہ نے وفات پائی۔ محمد شاہ ایک عیش پرست بادشاہ تھا اسی لئے اُسے محمد شاہ رنگیلا بھی کہتے ہیں اُس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ تخت پر بیٹھا لیکن وہ بھی بالکل نکما نکلا اور آخر ۱۷۵۴ء میں اُمراء نے اُسے تخت سے اُتار کر جہاندار شاہ کے بیٹے عالمگیر ثانی کو تخت پر بیٹھا دیا

خاندان مغلیہ کا خاتمہ

عزالدین عالمگیر ثانی نے پانچ برس کے قریب حکومت کی۔ اس کے عہد کا سب سے اہم واقعہ شاہ افغانستان احمد شاہ ابدالی کا ۱۷۵۷ء کا حملہ ہے نادر شاہ کی وفات کے بعد درانی پٹھانوں کا سردار احمد شاہ کابل اور پنجاب پر قابض ہوگیا ۱۷۵۷ء میں اُس نے دہلی پر حملہ کر کے خوب لوٹ مچائی اس کے بعد دوآبے کے جاٹوں پر حملہ کر کے انہیں تحس نحس کیا اور سارے علاقے کی دولت سمیٹ کر واپس چلا گیا۔ احمد شاہ کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد مرہٹے سردار سازشیں کرنے لگے اور آخر ۱۷۵۹ء میں عزالدین عالمگیر ثانی کو موت کے گھاٹ اتار کر ایک مغل شہزادے کو بادشاہ بنانے کی تیاریاں کرنے لگے اُدھر عالمگیر ثانی کے بیٹے شہزادہ علی گوہر نے الہ آباد میں شاہ عالم ثانی کے نام سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔
شاہ عالم ثانی ۱۷۵۹ء سے ۱۸۰۶ء تک حکمران رہا اس کے

عہد میں سلطنت مغلیہ نے پوری طرح دم توڑ دیا۔ ایک طرف انگریز اور دوسری طرف مرہٹے ساری سلطنت پر چھا گئے اور شہنشاہ مغلیہ کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ رہی۔

انگریزوں نے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے جنگ میں صوبیدار بنگال کو شکست دے کر اپنی سلطنت کی بنیاد رکھ دی تھی اور نواب میر جعفر اور نواب میر قاسم کی کٹھ پتلی حکومتیں قائم کی تھیں ۱۷۶۴ء میں نواب اودھ اور شاہ عالم ثانی کی متحدہ فوجوں نے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لئے حملہ کیا۔ بکسر کے مقام پر ایک شدید جنگ ہوئی جس میں مغلیہ فوجیں شکست کھا گئیں شاہ عالم اب انگریزوں کے رحم و کرم پر الہ آباد میں رہنے لگا اور ۱۷۶۵ء میں اس نے انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال بہار اور اڑیسہ کی دیوانی حکومت سونپ دی۔ بالآخر ۱۷۷۱ء میں شاہ عالم نے مرہٹوں سے ساز باز کر لی اور الہ آباد سے بھاگ کر دہلی جا پہنچا اور مادھو جی سیندھیا کی مدد سے حکومت کرنے لگا ۱۷۸۴ء میں شاہ عالم نے مرہٹہ پیشوا کو وزیر اعظم مقرر کر دیا اور مرہٹے ساری حکومت پر چھا گئے۔ شجاع الدولہ صوبیدار اودھ اور مرزا نجف خان (وزیر شاہ عالم) نے مرہٹوں سے مخلصی پانے کے لئے بڑی جد و جہد کی۔ مرہٹوں کو دکن میں اپنی پھوٹ کی وجہ سے دہلی چھوڑنا پڑی اب نجف خان نے روہیلوں کے سردار حافظ رحمت خان کو کڑا کے مقام پر ۱۷۷۴ء میں شکست دے کر قتل کر ڈالا اور جاٹوں کو بھی شکست دے کر اُن کے قلعوں پر قبضہ کر لیا ۱۷۸۴ء میں نجف خان مر گیا اب دربار میں بڑے بڑے سردار آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اور بغاوت کے آثار نظر آنے لگے۔ مجبوراً شاہ عالم نے پھر مادھو جی سیندھیا سے مدد چاہی ۱۷۸۵ء میں سیندھیا پھر دہلی میں داخل ہوا اور عنان حکومت سنبھال لی۔ مغل سردار نے راجپوتوں اور روہیلہ سردار غلام قادر سے مدد چاہی چنانچہ

مادھو جی سیندھیا پر مغرب سے راجپوت مشرق سے روہیلے اور خود دہلی سے مغل سردار حملہ آور ہوئے۔ غلام قادر روہیلے نے شہر دہلی پر قبضہ کر کے شاہ عالم کی آنکھیں نکلوا دیں اور شہر میں خوب لوٹ مچائی ۱۷۸۸ء میں مرہٹوں نے غلام قادر کو شکست دے کر قتل کر دیا اور شاہ عالم کے نام پر حکومت کرنے لگے ۱۷۸۸ء میں سلطنت مغلیہ پوری طرح ختم ہو چکی تھی گو شاہ عالم ۱۸۰۶ تک زندہ رہا لیکن اس کے اختیار میں کچھ نہ تھا۔ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تو مغل بادشاہ اُن کے وظیفہ پر گذر کرنے لگا شاہ عالم کے مرنے کے بعد اکبر شاہ ثانی ۱۸۰۶ سے ۱۸۳۷ء تک صرف نام کا بادشاہ رہا ۱۸۳۷ سے ۱۸۵۸ء تک بہادر شاہ ثانی برائے نام بادشاہ رہا یہ دونوں بادشاہ انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے اور ان کی حکومت لال قلعہ کی چار دیواری کے اندر تک ہی محدود تھی ۱۸۵۸ء میں بہادر شاہ ثانی غدر کے الزام میں گرفتار ہوا اور معزول کر کے رنگون بھیج دیا گیا جہاں وہ ۱۸۶۲ء میں فوت ہوا اور وہیں دفن ہوا اس طرح سلطنت مغلیہ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد بہادر شاہ اول نے شیوا جی کے پوتے شاہو جی کو اس شرط پر رہا کیا تھا کہ شاہو مغل بادشاہ کی سرداری تسلیم کرے گا اور صوبیدار دکن آئے سے چوتھ ادا کیا کرے گا۔ اس طرح مغلوں اور مرہٹوں میں آپس کی جنگیں ختم ہو گئیں۔ راجہ شاہو کو سب مرہٹوں نے اپنا راجہ تسلیم نہ کیا اور بہت سے سردار کولہا پور کے راجہ کے ساتھ مل گئے۔ اس سے مرہٹوں کی طاقت کو بہت دھکا لگا۔ شاہو خود بھی نکما اور عیش پرست نکلا اس لئے سلطنت کا انتظام پوری طرح وزیر اعظم یعنی پیشوا چلانے لگا۔

بالاجی وشوا ناتھ
۱۷۱۴ء تا ۱۷۲۰ء

پیشوا کا عہدہ آہستہ آہستہ موروثی ہو گیا اور مرہٹہ راجے صرف نام کے حکمران رہ گئے پہلا پیشوا جس نے اس عہدہ کو موروثی بنا کر اپنے خاندان کے لئے مخصوص کیا۔ بالاجی وشوا ناتھ تھا یہ کونکن کا ایک بڑا مدبر اور قابل برہمن تھا بالاجی وشوا ناتھ نے ستارا کی بجائے پونا میں اپنا صدر مقام قائم کیا۔ تھوڑی ہی مدت میں اس نے مہاراشٹر میں پوری طرح امن و امان بحال کرکے چوروں اور رہزنوں کا صفایا کر دیا اور بندوبست اراضی کو درست کرکے ٹھیکے کے ذریعے مالیہ وصول کرنے کا طریقہ ترک کر دیا اس سے رعایا خوش حال اور مطمئن ہو گئی بالاجی وشوا ناتھ نے فرخ سیر کی معزولی کے سلسلہ میں صوبیدار دکن سید حسین علی خان کا ہاتھ بٹایا اور محمد شاہ کے تخت پر بیٹھنے کے بعد دکن اور جنوبی ہند کی دوسری ریاستوں سے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا حق حاصل کر لیا اور اس کے عوض میں محمد شاہ کی برائے نام سرداری تسلیم کر لی اس معاہدہ سے بالاجی وشوا ناتھ نے مرہٹوں کی پوزیشن بہت مضبوط کر لی بالاجی وشوا ناتھ نے ہر ضلع میں اپنے افسر مقرر کئے اور مرہٹہ سرداروں میں اتحاد قائم کرنے کی پوری کوشش کی سرکردہ سرداروں کو جاگیریں دی گئیں اور اس چیز کی کوشش کی جانے لگی کہ سب افسر اور سردار رعایا کی خوش حالی کے لئے پوری کوششیں کریں بالآخر وشوا ناتھ نے چوتھ اور سردیش مکھی کی شرح بڑھا دی اس سے ایک تو آمدنی میں اضافہ ہوا اور دوسرے مغلیہ علاقوں کے لوگوں میں مرہٹہ حکومت قبول کرکے ان بھاری ٹیکسوں سے نجات پانے کا رجحان بڑھا جس سے مرہٹہ سلطنت وسیع ہونا شروع ہوئی آخر کار ۱۷۲۰ء میں یہ نامور پیشوا اس جہان سے رخصت ہو گیا۔

باجی راؤ اول
۱۷۲۰ء تا ۱۷۴۰ء

بالاجی وشواناتھ کے بعد اس کا بیٹا باجی راؤ اول پیشوا کے عہدے پر فائز ہوا۔ پیشواؤں میں باجی راؤ سب سے بڑا مانا جاتا ہے وہ ارادے کا پکا۔ تلوار کا دھنی اور اعلیٰ پایہ کا مدبّر تھا۔ بڑی سی بڑی مشکل پر حوصلہ مندی سے قابو پا لیتا تھا اس نے عہدہ سنبھالتے ہی ایک طرف تو مغلیہ سلطنت کے علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا اور دوسری طرف نظام حیدر آباد کے آزادی اور خود مختاری کے منصوبے خاک میں ملا دئے باجی راؤ نے ۱۷۲۴ء میں مالوہ کے گورنر گردھر بہادر کو شکست دیکر وہاں مرہٹے حاکم مقرر کر دئے اس کے بعد نظام حیدر آباد کو مجبور کر کے اُس سے سردیش مکھی اور چوتھ کی بقایا وصول کر لی ۱۷۲۷ء میں شاہو جی مرہٹہ نے اپنے سب اختیارات پیشوا کو سونپ دئے اس طرح ستارہ کا چھتر پتی مہاراج صرف شطرنج کا مہرہ ہو کے رہ گیا اور گو ستارہ کا راج ۱۸۱۸ء تک قائم رہا لیکن طاقت کا مرکز پونا میں اور اس کا مالک پیشوا قرار پاگیا ۱۷۳۶ء میں باجی راؤ نے گجرات کا علاقہ فتح کرکے پیلا جی گائیکواڑ کے سپرد کر دیا ۱۷۳۴ء میں مرہٹوں نے بندھیلکھنڈ اور برار پر بھی قبضہ کر لیا اور اب دہلی اور آگرہ کا رخ کیا۔ مغل شہنشاہ محمد شاہ نے نظام سے مدد مانگی چنانچہ نظام اپنے لاؤ لشکر لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا لیکن بھوپال کے قریب باجی راؤ نے اُسے شکست فاش دی اور نظام کو دبک کر صلح کرنا پڑی۔ مغل شہنشاہ نے ۱۷۳۷ء میں معاہدہ بھوپال کی رو سے صوبہ مالوہ اور چنبل و نربدا کے درمیانی علاقے پر مرہٹوں کی سرداری تسلیم کر لی اب پیشوا نے نظام پر پھر حملہ کیا لیکن کچھ نمایاں کامیابی نہ ہوئی ۱۷۳۹ء میں ایک مرہٹہ جرنیل نے سالسٹ اور بسین کے جزیرے پرتگیزوں سے چھین لئے اس طرح باجی راؤ کا اقبال پورے جوبن پر آگیا۔

باجی راؤ اول کے عہد حکومت میں مرہٹہ وفاق یا کنفیڈریسی کا قیام بھی عمل میں آیا یہ وفاق وسط ہند کی چار مرہٹہ ریاستوں

کے اتحاد سے قائم ہوا تھا جس کا سردار اعلیٰ پیشوا تھا گجرات میں پیلا جی گائیکواڑ۔ برار میں راگھو جی بھونسلا۔ گوالیار میں مادھو جی سیندھیا اور اندور میں ملہار راؤ ہلکر کی حکومت تسلیم کی گئی۔ یہ راجے اپنے اپنے علاقوں میں امن وامان قائم رکھتے اور مرہٹوں کی خود مختاری کی حفاظت کے ذمہ دار تھے اور باجی راؤ کی زندگی میں اُس کے حکم پر مرمٹنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

آخر کار ۱۷۴۰ء میں یہ نامور پیشوا ملک عدم کو روانہ ہوا اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا بالاجی باجی راؤ پیشوا بنا۔

بالاجی باجی راؤ
۱۷۴۰ء تا ۱۷۶۱ء

بالاجی باجی راؤ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا قابل حکمران تھا اس نے اپنے باپ کی حکمت عملی کو قائم رکھا اس کے عہد میں راجہ شاہو جی لاولد مر گیا مگر اُس کے مرنے سے پہلے بالاجی باجی راؤ نے اُس سے ایک تحریری حکم حاصل کر لیا تھا جس کی رو سے پیشوا کو ساری مرہٹہ بادشاہی کے انتظام کا اختیار دیا گیا اور شرط صرف یہ رکھی گئی کہ پیشوا شیوا جی کا نام زندہ رکھنے کے لئے تارا بائی کے پوتے اور اس کی اولاد کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرتا رہے اس طرح پیشوا ساری مرہٹہ قوم کا سردار بن گیا اور پونا مرہٹہ بادشاہی کی اصلی راجدھانی بن گیا۔ پیشوا کا عہدہ بھی پوری طرح موروثی بن گیا۔ حکومت کا کام مرہٹہ کنفیڈریسی کے ہاتھ تھا جس کا صدر پیشوا تھا۔ بالاجی باجی راؤ نے بھونسلا۔ گائیکواڑ سیندھیا ہلکر کی جاگیریں بحال رکھیں اور قابل افسر مقرر کرکے بادشاہی کو مستحکم کر دیا۔

بالاجی باجی راؤ کے عہد میں محمد شاہ اور نظام الملک آصف جاہ ۱۷۴۸ء میں مر گئے اور سلطنت مغلیہ اور دکن میں بدنظمی نے سر اٹھایا۔ مرہٹوں نے اس موقعہ سے جی بھر کر فائدہ اٹھایا۔

بالاجی باجی راؤ کے عہد میں راگھو جی بھونسلا نے بنگال پر حملہ کیا اور نواب علی وردی خان کو شکست دی اور اڑیسہ کا علاقہ اُس سے حاصل کرکے صلح کر لی ادھر مرہٹوں نے احمد شاہ شہنشاہ دہلی کے وزیر

شہاب الدین کے ساتھ ساز باز کر کے اُسے وزیر بننے میں مدد دی اور دہلی کی حکومت پر چھا گئے۔ پیشوا کے بھائی رگھو بانے پنجاب اور سندھ پر حملہ کر کے احمد شاہ ابدالی کے افسروں کو وہاں سے نکال دیا۔ سیندھیا نے روہیلکھنڈ پر حملہ کر کے خراج وصول کیا اب صرف دکن کا علاقہ مرہٹوں کے اقتدار سے باہر تھا نظام الملک آصف جاہ کے مرنے پر اُس کے جانشینوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اُس کا نواب مظفر جنگ اور دوسرا بیٹا ناصر جنگ دونوں تخت کے دعویدار تھے۔ ناصر جنگ کرناٹک کی مہم میں مارا گیا۔ مظفر جنگ فرانسیسی کمپنی کی مدد سے تخت پر قابض ہوگیا اب بالاجی باجی راؤ نے نظام کے سب سے بڑے بیٹے غیاث الدین کی حمایت شروع کر دی چند روز بعد مظفر جنگ بھی مارا گیا اور فرانسیسیوں نے صلابت جنگ کو تخت پر بٹھایا۔ مرہٹوں اور فرانسیسیوں میں کڑے معرکے ہوئے۔ غیاث الدین کو کسی نے زہر دے دیا اور صلابت جنگ جنرل بسی کی مدد سے بے کھٹکے حکومت کرنے لگا جنرل بسی ۱۷۵۸ء میں واپس بلا لیا گیا اب بالاجی باجی راؤ نے پھر جنگ چھیڑ دی اور پیشوا کے بھتیجے سداشیو نے احمد نگر پر قبضہ کر کے اُدگیر کی جنگ میں نظام صلابت جنگ کو شکست دی۔ نظام نے بیجاپور۔ اورنگ آباد اور برار کے علاقے مرہٹوں کے حوالے کر دیے۔

غرضیکہ ۱۷۶۰ء تک مرہٹے سارے شمالی ہند پر چھاگئے اور مغل بادشاہ اُن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا انہیں دنوں میں افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر پے در پے حملے کئے اور ۱۷۵۹ء میں مرہٹوں کو شکست دی اسی سال شاہ عالم ثانی تخت پر بیٹھا اب احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو تحس نحس کرنے کے لئے ہندوستانی پٹھانوں کے سردار نجیب الدولہ اور اودھ کے حاکم شجاع الدولہ سے ساز باز کر کے حملہ کی تیاریاں شروع کیں اُدھر مرہٹے بھی اپنے اقتدار کو بحال کرنے کے لئے جنگی تیاریوں میں لگ گئے اور اس طرح پانی پت کی تیسری لڑائی کے لئے میدان ہموار ہوگیا۔

ابھی اُوپر کی سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ مرہٹوں کے پنجاب اور سندھ پر حملہ کی وجہ سے احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں سے لڑنا پڑا۔ اب اُس نے مرہٹوں کے زور کو پُوری طرح توڑنے کے لئے مغل سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور پوری طاقت سے حملہ کرنے کی ٹھانی۔ مغل سردار بھی مرہٹوں کے مظالم اور لوٹ کھسوٹ سے تنگ آ چکے تھے اور سلطنت مغلیہ کی پرانی شان بحال کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے دل و جان سے احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دیا ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی ستر ہزار فوج لے کر پانی پت کے میدان میں آ دھمکا۔ پیشوا نے دو لاکھ فوج مقابلہ کے لئے تیار کی اور اپنے بیٹے وشواس راؤ کی کمان میں اسے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ وشواس راؤ کم عمر تھا اس لئے اُس کی رہنمائی کے لئے مشہور مرہٹہ جرنیل سداشو بھاؤ ساتھ بھیجا گیا۔ مرہٹہ جرنیل ابراہیم خان گردی توپ خانہ اور قواعد دان فوج کا کماندار تھا اس کے علاوہ مرہٹہ وفاق کے دوسرے سردار گائیکواڑ، سیندھیا، ہلکر وغیرہ بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر مقابلہ کے لئے آئے تھے کئی راجپوت راجے اور جاٹوں کا سردار سورج مل بھی مرہٹوں کے ہمراہ تھا۔ پانی پت کے میدان میں اس زور کا مقابلہ آج تک نہ ہوا تھا۔

میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں احمد شاہ ابدالی نے اِکا دُکے حملے اور رسد اور کمک کے راستے کاٹنے کی مہم شروع کی۔ مرہٹے بھی مقابلہ کرتے رہے لیکن ان کے کیمپ میں پھوٹ پڑ گئی مرہٹہ سپہ سالار سداشو بھاؤ خود پسند اور مغرور تھے ہلکر اور سورج مل وغیرہ اس کے خلاف ہو گئے اور دل سے چاہنے لگے کہ سداشو کو شکست ہو جائے جاٹ راجپوت اور ہلکر کی فوجوں نے پوری طرح جنگ میں

حصہ نہ لیا آپس کی رنجشوں اور رقابتوں سے مرہٹہ فوج کمزور ہوتی
چلی گئی ادھر پٹھانوں نے سپلائی کے راستے روک لئے اور مرہٹے فاقوں
پر اتر آئے۔ آخر تنگ آکر مرہٹوں نے پٹھانوں پر حملہ کر دیا شروع
شروع میں تو مرہٹوں کو کامیابی ہوئی لیکن جلد ہی لڑائی کا پانسہ
پلٹ گیا اور ہلکر اور گائیکواڑ نے ساتھ چھوڑ دیا۔ مرہٹوں کے لئے
جم کر لڑائی لڑنا مشکل تھا کیونکہ وہ چھاپہ مار کر جنگ کرنے
کے عادی تھے اب احمد شاہ ابدالی اور اس کے ہندوستانی حلیفوں نے
حملے شروع کئے مرہٹوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہیں شکست فاش
ہوئی۔ وشواس راؤ اور سداشو بھاؤ میدان جنگ میں کام آئے اور
ہزاروں مرہٹے گاجر مولی کی طرح کٹ مرے۔ بارہ کوس تک پٹھانوں
نے بھاگتے ہوئے مرہٹوں کا پیچھا کیا اور فتح و نصرت نے احمد شاہ
ابدالی کے قدم چومے۔ اس شکست کی خبر مہاراشٹر میں پہنچی تو ہر گھر
میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہ خبر سن کر پیشوا کو ایسا دھکا لگا کہ چند
دنوں بعد ہی وہ اسی صدمہ سے مر گیا۔

نتائج :- بالاجی باجی راؤ کے عہد میں ملکی انتظام میں کافی اصلاح
ہو گئی تھی مالگزاری کے اصول اور قاعدے مقرر کر دئے گئے تھے
عدالتوں کی از سر نو تنظیم کر کے انہیں بہتر بنا دیا گیا تھا اور ملک میں
امن و امان قائم کرنے کے لئے کوتوالی کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ اس
عہد میں مقابلتاً رعایا امن و چین سے زندگی بسر کرنے لگی تھی۔ لیکن
پانی پت کی لڑائی نے اس سارے نظام کو زبردست چوٹ پہنچائی۔
مرہٹہ سرداروں کی آپس کی عداوت دن بدن بڑھنے لگی اور
اتحاد کی جگہ نفاق اور ایک مستقل مرکزی حکومت کی جگہ گھر گھر راج
کی وبا پھیلنے لگی اور مرہٹہ طاقت کا زوال شروع ہو گیا۔
بالاجی باجی راؤ کے مرنے کے بعد اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی
شروع ہو گئی جس سے مرہٹوں کی رہی سہی ساکھ بھی مٹی میں ملنے
لگی اور مرہٹوں کو شمالی ہند میں جلد ہی پھر سے اپنا اقتدار قائم
کرنے کا موقع نہ ملا۔

پانی پت کی لڑائی سے مغلیہ سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ بنگال میں علی وردی خان۔ اودھ میں شجاع الدولہ اور دکن میں نظام پوری طرح خود مختار ہوگئے اور وسط ہند میں مرہٹہ ریاستیں پیشوا کے خلاف سازشوں میں لگ گئیں جس سے ملکی اتحاد بالکل برباد ہوگیا اور یورپین قوموں خاص کر انگریزوں کو اس خانہ جنگی میں اپنی طاقت بڑھا کر اپنی سلطنت کی بنیادیں رکھنے کا موقعہ مل گیا۔

پانی پت کی لڑائی کے بعد پنجاب میں سکھوں نے زور پکڑنا شروع کیا اور احمد شاہ ابدالی کی وفات کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھ سلطنت کی بنیاد رکھ دی۔

مرہٹہ طاقت کا زوال

۱۷۶۱ء میں بالاجی باجی راؤ کے مرنے کے بعد مادھو راؤ پیشوا ہوا لیکن چونکہ وہ نابالغ تھا اس لئے حکومت کی باگ ڈور اس کے چچا رگھوبا کے ہاتھ رہی کچھ عرصہ بعد مادھو راؤ اور رگھوبا میں اَن بن ہوگئی اور رگھوبا کی جگہ بالاجی جناردھن عہدۂ نانا فرنویس یعنی دیوان پر مقرر ہوا تاریخ میں وہ اپنے عہدہ نانا فرنویس کے نام سے ہی مشہور ہے۔ ۱۷۶۹ء میں پیشوا کی فوجوں نے پھر شمالی ہند پر یورش کی اور راجپوتانہ۔ روہیلکھنڈ اور دہلی میں لوٹ مار شروع کردی ۱۷۷۱ء میں انہوں نے شاہ عالم ثانی کو الہ آباد سے بلا کر دہلی میں تخت پر بٹھایا اور مادھو جی سیندھیا شاہ عالم کے نام پر حکومت کرنے لگا اور پیشوا کو مغلیہ سلطنت کا وزیر اعظم تسلیم کر لیا گیا لیکن مرہٹوں کی آپس کی رقابت سے یہ انتظام زیادہ دیر نہ چل سکا اور بالآخر انگریزوں کی ٹکر سے مرہٹہ بادشاہی کا شیرازہ بکھر گیا جس کا حال آئندہ ہی انگریزوں اور مرہٹوں کی لڑائیوں میں بیان کیا جائے گا۔

مرہٹوں کے زوال کے خاص خاص اسباب یہ تھے:۔

۱۔ بالاجی باجی راؤ کے عہد میں پانی پت کی تیسری لڑائی سے مرہٹہ بادشاہی کو ایسا دھکا لگا کہ پھر یہ سلطنت سنبھل نہ سکی۔ اُس کے مرنے کے بعد رگھوبا اور نانا فرنویس کی باہمی عداوت سے

پیشوا کی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور انگریز مرہٹہ شاہی پر چھا گئے۔

۲۔ مرہٹہ ریاستوں کا نظام حکومت روز بروز بگڑنا شروع ہو گیا فوجی بغاوتوں اور لٹیروں کی مار دھاڑ سے ملک کا امن برباد ہو گیا۔

۳۔ بالاجی باجی راؤ کے جانشین اس کی طرح قابل مدبر نہ تھے۔ ان کی غفلت اور کمزوری سے دشمن انگریزوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا

۴۔ مرہٹہ ریاستوں میں عوام کی رائے یا مفاد کا کچھ خیال نہ رکھا جاتا تھا اس لئے رعایا میں سچی وفاداری کا جذبہ نہ تھا۔ وہ ریاستوں کی مضبوطی کے لئے کوئی قربانی کرنے کو تیار نہ تھی۔ بلکہ ہر نئے فاتح کا خیر مقدم کرنے کو تیار رہتی تھی۔

۵۔ مرہٹہ سرداروں میں اتحاد نہ تھا ان کے افسر غدار اور فوجیں ناقابل اعتبار تھیں۔ ان فوجوں میں بھانت بھانت کے لوگ جمع تھے جن میں پہلے کی مرہٹہ فوجوں کی جانثاری اور وفاداری نام کو نہ تھی۔

۶۔ مرہٹہ سردار اپنی حکومتیں قائم رکھنے کے لئے آس پاس کے راجاؤں اور نوابوں کے علاقوں میں مار دھاڑ کرتے رہتے تھے اور ہندوؤں مسلمانوں سب سے جبریہ چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرتے رہتے تھے اس لئے ایک طرف تو مرہٹے ایک متحدہ ہندوستانی سلطنت قائم کرنے میں ناکام رہے دوسری طرف ان راجاؤں اور نوابوں نے انگریزوں کو مرہٹوں کے خلاف لڑنے کی شہ دی اور آخر کار مرہٹہ شاہی کا خاتمہ ہو گیا۔

۷۔ مرہٹہ حاکم رعایا کی بہبودی۔ عام تعلیم اور سماجی سدھار سے بالکل غافل رہے ان کے کئی افسر بددیانت اور ناقابل تھے ملک میں صنعت و حرفت اور بیوپار جن پر کسی ملک کے سیاسی استحکام کا انحصار ہے لگاتار لڑائیوں کی وجہ سے مدھم پڑ گئے تھے اور ہر طرف رشوت ستانی اور غداری کا دور دورہ تھا۔

ان سب اسباب کی وجہ سے مرہٹوں کی شاندار سلطنت ۱۸۱۸ء تک سمٹ سمٹا کر گوالیار۔ بڑودہ۔ اندور۔ ستارہ اور کولہاپور

کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں محدود ہو گئی اور ان ریاستوں پر انگریزوں کی بالادستی قایم ہو گئی۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب

سلطنت مغلیہ کا زوال اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہی شروع ہو چکا تھا گو اس کے بعد بھی مغل شہنشاہ ۱۸۵۷ء تک دہلی کے تخت پر قابض رہے لیکن شاہ عالم ثانی کے عہد میں ہی مغل شہنشاہ شطرنج کے مہرے کی طرح کبھی مرہٹوں کے ہاتھ اور کبھی انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہے اور وہ پہلے سی شان وشکوہ نام کو بھی باقی نہ رہی اس عظیم الشان سلطنت کے زوال کے خاص خاص اسباب یہ تھے :-

۱۔ مغل سلطنت میں شخصی حکومت تھی اس لئے طاقت ور اور مدبر بادشاہوں کے زمانے میں تو کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی لیکن عیش پرست نکمے اور کاہل بادشاہوں کے زمانے میں بغاوت۔ خانہ جنگی سازشوں اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا تھا جس سے ملک کمزور ہو کر کئی بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں کا شکار ہو جاتا تھا۔

۲۔ مغل بادشاہت میں کوئی مقررہ قانون وراثت یا طریقہ جانشینی مروج نہ تھا اس لئے ہر ایک شہزادہ اور امیر اپنے آپ کو بادشاہت کا ایک جیسا حقدار سمجھتے تھے اس کی وجہ سے شہزادے بغاوتیں کرتے رہتے تھے جیسے شہزادہ سلیم۔ شہزادہ خسرو اور شہزادہ خرم کی بغاوت اور شاہجہان کے بیٹوں کی جنگ جانشینی۔ اس سے بھی بادشاہت کی جڑیں کھوکھلی ہوتی رہیں۔ اورنگ زیب کے بعد اس عمل کی شدت اور بھی بڑھ گئی۔ اور

یہ مغل سامراج کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

۳- وسعت سلطنت بھی بڑی حد تک مغلیہ سلطنت کے زوال کا باعث ہوئی۔ اورنگ زیب کے زمانے میں راس کماری سے کشمیر تک اور اراکان سے افغانستان اور بدخشاں تک سارا علاقہ مغل شہنشاہ کے ماتحت تھا جس میں بے شمار قومیں، مختلف مذاہب کے پیرو اور کئی زبانیں بولنے والے لوگ آباد تھے جن میں قومی اشتراک کا کوئی جذبہ نہ تھا۔ اتنے بڑے ملک میں امن و امان قائم رکھنا بڑے جان جوکھوں کا کام تھا خاص طور پر اس لئے کہ اس زمانے میں ابھی ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل دقیانوسی تھے اور سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے میں تین چار مہینے لگتے تھے اس وجہ سے ملک میں کہیں بغاوت ہو جائے تو اس کے فرو ہونے سے پہلے ہی کافی تباہی ہو جاتی تھی اس کی وجہ سے سلطنت اور ملک مقامی راجاؤں اور صوبائی حاکموں کے رحم و کرم پر ہی ہوتے تھے۔

۴- اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کا بھی سلطنت مغلیہ کے زوال میں بڑا اہم حصہ مانا جاتا ہے لیکن یہ سمجھنا کہ صرف اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی ہی اس زوال کا پیش خیمہ تھی صحیح نہیں کیونکہ ملک کے سب ہندو اس کے خلاف نہ تھے بلکہ کئی راجپوت اور مرہٹے سردار اورنگ زیب کی خاطر اپنے ہم مذہب اور ہم قوموں سے لڑنے سے دریغ نہ کرتے تھے گر اورنگ زیب کی لڑائیاں مذہبی ہوتیں یا اس زمانے کے لوگ اسے ہندوؤں کا دشمن سمجھتے تو کبھی اس کی خاطر اپنے ہم مذہب اور ہم قوم لوگوں سے نہ لڑتے سکھوں راجپوتوں اور مرہٹوں کی بغاوتیں اور لڑائیاں محض سیاسی وجوہات اور اغراض سے لڑی گئی تھیں اور انہیں مذہبی لڑائیاں سمجھنا صحیح نہیں ہاں اورنگ زیب کی دکن پالیسی اور اس کے جانشینوں کی خانہ جنگیوں سے البتہ سلطنت کی مالی بنیادیں ہل گئیں۔ اور

شہنشاہیت کا دبدبہ اور ساکھ مٹی میں مل گئی جس سے جا بجا
خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ جو آپس میں ایک دوسرے کے
خلاف برسرپیکار رہتی تھیں ان کی اس روش سے بیرونی
حملہ آوروں نے پورا فائدہ اٹھایا اور ملک کی حکومت
مغلوں کے ہاتھوں سے نکل کر مرہٹوں کے ہاتھ اور ان کے
ہاتھ سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ آگئی۔

۵۔ ملک میں سیاسی اتحاد کے ختم ہوتے ہی خانہ جنگیاں چھوٹ
پڑیں اور امن عامہ تباہ و برباد ہو گیا جس کی وجہ سے زراعت
صنعت و حرفت اور تجارت کو سخت دھکا لگا اور ملک بربادی
کے کنارے آن کھڑا ہوا۔

۶۔ اٹھارہویں صدی میں مغل افسر امیر وزیر سب عیش پرست نکمے
خود غرض اور غدار ہو گئے بادشاہوں میں بھی وہ پہلے سا جلال
اور دبدبہ نہ رہا۔ مغل فوج میں بہادری اور شجاعت جاتی
رہی۔ بڑے بڑے جرنیل عیش و عشرت اور رنگ رلیوں
میں مست رہتے تھے اور پالکیوں میں بیٹھ کر اس طرح میدان
جنگ میں آتے تھے جیسے کوئی برات میں جاتا ہو۔ ان کی
فوجیں اس قدر بھاری بھرکم ہوتی تھیں کہ لشکر ایک چلتا
پھرتا شہر نظر آتا تھا یہ فوج جس طرف سے گزر جاتی علاقہ
میں قحط پڑ جاتا اور رعایا تباہ ہو جاتی تھی اس پر طرہ یہ
کہ یہ بڑے بڑے لاؤ لشکر مرہٹوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں
کے تیز اور پھرتیلے حملوں کی تاب نہ لا سکتے تھے اور جب
جم کر میدان میں لڑتے تو اپنی تن آسانی اور بزدلی کی
وجہ سے شکست پر شکست کھاتے رہتے تھے۔ ان کے
سپاہیوں میں پہلے سی بہادری اور جرنیلوں میں پہلے سی
اولوالعزمی نام کو باقی نہ رہی تھی جب یورپین تو اعد دان
فوجوں سے مقابلہ ہوا تو ان فوجوں کے نکمہ پن کا پول کھل
گیا اور سلطنت مغلیہ کا جنازہ اٹھ گیا۔

۷۔ سکھوں راجپوتوں اور مرہٹوں نے اپنی اپنی خود مختار حکومتیں قائم کرنے کے لئے بغاوت لوٹ مار اور خانہ جنگی کی مہمیں تیز کر دیں جن کی سلطنت مغلیہ تاب نہ لا سکی۔

۸۔ سلطنت مغلیہ میں جاگیردارانہ نظام قائم تھا عوام حکومت اور بے رحم جاگیرداروں کے ظلم کی چکی میں پس پس کر تنگ آ چکے تھے۔ ان میں سلطنت مغلیہ سے کبھی وفاداری اور ہمدردی کا جذبہ موجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مغلوں پر حملے ہوتے تو عام رعایا اپنے بادشاہوں کا ساتھ دینے کے لئے نہ اٹھتی تھی اگر سلطنت مغلیہ کو عوام کی حمایت حاصل ہوتی تو اس کا وہ حشر نہ ہوتا جو مرہٹوں اور انگریزوں کے ہاتھوں ہوا۔

غرضیکہ ان وجوہات اور اسباب سے سلطنت مغلیہ کا آفتاب غروب ہو گیا اور ۱۸۵۷ء میں خاندان مغلیہ کی جھلملاتی شمع بھی بہادر شاہ ظفر کی معزولی اور گرفتاری سے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی اس سلطنت کا زوال دنیا کی تاریخ میں ایک عبرت ناک کہانی ہے۔

EXERCISE.

1 Give a brief account of Nadirshah's invasion of Indi and examine its consequences.

2. Briefly review rise of the Pesuwas and achivement of the first three of them.

3. (a) Wnat were the causes and results of the 3rd batt of Panipat ?

   (b) What were the causes of the fall of the Ma hatta Empire ?

4. What were the causes of the downfall of the Mugh Empire. (J. & K. U. 195

باب چہارم

عہد مُغلیہ میں تمدنی میل جول اور ملے جُلے کلچر کی ترقی

ہماری تاریخ میں عہد مغلیہ کا زمانہ سنہری زمانہ کہلاتا ہے کیونکہ اس عہد میں سارا ہندوستان سیاسی طور پر متحد ہو کر ایک جھنڈے تلے آگیا۔ ملک میں خانہ جنگیاں اور بد امنی ختم ہو گئی۔ زراعت۔ صنعت و حرفت اور تجارت نے خوب ترقی کی اور لوگ خوش حال ہو گئے۔ ملک میں ایک ایسے نظام حکومت کی بنیاد پڑی جس نے سارے ملک کو ایک رشتہ میں پرو دیا۔ اور ملک بھر میں ایک ہی قسم کی ملی جُلی تہذیب پروان چڑھنے لگی جس پر ہندوستان کی عظیم تہذیب اور اسلام کی تمدنی روایات کی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے اس عہد میں علم و ادب فنون لطیفہ اور صنعت و کاریگری میں اس تمدنی میل جول کی جو شہادتیں ملتی ہیں ان کا مختصر سا خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

مغلوں سے پہلے سینکڑوں برسوں سے ہندو مسلمان اکٹھے رہ رہے

تھے اور آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے مذہب تہذیب و تمدن اور روایات قومی سے متاثر ہو رہے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں چودھویں پندرھویں اور سولھویں صدی میں ہندوستان کے مشہور سنتوں اور صوفیوں نے ہندو مسلم میل جول کی شاندار بنیادیں رکھیں چنانچہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر۔ بھگت کبیر۔ گورو نانک دیو جی۔ چیتنہ مہا پربھو اور دوسرے روحانی رہنماؤں نے ہندو مسلم اتحاد کو مقبول عام بنانے میں شاندار خدمات انجام دیں۔ لیکن اس میل جول کے تہذیبی نتائج عہد مغلیہ میں نکلے اور شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے عہد میں ایک ملے جلے کلچر (COMPOSITE - CULTURE) نے خاص شکل اختیار کر کے ترقی کرنا شروع کی۔ جو آج بھی ہمارے قومی کلچر کی صورت میں پھل پھول رہا ہے۔

عہد مغلیہ میں علم و ادب کی ترقی

مغل شہنشاہ خود پڑھے لکھے تھے اور عالموں کے قدر دان تھے۔ علم و ادب کی ترقی کے لئے بڑی دریا دلی سے کام لیتے تھے اُن کے دربار میں شعراء اور عالموں کا مجمع رہتا تھا اور اُن کی علمی اور ادبی کاوشوں پر انہیں بے بہا انعام ملتے تھے۔ بڑے بڑے عالموں نے مدرسے قائم کر رکھے تھے جہاں تعلیم بالکل مفت دی جاتی تھی اور اس کے علاوہ رہنے کے لئے جگہ۔ کھانے پینے کا انتظام اور کتابوں کی فراہمی بھی مفت تھی طلباء کو اپنی نجی ضروریات کیلئے کچھ رقم نقد بھی ملا کرتی تھی یہ سارا خرچ یہ عالم حکومت کی طرف سے دی گئی جاگیروں اور وظایف سے چلاتے تھے یہ جاگیریں اور وظایف "مدد معاش" کہلاتے تھے۔

مغل شہنشاہوں میں اکبر کے سوا باقی سب اعلےٰ تعلیم یافتہ تھے چنانچہ ظہیر الدین بابر عربی فارسی اور ترکی کا عالم تھا ترکی زبان کا اعلیٰ ادیب اور شاعر تھا چنانچہ اُس کے ترکی اشعار اور خود نوشت سوانح عمری "تزک بابری" سے اس کی شہادت ملتی ہے "تزک بابری" کا دنیا کے مشہور آدمیوں کی خود نوشت سوانح عمریوں میں ایک اہم

مقام ہے اسی لئے بابر کو "خود نوشت سوانح عمریاں لکھنے والوں کا بادشاہ"
بھی کہا جاتا ہے بابر کا جانشین اور فرزند نصیر الدین محمد ہمایوں بھی بڑا
پڑھا لکھا اور علم نواز بادشاہ تھا اُس کو جغرافیہ اور علم ستارہ شناسی
سے بڑی شفقت تھی۔ وہ فارسی کا ایک اچھا شاعر تھا چنانچہ حال
ہی میں اُس کا فارسی دیوان ملا ہے جس سے اُس کی ادبی عظمت کا پتہ
چلتا ہے اُس کی بہن گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" اور اُس کے مصاحب
جوہر آفتابچی نے "تذکرۃ الواقعات" میں ہمایوں کے تاریخی حالات
لکھے ہیں۔ ہمایوں آخر وقت بھی اپنے کتاب خانے کی دہلیز سے ہی
پھسل کر گرا اور مرا اس سے بھی اُس کے علمی شوق کی شہادت ملتی ہے
علم و ادب کی شاندار ترقی کا دَور عہد اکبری ہی ہے اکبر خود تو اَن پڑھ
تھا لیکن علم دوستی اور اہل کمال کی سرپرستی میں کوئی مغل شہنشاہ
اُس کا ہم پلہ نہیں کہا جا سکتا اکبر کے عہد میں ہندو تہذیب کے مطالعہ
کی شاندار کوشش ہوئی اور کئی سنسکرت کتابوں کے ترجمے فارسی
زبان میں ہوئے فارسی اور ہندی میں کئی کتابیں تصنیف ہوئیں اور
تاریخ پر شاندار کام ہوا چنانچہ اکبر کے عہد میں علامہ ابو الفضل۔
فیضی۔ ملا عبد القادر بدایونی۔ نظام الدین احمد بخشی کے نام خاص طور
پر قابل ذکر ہیں۔ ابو الفضل نے آئین اکبری اور اکبر نامہ لکھا جن میں
اُس زمانہ کے ملکی حالات اور سیاسی واقعات کا پورا ذکر ملتا ہے
یہ دونوں کتابیں فارسی انشاء پردازی کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی
ہیں۔ فیضی۔ عربی۔ فارسی اور سنسکرت کا زبردست عالم تھا۔ اُس نے
ریاضی کی مشہور سنسکرت "لیلاوتی" مہابھارت کے کچھ حصے اور شریمد
بھگوت گیتا کا فارسی میں ترجمہ کیا اور "سواطع الالہام" کے نام سے
قران شریف کی ایک تفسیر لکھی جس میں کمال یہ ہے کہ اس کی ساری
عبارت میں کوئی حرف ایسا استعمال نہیں ہوا جس پر نکتہ ہو۔ یہ
تفسیر اب چھپ چکی ہے اور فیضی کی مہارت اور زبان دانی کا
اعلیٰ نمونہ ہے ملا عبد القادر بدایونی فارسی عربی اور سنسکرت کا عالم
اور اکبر کا پیش امام تھا۔ بدایونی کی لکھی ہوئی "منتخب التواریخ"

مشہور ہے اسی طرح نظام الدین احمد بخشی نے طبقات اکبری کے نام سے
تاریخ لکھی ہے ان دونوں تاریخوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔
اکبر کے حکم سے کشمیر کی سنسکرت تاریخ راج ترنگنی کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا
تھا اس کے کچھ حصے آج بھی یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں ان
عالموں کے علاوہ فارسی اور ہندی کے کئی شاعر اکبر کی فیاضی سے مالا مال
ہوتے تھے اکبر کے پاس ایک بہت بڑی لائبریری تھی جس میں عربی
فارسی۔ ترکی۔ سنسکرت اور کشمیری زبان کی کتابیں تھیں اکبر نے اچھی
کتابوں کی عمدہ نقلیں تیار کرنے کے لئے الگ عملہ رکھا تھا اور کشمیر کا
مشہور خوش نویس "محمد حسین زریں رقم" اس کا نگران تھا غرضیکہ عہد
اکبری میں علم و ادب نے وہ شاندار ترقی کی جس کی مثال دوسرے
بادشاہوں کے عہد میں ملنی محال ہے۔

جہانگیر نے بھی اپنے والد کی روایات کو زندہ رکھا وہ خود بڑا
اچھا ادیب تھا اُس کی فارسی زبان میں لکھی ہوئی خود نوشت سوانح
عمری "تزک جہانگیری" سلیس اور سادہ فارسی زبان کا بہترین نمونہ
ہے اس کے طرز تحریر اور صدق بیان سے جہانگیر کے ادبی ذوق اور
علم دوستی کی عمدہ شہادت ملتی ہے اُس کی ملکہ نورجہان بھی فارسی
شعر گوئی میں دسترس رکھتی تھی اور علماء اور شعراء کی قدردان تھی۔

شاہجہان کے عہد حکومت میں فارسی تصانیف کے علاوہ
سنسکرت زبان کی کئی کتابوں کے فارسی ترجمے ہوئے اُس کا درباری
شاعر جگن ناتھ سنسکرت کا اعلیٰ شاعر تھا اور اُسے کوی رائے کا
خطاب دیا گیا تھا ملا عبدالحمید لاہوری مصنف "شاہجہان نامہ" اور
محمد صالح کمبوہ مصنف "اعمال صالحہ" اس زمانہ کے صاحب طرز تاریخ
نگار مانے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ شہزادہ دارا شکوہ علم و ادب
کا بڑا دلدادہ تھا اور اُسے تصوف اور ہندو فلسفہ سے بڑا شغف
تھا اُس نے کشمیر آ کر ہری پربت کے قریب خانقاہ ملا شاہ میں
حضرت اخون ملا شاہ کی مدد سے اُپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا
جو "سرِ اکبر" کے نام سے مشہور ہے اس کے علاوہ یوگ وشسٹھ کا

فارسی ترجمہ کیا گیا۔ دارا شکوہ نے "مجمع البحرین" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور ثابت کیا کہ ویدانت اور اسلامی تصوف درحقیقت ایک ہیں۔ اُس نے مسلمان صوفیوں کے حالات جمع کرکے کتابی صورت میں لکھے۔ شاہ جہان کا دوسرا بیٹا اور جانشین اورنگ زیب عالم گیر بھی اعلےٰ درجے کا ادیب اور عالم و فاضل تھا چنانچہ اُس کے خطوط سے اُسی کی علمی قابلیت کی شہادت ملتی ہے۔ اورنگ زیب کی بہن جہاں آرا اور بیٹی زیب النساء بڑی پڑھی لکھی تھیں چنانچہ جہاں آرا کی تصوف پر کتاب "انیس الارواح" اور زیب النساء کا شعروں کا دیوان مشہور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل محلات میں بھی علم و ادب کے چرچے رہتے تھے

مغلوں ایرانیوں اور افغانوں کے میل جول سے ایک نئی زبان بھی وجود میں آئی جسے دکنی اور ہندی کہتے تھے اور جو اب اردو یعنی ہندوستانی کہلاتی ہے اس زبان میں برج بھاشا۔ کھڑی بولی اور فارسی عربی ترکی کے الفاظ ملے جلے ہیں اسی لئے اسے ریختہ یعنی ملی جلی زبان بھی کہا جاتا تھا۔ اس زبان کی ابتدا خاندان مغلیہ کے عروج سے پہلے ہی ہو چکی تھی لیکن اس کا ادب عہد مغلیہ میں ہی پھولنے پھلنے لگا۔ دکن کے صوفی بزرگوں کا اس زبان کے ابتدائی ادب پر بڑا احسان ہے انہوں نے اپنے وعظ و نصیحت اور تبلیغ کے لئے اسی زبان کا سہارا لیا اس کے علاوہ دکنی شعراء امراء اور بادشاہوں نے بھی اس زبان کی ترویج و ترقی میں کافی حصہ لیا اس زبان کا سب سے پہلا اہم شاعر ولی دکنی ۱۶۶۸ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۷۴۴ء تک زندہ رہا وہ دہلی بھی آیا تھا اس کے علاوہ خان آرزو حاتم اور آبرو بھی نامی شاعر گذرے ہیں۔

اودھی اور برج بھاشا جو ہندی کی شاخیں ہیں اس زمانہ میں خاص طور پر ترقی کی اور مغلوں نے ہندی شعراء کی قدر افزائی میں بڑی فیاضی دکھائی۔ اس دور میں سب سے ممتاز ہندی شاعر بھگت تلسی داس اکبر اور جہانگیر کے ہمعصر تھے آپ اندازاً ۱۵۳۲ء میں

پیدا ہوئے اور ۱۶۲۳ء میں پرلوک سدھارے آپ کی تصنیف کردہ ہندی کا رامائن "رام چرت مانس" دنیا کے ادب میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ "سور ساگر" کے مصنف بھگت سور داس اکبر کے درباری شاعر تھے۔ "سور ساگر" کے بھجن کرشن بھگتی کے رس میں ڈوبے ہوئے ہیں اور بہت مشہور ہیں۔ جہانگیر کے ہمعصر ہندی شاعر کیشو۔ شاہ جہان کے عہد کے شاعر بہاری لعل اور اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کے ہمعصر شاعر دیو کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ رزمیہ شاعری میں بھوشن نے بڑا نام پایا اور شیواجی کے کارنامے نظم میں بیان کرکے شہرت دوام حاصل کی ان کے علاوہ مسلمانوں میں عبد الرحیم خانخاناں رحیمن کے ہندی دوہے۔ رس خان کی ہندی نظمیں ملک محمد جائسی کی "پدماوت" بھی قابل ذکر ہیں۔ بنگالی میں چیتنیہ مہا پربھو۔ کاشی رام۔ مکند رام اور علاول۔ مرہٹی میں شیواجی کے گورو رام داس اور گجراتی کے سب سے پہلے شاعر پریمانند بھی اس دور میں گذرے ہیں۔

اس زمانہ میں طب۔ فقہ۔ تصوف اور تاریخ پر اور بھی کئی قابل قدر تصانیف ہوئیں جن کا تذکرہ خوف طوالت کی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا۔

فنون لطیفہ کی ترقی

اس دور میں فن تعمیر۔ مصوری اور موسیقی نے بھی کافی ترقی کی جس کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے :-

فن تعمیر:- مغل بادشاہوں کو عمدہ عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا اس لئے وہ ماہر کاریگروں کی سرپرستی کرتے تھے جن کی کوششوں سے یہ فن اپنے انتہائی کمال کو پہنچ چکا تھا خاص طور پر شہنشاہ شاہ جہان کا فن تعمیر کی ترقی کا سنہری زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ بابر کے زمانے میں پانی پت اور سنبھل کی جامع مسجدیں اور شیر شاہ سوری کے عہد میں پرانے قلعہ دہلی کی مسجد تعمیر ہوئی۔ شیر شاہ کا مقبرہ جو سہسرام بہار میں واقع ہے ایک عمدہ عمارت ہے جلال الدین محمد اکبر کے عہد میں فن تعمیر میں بہت شاندار ترقی ہوئی۔ اس زمانے

کی عمارتوں کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں ہندو اور اسلامی طرز تعمیر کی روایات ملی جُلی نظر آتی ہیں جن سے ان عمارتوں میں ایک خاص قسم کا ہندوستانی حسن پیدا ہوگیا ہے۔ عہد اکبری کی مشہور عمارتیں یہ ہیں :۔

مقبرہ ہمایوں۔ یہ مقبرہ اکبر کا بنوایا ہوا ہے اور دہلی میں واقع ہے اس عمارت پر ایرانی اثر غالب ہے۔ عہد اکبر کی یہ عمارت فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ سمجھی جاتی ہے۔

فتح پور سیکری کی عمارتیں :۔ اکبر نے فتح پور سیکری کو اپنا صدر مقام بنایا تو یہاں کئی سرکاری اور نجی عمارتیں تعمیر ہوئیں ۔ ان میں فتح پور سیکری کے محلات میں عبادت خانہ پنج محل۔ بیربل کے مکان اور راجپوت رانیوں کے محل دیکھنے کے قابل ہیں۔ ان میں ہندو طرز تعمیر کا اثر غالب ہے۔ محلات کے قریب ہی مسجد کلاں ہے اس کے ایک طرف حضرت شیخ سلیم چشتی کا سنگ مرمر اور صدف کا بنا ہوا خوبصورت مقبرہ اور دوسری طرف بلند دروازہ ہے۔ یہ دروازہ ۱۶۰۲ء میں فتح دکن کی یادگار کے طور پر بنوایا گیا تھا۔ یہ دروازہ ۱۷۶ فٹ بلند ہے اور ہندوستان بھر میں اس سے اونچا کوئی دروازہ نہیں فتح پور سیکری اور آگرہ کے درمیان سکندرہ کے مقام پر اکبر کا اپنا مقبرہ ہے جو اپنی وضع کی ایک نہایت شاندار عمارت ہے اسے اکبر نے اپنی زندگی میں شروع کروایا تھا اور جہانگیر کے عہد میں اسے مکمل کیا گیا۔

جہانگیر کے عہد میں ملکہ نورجہاں نے فن تعمیر میں بڑی دلچسپی دکھائی لیکن یہ عمارتیں ایرانی وضع کی ہیں ان میں آگرہ میں اعتماد الدولہؒ کا مقبرہ سُنار کے بنائے ہوئے زیور سے زیادہ خوبصورت ہے۔ لاہور میں جہانگیر کے مقبرہ کی عمارت بھی نور جہاں کی ہی بنوائی ہوئی ہے۔

شاہ جہاں کے عہد میں مغلیہ فن تعمیر معراج کمال پر پہنچ چکا تھا اس عہد کی عمارتیں شان و شکوہ اور حسن و نزاکت میں اپنی مثال آپ ہیں اور دنیا کی بہترین عمارتوں میں شمار ہوتی ہیں اس عہد کی چند مشہور عمارتوں کا تذکرہ درج ذیل ہے :۔

دہلی کی عمارتیں :- شاہ جہان نے آگرہ کی بجائے دہلی کو اپنی راجدھانی قرار دیا اور اس کا نام شاہ جہان آباد رکھا۔ شہر کے مشرق میں شاہجہان نے سنگ سرخ کا ایک نہایت وسیع شاندار اور مضبوط قلعہ تعمیر کروایا جسے قلعہ معلےٰ یا لال قلعہ کہتے ہیں۔ لال قلعہ کے اندر محلات دفتر دربار ہال اور ماتحت عملہ کے رہنے کے لئے کئی چھوٹی بڑی عمارتیں ہیں ان میں دیوان عام اور دیوان خاص اپنی خوبصورتی اور شان و شوکت میں بے مثال ہیں۔ آج بھی حکومت ہند بڑی بڑی قومی تقریبیں اپنی عمارتوں میں مناتی ہے۔ قلعہ کے بالمقابل دہلی کی جامع مسجد ہے اپنی خوبصورتی کی وجہ سے ہندوستان کی بہترین مسجدوں میں گنی جاتی ہے۔

آگرہ کی عمارتیں :- آگرہ کے قلعہ کے اندر خاص محل۔ مثمن برج اور موتی مسجد شاہ جہان کی بنوائی ہوئی خوبصورت عمارتیں ہیں جن میں سنگ مرمر اور قیمتی پتھروں کا کام دیکھ کر آدمی عش عش کر اٹھتا ہے۔ موتی مسجد سفید اور سیاہ سنگ مرمر کی بنی ہوئی سب سے بڑی مسجد ہے لیکن شاہجہان کا سب سے شاندار کارنامہ اور حسین ترین یادگار روضہ تاج محل ہے۔

تاج محل آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے یہ شاہجہان کی ملکہ ممتاز محل کا مقبرہ ہے۔ شاہ جہان خود بھی اسی میں مدفون ہے یہ پوری عمارت نہایت عمدہ قسم کے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے اس پر قیمتی پتھر جوڑ جوڑ کر ایسے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ساری عمارت حسن و نزاکت کا ایک نادر نمونہ ہے اور دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے اسے دیکھنے کے لئے دنیا کے کونے کونے سے سیاح آتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ سچ تو یہ ہے کہ تاج محل ہمارا انمول قومی تمدنی ورثہ ہے یہ عمارت بائیس برس میں بن کر تیار ہوئی تھی اور اس پر اس زمانہ میں تین کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا جب کہ سب چیزیں نہایت سستی تھیں اور اچھے اچھے کاریگر چھ سات آنے یومیہ مزدوری پر کام کرتے تھے۔ تاج محل کے بنانے میں ہندوستانی کاریگروں اور ایرانی استادوں سب نے مل کر کام

گیا تھا اور اس کے لئے سنگ مرمر وسط ہند اور راجپوتانہ سے مہیا کیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ انا ساگر اجمیر کی بارہ دری۔ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی شاہ جہانی مسجد اور کشمیر میں باغ نشاط اور چشمہ اچھابل کے باغ نہریں آبشاریں اور عمارتیں اور لاہور کابل کی کئی اور عمارتیں اسی دور کی یادگار ہیں۔

فن مصوری

اسلامی رواج کے مطابق جانداروں کی تصویریں بنانا مذہباً جائز نہیں اسی لئے اس فن نے مسلمان سلاطین کے دور میں کوئی خاص ترقی نہیں کی ہاں نقاشی بیل بوٹے بنانا اور خوش نویسی کے فن البتہ عام تھے۔ مغلوں کے عہد حکومت میں بادشاہ تصویریں بنوانے یعنی فن مصوری میں دلچسپی لینے لگے چنانچہ کہتے ہیں کہ ہمایوں جب ایران سے لوٹا تو اپنے ہمراہ دو ایرانی مصور لایا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ کی تصویریں پوری طرح ایرانی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں اور انہیں قدیم ہندی کی مصوری کی روایات سے جن کی نظیر ہمیں اجنتا کی تصویروں میں ملتی ہے کوئی رابطہ یا نسبت نہ تھی اکبر مصوری کو معرفت الٰہی کا ذریعہ سمجھتا تھا اور ایرانی چینی اور ہندوستانی فن مصوری کا دلدادہ تھا۔ اُس کے عہد میں خواجہ عبدالصمد۔ فرخ۔ میر علی۔ بساون اور دسونتھ بڑے اُستاد مصور گذرے ہیں ان مصوروں نے ہی مغل آرٹ کی بنیاد رکھی جس میں فن تعمیر کی طرح ہندی اور ایرانی فنی روایات کا دلکش میل جول ملتا ہے جہانگیر مصوری کا دلدادہ اور اس فن کے رموز سے بڑی اچھی طرح آگاہ تھا اس عہد میں خالص ہندوستانی طرز کی مصوری شروع ہوئی جو بڑی حد تک ایرانی طرز سے آشنا تھی جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد میں نادر۔ منصور۔ ابوالحسن۔ مراد۔ میر محمد دولت۔ بشن داس۔ منوہر۔ گوبردھن۔ چترمن اور بھگوتی مشہور اُستاد ہو گذرے ہیں اورنگ زیب کے عہد میں مصوری کا زوال شروع ہو گیا کیونکہ بادشاہ پابند شرع ہونے کی وجہ سے اس غیر اسلامی

ن کی سرپرستی کو اچھا نہ سمجھتا تھا اس کے بعد راجپوتانہ۔ کانگڑہ اور بسوہلی ریاست کشمیر اُن کے علاقوں میں مغل آرٹ کے زیر اثر ایک نئی طرز مصوری شروع ہوئی جسے راجپوت آرٹ اور پہاڑی آرٹ کہا جاتا ہے مغل آرٹ کے کئی نادر نمونے اس وقت ہندوستان اور یورپ کے عجائب خانوں کی زینت ہیں۔

فن موسیقی

مغل بادشاہ گانے بجانے سے بہت شوق رکھتے تھے اور اچھے اچھے گویوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ بابر اور ہمایوں دونوں موسیقی کو بہت پسند کرتے تھے لیکن اکبر کے عہد میں موسیقی خوب پروان چڑھی اور اکبر نے بڑی فیاضی سے اچھے اچھے گویوں کی سرپرستی اختیار کی اس عہد میں سنگیت کے اُستاد گورو رام داس تھے جن کا چیلا اُستاد تان سین گوالیار کا رہنے والا تھا تان سین کو اکبر نے اپنے دربار میں رکھا اور ہر طرح اس کی عزت افزائی کی تان سین موسیقی کا جگت اُستاد مانا جاتا ہے اور موسیقار آج بھی اُس کا نام بڑی عزت اور احترام سے لیتے ہیں اس زمانہ میں کئی راگنیاں ایجاد ہوئیں اور ایرانی اور ہندوستانی موسیقی کے میل جول سے نئے گانے ایجاد ہوئے۔ جن میں غزل کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اکبر کے درباری راجہ بھگوانداس اور راجہ مان سنگھ اور جہانگیر کا درباری عبدالرحیم خان خاناں خود بھی فن موسیقی کے ماہر تھے اور فن موسیقی کے اُستادوں کے بڑے قدردان تھے اورنگ زیب کے عہد میں فن موسیقی کو شاہی سرپرستی حاصل نہ رہی کیونکہ اورنگ زیب گانے بجانے کا سخت مخالف تھا اور رنگ رلیوں کو مذہباً حرام سمجھتا تھا۔

صنعت و حرفت

مغل بادشاہ صنعت و حرفت کے بڑے سرگرم سرپرست تھے چنانچہ اُن کے زمانے میں ملک میں صنعت و حرفت اور تجارت نے بہت عظیم الشان ترقی کی۔ چنانچہ جب مغربی سوداگر ہندوستان پہنچے تو یہاں کی صنعتی ترقی دیکھ کر اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔ صنعتی ترقی کے لئے مغلوں نے جا بجا سرکاری کارخانے قائم کر رکھے تھے جن میں کاریگر

مزدور اور بیوپاری بادشاہی سرپرستی سے مالا مال ہوتے رہتے تھے اُس زمانہ میں سوتی اور ریشمی کپڑا بننے کی صنعت کے اہم مرکز احمد آباد۔ آگرہ دہلی۔ فتح پور سیکری اور لاہور میں تھے اُونی کپڑا کشمیر اور کابل میں تیار ہوتا تھا۔ سونے چاندی کا کام آگرہ۔ دہلی اور کشمیر میں نہایت عمدہ ہوتا تھا۔ جے پور میں جواہرات اور زیورات بڑے اعلیٰ تیار ہوتے تھے۔ ڈھاکہ کی ململ اپنی خوبی اور نزاکت کی وجہ سے دنیا میں مشہور تھی۔ کشمیر اور لاہور میں قالین بافی اور آگرہ اور سیکری میں دریاں بنانے کے کارخانے تھے اس کے علاوہ برتن سازی۔ زیورات بنانے اور لوہے کا سامان تیار کرنے کے چھوٹے نجی ادارے ہر جگہ پائے جاتے تھے۔ فوجی سامان۔ تلواریں۔ ڈھالیں۔ توپیں بادشاہی کارخانوں میں تیار ہوتی تھیں۔

غرضیکہ دورِ مغلیہ میں ملک میں ہر طرح ترقی ہو رہی تھی اور اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے مل کر حصہ لیا اور اس تمدنی ترقی کے فائدے بھی ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ایک سے پہنچے مغلوں نے ہندوستان کو اپنا ملک سمجھا وہ یہیں کے لئے جئے اور یہیں کے لئے مرے۔ انہوں نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی لیکن انہوں نے یہاں کی دولت کسی باہر کے ملک یا قوم کے مفاد کے لئے صرف نہیں کی۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد اور ایک سانجھے تمدن کو بڑھاوا دینے کے لئے شاندار کام کیا اُن کی اعلیٰ روایتیں آج بھی آزاد ہندوستان کے تہذیب و تمدن کی جان ہیں اور اُس زمانہ کی تمدنی ترقی ہماری قومی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں سلطنتِ مغلیہ ایک نہایت شاندار اور طاقتور سلطنت مانی جاتی ہے اور مغل شہنشاہوں کا شمار دنیا کے عظیم ترین حکمرانوں میں ہوتا ہے ۔

EXERCISE.

1. What did the Mughals do for the promotion of the composite culture of India. (J & K. U. 1958).

حصّہ چہارم

باب اوّل

۱۔ یورپین بحری طاقت کا ظہور

اور

۲۔ یورپین قوموں کی ہند میں آمد

۱۔ یوروپین بحری طاقت کا ظہور یورپ میں پندرھویں اور سولھویں صدی میں ایک زبردست ذہنی انقلاب آیا جسے نشاۃ ثانیہ "Renaissance" کہتے ہیں اس سے مُراد وہ علمی و ادبی تحریک ہے جس کا مقصد قدیم یونانی علوم پرانی کتابوں دستاویزوں اور فنون لطیفہ کا گہرا مطالعہ تھا۔ یورپ کی تہذیب یونانی تہذیب پر ہی مبنی تھی لیکن زمانہ وسطیٰ (mediaevalage) کے دور میں لوگوں پر جہالت کم علمی اور توہم

پرستی نے اس طور قابو پا رکھا تھا کہ لوگ ایک طرف تو مذہبی پیشواؤں کے زیر اثر تھے اور دوسری طرف شخصی حکومتیں اور جاگیردار اُن کا خون چوس رہے تھے تجارت پر طرح طرح کی پابندیاں تھیں اور ہر شہری آزادانہ طور پر تجارت کا پیشہ اختیار نہ کر سکتا تھا غرضیکہ یہ دور ذہنی۔ سیاسی اور اقتصادی غلامی کا دور تھا۔

نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے لوگوں میں تحقیق و تنقید کا جذبہ پیدا ہوا اور وہ ہر طرح کی پابندیوں سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے اور انہیں یقین ہو گیا کہ انسانی آزادی کے لئے مذہبی پیشواؤں کے اقتدار۔ شخصی حکومتوں اور جاگیرداروں کے مظالم اور اقتصادی پابندیوں سے آزاد ہونا ضروری ہے چنانچہ سولھویں صدی میں مذہبی اصلاح کی تحریک یا ریفارمیشن۔ جمہوری نظام حکومت کے قیام اور تجارت کے فروغ کے لئے نئے بحری راستوں۔ تجارتی شاہراہوں اور منڈیوں کی کھوج کا کام شروع ہوا اور ہر ملک میں قومی حکومتوں کا آغاز ہوا جنہوں نے ان مقاصد کو سامنے رکھ کے ملک کی تعمیر و ترقی کا کام شروع کیا۔

یورپ میں بحری طاقت کا ظہور تجارتی ضرورتوں کی وجہ سے ہوا۔ پندرھویں صدی تک سارے مشرق قریب اور بحیرہ روم کی شاہراہوں پر ترکی سلطانوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور یورپ اور مشرقی ممالک کے درمیان تجارتی شاہراہوں پر غیر عیسائی عرب اور ترکی حکومتوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ قسطنطنیہ کی فتح ۱۴۵۳ء کے بعد عثمانی ترک سلطان یورپ کے دروازے پر دندنا رہے تھے۔ اس کی وجہ سے اٹلی میں جنوا اور وینس کے تجارتی مرکز جو ہندوستان چین اور جزائر شرق الہند یا انڈونیشیا کے مال تجارت کی منڈیاں تھیں تباہ ہو رہے تھے اور یورپ کے تاجر مشرقی ممالک کی نفع بخش تجارت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اس لئے یورپ کی حکومتوں میں اہل سپین اور اہل پرتگال ازحد کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح انہیں ہندوستان اور مشرقی ممالک میں جانے کے لئے کوئی ایسا راستہ مل جائے

جہاں وہ ترکوں اور عربوں کی دست برد سے محفوظ رہ کر تجارت کر سکیں اور وینس اور جنیوا کے تاجروں کی طرح منافع کما کر مالا مال ہو سکیں۔ اسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے سپین اور پرتگال کے جانباز ملاحوں نے بحری سفر شروع کئے اور وہاں کے بادشاہوں نے ان جانبازوں کی بڑی سرگرمی سے سرپرستی کی ان کوششوں کا سب سے بڑا نتیجہ نئی دنیا یعنی براعظم شمالی و جنوبی امریکہ کی دریافت تھی اس کے علاوہ زمین کے گرداگرد چکر لگا کر کئی دوسرے ملکوں کو مہذب دنیا سے روشناس کرانے کا کام بھی شروع ہوا اور یورپین قوموں کے لئے تجارت اور نوآبادیاں بسانے کے لئے نئی راہیں کھل گئیں۔

جغرافیائی معلومات حاصل کرنے نئی شاہراہیں معلوم کرنے اور ملکوں کا کھوج لگانے میں پرتگیز اور ہسپانوی جانبازوں کا بڑا حصہ ہے چنانچہ کرسٹوفر کولمبس مغربی سمندروں کے راستے ہندوستان پہنچنے کی کوشش کرتے کرتے امریکہ جا نکلا اور ۱۴۹۲ء میں اس نے نئی دنیا دریافت کر ڈالی۔ جان کیبٹ نے انگریزی ملاحوں کی ایک جماعت کے ہمراہ ۱۴۹۷ء میں نیو فاؤنڈلینڈ میں لنگر ڈال دئے لیکن ہندوستان کی بحری شاہراہ کی دریافت کا سہرا پرتگیزوں کے سر ہی رہا ۱۴۱۸ء سے ۱۴۶۰ء تک پرتگال کے جہاز ران شہزادہ ہنری (Prince Henry the Navigator) کی سرپرستی میں درجنوں پرتگیز ملاح مغربی افریقہ کے ساحلوں تک جا نکلے۔ ۱۴۸۶ء میں بارتھلومیو ڈائز (Bartholomew-Diaz) نامی جہاز ران ایک زبردست طوفان کے تھپیڑوں میں گھر کر راس امید کے قریب آن نکلا ۱۴۸۷ء میں پیڈرو ڈی کووہم (Pedro de covilham) خشکی کے راستے ساحل مالابار پر پہنچا اور مشرق کے سمندری راستوں کی کھوج میں نکلا اور آخری سب جہاز رانوں کو یقین ہو گیا کہ براعظم افریقہ کے جنوب مشرق سے ہندوستان جانے کا راستہ موجود ہے چنانچہ مشہور جہاز ران واسکوڈی گاما (VASCO de-GAMA) نے راس امید سے بڑھ کر افریقہ کے مشرقی ساحل سے

کالی کٹ کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا۔

سولھویں صدی کے دوران میں پرتگیزی مشرقی تجارت کے واحد اجارہ دار رہے۔ ۱۴۹۳ء میں یوروپ کی عیسائی قوموں کے مذہبی پیشوا یا پاپائے روم (POPE) الگزنڈر ششم نے ایک مذہبی فرمان جاری کیا جس کی رو سے دنیا کے مغربی ممالک کی تجارت اور ملک گیری اسپین کے لئے اور مشرقی ممالک کی تجارت اور ملک گیری کے حقوق پرتگال کو سونپ دئے گئے بعد میں پوپ جولیس ثانی اور پوپ لیو دہم نے ۱۵۰۶ء اور ۱۵۱۴ء میں اس تقسیم کی مزید توثیق کی چنانچہ پوری سولھویں صدی میں یورپ کی کسی قوم کو پاپائے روم کے اس مذہبی فرمان (Papal Bull) کی مخالفت کی ہمت نہ پڑی لیکن اس دوران میں ہزاروں ولندیزی اور انگریز جہاز رانوں اور جاجہازوں نے شمال مغربی اور شمال مشرقی سمندروں کے راستے ہندوستان پہنچنے اور نیا راستہ دریافت کرنے کی مہم میں اپنی جانیں قربان کر دیں گو نتیجہ کچھ خاص نہ نکلا تاہم ان قوموں میں جہاز رانی کا شوق بڑھتا گیا۔ پرتگیزیوں نے ۱۵۰۰ء میں جنوبی امریکہ میں برازیل ۱۵۰۹ء میں شمالی امریکہ میں فلوریڈا اور ۱۵۱۱ء میں کیوبا دریافت کئے اور یہاں اپنی نوآبادیاں قائم کرکے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی اور انہی ایام میں فرڈی نند میگلان (FERDINAND MAGELLAN) اور اس کے پرتگیزی ساتھی جہاز رانوں نے دنیا کا چکر لگانے کی ٹھانی۔ میگلان خود تو مارا گیا لیکن اس کے ساتھیوں نے سمندری سفر کا دنیا کا چکر پورا کرکے ثابت کر دیا کہ زمین گول ہے۔

پرتگیزیوں نے بحر ہند میں اپنے قدم جماتے ہی عرب جہاز رانوں کو تحس نحس کرنے کی مہم شروع کر دی عرب جہاز ران صدیوں سے بحر ہند اور بحیرہ عرب میں جہاز رانی کرتے رہتے تھے مصر اور ترکی کے سلطانوں نے پرتگیزیوں کی روک تھام کے لئے بڑی کوششیں اور مصری امیر البحر حسین بہت بڑا جنگی بیڑا لے کر بحر ہند میں آیا لیکن پرتگیزیوں کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی اور بالآخر ہرمز دبیں خلیج فارس

سے لے کر گوا تک بحیرہ عرب اور بحر ہند میں پرتگیزیوں کا طوطی بولنے لگا اور گوا سے پرتگیزیوں نے جزائر ملاکا اور انڈونیشیا تک اپنا بحری اقتدار قائم کر لیا ۱۵۱۰ء میں پرتگیزیوں نے ساحل مالابار پر گوا پر قبضہ کر کے اسے اپنی ہندوستانی سلطنت کا صدر مقام قرار دیا بدقسمتی سے آج تک ساڑھے پانچ سو برس ہونے کو آئے ہیں مگر گوا پر بدستور پرتگیزیوں کا قبضہ ہے اور یہ علاقہ ابھی تک آزادی کی نعمت سے محروم ہے اس کے بعد پرتگیزیوں نے ساحل مشرقی افریقہ پر کوئلوا (Quiloa) ممباسہ۔ خلیج فارس میں ہرمز۔ مغربی ساحل ہند پر دیو۔ دمن اور کوچین اور ملاکا میں قلعہ بند تجارتی کوٹھیاں اور کارخانے قائم کئے لیکن برازیل کی آبادکاری کی وجہ سے پرتگال والوں کی توجہ مشرقی مقبوضات سے ہٹ گئی۔ اس کے علاوہ اُن کی تجارت کے طریقے زیادہ تر بحری ڈاکہ زنی اور عرب جہازرانوں اور تاجروں کی لوٹ مار پر مبنی تھے وہ دیسی باشندوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے اور انہیں بزور شمشیر عیسائی بناتے تھے جن کی وجہ سے دیسی باشندے اُن سے سخت نالاں تھے اس لئے پرتگیز مشرق میں ایک پائیدار اور خوشحال سلطنت کی بنیاد نہ رکھ سکے۔

پرتگیزیوں کی دیکھا دیکھی ولندیزیوں اور انگریزوں میں بھی مشرقی تجارت کے بیش بہا منافع سے مالا مال ہونے کی خواہش پیدا ہوئی اس کے علاوہ یہ دونوں قومیں پرتگال اور اسپین کے باشندوں سے سیاسی اور مذہبی اختلافات رکھتے تھے۔ ہالینڈ پر اسپین کا تسلط اور پرتگیزیوں کا رومن کیتھولک عیسائیت کا حامی ہونا پروٹسٹنٹ ولندیزیوں اور انگریزوں کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ آخر سولھویں صدی کے اختتام پر جب پرتگال اور اسپین کی سلطنتیں متحد ہوئیں تو انگریزی اور ولندیزی بھی مل کر مقابلہ پر ڈٹ گئے ایک طرف ہالینڈ نے اسپین کے تسلط سے پوری طرح آزادی حاصل کر لی اور دوسری طرف انگریزوں نے اسپین کے آرمیڈا یا

بحری بیڑے کو ۱۵۸۸ء میں شکست فاش دے کر اُن کا وقار مٹی میں ملا دیا۔ اب ولندیزی اور انگریز مشرق کی تجارت میں حصہ لینے کے لئے میدان میں آ گئے اور انہوں نے اپنے تجارتی اور جنگی بحری بیڑے تیار کرنے شروع کر دئیے اس طرح سیاسی اور اقتصادی ضرورتوں کی وجہ سے یورپ میں بحری طاقتوں کا ظہور عمل میں آیا۔

انگلستان میں ملکہ الزبتھ کی سرپرستی میں سر فرانسس ڈریک اور اس کے ساتھیوں نے بحری ڈاکہ زنی شروع کی اور اسپین کو پریشان کر دیا اُدھر ہالینڈ نے بھی اسپین اور پرتگال کی تجارت کو جزائر شرق الہند میں سخت دھکا پہنچایا چنانچہ ۱۶۰۷ء میں اسپین نے ہالینڈ کو آزاد و خود مختار ملک تسلیم کرنے کے لئے یہ شرط رکھی کہ ہالینڈ جزائر شرق الہند کی تجارت سے دست بردار ہو جائے سولھویں صدی میں ہالینڈ اور انگلستان میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام عمل میں آیا اور دونوں قوموں نے ہندوستان اور ممالک جنوب مشرقی ایشیا میں اپنے تجارتی اڈے اور نو آبادیاں قائم کرنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ سترھویں صدی کے آغاز تک ان دونوں کمپنیوں کو پرتگیزیوں کی شدید مخالفت اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر جب ان دونوں نے پرتگیزیوں کے دانت کھٹے کر دئیے تو پھر یہ آپس میں اُلجھنے لگیں دونوں کمپنیاں جزیرہ نما ملایا اور انڈونیشیا میں گرم مصالحوں کی نفع بخش تجارت کی واحد اجارہ دار بننا چاہتی تھیں بالآخر ڈچ کمپنی نے جس کے مالی اور فوجی وسائل انگلش کمپنی سے کہیں زیادہ تھے۔ انگریزوں کو جزیرہ نما ملایا اور انڈونیشیا سے قطع تعلق کرنے پر مجبور کر دیا اور چار و ناچار انگریزوں کو تجارت کی غرض اپنی ساری دوڑ دھوپ ہندوستان پر مرکوز کرنا پڑی۔ اس وقت کسے معلوم تھا کہ انگریزوں کی یہ بیچارگی درحقیقت اُن کی آئندہ خوش قسمتی اور ہندوستان میں شاندار انگریزی سلطنت کی بنیاد ثابت ہونے والی تھی۔ انگریزوں نے ڈچ کمپنی کو ہندوستان

میں قدم نہ جمانے دیئے اس طرح بالآخر انڈونیشیا میں ڈچ سلطنت اور ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا قیام وجود میں آیا لیکن برطانوی سلطنت کو اٹھارھویں صدی میں ایک طرف تو ہندوستانی حکمرانوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور دوسری طرف اُن کے نئے حریف فرانسیسی بھی تجارت کرنے اور نوآبادیاں بسانے کی دُھن میں جنوبی ہند میں آ وارد ہوئے لیکن بالآخر میدان انگریزوں کے ہاتھ رہا۔

یوروپین قوموں کی ہند میں آمد

ہندوستان میں سب سے پہلے وارد ہونے والی قوم پرتگیزی تھے یہاں اُن کی ہندوستان میں آمد۔ نوآبادیوں کا قیام اور اُن کی طاقت کے زوال کا مختصر حال درج کیا جاتا ہے :-

پرتگیزیوں کی ہندوستان میں آمد ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما کے سفر سے شروع ہوتی ہے۔ واسکوڈی گاما نے یورپ سے مغربی افریقہ کے ساحل راس امید اور بحر ہند سے ہوتے ہوئے کالی کٹ تک کی سمندری شاہراہ دریافت کرکے حکومت پرتگال کے لئے تجارت کرنے اور نوآبادیاں قائم کرنے کی راہ کھول دی۔ کالی کٹ کا راجہ زمورن کوچین کے حکمران کا سخت مخالف تھا۔ عربوں کی جہازرانی اور تجارت کا مرکز بھی کوچین میں ہی تھا اور اسکی وجہ سے کالی کٹ کی تجارت اور آمدنی پہ بڑا اثر پڑ رہا تھا چنانچہ زمورن نے واسکوڈی گاما کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور بخوشی پرتگیزوں کو کالی کٹ میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے اور تجارت کرنے کی اجازت دے دی

عرب جہاز ران۔ تاجر اور حکمران۔ پرتگیزیوں کی سفاکی اور ڈاکہ زنی
کی روایات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ پرتگیزیوں کے بحر ہند میں
داخل ہونے سے عربوں کی جہاز رانی اور تجارت کو سخت دھکا
لگا اور اُن کی شاہراہیں غیر محدود ہوگئیں چنانچہ اسی خطرہ کے
پیش نظر حکومت مصر نے امیرالبحر حسین کو بحیرۂ عرب کی حفاظت
اور پرتگیزیوں کے قلع قمع کے لئے مقرر کیا لیکن سورت کے قریب
پرتگیزیوں نے مصری بیڑے کو شکست فاش دے کر تتر بتر کر دیا
اور خلیج فارس کے جزیرہ ہرمز پر قبضہ کر لیا ہندوستان کے مغربی
ساحل پر دیو۔ دمن اور گوا پر بھی قبضہ کر لیا اور کوچین میں بھی
پرتگیزی تجارتی کوٹھیاں قایم کر دیں اور سارے بحیرہ عرب اور بحر
ہند پر پرتگیزی اثر و رسوخ چھا گیا۔

پرتگیزیوں کے تسلط کے قیام میں پرتگیزی گورنر المیڈا اور
البوقرق خاص طور پر قابل ذکر ہیں المیڈا ۱۵۰۵ء میں حکومت پرتگال
کی طرف سے پرتگیزی مقبوضات کا گورنر ہو کر ہندوستان آیا۔ اس
کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے پرتگیزی مقبوضات کو پوری
طرح سے قلعہ بند کر کے عرب جانبازوں یا ہندوستانی راجاؤں کے
حملوں سے محفوظ کر دیا اسی کے عہد میں عربوں کو شکست فاش ہوئی
اور پرتگیزی اقتدار کی بنیاد پڑی۔ البوقرق ۱۵۰۹ء میں گورنر ہو کر
آیا۔ اس نے گوا پر پوری طرح قبضہ کر کے اسے قلعہ بند کر دیا اور
اسے پرتگیزی مقبوضہ علاقوں کا صدر مقام بنا دیا۔ البوقرق ایک
مدبر اور دور اندیش حاکم تھا اس نے پرتگیزی آباد کاروں کو ان
بستیوں میں مستقل طور پر آباد کرنے کی تجویزیں بنائیں اور عربوں
کے خلاف ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کیا اس نے پرتگیزی آباد کاروں
کو ہندوؤں کے ساتھ شادی بیاہ کی ترغیب بھی دی اور پرتگیزیوں
اور ہندوؤں کی تعلیم اور عیسائیت کی تبلیغ کے مرکز قایم کئے
البوقرق مسلمانوں اور خاص طور پر عربوں کا سخت دشمن تھا
اور اس تعصب کی وجہ سے لوگ اس سے نالاں تھے لیکن البوقرق

نے اپنی قوم کے لئے بڑا کام کیا اور ہندوستان میں پرتگیزیوں کی سلطنت کے قیام کے لئے زمین ہموار کر دی لیکن اُس کے جانشین بڑے نکمے نکلے اُن کی بددیانتی۔ خود غرضی اور بے پروائی سے البوقرق کے کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔

پرتگیزیوں کے زوال کے اسباب

پرتگیزی اقتدار کے زوال کے اسباب یہ تھے :-

۱- البوقرق کے بعد جو پرتگیزی گورنر ہندوستان آئے وہ محض نکمے۔ نالائق۔ ظالم اور بددیانت تھے اُن کے عہد میں پرتگیزی اقتدار کو سخت دھکا لگا اور اُن کی سلطنت قائم کرنے کے خواب مٹی میں مل گئے۔

۲- پرتگیزی تجارت اور ملک گیری کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے تبلیغ کے بجائے لوگوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی مہم شروع کر دی جس سے دیسی رعایا اُن سے بدظن ہو گئی۔

۳- پرتگیزی عرب تاجروں اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور اُن سے بڑی حقارت سے پیش آتے تھے اس لئے عربوں اور مسلمانوں کو بھی جہاں موقعہ ملتا تھا پرتگیزوں پر جھپٹ پڑتے اور ان کا تیکا بوٹی کر دیتے تھے۔

۴- پرتگیزی سوداگر بحری ڈاکہ زنی اور لوٹ مار میں مشغول رہتے تھے۔ اس لئے وہ ہندوستان میں قدم نہ جما سکے اور اُن کی مخالفت میں لوگ چاروں طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

۵- سترھویں صدی میں یورپ کی دوسری قومیں بھی تجارت اور ملک گیری کی ہوس میں بحیرہ عرب اور بحر ہند کے علاقوں میں آ نکلیں اور پرتگیزی جہاز رانوں سے اُن کی ٹکریں ہونے لگیں جن کی وجہ سے پرتگیزی ٹھکانے کمزور پڑنے شروع ہو گئے اور آخر صرف دیو۔ دمن اور گوا کی بستیاں بہ مشکل اُن کے قبضے میں باقی رہیں۔

۶- ۱۵۸۰ء میں اسپین کے شاہ فلپ ثانی نے پرتگال پر قبضہ کر لیا اور ۱۵۸۰ء سے ۱۶۴۰ء تک دونوں ملک ایک ہی تاج کے ماتحت رہے۔ اسپین کی اپنی ایک نہایت وسیع سلطنت تھی اس لئے متحدہ حکومت پرتگیزی مقبوضات کی حفاظت اور توسیع کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکی۔

غرضیکہ سترھویں صدی کے آغاز تک ہندوستان میں پرتگیزی اقتدار کا پوری طرح جنازہ نکل چکا تھا۔ اب ہالینڈ اور انگلینڈ کے جانباز ہندوستان اور ممالک جنوب مشرقی ایشیا میں قسمت آزمانے کے لئے آنے شروع ہوئے۔

ولندیزیوں کا ہند میں آنا

ہالینڈ کے رہنے والے ڈچ یا ولندیز لوگ فن جہاز رانی اور بحری تجارت میں یوروپ کی قوموں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ پرتگیزیوں کے سخت مخالف تھے ایک بڑی وجہ تو مذہبی اختلاف تھا ولندیز پروٹسٹنٹ عیسائی تھے اور پرتگیزی رومن کیتھولک اس کے علاوہ ہالینڈ کے لوگ جو اسپین کے ماتحت تھے بڑی خونریزی سے اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کرتے رہتے تھے اور اس وجہ سے اسپین اور پرتگال کی متحدہ حکومت کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ولندیزیوں میں مشرقی ممالک سے خاص طور پر گرم مصالحہ کی نفع بخش تجارت کرنے کی زبردست خواہش تھی آخر ۱۶۰۱ء میں چھوٹے چھوٹے ولندیزی تجارتی ادارے مل کر ایک ہو گئے اور انہوں نے ایک ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد گرم مصالحہ کی تجارت اور تجارتی نو آبادیاں قائم کرنا تھا۔ ولندیزیوں نے تجارت اور ملک گیری کی اس مہم میں پرتگیزیوں کے چھکے چھڑا دیئے ۱۶۰۵ء

میں ولندیزیوں نے انڈونیشیا کے گرم مصالحہ پیدا کرنے والے جزیروں کا رُخ کیا اور ایمبوئنا سے پرتگیزیوں کو باہر نکال دیا اور اس کے بعد جزیرہ جاوا کو فتح کر کے یہاں بٹاویا کا شہر بسایا اور اسے جاوا کی راجدھانی بنایا اور آہستہ آہستہ سب دوسری قوموں کو اس علاقے سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور انڈونیشیا میں ڈچ سلطنت کی بنیاد رکھی یہ سلطنت ۱۹۴۷ء تک قائم رہی جب انڈونیشیا کی آزاد قومی حکومت وجود میں آئی۔

ولندیزیوں کی زیادہ توجہ انڈونیشیا پر ہی مرکوز رہی لیکن انہوں نے ہندوستان میں بھی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں ۱۶۳۹ء میں انہوں نے گوا کا محاصرہ کیا ۱۶۴۱ء میں ملکا پر قبضہ کیا اور ۱۶۵۸ء میں پرتگیزیوں کو لنکا سے نکال کر وہاں بھی قبضہ کر لیا۔ ہندوستان میں آگرہ احمد آباد۔ سورت۔ پٹنہ۔ ڈھاکہ۔ قاسم بازار چنسورا۔ ہگلی اور مچھلی پٹم میں انہوں نے اپنے کارخانے اور تجارتی کوٹھیاں قائم کیں لیکن اٹھارھویں صدی میں انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے ولندیزیوں کے قدم ہندوستان سے اکھڑنے لگے اور بالآخر ۱۷۵۶ء میں چنسورا میں سخت لڑائی کے بعد ولندیزیوں نے شکست کھائی اور ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر ڈچ جانباز جاوا۔ سماٹرا اور انڈونیشیا کے دوسرے جزائر میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور نو آبادیاں قائم کرنے میں لگ گئے۔ اب ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی آویزش کا دور شروع ہوا جس میں بالآخر فتح و نصرت نے انگریزوں کے قدم چومے۔

سولھویں صدی میں ملکہ الزبتھ اوّل کے عہد میں انگلستان میں

جہاز رانی اور تجارت کے لئے انگریز بھی میدان میں اُترے۔ انہیں ایک طرف تو پرتگیزیوں اور دوسری طرف سے ولندیزیوں سے مقابلہ درپیش تھا۔ ۱۵۸۸ء میں اسپین کے زبردست بحری حملے میں انگلستان کے جانباز جہاز رانوں نے دشمن کو شکست فاش دی۔ اس سے انگلستان کی ساکھ بھی بڑھ گئی اور انگریز جہاز رانوں میں نیا ولولہ عزم اور اعتماد پیدا ہوگیا آخر ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء میں لندن کے چند سوداگروں اور جہاز رانوں نے ملکہ الزبتھ اول کی سرکار سے ہندوستان اور مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کا اجازت نامہ (CHARTER) حاصل کیا اور پہلے پہل ۱۶۰۹ء میں جیمز اول شاہ انگلستان کے عہد میں کمپنی کا ایک نمائندہ کیپٹن ہاکنس (HAWKINS) مغل شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا اور شہنشاہ سے سورت میں انگریزی تجارتی دفتر کھولنے کی اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا مگر تھوڑے ہی دنوں بعد پرتگیزوں کی سخت مخالفت کے باعث یہ اجازت منسوخ کر دی گئی ۱۶۱۲ء میں انگریزوں اور پرتگیزوں کی آویزش نے خطرناک صورت اختیار کرلی اور نوبت لڑائی تک پہنچی۔ سورت کے قریب ایک زبردست بحری لڑائی میں پرتگیزوں کو شکست فاش ہوئی اور بحرِ ہند میں پرتگیزی طاقت کا پوری طرح خاتمہ ہوگیا ۱۶۱۵ء میں انگلستان کے شاہ جیمز اول نے اپنا سفیر سر طامس رو شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں بھیجا۔ سر طامس رو ترکی زبان جانتا تھا اور مشرقی درباروں کے طور طریقوں سے اچھی طرح آگاہ تھا اُس نے بڑی محنت اور ہوشیاری سے اپنے مشن میں کامیابی حاصل کی اور مغل دربار سے تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ کچھ ہی مدت میں آگرہ۔ سورت۔ احمد آباد وغیرہ میں انگریزوں نے اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں۔

شہنشاہ شاہ جہان کے عہد میں اُس کی بیٹی جہاں آرا بیگم کے علاج معالجے سے خوش ہوکر انگریز ڈاکٹر بوٹن کی درخواست پر شہنشاہ نے انگریزوں کو بنگال میں محصول ادا کئے بغیر تجارت کرنے کی اجازت دے دی اور انگریزوں نے ہگلی اور بالاسور میں اپنے کارخانے اور

تجارتی دفتر قائم کرنے کے لئے ۱۶۳۹ء میں دکن میں ایک انگریز فرانسس ڈے نے
چندہ گری کے راجہ سے کچھ زمین خرید کر قلعہ سینٹ جارج تعمیر کروایا اور
یہاں مدراس کا موجودہ شہر آباد ہوا بعد ازاں پٹنہ (بہار) اور قاسم بازار
میں بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفاتر کھولے گئے اور بالآخر ان سب کو
مدراس کے مرکز کے ماتحت کر دیا گیا ۱۶۶۸ء میں چارلس ثانی شاہ انگلستان
کی شادی پرتگال کی شہزادی سے ہوئی تو شاہ پرتگال نے جزیرہ
بمبئی اپنی بیٹی کے جہیز میں دیا۔ چارلس نے دس پونڈ سالانہ کے عوض
یہ شہر ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا۔

جنوبی ہند میں مرہٹوں کے عروج کے بعد امن و امان کو ہر وقت
خطرہ رہتا تھا۔ شیواجی مہاراج نے سورت پر حملے کئے تو انگریز بھی
اس کی زد میں آئے چنانچہ حفاظت خود اختیاری کے لئے انگریزوں نے اپنی
تجارتی بستیوں کو قلعہ بند کرنا شروع کر دیا اور آس پاس کے علاقے
میں زمینیں خرید کر ان تجارتی بستیوں کو آبادیوں کی شکل دینا شروع
کر دیا۔ دراصل انگریزوں کی ہند میں سلطنت قائم کرنے کے لئے اپنی
نوآبادیوں نے بنیاد کا کام دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارتی لوٹ
کھسوٹ کے ساتھ ساتھ ملک گیری کے خواب بھی دیکھنے شروع کر
دیئے لیکن اورنگ زیب نے انہیں دست درازی کا موقعہ نہ دیا اس کی
وفات کے بعد ملک میں افراتفری پھیلی تو انگریزوں نے بھی ہاتھ پیر
مارنے شروع کئے اور اورنگ زیب کی وفات کے پچاس سال بعد ہی
ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی سیاسی حیثیت پوری طرح قائم کر کے بنگال بہار
اور اڑیسہ پر اپنا اقتدار جما لیا۔ اسی دوران میں انگریزوں نے کلکتہ
کے مقام پر ایک نئی بستی بسائی جو ان کی تجارت اور جنگی کارروائیوں کا
مرکز بن گیا اور آج ہندوستان کا سب سے بڑا شہر اور تجارتی مرکز
ہے۔

۱۶۹۸ء میں لندن میں ایک اور کمپنی کو ہندوستان سے تجارت کرنے
کا اجازت نامہ مل گیا اب دونوں کمپنیاں ایک دوسرے کو زک پہنچانے پر
اتر آئیں آخر کار ۱۷۰۸ء میں حکومت کو مداخلت کرنا پڑی اور دونوں

کمپنیوں کو یکجا کر کے متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی گئی اور ۱۷۶۳ء تک ہندوستانی تجارت کا واحد اجارہ اسی کمپنی کے ہاتھ رہا۔

فرخ سیر کے عہد حکومت میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے بنگال میں محصول ادا کئے بغیر تجارت کا قانونی حق حاصل کر لیا آئندہ چالیس برسوں میں کلکتہ۔ بمبئی اور مدراس تجارت اور طاقت کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہو گئے اور انگریزوں نے ہندوستانی سیاست میں دخل دینا شروع کر دیا جس سے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے قیام کا آغاز ہوا۔

فرانسیسیوں کی ہند میں آمد

پرتگیزوں اور ولندیزیوں کی دیکھا دیکھی فرانسیسیوں کو بھی ہندوستان کی نفع بخش تجارت سے فائدہ اٹھانے کا شوق چرایا۔ چنانچہ پہلے پہل ۱۶۰۴ء میں فرانسیسی سوداگروں نے مشرقی ممالک اور بالخصوص ہندوستان سے تجارت کرنے کے لئے ایک کمپنی قائم کی لیکن ناتجربہ کاری اور نااہلیت کی وجہ سے اسے کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ شاہ لوئی چہاردہم کے عہد حکومت میں فرانس نے جیرت انگیز ترقی کی اور دوسرے شعبوں کی طرح تجارت کی طرف بھی توجہ دی گئی مشہور ماہر مالیات اور فرانس کے اعلیٰ مدبر اور وزیر کولبرٹ نے ۱۶۶۴ء میں فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی اور بڑے بڑے سرمایہ دار شاہی خاندان کے افراد اور امراء اس میں شامل ہو گئے چنانچہ کچھ عرصہ میں ہی سورت اور مسولی پٹم میں فرانسیسی تجارتی کوٹھیاں قائم ہو گئیں ۱۶۷۳ء میں فرانسیسیوں نے سلطان بیجاپور سے کچھ رقبہ خرید کر یہاں پانڈیچری کا شہر آباد کیا ۱۶۷۴ء میں چندر نگر (بنگال) میں بھی فرانسیسی بستی آباد کی گئی اور کچھ عرصہ بعد مشرقی گھاٹ پر ماہی اور کرائیکل میں بھی فرانسیسی بستیاں بس گئیں لیکن ولندیز اور انگریز ہر طرح سے فرانسیسیوں کے راستے میں روڑے اٹکاتے رہے اور مسولی پٹم فرانسیسیوں کے اقتدار سے نکل گیا۔ آخر کار فرانسیسی کمپنی کی ۱۷۲۰ء میں از سر نو تنظیم ہوئی اور کمپنی نے ڈپلو ما کو اپنے مشرقی مقبوضات کا گورنر بنا کر بھیجا۔ ڈپلوما

بڑا بہادر اور مدبر حاکم تھا انگلش نے جلد ہی ماہی اور کرائیکل پر تسلط جما لیا اور بحر ہند میں موریشس کے جزیرہ پر قبضہ کر کے اپنی سمندری شاہراہ محفوظ کرلی۔ ڈیوما کے بعد ڈوپلے جیسا نامور مدبر اور سیاست داں گورنر مقرر ہو کر آیا اس کے عہد میں فرانسیسی ایسٹ کمپنی نے دکن کی سیاست میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا اور فرانسیسی اثر و رسوخ اپنے کمال پر جا پہنچا۔ ڈوپلے کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ اس نے ایک تجارتی ادارے کو حکومت اور ملک گیری کی راہ پر ڈال دیا۔ گو انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے ڈوپلے کی تجویزیں دھری کی دھری رہ گئیں تاہم اس نے تاریخ ہند میں وہ نام پایا ہے جو شاید ہی کسی دوسرے یورپین نے پایا ہو۔ فرانسیسی اور انگریز اٹھارھویں صدی میں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہے مگر آخرکار فرانسیسی ہار گئے اور ماہی کرائیکل چندر نگر۔ نیاؤں اور پانڈیچری کی بستیوں کے سوا باقی ہندوستان میں ان کا نام مٹ گیا۔ آزادی ہند کے بعد یہ فرانسیسی بستیاں بھی آزاد ہو کر ہند یونین کا ایک حصہ بن چکی ہیں ؂

اٹھارھویں صدی میں فرانسیسیوں

اور

انگریزوں کے معرکے

اٹھارھویں صدی میں انگلستان اور فرانس تجارت۔ نو آبادیاں بسانے اور ملک گیری کی ہوس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی

کوشش میں مصروف تھے - افریقہ - شمالی امریکہ اور ہندوستان میں دونوں قومیں تجارت اور سلطنت کے قیام کی دوڑ میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنا چاہتی تھیں چنانچہ اس صدی میں ۱۷۴۲ء سے لے کر ۱۷۶۳ء تک انگلستان اور فرانس میں تقریباً بیس برس لگاتار لڑائی ہوتی رہی اور آسٹریا کی جنگ جانشینی اور ہفت سالہ جنگ لڑی گئی جس کے اثرات ہندوستان میں انگریز اور فرانسیسی ٹھکانوں اور نوآبادیوں پر بھی پڑے اس عرصہ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے جنوبی ہند میں تین زبردست معرکے ہوئے جنہیں کرناٹک کی پہلی دوسری اور تیسری لڑائی کہا جاتا ہے ان لڑائیوں کے اسباب اور نتائج کا مختصر حال درج ذیل ہے:-

کرناٹک کی پہلی لڑائی

۱۷۴۴ء ——— ۱۷۴۸ء

۱۷۴۰ء میں یورپ میں آسٹریا کی جنگ جانشینی شروع ہوئی جس میں ملکۂ آسٹریا ماریا تھریسا اور فریڈرک شاہ پروشیا کی مدد کے لئے انگریز اور فرانسیسی میدان جنگ میں کود پڑے اس جنگ کی آگ فرانسیسی اور انگریزی نوآبادیوں میں بھی جا پہنچی۔ ۱۷۴۲ء میں فرانس نے ہندوستانی بستیوں کو اس جنگ سے باہر رکھنے کی ایک تجویز کی لیکن اسے کچھ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ہندوستان میں انگریز اور فرانسیسی گتھم گتھا ہونے کے لئے بہانہ ہی ڈھونڈھ رہے تھے کہ کرناٹک میں نواب دوست علی کے مرنے کے بعد اس کے داماد چندا صاحب اور دوسرے دعویدار انورالدین میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا فرانسیسی گورنر ڈوما نے نواب دوست علی کو مرہٹوں کی یلغار سے بچایا تھا اور راجہ تنجور کی جانشینی میں مدد کر کے اس سے کرائیکل کا علاقہ حاصل کیا تھا اب فرانسیسی گورنر ڈوپلے نے انہی روایات پر چلتے ہوئے مقامی سیاسی جھگڑوں میں دخل اندازی کر کے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ایک باقاعدہ فوج کو یورپی طریقوں پر منظم کرنا شروع کر دیا ادھر چندا صاحب کو مرہٹے گرفتار کر کے لے گئے تو نظام نے انورالدین کو کرناٹک کا نائب صوبیدار بنا کر روانہ کیا تاکہ مرہٹوں کا

فلع قمع کرسکے ادھر مورٹیس کا فرانسیسی حاکم ماہے ڈی لابوردو نے (Mahe-de la Bourdonnais) بھی انگریزی بستیوں پر بحری حملے کی تجویزیں سوچ رہا تھا بالآخر ۱۷۴۶ء میں لابوردو نے مدراس پر حملہ کرکے انگریزی حفاظتی دستے تتر بتر کر دیئے اور مدراس پر قابض ہو گئے انگریز نوآباد کار فریادی ہوکر نواب انور الدین نائب صوبیدار کرناٹک کے دربار میں آئے۔ نواب نے اپنی فوجیں مدد کے لئے بھیجیں لیکن انگریز اور کرناٹکی فوجیں فرانسیسیوں سے شکست کھا کر پسپا ہونے پر مجبور ہو گئیں۔ یہ یورپی قوموں اور ہندوستانی فوجوں کی پہلی ٹکر تھی اس سے ثابت ہو گیا کہ یورپی قواعدداں اور تربیت یافتہ فوج کے سامنے بھاری بھرکم ہندوستانی فوجوں کے قدم نہیں جم سکتے اس جنگ سے یورپین قوموں کے حوصلے بلند ہو گئے اور ہندوستان کی فوجی کمزوری کا بھانڈا پھوٹ گیا آخر ۱۷۴۸ء میں جب آسٹریا کی جنگ جانشینی ختم ہوئی اور ایکس لاشیپل (Aix la chapelle) کا صلح نامہ منظور ہوا تو مدراس کا شہر انگریزوں کو واپس مل گیا ۔

کرناٹک کی دوسری لڑائی
۱۷۴۹ء — ۱۷۵۵ء

اگرچہ یورپ میں انگلستان اور فرانس کی جنگ ختم ہو چکی تھی لیکن ہندوستان میں مقامی حالات کی وجہ سے انگریز اور فرانسیسی پھر ایک دوسرے کے خلاف ہندوستانی رئیسوں کی جنگوں میں برسرپیکار رہے ۱۷۴۸ء میں نواب نظام الملک والئے دکن کا انتقال ہو گیا اُس کے تخت کے دعویدار دو تھے ایک ناصر جنگ جو نظام الملک کا بیٹا تھا اور دوسرا مظفر جنگ جو اُس کا نواسہ تھا۔ اُدھر نواب انور الدین کے خلاف نواب دوست علی مرحوم کا داماد چندا صاحب کرناٹک کی حکومت کا دعویدار تھا جنوبی ہند میں یہ سیاسی آویزش فرانسیسیوں اور انگریزوں کے ذاتی مفاد کے لئے بڑی خوش کن تھی اور دونوں اس میں دخل اندازی کرکے اپنی اپنی سلطنت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ فرانسیسی گورنر ڈوپلے (Duplieux) نے موقع غنیمت جان کر مظفر جنگ اور چندا صاحب کی حمایت کا بیڑہ اٹھایا۔ اب ان تینوں کی فوجوں نے اکٹھے ہوکر کرناٹک پر حملہ کر دیا۔ امبر کے مقام پر بڑے

گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں نواب انورالدین مارا گیا اس کا بیٹا محمد علی بھاگ کر ترچناپلی چلا گیا اور ارکاٹ میں چندا صاحب نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا اس خوشی میں اس نے ڈوپلے کو بہت سا علاقہ جاگیر میں دیا اور جب ناصر جنگ ایک باغی سردار کے ہاتھوں قتل ہوا تو فرانسیسی فوجوں کی مدد سے مظفر جنگ نے دکن کی حکومت سنبھالی مظفر جنگ نے ڈوپلے کو اور جاگیریں دیں اور دریائے کرشنا کی وادی کے جنوبی حصے کا صوبیدار بنا دیا جب مظفر جنگ بھی ایک لڑائی میں مارا گیا تو فرانسیسیوں نے مظفر جنگ کے بچا صلابت جنگ کو گدی پر بٹھا دیا اور حکومت پر پوری طرح چھا گئے فرانسیسی جرنیل بسی نے مرہٹوں کو شکست دی۔ دکن کے امراء کی سازشوں کا خاتمہ کیا اور ملک میں امن و امان بحال کر کے صلابت جنگ کی پوزیشن مضبوط کر دی۔ فرانسیسیوں کی خدمات کے صلہ میں انہیں شمالی سرکار کا علاقہ مل گیا اور اس طرح ان کی حیثیت قایم ہو گئی۔ فرانسیسیوں کا یہ بڑھتا ہوا اقتدار انگریزوں کے لئے بڑا خطرناک تھا انہوں نے الگ تھلگ رہ کر یہ تماشا دیکھنا گوارا نہ کیا اور کرناٹک کی صوبیداری کے دعویدار محمد علی کی حمایت شروع کر دی جو ان کے پرانے حلیف نواب انورالدین کا بیٹا تھا اور اب ترچناپلی میں پناہ گزین تھا چنانچہ جب چندا صاحب اور فرانسیسیوں کی فوجیں ترچناپلی کے محاصرہ کے لئے بڑھیں تو انگریز بھی محمد علی کے حمایتی بن کر میدان جنگ میں کود پڑے۔ انگریزی کمپنی کے ایک جانباز کمانڈر رابرٹ کلایو نے بڑی بہادری سے تھوڑی سی فوج ساتھ لے کر ارکاٹ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ چندا صاحب نے اپنے بیٹے رضا صاحب کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور فوج کا کچھ حصہ اس کے ساتھ بھیج دیا اس سے ترچناپلی پر فوجی دباؤ بہت کم ہو گیا۔ ترچناپلی ۵۳ دن گھیرے میں رہا اور آخر فرانسیسیوں نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اب میجر لارنس اور کلایو نے ترچناپلی کو بھی فتح کر لیا۔ چندا صاحب نے سری رنگم میں پناہ لی لیکن تنجور کے راجہ نے اسے موقعہ پاکر قتل کر دیا۔ کلایو نے رضا صاحب اور اس کے مددگاروں کو شکست دے کر نواب محمد علی کو کرناٹک کے تخت پر بٹھا دیا۔ فرانسیسی فوجوں کی پسپائی۔ جنگی اخراجات اور تجارت

کی بربادی کے پیش نظر فرانسیسی حکومت نے ۱۷۵۴ء میں ڈوپلے کو واپسی کا حکم دیا اور انگریزوں سے صلح کر لی۔ ۱۷۵۵ء میں عہد نامہ پانڈیچری کی رُو سے مفتوحہ علاقے فریقین کو واپس کر دیئے گئے اور نواب محمد علی کو کرناٹک کا حاکم تسلیم کر لیا گیا۔

ڈوپلے ڈوپلے پہلے پہل ۱۷۳۱ء میں چندرنگر کی فرانسیسی بستی کا حاکم مقرر ہو کر ہندوستان آیا اُس نے آتے ہی چندر نگر کا انتظام اس خوبی۔ چلایا کہ اُس کی شہرت پھیل گئی اور بالآخر حکومت فرانس نے اُسے فرانسیسی مقبوضات کا گورنر جنرل مقرر کر دیا ۱۷۴۱ء میں ڈوپلے نے ڈیوماسے اس عہدہ کا چارج سنبھالا۔ ڈوپلے نے گورنر جنرل مقرر ہونے کے بعد دو مقصد اپنے سامنے رکھے اول انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنا اور دوسرے ہندوستان میں فرانسیسی سلطنت کی بنیاد رکھنا اس غرض کے لئے وہ جنوبی ہند کی سیاست میں دلچسپی لینے لگا اور سیاسی دھڑے بندیوں میں شامل ہو کر اپنے مقاصد حاصل کرنے لگا جب نظام دکن کے تخت پر ناصر جنگ اور مظفر جنگ میں اور نواب دوست علی والئے کرناٹک کے وارث چندا صاحب اور انور الدین میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو ڈوپلے کی مراد بر آئی اور اُس نے چندا صاحب اور مظفر جنگ کی حمایت میں لڑائی میں شرکت کی۔ مظفر جنگ کے مرنے کے بعد صلابت جنگ کو تخت پر بٹھایا اور اس کی نگہبانی کے لئے کرنیل بسے کو مقرر کر دیا اُدھر کرناٹک میں چندا صاحب نے تخت سنبھالا۔ اب۔ نواب صلابت جنگ نے ڈوپلے کو دریائے کرشنا کی وادی کے جنوبی حصے کا صوبیدار بنا دیا۔ ڈوپلے ایک مغل نواب کی طرح

دربار سجا کر رہنے لگا۔ نواب انور الدین کی شکست کے بعد ڈوپلے نے ہندوستانی سپاہی فوج میں عام بھرتی کرنے شروع کئے اور انہیں یورپین طریقوں پر تربیت دے کر میدان جنگ میں بھیجنے لگا۔ لیکن کلائیو کی فتح ارکاٹ کے بعد پانسہ پلٹ گیا اور فرانسیسی فوج پسپا ہو گئی۔ چندا صاحب کو ترچناپلی سے بھاگنا پڑا اور آخر وہ مارا گیا اس طرح ڈوپلے کی تجویزوں کا سارا شیرازہ بکھر گیا اور اُس کی شہرت کو سخت دھکا لگا۔ اب بھی اگر حکومت فرانس اُس کی کچھ مدد کرتی تو شاید وہ میدان جنگ کا نقشہ بدل دیتا لیکن فرانسیسی حکومت نے اُسے واپس بلا لیا جہاں کچھ عرصہ کے بعد ڈوپلے گمنامی کی حالت میں ۱۷۶۴ء میں مر گیا۔

ڈوپلے ہندوستان کی تاریخ میں ایک شاندار شخصیت کے طور پر ہمیشہ یاد رہے گا۔ اُس کی سیاسی سوجھ بوجھ نہایت عمدہ تھی اور وہ ایک بلند خیال مدبّر تھا اُس نے فرانس کے وقار کو نہایت بلند کیا اور اپنے لئے ہندوستان میں لازوال شہرت حاصل کی اُس نے اپنے ہمعصر انگریزوں پر اپنے رعب داب کا ایسا سکہ جمایا جو اُس کی ذاتی دلیری اور تدبر کی شاندار شہادت ہے۔

ڈوپلے کو اپنے مقاصد حاصل کرنے میں اس لئے ناکامی ہوئی کہ وہ خود بڑا مغرور اور خود سر تھا اس وجہ سے اُس کے ماتحت افسر اُس کے جانثار اور وفادار نہ تھے وہ حکومت فرانس کو صرف اپنی فتوحات کی اطلاع ہی بھیجتا تھا لیکن اپنی مشکلات اور ناکامیوں کا ذکر نہ کرتا تھا جس وجہ سے حکومت اُس کی مدد کرنے پر راضی نہ ہو سکی۔ اور ڈوپلے نے اپنے افسروں کا اعتماد کھو دیا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس نے اُسے ایسے وقت پر واپس بلا لیا کہ وہ نہ تو اپنی شہرت کو بحال کر سکا اور نہ فرانس کی پوزیشن کو سنبھال سکا۔ ڈوپلے نے مقامی سیاست میں دخل اندازی کرنے کے لئے فرانس کی حکومت سے نہ مشورہ کیا نہ اجازت حاصل کی۔ فرانس کے بحری بیڑے کے افسر اور ڈوپلے ایک دوسرے سے متحد نہ ہو سکے جس کی وجہ سے ڈوپلے کی اسکیموں کو بڑا دھکا لگا۔ ڈوپلے کی مالی مشکلات بھی اُس کے راستے

میں حائل رہیں۔

کرناٹک کی تیسری لڑائی
۱۷۵۸ء — ۱۷۶۳ء

۱۷۵۶ء میں آسٹریا اور پروشیا کے درمیان جنگ ہفت سالہ (Seven years war) شروع ہوگئی اس جنگ میں فرانس نے اب میریا تھریسا ملکۂ آسٹریا اور انگلستان نے شاہ فریڈرک والئے پروشیا کی حمایت میں اعلان جنگ کر دیا اور یہ جنگ براعظم افریقہ۔ شمالی امریکہ اور ہندوستان میں بھی بھڑک اُٹھی۔

کرناٹک کی دوسری لڑائی کے بعد کلایو نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو پلاسی کی لڑائی میں شکست دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور تخت پر میر جعفر کو کٹھ پتلی نواب بنا کر ساری حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی تھی اس سے انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی طاقت میں بہت اضافہ ہوگیا۔

اُدھر ڈوپلے کی واپسی کے بعد گوڈیو فرانسیسی مقبوضات کا حاکم مقرر ہوا اُس نے ڈوپلے کے کئے کرائے پر پانی پھیرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی بالآخر کاؤنٹ لالی گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا اُس نے آتے ہی ۱۷۵۸ء میں قلعہ سینٹ ڈیوڈ فتح کر لیا اور جرنیل بسی کو حیدر آباد سے بلا کر مدراس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ کاؤنٹ لالی کی ایسی غلطی تھی کہ اُسے اس کا سخت بُرا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جرنیل بسی مدراس پر قبضہ تو نہ کر سکا مگر اُدھر انگریزوں نے اُس کی حیدر آباد سے غیر حاضری کا پورا فائدہ اٹھایا ایک تو انہوں نے شمالی سرکار کا علاقہ فتح کر لیا اور دوسرے صلابت جنگ نظام دکن انگریزوں سے مل گیا اب انگریزی فوجیں بنگال سے آئیں اور مچھلی پٹم پر قابض ہوگئیں اور انگریزی بحری بیڑے نے فرانسیسیوں کو شکست فاش دی ۱۷۶۰ء میں انگریز جرنیل سر آئر کوٹ نے واندی واش WANDIWASH کے مقام پر فرانسیسی فوجوں کو نہایت سخت شکست دی اور جرنیل بسی کو گرفتار کر لیا ۱۷۶۱ء میں انگریزی فوجوں نے پانڈیچری کی اہم فرانسیسی

بستی پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد فرانسیسیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور سارے فرانسیسی مقبوضات پر انگریزی جھنڈا لہرانے لگا آخرکار یورپ میں صلح نامہ پیرس کی رُو سے ۱۷۶۳ء میں جنگ ہفت سالہ کا خاتمہ ہوا اور ہندوستان میں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائی بند ہو گئی) اس صلح نامہ کی رُو سے پانڈیچری کا شہر اور دوسرے چھوٹے چھوٹے فرانسیسی مقبوضات تو فرانسیسیوں کو لوٹا دیئے گئے لیکن قلعہ بندیاں برباد کر دی گئیں۔ فرانسیسی اقتدار کا ہمیشہ کے لئے جنازہ نکل گیا اور انگریز سب دشمنوں پر فتح یاب ہو کر اپنی سلطنت کے استحکام اور توسیع میں لگ گئے۔

انگریزوں کی کامیابی کے اسباب

اٹھارہویں صدی کی انگریزی فرانسیسی آویزش میں بالآخر انگریزوں کی کامیابی کے سب سے اہم اسباب یہ تھے :-

۱- انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی فرانسیسی کمپنی کے مقابلہ میں تجارتی اور مالی لحاظ سے بہت زیادہ مضبوط تھی جنگ کی حالت میں بھی انگریز اپنی تجارت اور منافع خوری میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تھے۔ فرانسیسی تجارت کو چھوڑ کر صرف ملک گیری کی ہوس میں مبتلا ہو گئے لیکن اتنے دور دراز ملک میں سلطنت قائم کرنا اور وہ بھی فرانس کی مدد کے بغیر بالکل ناممکن تھا لہذا فرانسیسی تجارت کو بھی تباہ کر بیٹھے اور ملک گیری میں بھی ناکام ہو گئے

۲- انگریزی کمپنی مالی لحاظ سے مضبوط تھی اور انہیں اپنی قومی حکومت کی پوری مدد اور سرپرستی حاصل تھی۔

۳- فرانسیسی کمپنی کا انتظام پوری طرح حکومت کے ماتحت تھا اور یہ کمپنی ایک سرکاری محکمہ کی طرح بے جان ادارہ بن کر رہ گئی تھی۔ فرانس کی حکومت اور عوام ڈوپلے کے مقاصد سے کچھ ہمدردی نہ رکھتے تھے اور اُن کی طرف سے بڑی سرد مہری کا سلوک ہوتا رہا جس کی وجہ سے ہندوستان میں فرانسیسی جانبازوں کے قدمہ

نہ جم سکے ۔

۴- ان لڑائیوں کے زمانے میں انگلستان کی حکومت لگاتار اپنی بحری طاقت بڑھانے میں لگی رہی اور انہیں سمندروں میں فرانس پر برتری حاصل ہو گئی اس لئے انگریز اپنی فوجوں کو باقاعدہ جنگی سپلائی بھیج سکتے تھے لیکن فرانسیسی کوشش کرتے بھی تو ان کی دال نہ گلتی تھی۔

۵- انگریزی کمانڈر جیسے میجر لارنس۔ رابرٹ کلایو اور سر آئر کوٹ بڑے حوصلہ مند اور ثابت قدم جرنیل تھے اور ان کا آپس میں پورا اتحاد تھا لیکن فرانسیسی جرنیل لابوردونے ڈوپلے۔ بسی۔ کاؤنٹ لالی سب اپنی من مانی کرنا چاہتے تھے اس نفاق سے فرانسیسی مفاد کو سخت دھکا لگا۔

۶- بنگال میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے سے انگریزوں کی طاقت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ بنگال سے تازہ دم فوجیں رسد اور جنگی سامان انگریزوں کو باقاعدہ ملتا رہا جس سے انہیں میدان جنگ میں فوقیت حاصل ہو گئی

۷- فرانس نے ڈوپلے کو مدد دینے کی بجائے اُسے واپس بلا کر انگریزوں کو ایک خطرناک دشمن سے نجات دلا دی اُدھر کاؤنٹ لالی نے جرنیل بسی کو بے وقت حیدر آباد سے بلا کر انگریزوں کی ساز باز اور جوڑ توڑ کے لئے کھلا میدان چھوڑ دیا جس کا خمیازہ فرانسیسیوں کو بھگتنا پڑا۔

۸- جنگ ہفت سالہ میں حکومت فرانس کی پے درپے شکستوں کی وجہ سے ملک کی حالت تباہ تھی اس کی ساری توجہ یورپ کے جھگڑوں سے نپٹنے اور فرانس کی حفاظت پر مرکوز تھی۔ اس میں یہ سکت نہ تھی کہ ہندوستان میں اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھاتی۔

ان اسباب کی وجہ سے اٹھارہویں صدی کی لڑائیوں میں آخر کار فتح و نصرت نے انگریزوں کے قدم چومے آئندہ پچاس

برسوں میں انگریز پوری طرح ہندوستان پر چھا گئے اور انہوں نے
ہندوستان میں دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی جس پر
وہ ۱۹۴۷ء تک قابض رہے ؛

EXERCISE.

1. Give a brief account of the rise of the naval power in Europe and its results.
2. What do you know about the coming of the Portuguese to India ? Why did they fail to establish their permanent empire in India ?
3. Describe briefly the origin of the English East India Company and the growth of early English settlements in India during the 17th century.
4. What do you know about the Anglo-French rivalry in India during the 18th century and the causes of the ultimate success of the English ?
5. Who was Dupliex ? What services did he render to the cause of the French in India ? How do you account for his failure ? (P. U. 1937)

باب دوم

ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا قیام اور اہم واقعات

فتح بنگال:- شہنشاہ اکبر کے عہد سے بنگال سلطنت مغلیہ کا ایک اہم حصہ بن چکا تھا۔ ۱۶۰۷ء میں بہار اور اڑیسہ کے علاقے بھی اسی صوبے میں شامل کر دیئے گئے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب ہر صوبہ میں مقامی خود مختاری کا جذبہ پیدا ہونے لگا تو سرفراز خان صوبیدار بنگال کو قتل کر کے اُس کا ایک ماتحت افسر علی وردی خان صوبے کا نیم خود مختار حاکم بن بیٹھا ۱۷۵۱ء میں علی وردی خاں

کو اُڑیسہ کا بہت سا حصہ مرہٹوں کی نذر کرنا پڑا۔ اُدھر صوبہ کے اندر اُس کے غدار افسر اور باغی رشتہ دار بھی اُسے کافی تنگ کرتے رہے لیکن بالآخر اُس نے سب مشکلات پر قابو پاکر صوبے میں امن و امان قایم کر دیا اور رعایا خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ علی وردی خاں کلکتہ کے شہر میں انگریزوں کی تجارت کی ترقی اور اُن کے سارے صوبے میں گھومنے پھرنے کو شک کی نظر سے دیکھتا تھا لیکن چونکہ اُس کے پاس بحری طاقت نہ تھی اس لئے وہ انگریزوں سے الجھنا بھی نہیں چاہتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ اس بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا خطرے سے خالی نہیں ۱۷۵٦ء میں علی وردی خاں فوت ہو گیا اور اُس کے بعد اُس کا نواسہ سراج الدولہ اپریل ۱۷۵٦ء میں تخت پر بیٹھا لیکن پورنیا کا فوجدار شوکت جنگ بھی تخت کا دعویدار تھا اس کی بغاوت سے سراج الدولہ کو بڑی پریشانی کا سامنا ہوا مگر آخرکار سراج الدولہ کامیاب ہو گیا۔ اب سراج الدولہ انگریزوں کی طرف متوجہ ہوا۔

جنگ پلاسی کے اسباب

جب سراج الدولہ نے تخت سنبھالا تو اُس نے دیکھا کہ کلکتہ کی انگریز بستی ایک فوجی ٹھکانے کی شکل اختیار کر رہی ہے انگریزوں نے ملک میں سیاسی دھڑے بندی اور خانہ جنگی کے شعلے بھڑکتے دیکھ کر اپنی حفاظت کے انتظام زیادہ مضبوط کرنے شروع کر دئے تھے اس کے علاوہ انگریز چونکہ جنگ ہفت سالہ میں فرانس کے حریف تھے اور انہیں کلکتہ کے قریب چندر نگر کی فرانسیسی بستی سے حملے کا خطرہ تھا اس لئے انہوں نے کلکتہ اور فورٹ ولیم میں نئی قلعہ بندیاں شروع کر دی تھیں سراج الدولہ کو ان قلعہ بندیوں کی وجہ سے انگریزوں کی نیت پر شک ہوتا تھا کیونکہ حیدر آباد میں ناصر جنگ کے انجام اور فرانسیسی تسلط کی نظیر اُس کے سامنے تھی۔

سراج الدولہ کی خالہ گھسیٹی بیگم اور اس کا مشیر راج بلبھ سراج الدولہ کے خلاف انگریزوں کے ساتھ ساز باز کرنا چاہتے تھے۔ پورنیا کا فوجدار

شوکت جنگ بھی انگریزوں کی مدد سے سراج الدولہ کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا تھا۔

سراج الدولہ علی وردی خان کی طرح جانتا تھا کہ اُس کے غدار افسر اور بے وفا رشتہ دار انگریزوں کی طاقت کا سہارا لے کر اُسے مصیبت میں گرفتار کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ انگریزوں نے بڑی سرکشی اور بدتمیزی کا رویہ اختیار کر رکھا تھا اور ان قلعہ بندیوں کا کام رد کئے پر کسی طرح رضامند نہ ہوتے تھے چنانچہ سراج الدولہ نے تہیہ کر لیا کہ وہ انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز مورخ اُس پر طرح طرح کے جھوٹے الزام تراشتے ہیں اور اس کے متعلق غلط بیانی کرتے ہیں کہ سراج الدولہ بڑا ضدی مغرور اور ظالم نواب تھا حقیقت یہ ہے کہ سراج الدولہ ایک اعلیٰ کیریکٹر کا نوجوان ہوشمند سیاست دان۔ بہادر سپاہی اور وطن کی آزادی کا پہلا انگریز دشمن مجاہد تھا اُس نے بروقت اس خطرے کا احساس کر لیا تھا کہ انگریز فرانسیسیوں کی طرح ملکی معاملات میں دخل دے کر اپنی سلطنت کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں جب انگریزوں نے کلکتہ میں فورٹ ولیم کی قلعہ بندیاں توڑنے سے انکار کیا تو سراج الدولہ کو مجبوراً انگریزوں پر فوج کشی کرنا پڑی اُس نے حملہ کرکے قاسم بازار کے کارخانے پر تسلط جما لیا اور پھر بڑھ کر معمولی سی لڑائی کے بعد کلکتہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ انگریزی افسر اور سپاہیوں نے سمندر کے راستے بھاگ کر جان بچائی۔

اس شکست فاش کی خبر جب مدراس پہنچی تو انگریز حاکموں نے رابرٹ کلائیو کو فوج دے کر نواب سے بدلہ لینے کے لئے روانہ کیا اور امیرالبحر واٹسن کو جنگی جہازوں کا بیڑہ ہمراہ دے کر کلائیو کی مدد کے لئے روانہ کیا کلائیو نے کلکتہ پر زبردست حملہ کرکے نواب کی توجوں کو بھگا دیا اور ۱۲ جنوری ۱۷۵۷ء کو کلکتہ فتح کر لیا۔ اب نواب سراج الدولہ نے انگریزوں سے صلح نامہ کرکے انہیں بنگال میں محصول ادا کئے بغیر تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ اُنہیں

اپنی قلعہ بندیاں بحال کرنے کا اختیار بھی دیا گیا اور نقصانات کے معاوضہ کے طور پر نقد رقم بھی دی گئی۔

یہ صلح درحقیقت ایک عارضی جنگ بندی تھی ورنہ نواب سراج الدولہ اور انگریز دونوں ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لئے اندر ہی اندر تجویزیں سوچ رہے تھے۔

کلایو نے اب ایک نہایت گھٹیا قسم کی سازش شروع کی جس سے اُس کی اخلاقی گراوٹ کا پتہ چلتا ہے اُس نے سراج الدولہ کے بہنوئی اور سپہ سالار میر جعفر کو نوابی کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور اس غدار نے اپنی ذاتی خود غرضی اور فائدہ کے لئے اپنے آقا سے نمک حرامی کرنے کا وعدہ کر لیا اس سازش میں ایک بنیا امین چند بھی شریک تھا اور کلایو نے اُسے نواب کے خزانہ کا ایک چوتھائی حصہ ادا کرنے کے وعدہ کا پروانہ لکھ دیا لیکن اس پروانے کی دو نقلیں بنائی گئیں ایک میں اس انعام کا کچھ ذکر نہ تھا اور ایک میں یہ وعدہ درج تھا کلایو نے چاہا کہ واٹسن بھی اس جعلسازی میں شامل ہو لیکن واٹسن نے اس بےایمانی کو گوارا نہ کیا کلایو نے خود ہی واٹسن کے جعلی دستخط کر کے وعدے والا پروانہ امین چند کو دکھا کر اُسے اپنے ساتھ ملا لیا اب کلایو نے نواب پر وعدہ شکنی کا الزام لگا کر مرشد آباد پر چڑھائی کی ٹھانی اور پلاسی کے میدان میں فوجیں لے کر آ ڈٹا۔ نواب بھی مقابلہ کے لئے نکلا لیکن میر جعفر کی فوجیں دور کھڑی تماشا دیکھتی رہیں اور ٹس سے مس نہ ہوئیں آخر نواب سراج الدولہ شکست کھا کر مرشد آباد کی طرف بھاگا لیکن میر جعفر کے بیٹے میرن کے ہاتھوں شہید ہو گیا اس طرح آزادی وطن کا یہ پروانہ میر جعفر کی وطن دشمنی اور غداری کی نذر ہو گیا۔

پلاسی کی جنگ کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے انگریزوں کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی حکومت پر چھا جانے کا موقعہ مل گیا اور اس ملک کے وسائل سے ملک میں انگریزی سلطنت کی بنیادیں استوار کرنے اور فرانسیسیوں کو ہندوستان سے باہر نکالنے میں مدد ملی۔ میر جعفر نے کلایو اور دوسرے انگریزوں کو نقد انعام اور جاگیروں سے مالا مال کر دیا وہ خود اب انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا۔ پلاسی کی فتح انگریزی سلطنت کا

سنگ بنیاد ثابت ہوئی اور اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی ملک کی حکومت
کی حصہ دار اور بعد میں مالک بن گئی۔ پلاسی کے فاتح کلایو کو اسی لئے
ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا بانی کہا جاتا ہے۔

انگریزوں نے میر جعفر کو ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی میں غداری
کرنے کے صلہ میں بنگال کا نواب تسلیم کر لیا۔ میر جعفر نے چوبیس پرگنہ
کی زمینداری ایسٹ انڈیا کمپنی کو عطا کر دی اور وعدہ کیا کہ وہ
انگریزوں کے سب دشمنوں کو چاہے وہ یوروپین ہوں یا ہندوستانی
اپنا دشمن خیال کرے گا اور جب کبھی اپنی مدد کے لئے انگریزی فوجیں
طلب کرے گا تو ان کا کل خرچ اس کے ذمہ ہوگا۔ ان شرائط کی وجہ
سے میر جعفر کمپنی کے ہاتھوں بک گیا اور انگریزوں کے رحم و کرم پر پڑ گیا۔ میر جعفر
نے کمپنی کو ایک کروڑ ستر ہزار روپئے اور افسروں کو بارہ لاکھ پچاس ہزار
پونڈ ادا کئے جس سے اس کا اپنا دیوالہ پٹ گیا ادھر مغل شاہزادہ علی گوہر
شجاع الدولہ نواب اودھ کی مدد سے بہار پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا
اور مرہٹے بھی موقعہ کی تلاش میں تھے میر جعفر کو اپنی غداری کی
وجہ سے عوام پر بھی بھروسہ نہ تھا اس لئے اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کا
سہارا لینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا اس وجہ سے حکومت کی باگ
ڈور در اصل نواب کی بجائے ایسٹ انڈیا کمپنی کی کلکتہ کونسل کے
ہاتھ میں تھی ۱۷۵۹ء میں کلایو نے مغل شاہزادہ علی گوہر اور شجاع الدولہ
کی متحدہ فوجوں کو بہار سے پرے دھکیل کر کے سرحد محفوظ کر لی۔
میر جعفر کو پھر انگریز افسروں کو انعامات دینے پڑے ان آئے دن
کے مطالبوں سے تنگ آ کر میر جعفر نے ولندیزوں سے ساز باز
شروع کر دی لیکن کلایو کو بر وقت پتہ چل گیا اور اس نے کرنل فورڈ

کو ولندیزوں کے قلع قمع پر مامور کیا نومبر ۱۷۵۹ء میں ولندیزوں کو بڈیرہ کے مقام پر شکست فاش ہوئی اور انہوں نے انگریزوں کو دس لاکھ روپیہ تاوان جنگ ادا کیا۔ میر جعفر کی انگریزوں سے مخلصی پانے کی اُمیدیں بھی مٹی میں مل گئیں۔ فروری ۱۷۶۰ء میں کلایو انگلستان چلا گیا اور اس کی جگہ وین سٹارٹ (VANSITTART) کلکتہ کا گورنر مقرر ہوا اور ۱۷۶۴ء تک اس عہدہ پر فائز رہا اس کے دَور میں جب میر جعفر انگریزوں کو مزید روپیہ ادا نہ کر سکا اور اُس کا لڑکا میرن بھی بجلی گرنے سے ہلاک ہو گیا تو وین سٹارٹ نے ۱۷۶۰ء میں میر جعفر کو گدی سے اُتار کر اُس کے داماد میر قاسم کو گدی پر بٹھا دیا میر جعفر مرشد آباد چھوڑ کلکتہ جا آیا اور میر قاسم حکومت کرنے لگا۔

نواب میر محمد قاسم خان بہادر

۱۷۶۰ء ـــــــ ۱۷۶۳ء

میر قاسم نے گدی سنبھالنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک نیا معاہدہ کیا جس کی رو سے وعدہ کیا گیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی یوروپین اور تلنگی فوج ہر وقت میر قاسم کی مدد کے لئے تیار رہے گی اور اس کے عوض بردوان۔ مدنا پور اور چاٹگانگ کے ضلعے ایسٹ انڈیا کمپنی کو عطا کئے جائیں گے میر قاسم نے انگریز افسروں کو خوش کرنے کے لئے انہیں تحفے اور رشوتیں بھی دیں۔

میر قاسم بڑا قابل اور مدبر حاکم تھا اُس نے تخت نشین ہوتے ہی ملکی انتظام میں اصلاحات شروع کر دیں اور مالی انتظام اس حد تک بہتر ہو گیا کہ میر قاسم نے انگریز ساہو کاروں اور کمپنی کے قرضے ادا کر دئے اور ملک کی آمدنی بڑھ کر دگنی ہو گئی۔ میر قاسم انگریزوں کا کٹھ پتلی بنا نہ رہنا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ ملک کی آزادی اور رعایا کی خدمت کے لئے کچھ کر سکے یہ چیز ایسٹ انڈیا کمپنی کے رشوت خور کارندوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی چنانچہ میر قاسم اور کمپنی میں اختلاف پیدا ہونے شروع ہو گئے۔

انگریزی کمپنی کو یہ رعایت حاصل تھی کہ وہ ملک میں بغیر محصول ادا کئے تجارت کر سکتے تھے لیکن میر جعفر کے دور میں کمپنی کے ملازموں نے اپنی پرائیویٹ تجارت بھی شروع کر دی اور اُن کا مال بھی محصول کے بغیر لایا لے جانے لگا یہ ایک طرح کی بد دیانتی اور اس رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش تھی اب ان ملازموں کے حوصلے اتنے بڑھے کہ وہ ہندوستانی بستیوں کا مال بھی بغیر محصول ادا کئے لائے لے جانے میں اُن کے شریک بن گئے۔ نواب کی حکومت پر پہلے ہی مالی بوجھ زیادہ تھا اب اس بد دیانتی سے اُس کی مالی حالت پر اور بھی بُرا اثر پڑنے لگا۔ نواب میر قاسم نے اس معاملہ پر کمپنی کی توجہ دلائی اور زور دیا کہ کمپنی کے ملازموں کو پرائیویٹ تجارت اور ہندوستانی بستیوں کے مال پر محصول سے بچنے سے باز رکھا جائے یہ مطالبہ بالکل مناسب اور حق و انصاف پر مبنی تھا۔ لیکن کمپنی کے خود سر رشوت ستان اور بد دیانت افسروں نے کان نہ دھرا۔ آخر مجبور ہو کر میر قاسم نے محصول بالکل اڑا دیا اس سے انگریزی مال کو ہندوستانی تاجروں کے مال سے سخت مقابلہ پیش آیا۔ ہندوستانی تاجروں کی تجارت بھی بڑھی اور کمپنی کے ملازموں کی ناجائز منافع خوری پر سخت چوٹ پڑی۔ اب انگریزوں نے میر قاسم کی شدید مخالفت شروع کر دی میر قاسم پہلے ہی مرشد آباد سے اپنا صدر مقام مونگھیر (نزد پٹنہ بہار) منتقل کر چکا تھا تاکہ کلکتہ سے دُور رہے۔ اب پٹنہ میں انگریز حاکم ایلیس نے سر اٹھایا اور اُس کے ایما پر میجر ایڈمس ایک ہزار یورپین اور چار سو دیسی سپاہی لے کر میر قاسم کے مقابلے کے لئے مونگھیر پر چڑھ آیا۔ میر قاسم کے پاس تقریباً بیس ہزار فوج تھی لیکن اس کے جرنیل نکمے تھے میر قاسم مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور بھاگ کر پٹنے چلا آیا جہاں اُس نے دو سو انگریز قیدیوں کو قتل کر کے اپنا غصہ ٹھنڈا کیا اس پر باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی اور دو لڑائیوں میں شکست کھا کر میر قاسم اودھ کی طرف بھاگ گیا کمپنی

نے پھر میر جعفر کو نواب بنا دیا نواب نے کمپنی کی رعائتیں بحال کر دیں
اور پھر لاکھوں روپے انگریزوں کو تحفے اور رشوتیں دینے میں صرف
کئے میر قاسم اب مغل شہنشاہ اور نواب اودھ کی مدد حاصل کر کے
آخری بار قسمت آزمائی کی کوشش کرنے لگا

میر قاسم کی درخواست پر مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی (یعنی شہزادہ
علی گوہر) اور نواب شجاع الدولہ والئے اودھ نے مل کر انگریزوں کے
خلاف متحدہ محاذ بنانے اور انہیں ملک سے باہر نکالنے کی تجویز بنائی ان
تینوں کی متحدہ فوجیں مقابلہ کے لئے پٹنہ اور بنارس کے درمیان بکسر کے
میدان میں جمع ہوئیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جنرل ہیکٹر منرو
مقابلہ پر آیا اور ۲۲ اکتوبر ۱۷۶۴ء میں بکسر کی مشہور لڑائی ہوئی
جس میں ہندوستانی فوجیں شکست کھا گئیں۔ میر قاسم بھاگ کر دہلی
میں روپوش ہو گیا جہاں انتہائی گمنامی اور تنگ دستی میں وہ ۱۷۷۷ء
میں مر گیا۔

اہمیت۔ شاہ عالم ثانی انگریزوں کی پناہ میں آ گیا اور شجاع الدولہ
بھاگ کر روہیلکھنڈ چلا گیا۔ مغل شہنشاہ کی شکست سے ایسٹ انڈیا کمپنی
کا سیاسی وقار بہت بڑھ گیا سچ تو یہ ہے کہ جنگ پلاسی سے کہیں
زیادہ جنگ بکسر ہی ہندوستان میں برطانوی حکومت قائم ہونے کا
پیش خیمہ ثابت ہوئی بعد میں لارڈ کلائیو کی کوشش سے شاہ شجاع الدولہ
نے کمپنی کو پچاس لاکھ روپیہ تاوان جنگ ادا کیا اور شاہ عالم نے
بنگال بہار اور اڑیسہ کی حکومت دیوانی کمپنی کو سونپ دی اس طرح
ایک تجارتی کمپنی بنگال بہار اور اڑیسہ کی حکومت کی مالک بن
بیٹھی اور آہستہ آہستہ سارے ملک پر چھا گئی۔ بکسر کی فتح نے صحیح
معنوں میں ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کے قیام کا سنگ بنیاد رکھا

جس پر دو سے سال کے عرصے میں ایک رفیع الشان عمارت کھڑی ہوگئی اور
اس کمارکی سے کشمیر اور سرحد افغانستان سے برما تک برطانیہ کا جھنڈا
لہرانے لگا۔

میر جعفر نے دوسری بار گدی پر بیٹھنے کے چند ماہ بعد ہی اگلے
جہان کی راہ لی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا نجم الدولہ نواب بنایا گیا لیکن اپنے
باپ کی طرح وہ بھی صرف نام ہی کا نواب تھا حکومت کی باگ ڈور پوری
طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ تھی اس دور میں کمپنی کے ملازموں نے بددیانتی
رشوت خوری اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا اور ملک کی حالت بد
سے بدتر ہونی شروع ہوگئی آخر ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگلستانی ڈائرکٹروں
نے دوبارہ کلایو کو گورنر بنا کر بنگال روانہ کیا تاکہ اس صورت حال پر قابو
پایا جا سکے۔

رابرٹ کلایو

رابرٹ کلایو ۱۷۲۵ء میں انگلستان کے ایک گاؤں
کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا اس کا بچپن
گاؤں میں ہی گذرا اور اس نے پڑھنے پڑھانے کی بجائے آوارہ گردی
میں زیادہ وقت گذارنا شروع کیا چوری کرنے اور جھوٹ بولنے میں وہ

بڑا طاق تھا لیکن تھا بڑا منچلا اس کے باپ نے اسے اپنے گلے سے اتارنے
کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک معمولی کلرک بھرتی کروا دیا اور کلایو
مدراس چلا آیا اسے کلرکی سے بالکل رغبت نہ تھی اس نے کوشش کر کے
اپنا تبادلہ فوج میں کروا لیا۔ پہلے پہل فرانسیسیوں کے سینٹ ڈیوڈ پر
حملے کے وقت کلایو نے بڑی مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے کر
ناموری حاصل کی اور اسے پہلی ترقی ملی اور وہ فوج کا ایک چھوٹا سا

عہدہ دار بن گیا اس کے بعد کرناٹک کی دوسری لڑائی کے دوران میں

محاصرہ ارکاٹ اور اس کی فتح سے کلایو نے جنگ کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ کلایو نے اپنی بہادری اور جنگی جوڑ توڑ سے فرانسیسیوں پر اپنی دھاک بٹھا دی اور آخر صحت کی وجہ پر ۱۷۵۳ء میں واپس وطن لوٹ گیا ۱۷۵۶ء میں کلایو کو فورٹ سینٹ ڈیوڈ (مدراس) کا گورنر مقرر کیا گیا اس دوران میں اُس نے مغربی گھاٹ کے بحری ڈاکوؤں کو پے در پے شکستیں دیں انہی دنوں نواب سراج الدولہ کی فتح کلکتہ اور انگریزوں کی فراری کی خبر مدراس پہنچی سب انگریز افسروں نے اتفاق رائے سے کلایو کو بری فوج کا سالار بنایا اور بنگال روانہ کیا جہاں کلایو نے کلکتہ فتح کر کے انگریزوں کا اثر و رسوخ بحال کر دیا اور اگلے سال پلاسی کی لڑائی میں نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر میر جعفر کو کٹھ پتلی نواب مقرر کیا اور اس طرح سلطنت برطانیہ کی داغ بیل ڈال دی ان شاندار کارناموں سے خوش ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلایو کو کمپنی کے مقبوضات بنگال کا گورنر مقرر کر دیا۔

کلایو کی پہلی گورنری

۱۷۵۷ء —— ۱۷۶۰ء

پلاسی کی جنگ میں دغا بازی رشوت ستانی سازش اور فوجی چالوں سے فتح پانے کے بعد کلایو نے میر جعفر کو کٹھ پتلی نواب بنگال بنا دیا۔ جب مغل شہزادے علی گوہر اور شجاع الدولہ نے بہار کا رخ کیا تو کلایو نے انہیں بھگا دیا کرناٹک کی دوسری لڑائی میں فتح ارکاٹ سے کلایو نے پہلے ہی جنگی شہرت کافی حاصل کی ہوئی تھی اب اُس نے شمالی ہند میں بھی اپنی دھاک بٹھا دی جب میر جعفر نے

کمپنی کی لوٹ کھسوٹ سے تنگ آ کر ولندیزیوں سے ساز باز شروع کی تو کلایو نے بر وقت مداخلت کر کے اس خطرے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور چنسورا کی ولندیزی بستی کو تباہ و برباد کر دیا اور ولندیزیوں کی طاقت کا ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا ۱۷۶۰ء میں خرابی صحت کی

وجہ سے کلایو انگلستان واپس چلا گیا جہاں شاہ جارج سوم اور وزیر اعظم (پیٹ ارل آف چیتھم) نے کلایو کا شاندار خیر مقدم کیا اور اُسے "بیرن کلایو آف پلاسی" کا خطاب دے کر ہاؤس آف لارڈز یعنی دارالامرا کا رکن بنا دیا۔ کلایو جاتی بار لاکھوں روپے ساتھ لے گیا تھا اس کے علاوہ اس کے پاس ایک جاگیر بھی تھی۔ اسی رشوت ستانیوں اور دغا بازیوں کی وجہ سے کئی نیک دل انگریز اُس کے سخت مخالف تھے۔

کلایو کے جانے کے بعد ہالویل اور چند ماہ بعد دین سٹارٹ نے گورنری کا عہدہ سنبھالا لیکن اس دور میں چاروں طرف بدنظمی پھیل گئی کمپنی کے ملازموں کی بددیانتی اور رشوت ستانی انتہا کو پہنچ گئی اور آخرکار نواب میر قاسم اور کمپنی میں اَن بن ہو گئی اور معرکہ بکسر پیش آیا جس میں مغل شہنشاہ نواب اودھ اور میر قاسم کی متحدہ فوجوں کو شکست ہو گئی اس نئی صورت حال میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے دوبارہ کلایو کو فورٹ ولیم کا گورنر مقرر کر کے ہندوستان روانہ کیا۔

کلایو کی دوسری گورنری

۱۷۶۵ء —————— ۱۷۶۷ء

ہندوستان پہنچنے پر کلایو کے سامنے سب سے بڑے مسئلے اول مغل شہنشاہ والئے اودھ اور نواب بنگال کے تعلقات کو نئے سرے سے منظم کرنا اور دوسرے نظام حکومت میں اصلاحات کرنا تھا سب سے پہلے اس نے الہ آباد میں شاہ عالم ثانی اور شجاع الدولہ سے صلح کر لی۔ یہ صلح نامہ صحیح معنوں میں ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا سنگ بنیاد کہا جا سکتا ہے اس کی رُو سے شاہ عالم نے ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ خراج کے عوض بنگال بہار اور اڑیسہ سے مالگذاری وصول کرنے کا حق یعنی دیوانی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کو عطا کر دی۔ الہ آباد اور

کڑا کے اضلاع شاہ عالم ثانی کے ذاتی تصرف میں رکھے گئے اور اودھ کا باقی علاقہ شجاع الدولہ والئے اودھ کو دے دیا گیا لیکن اُسے پچاس لاکھ روپے تاوان جنگ کے طور پر انگریزوں کو ادا کرنے پڑے انگریزوں اور شجاع الدولہ نے مرہٹوں کے خلاف باہمی دفاعی معاہدہ بھی کر لیا اب ایسٹ انڈیا کمپنی محض تجارتی ادارہ نہ رہی نہ ہی وہ کٹھ پتلی نوابوں کی تابع بلکہ حکومت کرنے والا گروہ بنی رہی بلکہ اب وہ قانونی طور پر ملک کی حکومت میں شریک تھی نواب بنگال کی رہی سہی حیثیت بھی جاتی رہی اور کمپنی نے حکومت پر پوری طرح قبضہ کر لیا اور نواب بنگال کو ۵۳ لاکھ روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا یہ کلایو کا سب سے بڑا کارنامہ شمار ہوتا ہے۔

حکومت دیوانی کا کام چلانے کے لئے مرشد آباد اور پٹنہ میں دو ہندوستانی نائب دیوان مقرر کئے گئے جو مالگذاری کی وصولی کے انتظام کے ذمہ دار تھے لیکن فوجی انتظام براہ راست کلایو کے ہاتھ میں تھا تاکہ انگریزی اقتدار کو کسی طرح کا خطرہ درپیش نہ آ سکے۔ نواب بنگال نام کو انتظامی معاملات میں حاکم اعلیٰ تھے لیکن اُس کے اختیار میں کچھ نہ تھا اس طرز حکومت کو دو عملی حکومت (Dual-Government) بھی کہتے ہیں اس میں کمپنی کے پاس سب اختیار تھے لیکن رعایا کی بہبودی کی ذمہ داری نہ تھی اور نواب کے ذمہ رعایا کی بہبودی کی سب ذمہ داریاں تھیں لیکن اختیار کچھ نہ تھا اس طرز حکومت سے بالآخر رعایا کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے علاوہ کلایو کی دیگر قابل ذکر اصلاحات یہ تھیں :-

۱- کمپنی کے ملازموں کو بددیانتی رشوت ستانی اور ناجائز منافع خوری سے باز رکھنے کے لئے کلایو نے حکم دے دیا کہ کوئی ملازم کسی شخص سے کسی قسم کا تحفہ قبول نہ کرے نجی تجارت بھی بند کر دی گئی۔

۲- فوج کے سپاہیوں کو جو بھتہ ملتا تھا وہ بھی بند کر دیا گیا۔

۳- نمک کی تجارت کے منافع سے اعلیٰ افسروں کی تنخواہ میں کچھ اضافہ

کر دیا گیا تاکہ اُنہیں ناجائز طریقوں سے دولت اکٹھا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

ان اصلاحات سے فوجی بہت بگڑے لیکن کلایو نے نہایت سختی اور ثابت قدمی سے کام لیا اور بڑی ہمت سے حالات پر قابو پا لیا۔ آخر کار ۱۷۶۷ء میں کلایو اپنے وطن واپس چلا گیا جہاں اس کی دھوکہ دہی۔ رشوت ستانی بددیانتی اور بے ایمانی کی داستانیں پہنچ چکی تھیں چنانچہ لارڈ کلایو پر نیک دل انگریزوں نے مقدمہ قایم کیا اور اُس پر نہایت سنگین الزام عاید کئے گو اُسے بعد میں بری کر دیا گیا لیکن اُسے اپنی ذلت کا اس قدر شدید احساس ہوا کہ اُس نے ۱۷۷۴ء میں خودکشی کر لی ؛

کلایو کو عام طور پر ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا بانی کہا جاتا ہے اس لحاظ سے کہ کلایو پہلا شخص تھا جس نے انگریزوں کا سیاسی اقتدار قایم کیا یہ کہنا صحیح ہے اس نے جس طرح پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ کو شکست دی اور بنگال کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اس سے بالواسطہ طور پر انگریزی سلطنت کی ابتدا ہوئی لیکن جنگ بکسر کے بعد حکومت دیوانی حاصل کر کے کلایو نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ادھر کرناٹک کی دوسری لڑائی میں فرانسیسیوں کو کمر توڑ شکست دے کر برطانوی اقتدار کے سب سے بڑے دشمن کو ٹھکانے لگا دیا اس کے بعد بنگال کے انتظامات کو درست کرنے اور اصلاحات کر کے برطانوی اقتدار کو مستحکم کر دیا لیکن کلایو نہ تو نہایت قابل جرنیل تھا اور نہ ہی اتنا بڑا مدبّر تھا جیسا کہ اُس کے انگریز سوانح نگار ظاہر کرتے ہیں اُس نے انگلستان کی شاندار خدمات ضرور انجام دیں لیکن اس کی دھوکہ دہی جعلسازی۔ رشوت خوری اور بددیانتی اس کی شہرت پر نہایت بدنما داغ ہیں اس کے علاوہ سلطنت برطانیہ کی ہندوستان میں جڑیں مضبوط کرنے میں وارن ہیسٹنگز۔ کارنوالس۔ ویلزلی۔ لارڈ ہیسٹنگز اور ڈلہوزی کے کارنامے کلایو سے کہیں زیادہ شاندار ہیں اور انہیں ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا بانی خیال کرنے کی زیادہ قابل وقعت وجوہات موجود ہیں۔

اس لحاظ سے صرف کلایو کو ہی ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا بانی کہنا تاریخی اور واقعاتی لحاظ سے غلط ہے۔

کلایو کی واپسی کے بعد ۱۷۶۷ء سے ۱۷۶۹ء تک ورلسٹ (VERELST) اور ۱۷۷۰ء سے ۱۷۷۲ء تک کارٹیئر (CARTIER) فورٹ ولیم کے گورنر رہے ان کے عہد میں کوئی خاص سیاسی واقعہ پیش نہ آیا البتہ کلایو کی دو عملی حکومت کا نظام ظلم کی چکی بن کر رعایا کو پیستا رہا۔ کٹھ پتلی نواب اور اُس کے افسر کمپنی کے ملازموں کی پرائیویٹ تجارت اور لوٹ کھسوٹ بند کروانے میں قطعی ناکام رہے اور کلایو کی اصلاحات سے جو تھوڑا بہت فائدہ ہوا تھا وہ بھی ختم ہوگیا ۱۷۶۹ء سے ۱۷۷۰ء تک بنگال میں ایک شدید قحط پڑا جس کی وجہ سے ایک کروڑ انسان موت کا شکار ہوگئے اور تقریباً ⅓ مزروعہ رقبہ بنجر ہوگیا لیکن اس دور میں کمپنی کے افسروں اور کارندوں نے لوگوں کی مصیبت کم کرنے کی بجائے چاول کی ناجائز ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری سے خوب ہاتھ رنگے۔ مالگذاری وصول کرنے میں بھی نہایت بے رحمی اور سختی برتی گئی اس قحط اور بدنظمی کی وجہ سے کئی زمیندار تباہ ہوگئے۔ صنعت و حرفت کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا کمپنی کے ملازموں نے تو خوب روپیہ کمایا لیکن کمپنی کی مالی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی حتےٰ کہ کمپنی کو انگلستان کی حکومت کے سامنے مالی مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے پڑے اور برطانوی پارلیمنٹ کو کمپنی کے معاملات میں براہ راست مداخلت کرنے کا موقعہ ہاتھ آگیا اس تباہ حالی کے مدنظر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے وارن ہسٹنگز کو گورنر بنگال مقرر کر کے روانہ کیا۔

وارن ہیسٹنگز کی ابتدائی زندگی

وارن ہیسٹنگز ایک غریب انگریزی گھرانے میں پیدا ہوا اور تقریباً اٹھارہ برس کی عمر میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک معمولی کلرک بھرتی ہو کر ہندوستان آیا اور اپنی محنت دیانتداری اور قابلیت کی وجہ سے درجہ بدرجہ ترقی کرتے ۱۷۵۷ء میں مرشد آباد میں میر جعفر کے دربار میں ریزیڈنٹ مقرر ہوا ۱۷۶۰ء میں اُسے فورٹ ولیم



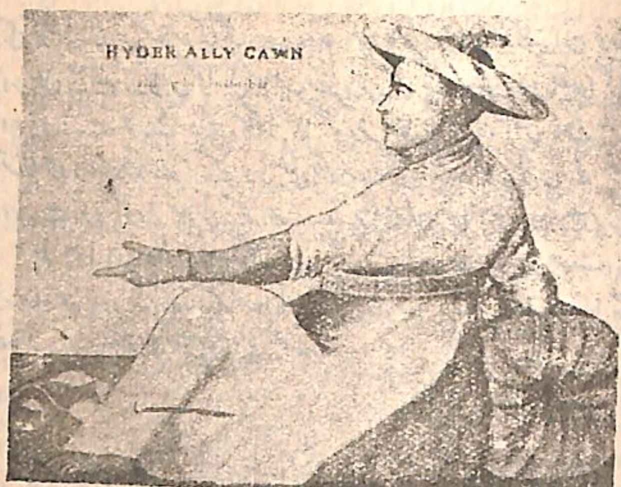
DUPLEIX



LORD CLIVE



WARREN HASTINGS



HAIDAR ALI



TIPPU SULTAN (1782-99)



THE MARQUESS WELLESLEY (1798-1805)

کلکتہ کی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا ۱۷۶۴ء میں وہ واپس انگلستان لوٹ گیا ۱۷۶۹ء میں اُسے مدراس کونسل کا ممبر مقرر کرکے ہندوستان بھیجا گیا اور ۱۷۷۲ء میں اُسے فورٹ ولیم کلکتہ کا گورنر مقرر کیا گیا اس دور میں اُس نے انتظامی اصلاحات کرکے دوعملی حکومت کی تباہ کاریوں کو ختم کیا ۱۷۷۴ء سے وہ گورنر جنرل کے عہدے پر فائز ہوا اس دور میں ریگولیٹنگ ایکٹ نافذ ہوا اور وارن ہیسٹنگز نے بیگمات اودھ۔ راجہ چیت سنگھ والئے بنارس اور نند کمار کے معاملات میں ایسا رویہ اختیار کیا جس پر ہر انصاف پسند لعنت بھیجنے پر مجبور ہوا ؎

وارن ہیسٹنگز کی انتظامی اصلاحات

وارن ہیسٹنگز نے حکومت سنبھالتے ہی نظم ونسق بہتر بنانے کے لئے کئی اصلاحات کیں اور ہندوستان میں برطانوی نظام حکومت میں پیش رَو ہونے کا امتیاز حاصل کیا وارن ہیسٹنگز نے سب سے پہلے یہ جرأت مندانہ فیصلہ کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی خود بحیثیت دیوان ملک کا انتظام سنبھالے گی چنانچہ کلایو کی دو عملی حکومت کا طریقہ موقوف کر دیا گیا اور نواب کے بد دیانت افسروں کو برخاست کرکے رعایا کو اُن کے مظالم سے نجات دلوائی۔ نائب دیوان رضا محمد اور شتاب رائے موقوف کر دئے گئے اور اُن پر مقدمات چلائے گئے لیکن وہ بے قصور ثابت ہوئے کمپنی نے اب فوجی انتظام کے علاوہ مالگذاری اور پولیس کا انتظام اور مقدمات طے کرنے کے فرائض بھی سنبھال لئے۔ ہیسٹنگز نے خزانہ مرشد آباد سے کلکتے منتقل کر دیا۔ کمپنی کا مقبوضہ علاقہ چھ صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا ہر صوبے میں ایک کونسل مقرر ہوئی جو مالگذاری وصول کرنے کے ٹھیکداروں کا تقرر کرتی اور مالیہ اور دیوانی سے متعلق مقدمات کا فیصلہ بھی کرتی تھی اس کے ماتحت

ہر ضلع میں ایک ہندوستانی دیوان مقرر ہوتا تھا جس کی نگرانی کے لئے ایک کلکٹر بھی مقرر ہوتا تھا ان سب صوبائی کونسلوں کے اوپر کلکتہ کی مرکزی کمیٹی آف ریوینیو تھی جس میں گورنر کی کونسل کے دو ممبر اور تین اعلیٰ افسر شامل تھے ان کی مدد کے لئے ایک ہندوستانی "رائے رایاں" ہوتا تھا جو ضلع کے دیوانی حاکموں کے کام کی دیکھ بھال اور پڑتال کیا کرتا تھا۔

مالیہ کی وصولی کے لئے ہیسٹنگز نے پنچ سالہ نظام۔ (Quinquinnial system)۔ جاری کیا جس کے ذریعہ مالیہ وصول کرنے کا اختیار نیلام کر کے سب سے زیادہ بولی دینے والے ٹھیکدار کو دیا جاتا تھا بعد میں سال بہ سال مالیہ کے ٹھیکے نیلام ہونے لگے۔ یہ ٹھیکدار بڑھ چڑھ کر بولیاں دیتے اور پھر ٹھیکہ حاصل کر کے رعایا کی کھالیں اُتار اتار کر ٹھیکہ کی رقم پوری کرتے تھے اس طریقہ سے کمپنی کی آمدنی تو بڑھ گئی لیکن ظلم و تشدد بد دیانتی اور رشوت ستانی سے غریب رعایا کا کچومر نکل گیا۔

ضلعوں میں مال اور فوجداری عدالتیں قائم کی گئیں۔ فوجداری عدالتوں کے لئے نائب ناظم مقرر کئے گئے عدالتیں پنڈتوں اور مفتیوں کی مدد سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ دھرم شاستر اور شریعت کے مطابق کرنے لگیں۔ اپیل سننے کے لئے کلکتہ میں صدر دیوانی عدالت اور صدر نظامت عدالت کا قیام عمل میں آیا۔ ڈاکہ زنی کی سزا پھانسی مقرر ہوئی اور ڈاکوؤں کو اُن کے اپنے گاؤں میں پھانسیاں دی جانے لگیں تاکہ سب کو عبرت حاصل ہو اور تجارت کو فروغ دینے کے لئے وارن ہیسٹنگز نے بہت سے محصول معاف کر دئے غرضیکہ وارن ہیسٹنگز نے انتظام حکومت کو بہتر بنانے کے لئے از حد کوشش کی۔

اب اُس نے کمپنی کی مالی حالت بہتر بنانے کی طرف توجہ دی اُس نے دیکھا کہ مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی مرہٹوں سے ساز باز کر کے دہلی چلا گیا ہے یہ ۱۷۶۳ء کے عہد نامہ کی خلاف ورزی تھی وارن ہیسٹنگز نے یہی بہانہ دھر کے ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ خراج جو کمپنی مغل شہنشاہ کو دیا کرتی تھی بند کر دیا اور الہ آباد اور کڑا کے اضلاع شاہ عالم سے چھین کر شجاع الدولہ نواب اودھ کو دے دئے جس کے عوض اُس سے پچاس

لاکھ روپیہ وصول کیا گیا اسی طرح بے گناہ روہیلوں کے خلاف شجاع الدولہ نواب اودھ کو مدد دے کر چالیس لاکھ روپے وصول کئے گئے۔

جنگ روہیلہ
۱۷۷۴ء

اُتر پردیش کے اضلاع مُراد آباد اور شاہجہانپور اور رام پور کا علاقہ روہیلکھنڈ کہلاتا ہے۔ اس علاقہ میں روہیلے پٹھان آباد تھے۔ علاقہ بڑا زرخیز تھا اور لوگ خوش حال تھے ان پٹھانوں کا سردار حافظ رحمت خاں اس ملک کا نیم آزاد حکمران تھا اُس کا سلوک رعایا سے اس قدر اچھا تھا کہ ہندو مسلم سب اُس کو دل سے چاہتے تھے ادھر شمالی ہند میں مرہٹے عروج پر تھے وہ روہیلکھنڈ پر بھی اپنے ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے اسی ڈر کے مارے حافظ رحمت خاں نے نواب شجاع الدولہ سے ایک دفاعی معاہدہ کیا جس کی رو سے قرار پایا کہ مرہٹوں کے حملہ کی صورت میں نواب شجاع الدولہ حافظ رحمت خاں کی مدد کرے گا اور اس کے عوض میں حافظ رحمت اللہ خاں چالیس لاکھ روپیہ ادا کرنے کا پابند ہوگا اس معاہدہ کے وقت اودھ کا انگریز رزیڈنٹ سر رابرٹ بارکر (SIR ROBERT - BARKER) بھی موجود تھا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی اس معاہدہ میں فریق کی حیثیت سے شامل نہ ہوئی تھی لہٰذا اس کے پورا ہونے یا خلاف ورزی سے کوئی سروکار نہ تھا ۱۷۷۳ء میں مرہٹوں نے روہیلکھنڈ پر چڑھائی کی نواب شجاع الدولہ نے حسب وعدہ امداد کے لئے فوج روانہ کی لیکن ابھی کوئی لڑائی بھی نہ ہوئی تھی کہ مرہٹے اُلٹے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ نواب شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خان سے چالیس لاکھ روپیہ طلب کیا لیکن حافظ رحمت خان نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ نواب کی فوج نے کسی لڑائی میں حصہ ہی نہیں لیا اس لئے روپیہ ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

نواب شجاع الدولہ نے وارن ہیسٹنگز کو یہ لالچ دے کر کہ اگر کمپنی کی فوجیں روہیلوں کے خلاف جنگ میں اس کی مدد کریں تو وہ کمپنی کو چالیس

لاکھ روپیہ ادا کرے گا راضی کر لیا کمپنی کی مالی حالت پتلی تھی اس لئے وارن ہیسٹنگز نے اس دعوت کو قبول کر کے کمپنی کے امدادی دستے نواب کے حوالے کر دئے اب متحدہ فوجوں نے روہیلکھنڈ پر حملہ کر دیا اور کٹرا ضلع شاہجہان پور میں گھمسان کا رن پڑا جس میں روہیلے لڑتے لڑتے کٹ مرے اور شکست کھا گئے اب اودھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجوں نے سارے ملک کو تاراج کر دیا غریب رعایا پر بے پناہ ظلم توڑے اور لوٹ مار کر کے سارے ملک کو برباد کر دیا البتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو چالیس لاکھ روپے ضرور مل گئے۔

وارن ہیسٹنگز کا اس وحشیانہ جنگ میں شریک ہونا اُس کے نام پر ہمیشہ کلنک کا ٹیکا رہے گا۔ اول تو شجاع الدولہ کو حافظ رحمت خان سے بغیر جنگ چالیس لاکھ روپیہ طلب کرنے کا کوئی اخلاقی یا قانونی حق نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو یہ تصفیہ اودھ اور روہیلکھنڈ کا تھا کمپنی کو اس معاملہ میں دست اندازی کرنے کا قطعاً کوئی حق نہ تھا وارن ہیسٹنگز نے محض روپے کی لالچ کی وجہ سے اپنی فوجوں کو ایک ظالم نواب کے حوالے کر کے روہیلکھنڈ کی غریب رعایا کا خون بہانے میں ہاتھ بٹایا حالانکہ ان غریبوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف کبھی تنکا تک بھی نہ اٹھایا تھا۔ علاوہ ازیں کمپنی کی فوجوں کی لوٹ مار کو کسی طرح بھی حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا چنانچہ اُس زمانے کے انصاف پسند انگریزوں نے بھی وارن ہیسٹنگز کے اس شرمناک کارنامے پر اظہار نفرت کیا تھا وارن ہیسٹنگز اس جنگ کے جواز میں یہ دلیل دیتا تھا کہ مرہٹوں کا زور روکنے اور بنگال کو اُن سے محفوظ رکھنے کے لئے اس جنگ میں حصہ لینا کمپنی کے لئے ضروری تھا لیکن یہ بالکل بودی دلیل ہے در اصل اُس نے صرف چالیس لاکھ روپے حاصل کرنے کے لئے اپنی اخلاقی گراوٹ کا ثبوت دیا اور اس کے اس رویہ کو کسی طرح بھی حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا اور غیر جانبدار مورخ کبھی اس کا جرم معاف نہیں کر سکتا۔

ریگولیٹنگ ایکٹ ۱۷۷۳ء
REGULATING ACT.

۱۷۵۷ء کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی حیثیت سے کہیں زیادہ ملک میں اس کو سیاسی حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور برطانوی پارلیمنٹ اسی وقت سے اس کے معاملات پر پورا کنٹرول پانے کی خواہشمند تھی لیکن کمپنی کے ڈائریکٹر اپنی منافع خوریوں میں کسی دوسرے کی دست اندازی برداشت کرنے کو کہاں تیار ہوتے پالآخر کلایو کے عہد حکومت کی شرمناک سفاکی اور اس کے بعد قحط و وبا سے ملک تباہ و برباد ہوگیا تو کمپنی کو بھی گھاٹے میں گھاٹا پڑنا شروع ہوگیا اور کمپنی کی مالی حالت ایسی پتلی ہوگئی کہ اس کو حکومت انگلستان کے آگے مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے پڑے پارلیمنٹ تو پہلے ہی ایسے موقعہ کی تلاش میں تھی انہوں نے کمپنی کے معاملات کی پوری تحقیق کے لئے ایک کمیٹی بٹھا دی اس کمیٹی نے پوری چھان بین کے بعد ایک سخت رپورٹ تیار کر کے پارلیمنٹ کو بھیجی اب پارلیمنٹ نے کمپنی کے معاملات اور انتظام کو بہتر بنانے کے لئے ایک قانون پاس کیا جسے ریگولیٹنگ ایکٹ کہتے ہیں یہ پہلا قانون تھا جو برطانیہ کی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے لئے وضع کیا اور اس طرح پہلی بار پارلیمنٹ نے مؤثر طریقے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں دخل دیا اس ایکٹ کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظام حکومت کے لئے مندرجہ ذیل اصول اور قاعدے وضع کئے گئے :-

۱- کمپنی کے سرمایہ کے حصہ داروں کی جماعت یعنی کورٹ آف پروپرائٹرز (COURT OF PROPRIETORS) کے ڈائرکٹر چننے کے حق پر پابندیاں عاید کر دی گئیں۔ اب ہر کوئی ڈائرکٹر چار برس کے لئے منتخب ہوتا تھا اور کورٹ آف ڈائرکٹرز (COURT OF DIRECTORS) کی تعداد ۲۴ مقرر کی گئی یہ بھی طے کیا گیا کہ ڈائرکٹر ہندوستان کے مالیات اور سول اور فوجی انتظامات کے متعلق سب خط و کتابت

حکومت برطانیہ کے ایک وزیر کے سامنے پیش کیا کریں گے تاکہ حکومت انگلستان ہر طرح آگاہ رہے اور معاملہ کی نگہداشت کر سکے

۲- ہندوستان کی حکومت کے لئے وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل مقرر ہوا اور اُس کی مدد کے لئے چار ممبروں کی ایک کونسل مقرر ہوئی جس کونسل کے ممبر کلیورنگ (CLAVERING) مانسن (MONSON) بارویل (BARWELL) اور فلپ فرانسس (PHILIP FRANCIS) تھے۔ سب معاملات کثرت رائے سے ہوتے تھے اور صرف اختلاف رائے کی صورت میں جب برابر ووٹ ہوں تو گورنر جنرل کو کاسٹنگ ووٹ (CASTING VOTE) دینے کا اختیار تھا چونکہ کونسل کے زیادہ ممبر وارن ہیسٹنگز کے خلاف تھے اس لئے اُسے انتظام حکومت میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۳- گورنر جنرل اور کونسل بنگال میں احاطہ فورٹ ولیم کے فوجی اور سول انتظامات کے ذمہ دار تھے اور بنگال بہار اور اُڑیسہ میں برطانوی مقبوضات اور مالگذاری کے انتظام کے ذمہ دار تھے گورنر جنرل ہندوستان کے دوسرے مقبوضات کی حکومت کی جو احاطہ بمبئی اور احاطہ مدراس کے گورنروں کے ماتحت تھی دیکھ بھال کا بھی ذمہ دار قرار دیا گیا اور صلح و جنگ کا اختیار گورنر جنرل کے سپرد کیا گیا۔ خاص حالات میں مقامی گورنروں کو خود یہ اختیار استعمال کرنے میں بھی حق باقی رہا۔

۴- کلکتہ میں ایک عدالت عالیہ (SUPREME COURT OF JUSTICE) قائم کی گئی جس کا چیف جسٹس سر ایلیجا ایمپے (SIR ELI-JAH EMPEY) کو مقرر کیا گیا اور اس کے علاوہ تین دیگر جج بھی مقرر کئے گئے۔

۵- کمپنی کے ملازموں کو تحفے قبول کرنے نذرانہ لینے اور نجی تجارت کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔

۶۔ گورنر جنرل۔ ممبران کونسل اور عدالت عالیہ کے ججوں کو بڑی گران قدر تنخواہیں دی گئیں تاکہ وہ رشوت خوری اور بد دیانتی سے باز رہیں اور ہندوستانی رعایا اُن کی لوٹ کھسوٹ اور ظلم سے محفوظ رہ سکے۔

چند اہم نقائص

ریگولیٹنگ ایکٹ میں گورنر جنرل اور کونسل کے احاطۂ اختیارات اور سپریم کورٹ اور حکومت بنگال کے باہمی تعلقات کی تشریح صاف اور واضح نہ تھی۔ گورنر جنرل کونسل کی کثرت رائے کا پابند تھا چونکہ کونسل کے زیادہ ممبر وارن ہیسٹنگز کے ذاتی مخالف تھے۔ اس لئے اُسے انتظام حکومت کے چلانے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لئے گورنر جنرل اور کونسل اور عدالت عالیہ میں نت نئے جھگڑے کھڑے ہوتے رہتے تھے یہ اس ایکٹ کا سب سے بڑا نقص تھا۔

گورنر جنرل اور احاطۂ بمبئی اور احاطہ مدراس کے گورنروں کے تعلقات بھی واضح نہ تھے اور بمبئی اور مدراس کے گورنر خاص ہنگامی حالات کا بہانہ کرکے من مانی کاروائیاں کرتے رہتے تھے اور گورنر جنرل کے کنٹرول سے تقریباً آزاد تھے۔

سپریم کورٹ انگریزی قانون کے مطابق فیصلہ کرتا تھا حالانکہ ہندوستانی رعایا اخلاقی یا قانونی طور پر اس کی پابند نہ تھی اس لئے کئی بار اس عدالت کے فیصلوں سے ہندوستانیوں کو سخت بے انصافی اور سختی کا سامنا کرنا پڑتا تھا کمپنی کی صدر دیوانی عدالت ملکی رواج اور قانون کے مطابق فیصلے کرتی تھی اس لئے ان دو عدالتوں میں دو مختلف قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے تھے جن کی وجہ سے کئی بار ان کی آپس میں ٹکر ہو جاتی تھی بعد میں اس اختلاف کو مٹانے کے لئے وارن ہیسٹنگز نے سر ایلیجا ایمپے کو صدر دیوانی عدالت کا بھی اعلیٰ جج بنا دیا۔ لیکن اُس کی اس کاروائی پر سخت نکتہ چینی کی جانے لگی۔

ان خرابیوں کی بناء پر ریگولیٹنگ ایکٹ کی ترمیم کرنا پڑی اور پٹس انڈیا بل کے ذریعے ان نقائص کو دور کیا گیا۔

ریگولیٹنگ ایکٹ کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ہندوستان کے

برطانوی نظام حکومت کے لئے یہ ایکٹ سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے یہ برطانوی پارلیمنٹ کا پہلا قانون تھا جس میں ہندوستانی نظام حکومت کے لئے اصول وضع کئے گئے تھے برطانوی ہند کے بعد کے آئینی قانون اسی کی بنیاد پر وضع کئے گئے جن میں بتدریج سیاسی تبدیلیاں ہوتی رہیں تاآنکہ بالآخر ۱۹۴۷ء کے قانون آزادیٔ ہند کی رُو سے ملک مکمل طور پر برطانوی تسلط سے آزاد ہوا اور ملک میں ایک آزاد خودمختار جمہوری حکومت قایم ہوئی۔

وارن ہیسٹنگز بحیثیت گورنر جنرل بنگال

۱۷۷۴ء ——— ۱۷۸۴ء

وارن ہیسٹنگز اور کونسل

ریگولیٹنگ ایکٹ کے تحت وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل مقرر ہوا لیکن اُسے ہر معاملہ میں کونسل کی اکثریت کی رائے کے مطابق کام کرنا پڑتا تھا۔ کونسل میں فلپ فرانسس اُس کا سب سے بڑا دشمن تھا اُس نے دو ممبر اور اپنے ساتھ ملا لئے یہ تینوں جو رائے دیتے تھے گورنر جنرل کو قانوناً وہی کرنا پڑتا تھا گورنر جنرل اُن کے سامنے ایک کٹھ پتلی کی حیثیت اختیار کر گیا تھا شروع شروع میں تو ہر بات گورنر جنرل کی مرضی کے خلاف ہی طے ہوتی رہی اور فلپ فرانسس نے ہر ممکن طریقے سے وارن ہیسٹنگز کو ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی آخر دو برس بعد مانسن مر گیا اور تیسرے سال کلیورنگ بھی اس جہان سے سفر کر گیا اب فلپ فرانسس اکیلا رہ گیا اور آخرکار ۱۷۸۰ء میں وہ بھی انگلستان لوٹ گیا اس جھگڑے اور دشمنی کے زمانے کا ایک قابل ذکر واقعہ راجہ نند کمار کی پھانسی ہے جس کا مفصل ذکر آئندہ کی سطور میں کیا جائے گا۔

سوال نمبر ۷۷ :- مرہٹوں کی پہلی جنگ کے حالات لکھئے۔ اس کے نتائج کیا تھے؟

مرہٹوں کی پہلی جنگ
۱۷۷۵ء ـــــــ ۱۷۸۲ء

چوتھے پیشوا مادھو راؤ کے ۱۷۷۲ء میں انتقال کے بعد اس کا چھوٹا بھائی نارائن راؤ گدی پر بیٹھا۔ لیکن اس کا چچا رگھوناتھ راؤ جو تاریخ میں رگھوبا کے نام سے مشہور تھا نارائن راؤ کی مخالفت پر اتر آیا اور آخر اسے موت کے گھاٹ اتروا کر خود پیشوا بن بیٹھا نارائن راؤ کے دفادار مشیر اور وزیر نانا فرنویس نے رگھوبا کو پیشوا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور نارائن راؤ کے چند مہینوں کے بیٹے مادھو راؤ نارائن کو پیشوا بنا کر اس کے نام پر حکومت کرنے لگا مرہٹہ سردار ہلکر، سیندھیا اور گائیکواڑ نے بھی مادھو راؤ نارائن کو پیشوا اور نانا فرنویس کو اس کا سرپرست تسلیم کر لیا اب رگھوبا اور نانا فرنویس میں چل پڑی اور مرہٹوں میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے۔

جب رگھوبا نے دیکھا کہ بڑے بڑے مرہٹہ سردار نانا فرنویس کے ساتھ مل گئے ہیں تو اس نے انگریزوں سے مدد چاہی احاطہ بمبئی کی انگریزی حکومت مدت سے سالسٹ اور بسین کے جزیرے حاصل کرنے کی خواہشمند تھی جو مرہٹوں نے پرتگیزوں سے چھینے تھے چنانچہ رگھوبا نے عہد نامہ سورت ۱۷۷۵ء کی رو سے اقرار کیا کہ اگر انگریز نانا فرنویس کے خلاف اس کی مدد کریں گے تو وہ سالسٹ اور بسین کے جزیرے حکومت بمبئی کے حوالے کر دے گا۔ عہد نامہ سورت ریگولیٹنگ ایکٹ کے سراسر خلاف تھا کیونکہ صلح و جنگ کا اختیار حکومت بمبئی کو نہیں بلکہ گورنر جنرل بنگال کو حاصل تھا اور عہد نامہ سورت پر دستخط کرنے سے پہلے گورنر بمبئی نے گورنر جنرل کی اجازت حاصل نہ کی تھی لہذا وارن ہیسٹنگز نے عہد نامہ سورت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خود نانا فرنویس سے پورندھر کا عہد نامہ طے کیا اس عہد نامہ کی رو سے نانا فرنویس نے انگریزوں سے مدد حاصل کرنے کے لئے انہیں سلطنت کا جزیرہ عطا کرنے کا

لندن سے عہد نامہ سورت کی منظوری بھیج دی اور گورنر جنرل کو مجبوراً عہد نامہ پورندھر ترک کرنا پڑا اب انگریزی فوجیں رگھوبا کی مدد کے لئے میدان میں اُتریں۔

انگریزی فوج نے پونا کی طرف بڑھنا شروع کیا ادھر سے سیندھیا کی فوجیں نانا فرنویس کی طرف سے مقابلہ کے لئے نکلیں اور تال گاؤں کے مقام پر سخت مقابلہ ہوا جس میں انگریزوں کو منہ کی کھانی پڑی اور وہ صلح کے لئے مجبور ہو گئے وارگاؤں (WARGAON) کے مقام پر ایک عہد نامہ ہوا جس کی رو سے انگریزوں نے سب مفتوحہ علاقہ واپس کرنے اور رگھوبا کو نانا فرنویس کے حوالے کرنے کا عہد کیا جب گورنر جنرل کو اس رسواکُن معاہدہ کا پتہ چلا تو اُس نے اُسے منظور کرنے سے صاف انکار کر دیا اور بنگال سے جنرل گوڈارڈ (GODDARD) کی کمان میں ایک تازہ دم فوج میدان جنگ کو روانہ کی۔ جنرل گوڈارڈ وادی جمنا سے ہوتا ہوا احمد آباد پہنچا اور اسے فتح کر کے نربدا ندی پار کر کے ۱۷۸۰ء میں بسین پر قابض ہو گیا اسی سال جنرل پوپھیم (POPHAM) نے گوالیار کے ناقابل تسخیر قلعہ کو فتح کر کے سارے ہندوستان میں سنسنی سی پھیلا دی اب ہیسٹنگز نے گائیکواڑ اور راجہ برار کو بھی اپنا دوست بنا لیا اور بالآخر مرہٹے صلح پر مجبور ہو گئے مئی ۱۷۸۲ء میں عہد نامہ سلبئی (SALBAI) کی رُو سے فریقین میں صلح ہو گئی اور قرار پایا کہ

(۱) جمنا کے مغرب کا علاقہ سیندھیا کو واپس کر دیا جائے۔
(۲) فتح سنگھ کو بڑودہ کا گائیکواڑ تسلیم کر لیا جائے۔
(۳) رگھوبا کو پیشوا تین لاکھ روپیہ سالانہ پنشن عطا کرے۔
(۴) مادھو راؤ نارائن کو نانا فرنویس کی زیر سرپرستی پیشوا تسلیم کیا جائے۔
(۵) سالسٹ کا جزیرہ انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

اس لڑائی سے انگریزوں کو صرف سالسٹ کا جزیرہ ملا جو صلحنامہ پورندھر کی رُو سے پہلے ہی اُنہیں ملنا قرار پایا تھا اس لحاظ

سے صلح نامہ پورندھر کے بعد کی لڑائیاں محض جان و مال کا نقصان ہی تھیں اور ان سے فریقین کو کچھ حاصل نہ ہوا البتہ صلحنامہ سلبئی کی یہ اہمیت ہے کہ اس سے انگریزوں کی سیاسی پوزیشن اور مضبوط ہوگئی اور آئندہ بیس سالوں کے لئے مرہٹوں اور انگریزوں کے درمیان امن و امان قائم رہا۔

حیدر علی

حیدر علی میسور کے ایک متوسط لودی پٹھان گھرانے میں ۱۷۰۲ء میں پیدا ہوا اس کا باپ فتح محمد ریاست میسور میں فوجدار تھا حیدر علی نے لڑکپن میں ہی فوجی زندگی میں دلچسپی لینی شروع کی اور فنون جنگ میں پوری مہارت حاصل کر کے ایک بہادر اور منچلا سپاہی مشہور ہوگیا اور میسور کی فوج میں نائک ہوگیا۔ کرناٹک کی دوسری لڑائی کے دوران میں حیدر علی پانڈیچری آیا اور یہاں اُسے فرانسیسیوں کے فوجی انتظامات کے مطالعہ کا موقع ملا اور اس سے اُس کی طبیعت پر بڑا گہرا اثر پڑا ۱۷۵۵ء میں حیدر علی ڈنڈی گل کا فوجدار مقرر ہوا میسور کے راجہ پر اُس کے برہمن وزیر کھانڈے راؤ کا بڑا اثر تھا راجہ کی ماں نے کھانڈے راؤ کو نیچا دکھانے کے لئے حیدر علی سے مدد چاہی۔ حیدر علی نے کھانڈے راؤ کو وزارت سے نکال کر ۱۷۶۱ء میں یہ عہدہ خود سنبھالا اور ساری حکومت پر چھاگیا اور بالآخر خود میسور کا حکمران بن بیٹھا۔ اس کے بعد کافی عرصہ تک حیدر علی مرہٹوں کے خلاف لڑتا رہا جس میں اُسے کافی زک اُٹھانی پڑی لیکن پیشوا مادھو راؤ کے مرنے کے بعد حیدر علی نے میسور کے آس پاس کے سب علاقے فتح کر لئے اور کورگ اور مالابار تک اپنی سلطنت وسیع کر لی۔

حیدر علی انگریزوں کا سخت مخالف تھا اسی لئے انگریزوں کے حلیف محمد علی نواب کرناٹک سے بھی اُس کی نہ بنتی تھی۔ مرہٹے اور نظام بھی

اپنی خود غرضی کی وجہ سے اُس کے خلاف تھے۔ انگریزوں نے مرہٹوں اور نظام سے اتحاد کر کے حیدر علی کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنا چاہا لیکن اس میں اُنہیں نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی انگریز حیدر علی کی کامیابی سے سخت خائف تھے۔ حیدر علی نے ساحل مالابار پر قبضہ کر کے سمندر کے راستے فرانسیسیوں سے مدد حاصل کرنے کا وسیلہ بھی پیدا کر لیا تھا چنانچہ جب انگریزوں نے مرہٹوں اور نظام کے ساتھ مل کر میسور پر چڑھائی کی سوجھی تو حیدر علی نے مرہٹوں اور بعد میں نظام سے صلح کر لی اور پھر نظام کو ساتھ ملا کر کرناٹک کی راجدھانی ارکاٹ پر حملہ کر دیا۔ اس طرح میسور کی پہلی لڑائی (۱۷۶۷ء - ۱۷۶۹ء) شروع ہوئی ۱۷۶۷ء میں کرنل سمتھ نے نظام اور حیدر علی کی متحدہ فوج کو چنگامہ اور ٹرنومالی کے مقامات پر شکستیں دیں۔ چنانچہ نظام نے انگریزوں کے ساتھ صلح کر کے جنگ سے علیحدگی اختیار کر لی لیکن حیدر علی نے اپنی جدوجہد جاری رکھی بالآخر ۱۷۶۹ء میں ایک جانباز دستے کے ہمراہ حیدر علی مدراس تک آپہنچا۔ مدراس کا انگریز گورنر اور اُس کے مشیر خوف سے کانپنے لگے اور انہوں نے مجبور ہو کر حیدر علی سے صلح کی درخواست کی چنانچہ صلحنامہ کیا گیا جس کی رو سے فریقین نے اپنے مفتوحہ علاقے واپس کر دئے اور انگریزوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی حیدر علی پر حملہ آور ہوگا تو انگریزی فوجیں حیدر علی کی مدد کے لئے بھیجی جائیں گی ۱۷۷۱ء میں مرہٹوں نے اچانک حیدر علی پر حملہ کر دیا۔ حیدر علی نے صلحنامہ کی شرائط کے مطابق انگریزوں سے مدد طلب کی لیکن انگریز اُس کی مدد نہ کر سکے حیدر علی کو مرہٹوں کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی اور اس کا زبردست نقصان ہوا اب حیدر علی صحیح معنوں میں انگریزوں کے خون کا پیاسا ہو گیا اور اُس نے قسم کھائی کہ جب تک جنوبی ہند میں انگریزوں کو ملیا میٹ نہ کر لے گا چین سے نہ بیٹھے گا

۱۷۸۰ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں سے امریکہ کی جنگِ آزادی کے سلسلہ میں یورپ میں جنگ چھڑ چکی تھی۔ چنانچہ انگریزوں نے ہندوستان میں پانڈیچری کی فرانسیسی بستی پر قبضہ کر لیا تھا اور اب ماہی گیری کی فرانسیسی

بندرگاہ پر بھی قبضہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے حیدر علی نے اسے اپنے
علاقہ میں دست اندازی تصور کیا اور انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا
نوے ہزار سپاہیوں کے ہمراہ اس نے کرناٹک پر حملہ کر دیا اور اس طرح
میسور کی دوسری لڑائی شروع ہوئی مدراس کی انگریزی حکومت
اس جنگ کیلئے بالکل تیار نہ تھی اور اس کا سپہ سالار جنگ بکسر کا
مشہور فاتح سر ہیکٹر منرو بھی بڑے تذبذب میں پڑ گیا آخر حیدر علی
نے اپنے بیٹے ٹیپو کے ہمراہ انگریزوں کو پولی لور (POLLILORE)
کے مقام پر شکست فاش دی اور انگریز سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے
بھاگ نکلے جب یہ خبر وارن ہیسٹنگز کو پہنچی تو اس نے پوری جنگی تیاریاں
کر کے کرناٹک کی لڑائیوں کے نامور فاتح سر آئر کوٹ (SIR EYRE-
-COOTE) کی سرکردگی میں بنگال سے امدادی فوجیں جنوبی ہند روانہ کیں
اسی زمانے میں فرانسیسی جنگی جہازوں کا ایک بیڑا امیر البحر ڈی اوروس
(D' ORVES) کی سرکردگی میں حیدر علی کی مدد کے لئے پہنچ گیا اور
اس نے سر آئر کوٹ کے سپلائی کے سمندری راستے کاٹ دیئے لیکن بعد میں
پتہ نہیں کیوں فرانسیسی بیڑہ خود بخود واپس چلا گیا۔ اب سر آئر کوٹ نے
پورٹو نووو (PORTO NOVO) کے مقام پر حیدر علی کو شکست فاش
دی اور اس کے بعد پولی لور (POLLI LORE) اور شولنگھر
(SHOLANGHUR) کے مقامات پر حیدر علی کی فوجوں کو پے در پے
شکستیں ہوئیں لیکن حیدر علی کی ہمت و حزم میں کچھ فرق نہ آیا اور وہ
مقابلہ پر ڈٹا رہا ۱۷۸۲ء میں ایک اور فرانسیسی بیڑہ امیر البحر ڈی
سفرن (DE SUFFEIN) کی سرکردگی میں بحر ہند میں داخل ہوا انگریزوں
کی طرف سے برطانوی امیر البحر سر ایڈورڈ ہیوز (SIR EDWARD-
-HUGHES) مقابلہ پر آیا اور پانچ معرکے پیش آئے لیکن فتح و شکست کا
فیصلہ نہ ہو سکا۔ فرانسیسیوں کی تجویز تھی کہ وہ جرنیل بُسی کے ماتحت
ایک بڑی فوج حیدر علی کی مدد کے لئے بھیجیں گے لیکن یہ فوج حیدر علی
کی وفات کے بعد پہنچی جب موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بہر کیف حیدر علی

اُس کے بیٹے ٹیپو نے انگریزی کمانڈر بریتھویٹ (BRAITHWAITE) کو تنجور میں شکست فاش دی اُدھر انگریزوں اور فرانسیسیوں کی یورپی لڑائی جون ۱۷۸۳ء میں ختم ہو گئی۔ ٹیپو نے منگلور کا محاصرہ کر لیا جو اُس وقت انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ لارڈ میکارٹنی (LORD MACAR-TNEY) - گورنر مدراس صلح کے لئے بے قرار تھا چنانچہ معاہدہ منگلور (مارچ ۱۷۸۴ء) کی رُو سے فریقین نے اپنے مفتوحہ علاقے واپس کر کے اور جنگی قیدیوں کا تبادلہ کر کے صلح کر لی۔ وارن ہیسٹنگز نے اس جلد بازی کو پسند نہ کیا۔

اسی جنگ کے دوران میں دسمبر ۱۷۸۲ء کو حیدر علی کا انتقال ہو گیا وہ عمر بھر انگریزوں کو ملیا میٹ کرنے ہندوستان سے باہر نکال کرنے کے لئے بڑی بہادری اور جوانمردی سے اُن کے خلاف لڑتا رہا لیکن بحری طاقت کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ کہا کرتا تھا "میں انگریزوں کو خشکی پر آسانی سے ہرا سکتا ہوں مگر سمندر کو خشک کرنے کی طاقت نہیں رکھتا" حیدر علی کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سلطان فتح علی شاہ المعروف ٹیپو میسور کے تخت پر بیٹھا اور اُس نے اپنے باپ کی طرح انگریزوں کے خلاف شروع کی ہوئی جدوجہد کو پورے جوش و خروش سے جاری رکھا۔

مہاراجہ نند کمار کا قصہ

مہاراجہ نند کمار ایک بنگالی برہمن تھا۔ جو نواب سراج الدولہ کے عہد میں ہگلی کا حاکم تھا بعد میں ترقی کرتے کرتے وہ نائب ناظم کے اعلیٰ عہدہ تک پہنچا لیکن آخرکار وارن ہیسٹنگز نے اُسے موقوف کر دیا وارن ہیسٹنگز کی کونسل میں جو ممبر وارن ہیسٹنگز کے دشمن تھے اُن سے نند کمار کا یارانہ تھا

نند کمار نے بدلہ لینے کے لئے وارن ہیسٹنگز پر مارچ ۱۷۷۵ء میں الزام لگایا
کہ مرشد آباد کے قیام کے دوران میں اُس نے میر جعفر کی بیوہ منّی بیگم سے
ساڑھے تین لاکھ روپے رشوت وصول کی تھی اُس نے اس بارہ میں فرانسس
مان سن اور کلیورنگ کو ضروری شہادت بھی بہم پہنچا دی۔ کونسل کے ممبر
اب اس معاملہ کی کونسل میں باقاعدہ تحقیقات کرنا چاہتے تھے چنانچہ جب
انہوں نے نند کمار کو بیان دینے کے لئے طلب کیا تو وارن ہیسٹنگز نے کونسل
کا اجلاس برخاست کر دیا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ اب کونسل نے ایک قرارداد پاس
کی جس میں تجویز کی گئی کہ وارن ہیسٹنگز یہ رشوت کا روپیہ کمپنی کے خزانہ
میں داخل کر دے۔ ادھر غالباً وارن ہیسٹنگز کے ایما پر راجہ موہن پرشاد
نے عدالت عالیہ میں نند کمار پر جعلسازی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ عدالت
نے فوراً تحقیقات کر کے نند کمار کو جعلسازی کا مجرم قرار دے دیا اور
انگریزی قانون کے مطابق پھانسی کی سزا کا حکم سُنا دیا حالانکہ ہندوستانی
رواج اور قانون کے مطابق اس جُرم کی اس قدر سنگین سزا نہ دی جا
سکتی تھی۔ نند کمار نے درخواست کی کہ اُس کی پھانسی اُس وقت تک ملتوی
رکھی جائے جب تک وارن ہیسٹنگز کے خلاف اُس کے الزامات کی پوری
تحقیقات نہیں ہو جاتی لیکن اُس کی عدالت نے نہ سُنی اور نند کمار کو پھانسی
پر لٹکا دیا گیا یہ سب کچھ اس عجلت سے ہوا کہ لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ
ہو نہ ہو اس ساری کارروائی کے پیچھے وارن ہیسٹنگز کا ہاتھ ہے۔ اگر
ہیسٹنگز اس معاملہ کی تحقیقات کا مردانہ وار مقابلہ کر لیتا اور اپنی
بے گناہی ثابت کر دیتا تو آج اس کا نام نند کمار کے خون ناحق سے داغدار
نہ ہوتا۔ نند کمار کی موت سراسر انصاف کا خون تھا گو اس وقت وارن
ہیسٹنگز کو ایک دشمن سے پیچھا چھڑانے کا سہارا مل گیا لیکن اس خون کا
دھبہ اُس کے دامن سے کبھی نہ چھوٹے گا۔

راجہ چیت سنگھ والئے بنارس اور انگریز

۱۷۷۸ء ——— ۱۷۸۰ء

کمپنی کے ملازموں کی بد دیانتی، رشوت ستانی اور کمپنی کی

ہندوستانی حکمرانوں سے لڑائیوں کی وجہ سے کمپنی کی مالی حالت پتلی ہو گئی

وارن ہیسٹنگز نے لوٹ کھسوٹ کے نئے نئے طریقوں سے کمپنی کا خزانہ بھرنا چاہا اس سلسلہ میں اُس کی طمع کا پہلا شکار بنارس کا راجہ چیت سنگھ تھا جو عہد نامہ ۱۷۷۵ء کی رو سے کمپنی کا باجگذار بن چکا تھا اور ساڑھے بائیس لاکھ روپے سالانہ باج ادا کرتا تھا۔ ۱۷۷۸ء میں وارن ہیسٹنگز نے جنگی امداد کے طور پر چیت سنگھ سے پانچ لاکھ روپے کی رقم طلب کی لیکن یہ معاہدہ کی رو سے جائز مطالبہ نہ تھا۔ راجہ نے معذوری ظاہر کی تو اُس کے خلاف انگریزی فوجیں بھیج دی گئیں اور تاوان بھی طلب کیا گیا۔ ۱۷۸۰ء میں پھر پانچ لاکھ روپے کا مطالبہ کیا گیا اب راجہ نے وارن ہیسٹنگز کو دو لاکھ روپیہ رشوت دی لیکن وارن ہیسٹنگز نے یہ رشوت وصول کر کے کمپنی کے خزانے میں منتقل کر دی اور پانچ لاکھ روپیہ بھی چیت سنگھ سے وصول کر لیا۔ وارن ہیسٹنگز کی یہ کاروائی ظلم اور دھوکا بازی کی لاثانی مثال ہے لیکن وارن ہیسٹنگز نے اسی پر بس نہ کی اور اب مطالبہ کیا کہ چیت سنگھ کمپنی کی مدد کے لئے دو ہزار سپاہی بھی بھیجے چیت سنگھ پوری فوج نہ بھیج سکا اور اس قصور پر وارن ہیسٹنگز نے چیت سنگھ پر پچاس لاکھ روپیہ جرمانہ عاید کر دیا اور یہ رقم وصول کرنے کے لئے خود بنارس روانہ ہو گیا۔ راجہ چیت سنگھ آگے بڑھ کر بکسر کے مقام پر گورنر جنرل کے پاس حاضر ہوا لیکن وارن ہیسٹنگز نے ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بنارس میں ملاقات ہو گی۔ بنارس پہنچکر راجہ کو لکھکر مطالبات بھیجے گئے جس کا راجہ نے بڑی احتیاط اور شائستگی سے جواب دیا اب وارن ہیسٹنگز نے راجہ پر سازش اور بغاوت کا الزام لگا کر اُسے گرفتار کر لیا۔ بنارس کے فوجی اپنے بے گناہ آقا کی یہ ذلت برداشت نہ کر سکے اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے وارن ہیسٹنگز گھبرا کر قلعہ چنار کی طرف بھاگ گیا اور راجہ چیت سنگھ نے گوالیار میں جا پناہ لی۔ وارن ہیسٹنگز اب اپنی فوج جمع کر کے پھر بنارس پر حملہ آور ہوا اور بنارس پر قبضہ کر لیا۔ چیت سنگھ کو گدی سے اُتار لیا یہ اُس کی جگہ اس کا ایک بھتیجا گدی پر بٹھایا گیا اور سالانہ

خراج ساڑھے بائیس لاکھ سے چالیس لاکھ روپیہ کر دیا گیا۔ وارن
ہیسٹنگز کی اس ساری کاروائی پر برطانوی پارلیمنٹ میں بڑی سخت نکتہ
چینی کی گئی اور انصاف پسند انگریزوں نے وارن ہیسٹنگز کے ظلم دھوکا
بازی بے ایمانی اور رشوت ستانی کا پول کھول کے رکھ دیا۔

بیگمات اودھ سے بدسلوکی

۱۷۸۲ء

وارن ہیسٹنگز کی دوسری سیاہ کارنامہ
بیگمات اودھ سے اُس کی
بدسلوکی ہے جس کا کوئی قانونی
یا اخلاقی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ وارن ہیسٹنگز روپیہ حاصل کرنے
کے لئے پریشان تھا اب اُس نے اودھ کے نواب آصف الدولہ کو پندرہ
لاکھ روپے کا قرض چکانے کے لئے مجبور کرنا شروع کیا۔ نواب آصف
الدولہ کے والد نواب شجاع الدولہ کا خزانہ نواب آصف الدولہ کی ماں
اور دادی کے پاس تھا جو فیض آباد میں اپنی جاگیر میں نیم خود مختار
حیثیت میں رہتی تھیں کمپنی کا رزیڈنٹ برسٹو (Bristow) اور
خود گورنر جنرل کی کونسل بیگمات کا جاگیر اور خزانے پر حق تسلیم کر چکی
تھیں۔ نواب آصف الدولہ نے وارن ہیسٹنگز سے ملاقات کرنے کے بعد
بیگمات سے خزانہ چھیننے کے لئے سختی کا سلوک شروع کر دیا۔ وارن ہیسٹنگز
کے ایما پر انگریز رزیڈنٹ مڈلٹن نے بھی آصف الدولہ کی مدد و حمایت
شروع کر دی۔ چنانچہ بیگمات کی جاگیریں ضبط کی گئیں اُن کے معتبروں
پر تشدد کیا گیا اور بیگمات کو پریشان کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی
اسی اثنا میں نواب آصف الدولہ نے دس لاکھ روپے وارن ہیسٹنگز کو
رشوت کے طور پر دئے جو وارن ہیسٹنگز نے قبول کر کے کمپنی کے خزانہ
میں منتقل کر دئے۔ بے گناہ اور بے بس ضعیف عورتوں پر اس طرح کے
ظلم و تشدد کی مثالیں ہماری تاریخ میں نہیں ملتیں اسی لئے کئی انصاف پسند
انگریزوں نے وارن ہیسٹنگز کی اس سیاہ کاری پر پارلیمنٹ میں زبردست
احتجاج کئے اور وارن ہیسٹنگز کی واپسی پر اُس کی بد اعمالیوں کی وجہ
سے جو مقدمہ تیار کیا گیا اُس کی فہرست جرائم میں بیگمات اودھ سے
وارن ہیسٹنگز کی بدسلوکی کا الزام ... بعض انگریز مورخ

یہ کہہ کر کہ وارن ہیسٹنگز مجبور تھا اُس کے کئے پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وارن ہیسٹنگز بذات خود اس ساری تشدد آمیز کاروائی کا مجرم تھا اور اس کا دامن اس ذمہ واری سے کبھی پاک نہیں ہو سکتا۔

وارن ہیسٹنگز کی سیرت اور کارنامے

وارن ہیسٹنگز قابل ترین انگریز گورنر جنرلوں میں شمار ہوتا ہے قدرت نے اُسے عمدہ دماغ اَن تھک کام کرنے کی ہمت اور پکا ارادہ عطا کر رکھا تھا جب وہ ہندوستان آیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی میں ہر طرف بدنظمی پھیلی ہوئی تھی ملک قحط کا شکار اور رعایا پریشان حال تھی۔ وارن ہیسٹنگز نے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالتے ہی انتظامی اور مالی اصلاحات کر کے ایک طرف تو انتظام حکومت کی از سر نو تنظیم کر کے ملک میں امن و امان بحال کیا اور دوسری طرف سلطنت برطانیہ کی جڑیں مضبوط کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی یہ اُس کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ ایسے نازک وقت میں جب برطانیہ کی امریکائی سلطنت کی بنیادیں ہل رہی تھیں امریکہ کے آزادی کے سپاہی ہر میدان میں برطانیہ کو پچھاڑ رہے تھے اور سلطنت برطانیہ کا نام و نشان مٹ رہا تھا وارن ہیسٹنگز نے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی بنیادیں رکھیں اور اُس نے شدید مخالفت اور محدود وسائل کے باوجود انگریزی اقتدار کو ہندوستان بھر میں قائم کر دیا اس کارنامہ کے لئے انگریزی قوم وارن ہیسٹنگز پر جس قدر بھی ناز کرے کم ہے وارن ہیسٹنگز کوئی اعلیٰ پایہ کا منتظم اور مدبر نہ تھا لیکن سیاسی جوڑ توڑ حکمت عملی کی چالوں اور منصوبے بنانے میں اُسے کمال حاصل تھا وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جائز و ناجائز ہر طریقے پر عمل کرنے کو تیار تھا بدعہدی۔ بددیانتی۔ رشوت ستانی کی کئی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص اخلاقی اصول کا پابند نہ تھا اُس نے یہ سب کچھ اپنی ذات

سے کہیں زیادہ اپنی قوم کے مفاد کے لئے کیا لیکن اس سے وہ اخلاقی گراوٹ کے جرم سے بری نہیں ہو سکتا۔

وارن ہیسٹنگز مشرقی علوم و فنون کا بڑا سرپرست اور قدردان تھا وہ ہندوستانی قوانین کی بھی قدر کرتا تھا اس کی توجہ سے بنگال ایشیاٹک سوسائیٹی کی بنیاد رکھی گئی جس نے مشرقی زبانوں کی کتابیں جمع کرنے اور شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ہندو دھرم شاستر اور اسلامی قوانین کے مجموعے تیار کروا کر کمپنی کی عدالتوں کے ذریعے نافذ کئے۔ اس نے عربی فارسی زبانوں اور اسلامی فنون کے مطالعہ و تعلیم کے لئے کلکتہ میں "مدرسہ عالیہ" اور سنسکرت زبان اور ہندی علوم کے لئے بنارس میں "سنسکرت کالج" قائم کرنے میں بڑی دلچسپی لی۔ وارن ہیسٹنگز کی سیرت کا یہ ایک روشن پہلو ہے۔

وارن ہیسٹنگز ۱۷۸۵ء میں اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر انگلستان پہنچا وہاں سر فلپ فرانسس نے جو اس کا جانی دشمن تھا پہلے اس کے خلاف فضا تیار کر رکھی تھی۔ کئی انصاف پسند انگریز بھی وارن ہیسٹنگز کی سیاہ کاریوں کو اپنی قوم کے نام پر ایک بدنما دھبہ تصور کرتے تھے اس لئے مشہور انگریز سیاست دان اور مقرر فاکس (FOX) شیریڈن Sheridan اور برک (Burke) نے اپنی شعلہ بیانی سے وارن ہیسٹنگز کے خلاف چاروں طرف آگ لگا دی اور آخرکار برطانوی پارلیمنٹ کے دارالعوام نے طے کیا کہ دارالامراء (House of Lords) کے سامنے استغاثہ پیش کیا جائے اسے امپیچمنٹ (Impeachment) کہتے ہیں اس میں وارن ہیسٹنگز پر نند کمار کی پھانسی۔ راجہ چیت سنگھ اور بیگمات اودھ سے بدسلوکی۔ بددیانتی۔ رشوت ستانی اور بدعہدی کے الزام لگائے گئے۔ یہ مقدمہ فروری ۱۷۸۸ء سے اپریل ۱۷۹۵ء تک جاری رہا گو بعد میں برطانوی پارلیمنٹ نے وارن ہیسٹنگز کو باعزت طور پر بری کر دیا۔ لیکن

وارن ہیسٹنگز تباہ و برباد ہو گیا اور اس پر ستر ہزار پونڈ قرض پڑھ گیا۔ بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے اس محسن کو اٹھائیس برسوں کے لئے چار ہزار پونڈ سالانہ پنشن اور پچاس ہزار پونڈ امدادی قرضہ عطا کیا ۱۸۱۳ء میں اُسے پریوی کونسل کا رکن بنایا گیا۔ پنشن مستقل کر کے امدادی قرضہ کا کچھ حصہ معاف کر دیا اور آخرکار ۱۸۱۸ء میں ۸۵ برس کی عمر میں اپنے آبائی گھر میں ڈیلز فورڈ (Daylesford) کے مقام پر وارن ہیسٹنگز اس جہان سے کوچ کر گیا۔ ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کے بانیوں کی حیثیت سے وارن ہیسٹنگز کا نام رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔

وارن ہیسٹنگز کے عہد کے آخر میں برطانوی پارلیمنٹ نے ریگولیٹنگ ایکٹ کے نقائص دُور کرنے اور حکومت ہند کا انتظام بہتر کرنے کے لئے ایک نیا قانون منظور کیا اس کا مسودہ پہلے انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر فاکس نے پیش کیا لیکن یہ قانون دارالعوام میں تو پاس ہو گیا لیکن دارالامرا میں مسترد ہو گیا اس پر مسٹر فاکس نے وزارت سے استعفےٰ دے دیا اور ولیم پٹ (چھوٹے) نے وزارت بنائی اور نیا مسودہ قانون پیش کیا جو پٹس انڈیا بل کے نام سے مشہور ہے یہ بل پارلیمنٹ نے منظور کر لیا تو ۱۷۸۴ء کا پٹس انڈیا ایکٹ کہلایا اس ایکٹ کی رُو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی حیثیت تو برقرار رہی لیکن حکومت ہند کے معاملات میں کمپنی کے ڈائریکٹروں کے اختیارات بہت محدود کر دئے گئے اور حکومت ہند کی نگہداشت کے لئے ایک "بورڈ آف کنٹرول" (Board of control) مقرر کر دیا گیا جس کا صدر حکومت برطانیہ کا ایک وزیر اور وزیر مالیات اور پریوی کونسل کے چار ممبر اس بورڈ کے رکن ہوتے تھے لیکن عام طور پر صدر کے ذریعے ہی سارے کام ہوتے تھے ہندوستان کی حکومت کے انتظامی اور فوجی امور اسی بورڈ کے سپرد تھے۔ کمپنی کے ڈائریکٹروں کو انتظامی معاملات میں اس بورڈ کی منظوری سے احکام صادر کرنے پڑتے تھے۔ بورڈ کی منظوری کے بعد کمپنی کے کورٹ آف پروپرائٹرس یعنی حصہ داروں کو

ان احکام میں رد و بدل کرنے کا اختیار نہ تھا۔

گورنر جنرل کی کونسل کے ممبروں کی تعداد گھٹا کر چار کر دی گئی اور گورنر جنرل انگریزی نوآبادیوں سے مقرر ہو کر آنے لگے۔ کونسل کے ممبر کمپنی کے ملازموں میں سے مقرر ہونے لگے اب کونسل اور گورنر جنرل میں وارن ہیسٹنگز کے زمانے کی سی ان بن کا خطرہ نہ رہا اور کام بخوبی چلنے لگا بعد میں لارڈ کارنوالس کے ایماء پر گورنر جنرل کو اپنی کونسل کی رائے رد کرنے کا اختیار دیا گیا اور گورنر جنرل اور سپہ سالار افواج کے عہدے بھی باہم یکجا کر دیئے گئے۔ گورنر جنرل کو صلح و جنگ کے لئے پارلیمنٹ سے منظوری حاصل کرنا ضروری قرار دے دیا گیا۔

گورنر جنرل کو مدراس اور بمبئی کی حکومتوں کا اعلیٰ نگران تسلیم کر لیا گیا اب یہ صوبائی حکومتیں گورنر جنرل کی اجازت کے بغیر صلح یا جنگ کے فیصلے نہ کر سکتی تھیں اور دیسی حکومتوں سے تعلقات اور لین دین میں بھی اُن کے لئے گورنر جنرل کی منظوری حاصل کرنا ضروری قرار دے دیا گیا۔

بعد میں احاطہ بمبئی اور احاطہ مدراس کے گورنروں کو بھی اپنی کونسلوں کی رائے رد کرنے کا اختیار دے دیا گیا اور یہاں بھی انگریزی رئیسوں میں سے گورنر مقرر ہو کر آنے لگے۔

لیکن ابھی حکومت بنگال گورنر جنرل کے ذمہ ہی رہی اس کے لئے الگ صوبائی حکومت کا قیام عمل میں نہ لایا گیا۔

اس ایکٹ کی رُو سے دیسی حکومتوں سے بغیر وجہ معقول کے لڑائی کی ممانعت کر دی گئی اور کمپنی کو دیسی حکومتوں کے معاملات میں دخل اندازی چھوڑنا پڑی لیکن یہ ہدایت زیادہ عرصہ نافذ نہ رہ سکی اور کمپنی کو دیسی حکمرانوں کے معاملات میں دخل دینا ہی پڑا۔

پٹس انڈیا ایکٹ سے ہندوستان میں برطانوی مقبوضات نام کو تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ ہی رہیں لیکن در اصل ساری طاقت برطانوی پارلیمنٹ کو منتقل ہو گئی اور حکومت برطانیہ حکومت ہند پر پوری طرح حاوی ہو گئی اور آہستہ آہستہ یہ حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے نکلتی نکلتی ۱۸۵۸ء میں پوری طرح تاج برطانیہ کے سپرد ہو گئی۔

اس لحاظ سے پٹس انڈیا ایکٹ کی ہندوستانی آئینی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے۔

پٹس انڈیا ایکٹ کے بعد ہونے کے بعد وارن ہیسٹنگز انگلستان چلا گیا اور حکومت کا کام عارضی طور پر کلکتہ کونسل کے رکن جیفرسن نے سنبھالا۔ ۱۷۸۶ء میں مستقل گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے آن کر حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اُس کے سات سالہ عہد حکومت میں انتظامی اصلاحات۔ بندوبست استمراری۔ اور میسور کی تیسری لڑائی قابل ذکر ہیں

لارڈ کارنوالس
۱۷۸۶ء تا ۱۷۹۳ء

لارڈ کارنوالس (Lord Corn Walliss) انگلستان کے ایک رئیس گھرانے سے تھا وہ بورڈ آف کنٹرول کے صدر سر ہنری ڈنڈاس Sir Henry Dundas کا ذاتی دوست اور حکومت برطانیہ کا معتمد تھا۔ ہندوستان آنے سے پہلے وہ امریکہ میں انگریزی افواج کا سالار تھا جہاں جنگ آزادی امریکہ میں اُسے جارج واشنگٹن کے ہاتھوں یارک ٹاؤن کے مقام پر نہایت سخت شکست ہوئی تھی اور اُس کی شہرت مٹی میں مل چکی تھی جب پٹس انڈیا ایکٹ نافذ ہوا تو سر ہنری ڈنڈاس نے کارنوالس کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجنے کی پیشکش کی تاکہ کارنوالس اپنی کھوئی ہوئی شہرت پھر حاصل کر سکے کارنوالس نے یہ پیشکش اس شرط پر قبول کی کہ اُسے خاص حالات میں اپنی کونسل کی رائے مسترد کرنے کا اختیار ہو چنانچہ حکومت برطانیہ نے یہ شرط مان لی اور کارنوالس کو وارن ہیسٹنگز کا جانشین مقرر کر کے ہندوستان بھیجا ۱۷۸۰ء میں لارڈ کارنوالس نے اپنے عہدہ کا چارج سنبھالا اس کے عہد حکومت میں اس کا بندوبست استمراری (Perannt settlement) انتظامی اصلاحات قابل ذکر ہیں ؎

بندوبست استمراری

بنگال کا بندوبست استمراری کارنوالس کا سب سے زبردست کارنامہ مانا جاتا ہے جس پر

مؤرخ ہر طرح کی رائے کا اظہار کرتے ہیں بعض تو اسے ایک جرأت مندانہ اور دانشمندانہ اقدام سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس سے زمینداروں کے حقوق محفوظ ہوگئے۔ آبادی بڑھنے لگی۔ زراعت میں توسیع و ترقی ہونا شروع ہوئی اور لوگوں کے رہن سہن میں اصلاح ہوئی لیکن بعض مؤرخ اسے ایک "نہایت افسوسناک غلطی" سمجھتے ہیں کیونکہ اس سے عام کاشتکار طبقہ کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ زمیندار اور چکدار بھی مالگذاری کا زبردست مطالبہ پورا نہ کرسکے اور کئی خاندانوں کی زمینیں اور جاگیریں نیلام کرنا پڑیں۔ اور اس طرح رعایا تباہ و برباد ہوگئی۔

ان دو نظریات کو سمجھنے اور اس اقدام کے نقائص اور خوبیوں کی تشریح سے پہلے مختصراً یہ جان لینا ضروری ہے کہ بندوبست استمراری سے ہماری مراد کیا ہے؟

پرانے وقتوں اور خاص کر مغلوں کے عہد سے ہندوستان میں یہ رواج چلا آیا تھا کہ زمینوں کی پیداوار کی اوسط پر مالیہ سرکار مقرر کیا جاتا تھا جو زمینداروں (Land Lords) کے ذریعے وصول کیا جاتا تھا یہ طبقہ حکومت کو دھوکا دے کر اور کسانوں پر ظلم کرکے اپنی مٹھی گرم کرنے کا عادی تھا نہ تو یہ لوگ زمینوں کے اصل مالک تھے اور نہ خود زمینوں پر کوئی محنت کرتے تھے بلکہ ٹھیکداروں کی طرح مالیہ وصول کرکے حکومت کو دیتے تھے اور اپنا نفع کماتے تھے غریب کسانوں کا خون چوسنا اور انہیں لوٹنا کھسوٹنا اس طبقہ کا معمول تھا کوئی قومی حکومت ہوتی تو ان کی مخلصی کی ترکیب سوچتی۔ کارنوالس کو تو صرف فکر تھا تو اتنا کہ حکومت کو باقاعدہ آمدنی کا ذریعہ مل جائے اور کچھ اوپر کے طبقے کے ایسے لوگ میسر آجائیں جن کی روزی کا دارومدار ان کی وفاداری پر ہوتا کہ یہ طبقہ حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے کام آسکے چنانچہ ماہرین کی رائے خلاف کارنوالس نے زمینداروں کو مالکانہ حقوق عطا کرکے مالیہ سرکار کی رقم ہمیشہ کے لئے متعین کردی۔ اُس کا خیال تھا کہ اس سے زمینداروں کو زراعتی ترقی میں دلچسپی ہو جائے اور سرکار کا مالیہ بھی بآسانی اور باقاعدہ طور پر وصول ہوتا رہے گا اور کسان بھی زراعت

کی توسیع د ترقی میں دلچسپی لینے لگیں گے اس بندوبست کو بندوبست استمراری کہتے ہیں۔

اس بندوبست سے زراعت میں پہلے کی نسبت ترقی ضرور ہوئی لیکن اس ترقی سے نہ تو حکومت کی آمدنی میں کوئی اضافہ ہو سکا اور نہ غریب کاشتکار کا ہی کچھ بھلا ہو سکا ہاں زمیندار اور چکلدار خوب مالدار ہو گئے۔

بندوبست استمراری کے نقائص اور خوبیاں

بندوبست استمراری میں مالیہ کی شرح بہت زیادہ رکھی تھی چنانچہ شروع شروع میں کئی زمیندار اس قدر مالیہ ادا نہ کر سکے اور اُن کا دیوالہ پٹ گیا اور انہیں اپنی زمینداریاں نیلام کر دینا پڑیں کچھ عرصہ بعد زمینداروں کی آمدنیاں بڑھنے لگیں لیکن کسانوں اور حکومت کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ زمینداروں نے یہ روپیہ زمین کی ترقی اور کاشتکاروں کی بھلائی کی بجائے رنگ رلیوں میں ضائع کرنا شروع کر دیا۔

چنانچہ سلطنت کے اخراجات بڑھتے جا رہے تھے لیکن بنگال کے مالیہ میں کچھ اضافہ نہ کیا جا سکتا تھا اس لئے دوسرے صوبوں پر حصہ رسدی سے زیادہ بار پڑنے لگا۔

بندوبست استمراری نے زمینداروں کے حقوق محفوظ کر کے تسلیم کر لئے لیکن کاشتکار رعایا کے حقوق کا کچھ خیال نہ رکھا جن کی محنت کے پھل پر نکھٹو زمیندار پلتے تھے اور جو درحقیقت زمین کے مالک تھے۔ بندوبست استمراری کا یہ ظلم کارنوالس کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے۔

اس کے مقابلہ میں بندوبست استمراری میں کچھ خوبیاں بھی تھیں۔

بندوبست استمراری سے زمینداروں کو زمین کے مالکانہ حقوق حاصل ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد اُن کی مالی حالت بہت اچھی ہو گئی۔ کئی زمینداروں نے زمین اور زراعت کی ترقی کے لئے سرمایہ لگانا شروع کر دیا اور رعایا خوش حال ہو گئی۔

بندوبست استمراری سے انگریزی حکومت کی جڑیں مضبوط ہو گئیں

اور اسے اعلیٰ طبقوں میں ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی اور ملک میں ایک ٹوڈی ٹولہ پیدا ہوگیا جو ہر وقت اپنے انگریز آقاؤں کی خدمت کے لئے کمربستہ رہتا تھا اور ملک و قوم سے غداری کرنے سے ذرا بھی نہ شرماتا تھا ان کی وجہ سے انگریز کو ہندوستان میں اپنے قدم مضبوطی سے جمانے میں بڑی مدد ملی۔

بندوبست استمراری سے بار بار کے بندوبست کرنے کی زحمت اور خرچ بچ گیا اور لوگوں کو اپنی دولت اور کمائی چھپانے کے لئے بندوبست کے موقعوں پر اپنی زمینیں بنجر چھوڑنے کی ضرورت نہ رہی اس سے قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا چلا گیا

اگرچہ حکومت کو آئندہ مالیہ میں اضافہ کا اختیار نہ رہا تاہم سرمایہ کی پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے عام خوش حالی اور صنعت و حرفت کی ترقی میں بڑی مدد ملی

لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ بندوبست اگر ہمیشہ کے لئے کی نسبت صرف خاصے لمبے عرصے کے لئے ہوتا تو اس کے سب فائدے بھی حاصل ہوتے اور برائیوں سے ملک و قوم کا نقصان بھی نہ ہوتا۔

کارنوالس کی انتظامی اصلاحات

دیوانی اور فوجداری عدالتوں کی از سر نو تنظیم سے کارنوالس نے وارن ہیسٹنگز کے شروع کئے ہوئے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس نے مالیہ وصول کرنے کا الگ انتظام کر کے عدالت دیوانی کو صرف دیوانی مقدمات کی شنوائی کے لئے مخصوص کر دیا۔ ہر قصبہ میں ایک ماتحت عدالت قائم کی گئی جس کا جج ہندوستانی ہوتا تھا۔ ہر ضلع میں ایک ضلع عدالت یا شہری عدالت قائم ہوئی جس کا جج انگریز ہوتا تھا لیکن اس کے مدد کے لئے ہندوستانی اسیسر (Assessors) مقرر ہوتے تھے اس کے علاوہ پٹنہ ڈھاکہ۔ مرشد آباد کلکتہ میں چار اپیل کی اعلیٰ عدالتیں قائم کی گئیں۔ جن میں تین تین انگریز جج اور ہندوستانی اسیسر مقرر ہوتے تھے ان سب پر صدر دیوانی عدالت تھی جس میں گورنر جنرل اور کونسل کے ممبر مقدمات سنتے تھے اسی طرح فوجداری مقدمات طے کرنے کے لئے عدالتیں تھیں۔ جن میں دیوانی عدالتوں کے جج ہی کام کرتے تھے صرف صوبائی اعلیٰ عدالتوں

کے جج فوجداری مقدمات میں ماتحت عدالتوں کی اپیلیں سننے کے لئے دورے پر جاتے تھے فوجداری عدالتوں کی سب سے اعلیٰ عدالت "صدر نظامت عدالت" کہلاتی تھی ان عدالتوں کی رہنمائی کے لئے جارج بارلو نے ایک مجموعہ قوانین تیار کیا تھا جس کے مطابق ان عدالتوں کو فیصلے کرنے ہوتے تھے۔

اب ڈسٹرکٹ کلکٹروں کے پاس صرف مالیہ وصول کرنے کا کام باقی رہ گیا اور انہیں عدالتی کام سے سبکدوش کر دیا گیا۔

اس طرح ان تین انتظامی شعبوں میں کارنوالس نے کارآمد اصلاحات کر کے اس انتظامی ڈھانچے کو ایک معقول اور مضبوط صورت دی اور حکومت ہند کے نظام کی مضبوط بنیادیں رکھیں اُس نے جا بجا پولیس کے تھانے قائم کئے اور ان پر دار وغے مقرر کئے جو اپنے ماتحت عملہ کی مدد سے اپنے علاقے میں امن و امان قائم رکھتا تھا یہ انتظامی اصلاحات کارنوالس کا شاندار اور اہم کارنامہ خیال کی جاتی ہیں لیکن اس سارے انتظام میں ایک بڑا نقص یہ تھا کہ سب بڑے بڑے عہدے انگریزوں کے ہاتھ میں تھے اور ہندوستانیوں پر حکومت کو کچھ اعتماد نہ تھا۔

کارنوالس پٹس انڈیا ایکٹ کے مطابق ہندوستانی حکمرانوں کے جھگڑوں میں دخل دینے اور لڑائیاں مول لینے کے لئے تیار نہ تھا لیکن جب سلطان ٹیپو والئے میسور نے اپنی جنگی طاقت کافی بڑھا لی اور انگریزوں کے دوست راجہ ٹراونکور پر حملہ کر دیا تو کارنوالس کو غیر جانبداری کا طریقہ ترک کر کے سلطان ٹیپو کے خلاف اعلان جنگ کرنا پڑا اب سلطان ٹیپو کے دشمن نظام حیدر آباد اور پیشوا نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا اور کارنوالس امریکہ میں کھوئی فوجی شہرت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے خود میدان جنگ میں آ پہنچا ۱۷۹۱ء میں کارنوالس نے بنگلور فتح کر کے میسور کی راجدھانی سرنگاپٹم پر حملہ کی تیاری شروع کر دی لیکن بار برداری کے جانوروں کے مرنے اور رسد کی کمی کی وجہ سے اُسے بنگلور میں ٹھہرنا پڑا

اور فوج کو پھر ترتیب دے کر سرنگا پٹم پر حملہ آور ہوا۔ سلطان ٹیپو دشمنوں کی اس متحدہ یورش کی وجہ سے صلح پر مجبور ہوا لیکن اُس کے سینے میں قومی غداروں اور انگریز حملہ آوروں کے خلاف انتقام کی آگ اور تیزی سے بھڑکنا شروع ہو گئی۔

عہدنامہ سرنگا پٹم کی رو سے سلطان ٹیپو نے اپنی سلطنت کا آدھا علاقہ اور تین کروڑ روپیہ تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا ڈیڑھ کروڑ روپیہ تو نقد ادا کر دیا گیا اور باقی روپے کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر اپنے دو شہزادے یرغمال کے طور پر انگریزوں کے حوالے کر دئے۔"

اس مفتوحہ علاقہ میں سے شمال مشرقی حصہ نظام کو مغربی حصہ مرہٹوں کو اور سرحد کرناٹک اور ساحل مالابار کے علاقے ڈنڈی گل اور بارہ محل ایسٹ انڈیا کمپنی کو دئے گئے کورگ کا راجہ بھی انگریزوں کی پناہ میں آ گیا اور لے دے کے صرف منگلور کی ایک بندرگاہ سلطان ٹیپو کے قبضہ میں باقی رہ گئی۔

سر جان شور
۱۷۹۳ء - ۱۷۹۸ء

۱۷۹۳ء میں لارڈ کارنوالس نے اپنے عہدے کا چارج سر جان شور کے حوالے کیا اور خود واپس انگلستان چلا گیا سر جان شور کلکتہ کونسل کا منیجر ممبر تھا اور لارڈ کارنوالس کو اُس پر بڑا اعتماد تھا چنانچہ اُسی کی سفارش پر سر جان شور کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا اور وہ اس عہدہ پر ۱۷۹۸ء تک قائم رہا اس عرصہ میں سر جان شور نے عدم مداخلت کی پالیسی کی سختی سے پابندی کی چنانچہ جب مرہٹوں نے نظام سے چوتھ کا مطالبہ کیا اور جنگ کی دھمکی دی تو نظام نے سر جان شور سے مدد کی درخواست کی کیونکہ لارڈ کارنوالس نے حملہ کی صورت میں نظام کی مدد کا وعدہ دے رکھا تھا لیکن سر جان شور نے مداخلت سے دو ٹوک انکار کر دیا اور نظام کو کھردا کی لڑائی میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے ملک کے کافی بڑے حصے اور تین کروڑ روپوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے وقار کو بڑا دھکا لگا اور دیسی حکمرانوں کو انگریزوں

کے وعدوں کا کچھ اعتبار نہ رہا۔ اب نظام نے پھر فرانسیسی افسروں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا اس عہد کا دوسرا اہم واقعہ نواب آصف الدولہ والئے اودھ کی وفات اور نواب وزیر علی کا تخت نشین ہونا ہے اودھ کے سرکردہ لوگ وزیر علی کے خلاف تھے اس لئے سرجان شور خود اودھ گیا اور نواب سعادت علی خان کو تخت نشین کروا کر اُس سے ایک عہد نامہ کیا جس کی رو سے اودھ کے سالانہ خراج میں مزید اضافہ کیا گیا اور الہ آباد ایسٹ انڈیا کمپنی کو عطا کیا گیا۔

سرجان شور کے عہد میں بنگال کی فوج میں ایک غدر ہو گیا۔ سرجان شور نے باغیوں کو بہت سی رعائتیں دے کر صورت حال پر قابو پانے کی کوشش کی اُس پر اُسے واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ ۱۷۹۸ء میں رچرڈ کولی ویلزلی ارل آف مارننگٹن جو اس سے پہلے انگلستان کا وزیر خزانہ اور بورڈ آف کنٹرول کا ممبر رہ چکا تھا گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آیا۔

لارڈ ویلزلی
۱۷۹۸ء — ۱۸۰۵ء

لارڈ ویلزلی سنتیس برس کی بھرپور جوانی میں ہندوستان آیا وہ بڑا پڑھا لکھا ذہین تیز طبع اور قابل شخص تھا اور ہندوستان کے برطانوی حکمرانوں میں سب سے بڑا حکمران شمار کیا جاتا ہے اسے کلایو وارن ہیسٹنگز اور ڈلہوزی کی صف میں جگہ دی جاتی ہے۔ اور اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس کے کارنامے ان سب سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ سرجان شور کے زمانے میں عدم مداخلت کی پالیسی کی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی پوزیشن بہت کمزور ہو چکی تھی۔ کھاردا کی لڑائی کے بعد مرہٹوں اور نظام نے فرانسیسی افسر بھرتی کرنے شروع کر دئیے تھے۔ مرہٹے دہلی کے شہنشاہ پر چھائے ہوئے تھے ادھر جنوب میں سلطان ٹیپو انگریزوں سے انتقام لینے کی تیاریاں کر رہا تھا اور اس غرض کے لئے فرانس کے مشہور فاتح نپولین بوناپارٹ سے خط و کتابت کر رہا تھا یورپ کی سیاست میں نپولین کی فتوحات نے انقلاب برپا کر رکھا تھا اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ فتح مصر کے بعد نپولین مشرق کا رخ کرے گا اور فرانس پھر ہندوستان میں اپنے پاؤں جما لے گا۔ اس لئے لارڈ ویلزلی نے حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد فیصلہ

کرلیا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طاقت بڑھا کر اُسے ملک کے اقتدار اعلیٰ کا مالک بنا کر رہے گا اس کے لئے اُسے کمپنی کے ڈائرکٹروں کی مرضی کے خلاف دیسی حکمرانوں کے معاملات میں دخل دینا پڑا اس نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے "عہد معاونت" (SUBSIDIAR ALLIANCES). وسعت سلطنت اور سلطان ٹیپو اور مرہٹوں کے خلاف جنگ کے وسیلے اختیار کئے اور ہندوستان میں برطانوی اقتدار اعلیٰ قائم کرنے میں کامیاب ہوا اس کا یہ تاریخی کارنامہ اُس کے نام کو ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ویلزلی نے اپنے سات سالہ دورِ حکومت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حالت میں کایا کلپ کر دکھایا اُس نے میسور کی بادشاہی کو تباہ و برباد کیا۔ حیدر آباد اور اودھ کی مسلمان ریاستوں پر برطانوی اقتدار کا سکہ جمایا۔ تنجور، سورت اور کرناٹک کا انتظام براہِ راست سنبھالا مرہٹہ فوج کو سخت زک پہنچا کر پیشوا کو انگریزوں کے رحم و کرم کا محتاج بنا دیا سندھیا سے دہلی اور مغل شہنشاہ کو چھڑا کر اُس کے وفادار کو مٹی میں ملایا اور اگر اُس کے جرنیل غلطیاں نہ کرتے اور کمپنی کے ڈائرکٹر اُس کی تیز پالیسی سے بوکھلا نہ اٹھتے تو ویلزلی سب مرہٹہ ریاستوں کا صفایا کرنے سے بھی نہ ٹلتا۔ اُس کے ان کارناموں کی وجہ سے ہی اسے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا حقیقی بانی مانا جاتا ہے اُس نے برطانوی اقتدار وسیع کرنے کے لئے "عہد معاونت" کا طریقہ شروع کیا جس کے ذریعے اُس نے اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیابی پائی۔

عہد معاونت

SUBSIDIAR ALLIANCE

ہندوستانی حکمرانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اُن پر فوجی اقتدار

قائم کرنا اور انہیں کمپنی کا محتاج بنا دینا

کوئی نئی بات نہ تھی لیکن لارڈ ویلزلی نے اس کو ایک منظم بیس، دے کر اس باقاعدگی سے استعمال کیا کہ یہ اصول اُسی کے نام سے منسوب ہیں اور انہیں عہد معاونت امداد طریقہ (SUBSIDIARY ALLIANCE) کہتے ہیں ماتحتانہ دوستی کا یہ عہد ان شرائط پر مبنی ہوتا تھا۔

۱- عہد معاونت قبول کرنے والا دیسی حکمران کسی دوسری خود مختار ریاست سے انگریزوں کی مرضی کے خلاف جنگ یا صلح کرنے کا اختیار نہ رکھے

۲- یہ حکمران اپنی ریاست میں ایک انگریز اعلیٰ افسر رکھے جسے رزیڈنٹ کہتے تھے تاکہ وہ انگریزوں کے مفاد کی حفاظت کر سکے اور ریاست کے اندرونی حالات سے انگریزی حکومت کو آگاہ رکھے

۳- یہ حکمران ریاست میں انگریز فوجی دستے رکھے اور اُن کے پورے اخراجات برداشت کرے۔

۴- یہ حکمران انگریزوں کے سوا کسی دوسری یورپین قوم کا کوئی افسر ملازم نہ رکھے۔

۵- ان شرائط کے بدلے کمپنی ریاست کے نظم و نسق اور اندرونی معاملات میں دخل نہ دینے کی پابند ہو۔

۶- اگر اس ریاست پر کوئی بیرونی حملہ آور حملہ کرے یا ریاست کے اندر بد امنی اور بغاوت ہو جائے تو کمپنی مدد کے لئے ہر ممکن ذرائع استعمال کرے۔

ان شرائط سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نامہ قبول کرکے دیسی حکمران خود مختاری سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ البتہ انگریز اپنی فوجوں کی تعداد بڑھا کر انہیں دیسی حکمرانوں کے خرچ پر پالتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس عہد کے قبول کرنے سے فرانسیسی سازشوں کا بھی قلع قمع ہو جاتا تھا عہد معاونت سے ملک کا اقتدار ابھی پوری طرح کمپنی کے ہاتھ آ گیا البتہ عہد معاونت سے ایک تو دیسی راجے اور نواب

ہر طرح کے فکر سے آزاد ہو گئے نہ انہیں باہر کے حملے کا ڈر رہا اور نہ رعایا کی بغاوت کا وہ عیش و عشرت میں بد مست ہو گئے اور وہ اور اُن کے

افسر رعایا کا خون چوس چوس کر موٹے ہوتے چلے گئے اور رعایا اس ظلم کی چکی میں پس پس کو مٹی میں مل گئی وہ اس ظلم کے خلاف بغاوت کر کے چھٹکارا پانے کا وسیلہ بھی کھو بیٹھی۔ انگریز سامراجی ظالم نا اہل اور بدقماش راجاؤں اور نوابوں کا ساتھ دینے لگے اور بے وسیلہ اور بے کس رعایا کا کوئی پرسان حال نہ رہا بعد میں انگریزوں کو عہد معاونت کے اس بدنما پہلو پر غور کر کے اپنا رویہ تھوڑا بہت ضرور بدلنا پڑا لیکن ان چھوٹے چھوٹے شیطان صفت درندوں کا پوری طرح خاتمہ آزادی وطن کے بعد سورگیہ سردار ولبھ بھائی پٹیل کے ہاتھوں ہی ہوا۔

عہد معاونت کا زیادہ تر دیسی ریاستوں کے خارجہ تعلقات پر قابو پانے سے تعلق تھا چنانچہ لارڈ ویلزلی اسی پہلو پر زیادہ زور دیتا تھا اور اسی سے اُس نے اپنے پُورے مقاصد حاصل کر لئے۔ ہندوستانی حکمرانوں میں سب سے پہلے نظام حیدر آباد نے اسے قبول کیا اور فرانسیسی افسروں کو ملازمت سے برخاست کر دیا۔ اس کے بعد کئی اور حکمرانوں نے بھی اسے تسلیم کر لیا لیکن سلطان ٹیپو نے لارڈ ویلزلی کی دعوت کو ٹھکرا کر آزادی کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ مرہٹوں نے بھی اس ذلت آمیز عہد کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ویلزلی کو ان دونوں کے خلاف تلوار اُٹھا کر میدان میں نکلنا پڑا۔

ویلزلی اور دیسی ریاستیں

ا۔ میسور:۔ سلطان ٹیپو نے میسور کی تیسری جنگ میں شکست کھا کر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ اور ایک بہادر سپاہی۔ منچلے محب وطن اور آزادی کے سچے شیدائی کی طرح دھن من کی بازی لگا کر پھر انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں اور عرب۔ کابل۔ قسطنطنیہ اور فرانس سب سے مدد حاصل کرنے کی کوششیں کیں اور اس طرح وطن کو انگریزوں سے

چھڑانے کے لئے سب سے پہلے ایک بین الاقوامی محاذ بنانے کے لئے دوڑ دھوپ کی۔ ویلزلی نے حالات کا مشاہدہ کر کے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ انگریز کی جان کا لاگو اور اُن کا سب سے بڑا دشمن میسور کا سلطان ٹیپو ہے۔ ویلزلی نے نظام کو تو عہد معاونت کے ذریعے بے دست و پا کر دیا تھا البتہ مرہٹوں نے اُس کا ہاتھ بٹانے سے صاف انکار کر دیا۔ جب پولین بوناپارٹ کی فوجوں کے دستے میسور آنے لگے تو ویلزلی کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور اب اُس نے سلطان میسور کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ انگریزی فوجوں نے مدراس اور بمبئی دونوں طرفوں سے حملہ کر دیا اور آخر سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان کے وزیر صادق دکنی کی غداری کی وجہ سے سلطان اور محصور فوجوں کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن سلطان کی کمر ہمت میں خم نہ آیا اور ایک بہادر سپاہی کی طرح آخری دم تک لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ سلطان کی شہادت کے بعد میسور پر ویلزلی کا قبضہ ہو گیا۔ میسور کے مرکزی اضلاع قدیم ہندو راجا کے خاندان کے وارث کے سپرد کر دئے گئے اور یہ اضلاع نظام کو دے کر باقی علاقہ پر کمپنی نے قبضہ کر لیا۔ سلطان کے شہزادوں کو نظر بند کر کے میسور سے باہر بھیج دیا گیا اور اُن کے گذارے کے لئے پنشن مقرر کر دی گئی۔ ویلزلی کی اس فتح کی وجہ سے ہندوستان اور انگلستان میں اُس کی دھاک بیٹھ گئی۔

۲- **تنجور، سورت اور کرناٹک:-** جنگ میسور کے بعد کئی دیسی راجاؤں نے بغیر لڑے کمپنی کی اطاعت قبول کر لی اور اپنے علاقے کمپنی کے حوالے کر دئے۔

تنجور کے راجہ نے کمپنی سے چالیس لاکھ پونڈ سالانہ پنشن کے عوض اپنا سارا علاقہ کمپنی کے حوالے کر دیا۔ اسی طرح نواب سورت کے مرنے پر ویلزلی نے اُس کے جانشین کو پنشن دے کر ریاست پر قبضہ جما لیا۔ کرناٹک میں دو عملی حکومت کی وجہ سے رعیت تباہ حال تھی اور نواب بے بس تھا۔ جنگ میسور کے دوران میں نواب کرناٹک اور اس کے بیٹے نے سلطان ٹیپو کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کی سرنگاپٹم کی

فتح کے بعد کچھ خطوط پکڑ لئے گئے اور اس سازش کے الزام میں ویلزلی نے ۱۸۰۱ء میں نواب کے مرنے کے بعد اس کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور نئے نواب کو آمدنی کا ۱/۵ حصہ دیکر حکومت سے الگ کر دیا البتہ نوابی کا خطاب بحال رکھا گیا۔

۲۔ اودھ۔ کرناٹک کے ساتھ اس بدعہدی کے سلوک کے بعد ویلزلی نے اب شمالی ہند کی طرف توجہ کرنا شروع کی اور اودھ کے نواب کو مجبور کیا کہ عہد معاونت قبول کر کے مزید انگریزی فوج کو اپنے علاقے میں رکھے تاکہ یہ علاقہ بیرونی حملہ سے محفوظ رہے اور کمپنی کے علاقے پر کسی طرح کی آنچ نہ آسکے۔ نواب اودھ نے پہلے معاہدوں کا حوالہ دے کر اس نئے مطالبہ کے ماننے میں پس و پیش کیا لیکن ویلزلی نے ایک نہ سُنی۔ نواب نے تنگ آکر تخت سے دست برداری کی خواہش ظاہر کی۔ ویلزلی نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ لیکن نواب کے اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا کہ اس کے بعد اس کے بیٹے کو نواب تسلیم کر لیا جائے۔ اب نواب نے دست برداری سے انکار کر دیا۔ ویلزلی اس پر آگ بگولا ہو گیا۔ اور اس نے نواب کو مجبور کر کے ۱۸۰۱ء میں ایک نئے عہد نامہ پر دستخط کروائے جس کی رو سے روہیلکھنڈ اور گنگا جمنا دوآب کے شمالی اضلاع انگریزوں کے حوالے کر دئے گئے اور نواب اودھ تقریباً آدھی سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ بدعہدی اور بدسلوکی ویلزلی کے نام پر ایک دھبہ ہے لیکن اس زمانے میں رعایا نے اس پر کوئی احتجاج نہ کیا کیونکہ بہر کیف انگریزی حکومت نوابی حکومت سے بہتر تھی۔ کمپنی کو بھی اس نئے علاقے سے بہت فائدہ پہنچا۔

ضمنی سوال:۔ مرہٹوں کی دوسری اور تیسری لڑائی کا حال بیان کیجئے؟

ویلزلی اور مرہٹے

باجی راؤ ثانی کے تخت پر بیٹھتے ہی اس کی نالائقی رنگ لائی اور سب مرہٹہ سردار ایک دوسرے کے خلاف لڑنے جھگڑنے لگے ... مشہور مرہٹہ ...

نانا فرنویس کے مرنے کے بعد خانہ جنگی شروع ہوگئی ۔۱۸۰۲ء میں پونا کے قریب سیندھیا اور پیشوا کی متحدہ فوجوں کو ہلکر کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ باجی راؤ ثانی نے گھبرا کر انگریزوں کی پناہ لے لی اور بسین کے مقام پر ان سے صلحنامہ کر کے عہد معاونت قبول کر لیا اس سے مرہٹوں کی قومی غیرت اور آزادی پر سخت چوٹ پڑی اور وہ انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔ ویلزلی کی مدد سے باجی راؤ ثانی پھر پونا پہنچا اور گدی پر قابض ہوگیا۔ اب سیندھیا اور بھونسلا انگریزوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ ویلزلی بھی ان کے ارادوں سے بے خبر نہ تھا چنانچہ اس نے جنوبی فوج اپنے بھائی آرتھر ویلزلی اور شمالی فوج لارڈ لیک کی کمان میں دے کر بڑے پیمانہ پر جنگ کی تیاری کر لی ۱۸۰۳ء میں آرتھر ویلزلی نے احمد نگر پر حملہ کیا اور سیندھیا اور بھونسلا کی فوجوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ مرہٹوں کو دوسری شکست سر جی ارجن گاؤں کے مقام پر ہوئی ادھر شمالی ہند میں لارڈ لیک نے لاسواری کے مقام پر سیندھیا کی فوجوں کو شکست دی اور علی گڑھ۔ دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ بھڑوچ۔ بندھیلکھنڈ اور اڑیسہ پر بھی انگریزی جھنڈا لہرانے لگا اب سیندھیا اور بھونسلا نے بھی عہد معاونت تسلیم کرنے کے سوا کچھ چارہ نہ دیکھا اور صلح کے لئے ہاتھ پھیلا دئے۔

مرہٹوں کی دوسری لڑائی کے بعد انگریزوں اور سیندھیا کے درمیان عہد نامہ سرجی ارجن گاؤں اور انگریزوں اور بھونسلا کے درمیان عہد نامہ دیوگاؤں کے ذریعے صلح کی شرائط طے پائیں۔

عہد نامہ سرجی ارجن گاؤں کی رو سے سیندھیا نے عہد معاونت قبول کر لیا اور دہلی اور آگرہ اور گنگا جمنا دوآب کے علاقے بھڑوچ کی بندرگاہ اور احمد نگر انگریزوں کے حوالے کر دئے۔

عہد نامہ دیوگاؤں کی رو سے بھونسلا نے عہد معاونت قبول کر لیا اور برار اور کٹک کے علاقے انگریزوں کے حوالے کر دئے۔

اس طرح بڑودہ کے گائیکواڑ نے بھی بغیر لڑے عہد معاونت قبول کر لیا۔ اس طرح مرہٹوں کی دوسری لڑائی سے انگریزی سلطنت اور وسیع ہوگئی اور اسے ملک میں پوری طرح اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگیا اور مرہٹوں کی کمر

لوٹ گئی۔

جب سیندھیا اور بھونسلا انگریزوں کے خلاف لڑ رہے تھے تو ہلکر نے راجستھان کا رُخ کیا اور چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ جے پور کا مہاراج کمپنی کا حلیف تھا لارڈ ویلزلی نے ہلکر کو باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن جب اُس نے ایک نہ سُنی تو ویلزلی نے ہلکر کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہلکر نے بڑھ کر دہلی پر حملہ کرنا چاہا لیکن لارڈ لیک نے اُسے فرخ آباد اور ڈیگ کے مقامات پر پے در پے شکستیں دیں اور ہلکر کے ساتھی راجہ بھرت پور پر حملہ کر دیا۔ بھرت پور کا قلعہ مٹی کا بنا ہوا تھا اس پر توپیں کچھ اثر نہ کرتی تھیں یہاں کے جاٹ اپنی بہادری اور جانبازی کے لئے مشہور تھے لیک نے بھرت پور کے قلعہ پر چار بار بھرپور حملے کئے مگر ہر بار اُسے مُنہ کی کھانی پڑی اور اُس کے تین ہزار سے زیادہ سپاہی یا تو میدان میں کام آئے یا زخمی ہوئے اس ذلت آمیز شکست کی وجہ سے ویلزلی کی شہرت کو سخت دھکا لگا۔ کمپنی کے ڈائرکٹر پہلے ہی ویلزلی کی پالیسی سے گھبرائے ہوئے تھے اور جنگی اخراجات کی وجہ سے تنگ آئے ہوئے تھے انہوں نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور ابھی لڑائی جاری ہی تھی کہ ویلزلی کو واپسی کا حکم ملا اور اُس کی جگہ لارڈ کارنوالس دوبارہ گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آیا۔ کارنوالس آتے ہی بیمار ہو گیا اور تین ماہ کے بعد مر گیا اس کے بعد کلکتہ کونسل کے سینئر ممبر سر جارج بارلو نے ۱۸۰۵ء میں گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا اُس نے ہلکر سے صلح کر کے مرہٹوں کی تیسری لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔

ویلزلی کے کارناموں پر ایک نظر

جب ویلزلی ہندوستان میں آیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی اور نو آبادیاتی ادارہ تھی اور کمپنی کے ڈائرکٹر عدم مداخلت کی پالیسی پر قائم رہنے کے لئے بار بار رائیں دیتے رہتے تھے۔ اُن کا ارادہ ہندوستان بھر برطانوی سلطنت قائم کرنے کا نہ تھا لیکن ویلزلی کی دُور رس نگاہ نے اندازہ کر لیا تھا کہ انگریزوں کو بالآخر اس سارے ملک پر اپنا پرچم لہرانا ہے اس نے دیکھا کہ ملک میں ہر طرف افراتفری مچی ہوئی

تھی کمپنی کی عدم مداخلت کی پالیسی کی وجہ سے مرہٹے۔ نظام اور سلطان میسور
کمپنی کی جان کے لاگو ہو رہے تھے اور کمپنی کی ساکھ مٹی میں مل چکی تھی۔ ولزلی
نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ کمپنی کا ہندوستان میں اقتدار اعلیٰ حاصل کر کے
رہے گا اور اسے مغلوں کا صحیح جانشین بنا کے ہی دم لے گا۔ وہ چاہتا تھا
کہ "ہندوستان میں برطانوی سلطنت" کو "ہندوستان کی برطانوی سلطنت" میں
بدل دے چنانچہ اُسے اس مقصد کے حاصل کرنے میں نمایاں کامیابی ہوئی
اور "عہد معاونت" کی حکمت عملی کی وجہ سے اُس نے سلطنت کی توسیع اور
اقتدار اعلیٰ کے حصول کے لئے دیسی ریاستوں کے معاملات میں دخل دینے اور
اُن سے لڑنے کی پالیسی پر عمل کیا اور کمپنی کے سب دشمنوں کو ایک ایک
کر کے ذلیل و خوار کر دیا۔ بہت بڑے علاقے براہ راست کمپنی کے قبضہ میں
لے لئے۔ فرانسیسی اثر و رسوخ جڑ سے اکھاڑ دیا اور بنگال سے لے کر دہلی
اور مشرقی پنجاب سے لیکر راس کماری تک انگریزوں کا طوطی بولنے لگا۔ اور
ملک میں تقریباً سب دیسی حکمرانوں نے کمپنی کو حاکم اعلیٰ منظور کر کے غلامی
قبول کر لی۔ شمالی ہند میں رنجیت سنگھ اور سندھ کے امیروں کی آزادی بحال
رہی لیکن انہیں بھی کمپنی کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ لارڈ ویلزلی کے
اس شاندار کارنامے کی کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اس وقت قدر نہ کی کیونکہ
اُس کے جنگی اخراجات کی وجہ سے کمپنی کے منافع میں دن بدن کمی ہو رہی
تھی لیکن لارڈ ویلزلی نے اپنی قوم کے لئے وہ کام کیا جو رہتی دنیا تک
یادگار رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ لارڈ ویلزلی کو ہندوستان کی برطانوی
سلطنت کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

سر جارج بارلو
۱۸۰۵ء — ۱۸۰۷ء

لارڈ کارنوالس کی وفات کے بعد ۱۸۰۵ء میں سر
جارج بارلو گورنر جنرل مقرر ہوا اس سے پہلے وہ
کلکتہ کونسل کا سینئر ممبر رہ چکا تھا بارلو کارنوالس
کی عدم مداخلت کی پالیسی پر سختی سے کاربند رہا اُس نے ہلکر سے صلح
کر لی اور پھر کسی دیسی ریاست سے اُلجھنے سے اپنا دامن بچاتا رہا اُس کے
عہد کا سب سے مشہور واقعہ غدر ویلور ہے۔ مدراس میں فوجیوں کو ایک
خاص قسم کی ٹوپی نما پگڑی باندھنے۔ ایک خاص طرز سے مونچھیں کٹوانے

اور پریڈ کے وقت تلک نہ لگانے کا حکم دیا گیا۔ سپاہیوں نے سمجھا کہ شاید یہ بھی انہیں عیسائی بنانے کی ایک چال ہے اس لئے وہ بغاوت پر اتر آئے اور انہوں نے کئی انگریز فوجی اور افسر موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ کچھ دیر بعد مدراس کی فوج کے کمانڈر نے سختی سے بغاوت کو کچل دیا۔ ویلور میں سلطان ٹیپو کے بیٹے قید تھے اُن پر اس بغاوت میں سازو باز کا شک ہوا اس لئے انہیں کلکتہ بھیج دیا گیا۔ مدراس کے گورنر ولیم بینٹنگ کو واپس بلا لیا گیا اور سر جارج بارلو کو مدراس کا گورنر مقرر کر کے گورنر جنرل کا عہدہ لارڈ منٹو کو دے دیا گیا۔

لارڈ منٹو

۱۸۰۷ء — ۱۸۱۲ء

لارڈ منٹو وارن ہیسٹنگز پر مقدمہ چلانے والا وکیل، اور بورڈ آف کنٹرول کا صدر رہ چکا تھا ۱۸۰۷ء میں جب وہ گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آیا تو حالات سے مجبور ہو کر اُسے عدم مداخلت کی پالیسی ترک کرنا پڑی۔ اس وقت فرانس کا شہنشاہ نپولین بوناپارٹ انگریزی سلطنت و تجارت کو تباہ و برباد کرنے کے وسیلے سوچ رہا تھا اور زار روس سے ساز باز کر کے ہندوستان میں انگریزی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا تھا اس خطرے کو ٹالنے کے لئے لارڈ منٹو کو ہندوستان اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں سلطنت برطانیہ کی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے سخت دوڑ دھوپ کرنا پڑی۔ اس نے ایران افغانستان اور پنجاب کے درباروں میں سر جان میلکم۔ الفنسٹن اور سر چارلس مٹکاف کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ایران اور افغانستان کی سفارتیں بار آور ثابت نہ ہوئیں البتہ پنجاب کے حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کمپنی کا ایک صلحنامہ ہوا۔ عہد نامہ امرت سر کے نام سے مشہور ہے اس کی رو سے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ستلج اور جمنا کے درمیان کی دیسی ریاستوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا "ارادہ ترک کر دیا۔ انگریزوں نے بھی وعدہ کیا کہ وہ سکھ سلطنت کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیں گے چنانچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جیتے جی انگریزوں اور سکھوں کے تعلقات بڑے دوستانہ اور پُر امن رہے۔

لارڈ منٹو نے ۱۸۱۱ء میں جاوا پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔

نپولین نے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی لیکن شکست کھا کر فناہ ہوگئی۔ نپولین کے زوال کے بعد یہ علاقہ ولندیزیوں کو لوٹا دیا گیا اس معرکہ میں لارڈ منٹو نے بذات خود حصہ لیا۔ اُس کی ان خدمات کے صلہ میں اُسے خطاب ملا۔ ۱۸۱۳ء میں لارڈ منٹو واپس انگلستان آیا جہاں کچھ عرصہ کے بعد وہ راہی ملک عدم ہوا

لارڈ ہیسٹنگز

۱۸۱۳ء ـــــ ۱۸۲۳ء

ارل آف موئرا (EARL OF MOIRA) جو بعد میں مارکوئس آف ہیسٹنگز MARQUIS OF-HASTINGS - یا لارڈ ہیسٹنگز کے نام سے مشہور ہوا ۱۸۱۳ء میں لارڈ منٹو کی جگہ گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ ۱۸۱۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر یا اجازت نامہ کی تجدید کا سوال بھی حکومت برطانیہ کے سامنے آیا اور سوال پیدا ہوا کہ کیا کمپنی کو ہندوستانی تجارت کا اجارہ دیا جائے یا نہیں اور کیا اُسے ہندوستانی مقبوضات کی حکومت کا اختیار حاصل رہے یا نہیں اس پر بڑی بحث کے بعد برطانوی پارلیمنٹ نے نیا چارٹر ایکٹ پاس کیا جس کی رُو سے ہندوستان کی تجارت عام کر دی گئی البتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو چین سے تجارت کا اجارہ دے دیا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو مزید ۲۰ برسوں کے لئے ہندوستان پر حکومت کرنے کا حق دیا گیا۔ اس ایکٹ میں پہلی بار دس ہزار پونڈ ہندوستانیوں کی تعلیم کے انتظامات کے لئے مخصوص کئے گئے جس سے کچھ عرصہ بعد ہندوستان میں قومی تعلیم کے نظام کی بنیادیں رکھی گئیں۔

لارڈ ہیسٹنگز جب گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آیا تو اُس کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ تھی وہ ایک تجربہ کار جرنیل اور بہادر سپاہی تھا۔ ہندوستان آنے سے پہلے وہ ہندوستان میں عدم مداخلت کی پالیسی کا حامی تھا لیکن جب وہ ہندوستان آیا اور اُس نے یہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا تو اُسے اپنی رائے بدلنا پڑی اُس نے اب اُسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ کیا جسے لارڈ ویلزلی شروع کر چکا تھا اُس کے عہد حکومت میں

گورکھوں کی پیش قدمی روکنے۔ پنڈاریوں کے قلع قمع اور مرہٹوں کی طاقت کی مکمل بربادی خاص قابل ذکر واقعات ہیں لارڈ ہیسٹنگز نے انگریزی اقتدار کے استحکام اور ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی توسیع کے لئے وہ شاندار کام کیا کہ اُسے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا بانی کہا جاتا ہے۔

جنگ نیپال
۱۸۱۴ء ـــــ ۱۸۱۶ء

کوہ ہمالیہ کے دامن میں بنگال اور اودھ کی شمالی سرحد کے ساتھ ساتھ سات سو میل لمبا اور سو سو میل چوڑا پہاڑی علاقہ نیپال کہلاتا ہے اس کی راجدھانی کھٹمنڈو پر ۱۷۶۸ء میں گورکھا قوم نے قبضہ کر کے سارے ملک میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ مشرق میں سکم سے لے کر مغرب میں دریائے ستلج تک اس علاقے کی سرحدیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضہ علاقے سے ملتی تھیں آئے دن گورکھے کمپنی کے علاقے میں پیش قدمی کرتے رہتے تھے آخر ۱۸۱۴ء میں گورکھوں اور انگریزوں میں کھلی لڑائی شروع ہوگئی۔ انگریز نواب اودھ کی مالی مدد سے ۳۴ ہزار سپاہی لے کر چار راستوں سے نیپال پر حملہ آور ہوئے۔ نیپال کی منظم فوج بارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی. پھر بھی انگریزی فوجوں کو منہ کی کھانی پڑی اور ان کا جرنیل گیلیسی میدان جنگ میں کام آیا اور سب انگریزی فوجیں پسپا ہونے پر مجبور ہو گئیں صرف جنرل آکٹر لونی آخر تک مقابلہ پر ڈٹا رہا اور اُس نے گورکھوں کے سردار امر سنگھ کو گھیر کر ۱۸۱۵ء میں کماؤں اور گڑھوال کا علاقہ فتح کر لیا اور آخر مکن پور کے مقام پر گورکھوں کو فیصلہ کن شکست ہو گئی مارچ ۱۸۱۶ء میں عہد نامہ ساگولی کی رو سے ترائی کے علاقے کا دو تہائی حصہ۔ گڑھوال اور کماؤں راجہ نیپال نے انگریزوں کے حوالے کیا اور کھٹمنڈو میں انگریز رزیڈنٹ رکھنا بھی منظور کر لیا اس عہد نامہ کی رُو سے برطانوی علاقے کی سرحد کوہ ہمالیہ سے جا ملی اور نینی تال اور شملہ کے خوبصورت علاقے انگریزوں کے ہاتھ آ گئے جہاں نئی وضع کے

خوبصورت شہر آباد کئے گئے۔

پنڈاریوں کی سرکوبی

اس زمانے میں وسط ہند میں بڑی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ پٹھان۔ پنڈاری۔ راجپوت اور مرہٹے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں من مانی حکومتیں کر رہے تھے ان میں پنڈاری جو پہلے مرہٹوں کی فوجوں میں ملازمتیں کرتے تھے "عہد معاونت" کی وجہ سے بے کار ہو گئے تھے اور تین تین چار چار ہزار کے ٹولے بنا کر لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عدم مداخلت کی پالیسی کی وجہ سے پنڈاری اور بھی زیادہ زور پکڑ گئے اور ہوتے ہوتے انہوں نے کمپنی کے مقبوضہ علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کیا اس صورت حال کا مقابلہ کرنا اب ضروری ہو گیا تھا لیکن لارڈ ہیسٹنگز کو یہ خطرہ بھی تھا کہ پنڈاریوں کے خلاف لڑائی شروع کر کے شاید مرہٹوں سے بھی الجھنا پڑے اس لئے اُس نے اس مہم کے لئے بڑے احتیاط سے اعلیٰ پیمانہ کی تیاریاں شروع کر دیں چنانچہ ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر تیار کیا گیا۔ کمپنی نے آج تک کبھی اتنی بڑی فوج جمع نہ کی تھی۔ اب ہیسٹنگز نے سیندھیا اور راجپوتوں کو بھی مدد پر مجبور کیا اور پنڈاریوں پر دو طرفہ حملہ شروع ہوا۔ شمالی ہند کی طرف سے ایک فوج گورنر جنرل کی کمان میں اور دکن سے دوسری سر ٹامس ہسلپ کی کمان میں روانہ ہوئی۔ پنڈارے گھیرے میں آ کر بوکھلا اُٹھے۔ کئی مارے گئے کئی پکڑے گئے اُن کے تینوں سرداروں میں سے واصل محمد نے خودکشی کر لی۔ چیتو نے بھاگ کر جنگل میں پناہ لی جہاں اُسے ایک چیتا کھا گیا اور کریم خاں اور امیر خاں نے اطاعت قبول کر لی چنانچہ کریم خاں کو جاگیر اور امیر خاں کو ریاست ٹونک عطا ہوئی۔ اسی اثنا میں حسب توقع مرہٹے بھی میدان میں آ گئے اور مرہٹوں کی آخری لڑائی شروع ہوئی جس کے لئے کمپنی کی فوجیں پہلے ہی ہر طرح تیار تھیں۔ پنڈاریوں کا خاتمہ لارڈ ہیسٹنگز کا ایک شاندار کارنامہ ہے۔ اس سے ملک کے بڑے حصے میں امن اور چین کا دور دورہ ہو گیا اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔

مرہٹوں کی آخری لڑائی اور شکست

۱۸۱۷ء ——— ۱۸۱۸ء

باجی راؤ ثانی آخری پیشوا بڑا نکما تھا۔ اس کی حکومت کی باگ ڈور اُس کے وزیر ترمبک جی کے ہاتھ تھی جو اپنی چالاکی اور سیاسی جوڑ توڑ کے لئے مشہور تھا بڑودہ کے گائیکواڑ کا سفیر گنگا دھر شاستری انگریزوں کی حفاظت کی ضمانت پر گائیکواڑ اور پیشوا کے تنازعوں کے تصفیے کے لئے ۱۸۱۵ء میں پونا آیا لیکن یہاں اُسے قتل کر دیا گیا سب سمجھتے تھے کہ اس قتل میں ترمبک جی کا ہاتھ ہے چنانچہ انگریز رزیڈنٹ نے ترمبک جی کی گرفتاری پر زور دیا اور ترمبک جی جیل میں ڈال دیا گیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ جیل سے بھاگ گیا اور کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ لیکن اس وقت انگریزوں کو شک تھا کہ وہ پیشوا سے نامہ و پیام کر رہا ہے۔ پیشوا نے سیندھیا اور ہلکر سے امداد و حمایت کے لئے بھی سازباز شروع کر رکھی تھی انگریز رزیڈنٹ نے پیشوا کو جون ۱۸۱۷ء میں ایک نیا عہدنامہ منظور کرنے پر مجبور کر دیا اس عہدنامہ کی رو سے پیشوا نے اپنے مقبوضہ علاقوں کا ایک بڑا حصہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ پیشوائی کا عہدہ چھوڑ دیا اور پونا میں انگریزی فوج رکھنا منظور کر لیا۔ اس واقعہ سے کوئی سال بھر پہلے ناگپور کے بھونسلا راجہ نے عہد معاونت منظور کر لیا تھا۔ نومبر ۱۸۱۷ء میں سیندھیا نے بھی عہد معاونت منظور کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی انہیں دنوں باجی راؤ ثانی نے اپنی آزادی بحال کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور پونا کے قریب "کرکی" کی انگریزی رزیڈنسی پر ہلہ بول دیا۔ الفنسٹن انگریز رزیڈنٹ نے بڑی ہمت اور بہادری سے مقابلہ کیا اور میدان اُسی کے ہاتھ رہا۔ باجی راؤ ثانی میدان سے بھاگ گیا اِدھر اُدھر مارا مارا پھرنے لگا۔ پھر کچھ جمعیت اکٹھی کر کے کورے گاؤں اور آشٹی کے مقام پر انگریزوں کے مقابلہ پر آیا لیکن ناکامی کے سوا اُس کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر اس نے سر جان میلکم کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔ انہوں نے باجی راؤ ثانی کی آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ پنشن منظور کی اور کانپور کے نزدیک بٹھور دلش کے گاؤں

بیٹھور میں رہنے کی اجازت دے دی۔ پیشوا کی اس ذلت آمیز شکست سے مرہٹوں کے سینے انتقام کی آگ سے دہکنے لگے اور اب ناگپور کے بھونسلا راجہ نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ستیا بلدی کی پہاڑیوں پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا جس میں مرہٹوں کو شکست ہوگئی ریاست ناگپور کے روئی پیدا کرنے والے زرخیز علاقوں پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا اور باقی کچھ حصہ پر بھونسلا راجہ کے ایک کم سن پوتے کو راجہ بنا دیا۔ اندور میں بھی کچھ ہلچل مچی لیکن ہلکر کی فوجوں کو انگریزوں نے مہد پور کے مقام پر شکست دے کر تتر بتر کر دیا جنوری ۱۸۱۸ء میں صلح نامہ ہوا جس کی رو سے ہلکر نے نربدا کے جنوب کا سارا علاقہ انگریزوں کو دے دیا اور اندور میں انگریزی فوج اور انگریز رزیڈنٹ کا قیام بھی منظور کر لیا۔ سیندھیا اور گائیکواڑ پہلے ہی اطاعت قبول کر چکے تھے انہوں نے اب اجمیر اور احمد آباد انگریزوں کے حوالے کر دئے۔ اس طرح لارڈ ہیسٹنگز نے مرہٹوں کو تباہ و برباد کر کے انگریزی غلامی کے آہنی پنجے میں اچھی طرح جکڑ لیا اور ان کی آزادی خاک میں مل گئی اب سندھ سے بنگال اور ستلج سے راس کماری تک انگریزی پرچم لہرانے لگا اور ملک کا اقتدار اعلیٰ پوری طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ آگیا یہ لارڈ ہیسٹنگز کا تاریخی کارنامہ ہے جس کی وجہ سے اُسے انگریزی سلطنت کے بانیوں میں جگہ دی جاتی ہے۔

مرہٹوں کی ناکامی اور زوال کے اسباب

مرہٹوں کی ناکامی اور زوال کے اہم اسباب یہ تھے:-

۱۔ مرہٹہ راجاؤں میں آپس میں اتحاد نام کو نہ تھا۔ حکومت کا کاروبار سرداروں اور اُوپر کے طبقے کے ہاتھوں میں تھا۔ عوام کا کوئی پرسان حال نہ تھا اور نہ ہی انہیں حکومت کے انتظام میں کوئی حصہ لینے دیا جاتا تھا اس لئے جب کسی مرہٹہ ریاست پر تباہی آئی تو عوام ٹس سے مس نہ ہوتے تھے۔

۲۔ مرہٹہ راجے اور سردار ایک دوسرے سے سخت حسد کرتے

عام طور پر ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہے تھے۔ یہاں تک انگریز کے مقابلہ میں بھی جو ان سب کا سانجھا دشمن تھا وہ سب مل کر ایک نہ ہو سکے اور ایک ایک کر کے اُن کی غلامی کے پھندے میں پھنستے رہے۔ ان کے سپہ سالار کئی بار عین موقعہ پر دشمن سے جا ملتے تھے۔

۳۔ مرہٹے ہندو راجاؤں اور مسلمان نوابوں سے لڑتے رہتے تھے اور اپنے علاقے کے آس پاس کے ہندوؤں مسلمانوں سب سے جبراً چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرتے تھے اس لئے دیسی حکمران تو اُن کے خلاف انگریزوں سے جا ملتے تھے اور عوام اُن کے ہاتھوں نالاں رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرہٹے ایک متحدہ اور مضبوط سلطنت بنانے میں بالکل ناکام رہے اور بالآخر انگریزوں کے ہاتھوں اُن کا خاتمہ ہو گیا۔

۴۔ مرہٹوں نے رفاہ عامہ کی طرف بالکل توجہ نہ کی چنانچہ بقول ڈاکٹر تاراچند "مرہٹوں کی سلطنت میں تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا اور قابل اور ایماندار افسروں کی کمی تھی ملک میں رشوت اور غداری کا بازار گرم تھا اور تجارت اور صنعت و دستکاری کا بازار ٹھنڈا پڑا تھا۔"

مرہٹے جب تک چھاپہ مار جنگ کے طریقے پر قائم رہے اُن کا مقابلہ محال رہا لیکن جب انہوں نے میدان میں جم کر جنگیں لڑنا شروع کیا تو وہ اپنے مدمقابل یورپین اور قواعد دان دیسی فوجوں کے سامنے شکستوں پر شکستیں کھانے لگے اُن کا انحصار فوجی طاقت پر تھا اور جب انہیں زیادہ مضبوط فوجی طاقت کا سامنا کرنا پڑا تو وہ اپنی خود مختاری اور سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

لارڈ ہیسٹنگز کی اصلاحات

لارڈ ہیسٹنگز کی شہرت کا انحصار زیادہ تر مرہٹوں کی حکومت کے خاتمہ پر ہے لیکن اُس کے زمانے میں چند قابل ذکر انتظامی اصلاحات بھی ہوئی تھیں۔ جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اُس کے عہد میں مرہٹوں کے مفتوحہ علاقے میں الفنسٹن نے انتظامی معاملات

اور مالگزاری کی تنظیم بڑی خوبی سے انجام دی۔ اسی طرح منرو نے احاطہ مدراس میں مالگزاری کا رعیت داری نظام جاری کیا جس کی رُو سے کسانوں سے براہ راست مالگزاری وصول کی جانے لگی اور وہ زمینداروں اور چک داروں کی لوٹ کھسوٹ اور مظالم سے بچ گئے۔

اس کے علاوہ عدالتی کاروائی کا ضابطہ زیادہ سادہ اور آسان کر دیا گیا۔ انگریز کلکٹروں کو فوجداری مقدمات فیصلہ کرنے کے اختیار بھی دئے گئے۔

لارڈ ہیسٹنگز تعلیمی ترقی کا بڑا حامی تھا اُس کے عہد میں مشہور ہندوستانی ریفارمر راجہ رام موہن رائے کی مدد سے کلکتہ میں ایک کالج اور اُس پاس کئی ورنیکلر اسکول کھولے گئے نئی سڑکیں اور پُل تعمیر ہوئے اور نہر جمن غربی پھر سے جاری کی گئی پریس پر سے پابندیاں ہٹائی گئیں۔ اور اُردو زبان میں اخبار چھپنے لگے۔

۱۸۲۳ء میں لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا اور اُس کی جگہ لارڈ ایمہرسٹ گورنر جنرل ہوکر ہندوستان آیا۔

لارڈ ایمہرسٹ

لارڈ ایمہرسٹ کے عہد حکومت میں جنگ برما اور فتح بھرت پور مشہور واقعات ہیں۔

جنگ برما کی وجوہات یہ تھیں:۔ برما میں یورپین قوموں کو تجارتی مرکز قایم کرنے کی اجازت نہ ملی تھی شاہ برما نے ۱۷۵۷ء میں ایراوتی اور تناسرم کے علاقے فتح کرکے برما کے بڑے حصے کو متحد کر لیا تھا اب اُس کی نگاہیں آسام کے ناگا علاقے اور اراکان پر تھیں۔ آخر ۱۸۱۳ء۔ ۱۸۱۵ء میں منی پور کی زرخیز وادی اور آسام کا کچھ حصہ برمیوں نے دبا لیا اب انہوں نے کمپنی کے مقبوضہ علاقہ سلہٹ پر بھی اپنا دعوے جتانا شروع کر دیا اراکان کی فتح کے بعد ارکانی چٹاگانگ میں پناہ گزین تھے انہوں نے برما کے خلاف محاذ قایم کیا تو برمی فوجیں اراکان میں داخل ہوگئیں اور شاہ برما نے اپنے سپہ سالار بندولا کو حکم دیا کہ کلکتہ فتح کرکے انگریز گورنر جنرل کو بیڑیاں پہنا کر اُس کے حضور [illegible]

فوج وادی برہم پتر کو اور دوسری فوج سمندر کے راستے رنگون کو روانہ کی تاکہ یہ فوج ایراوتی کی وادی فتح کرکے برما کی راجدھانی آوا پر قبضہ کرے۔ سر آرکیبالڈ کیمپبل نے ۱۸۲۴ء میں رنگون پر قبضہ کر لیا اور بالآخر صلحنامہ ینڈابو (YANDABO) کی رُو سے ۱۸۲۶ء میں حکومت برما نے دس لاکھ روپیہ تاوان جنگ ادا کیا آوا میں انگریز ریذیڈنٹ کا قیام منظور کیا اور اراکان۔ آسام۔ منی پور کچھار اور تنا سرم کے علاقے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کئے۔ وقتی طور پر امن تو ہوگیا لیکن یہ صلح کوئی زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوئی۔

۱۸۲۵ء میں بھرت پور کے راجہ کے انتقال کے بعد اُس کا کم سن بیٹا بلدیو سنگھ گدی نشین ہوا لیکن راجہ کے بھتیجے دُرجن سال نے بلدیو سنگھ کو گدی سے اُتار کر حکومت خود سنبھال لی۔ لارڈ ایمہرسٹ نے بلدیو سنگھ کی مدد کے لئے سر ڈیوڈ آکٹر لونی کو حکم دیا اور فوجیں بھرت پور کو روانہ ہوئیں لیکن جنگ برما کی وجہ سے گھبرا کر لارڈ ایمہرسٹ نے فوجیں جلد ہی واپس بلانے کا فیصلہ کیا اس پر آکٹر لونی نے استعفےٰ دے دیا اور اُس کی جگہ سر چارلس مٹکاف مقرر ہوا اُس نے بھی فوج کشی کا مشورہ دیا اور بالآخر ۱۸۲۶ء میں لارڈ کومبرمیر (LORD-COMBERMERE) سپہ سالار نے بھرت پور کا قلعہ فتح کر لیا بلدیو سنگھ کو گدی نشین کروایا اور درجن سال کو گرفتار کرکے بنارس بھیج دیا۔

لارڈ ایمہرسٹ نے شملہ کو ہندوستان کی موسم گرما کی راجدھانی مقرر کیا ۱۸۲۸ء میں لارڈ ایمہرسٹ واپس چلا گیا اور اُس کی جگہ لارڈ ولیم بینٹنگ گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔

لارڈ ولیم بینٹنگ
۱۸۲۸ء — ۱۸۳۵ء

لارڈ ولیم بینٹنگ ڈیوک آف پورٹ لینڈ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ انگریز سوشل ریفارمر ولبر فورس اور انسانیت کے ہمدرد فلاسفر جرمی بینتھم کا اُس کی طبیعت پر بڑا گہرا اثر تھا وہ ایک آزاد خیال آدمی تھا اور دل سے چاہتا تھا کہ

مغربی تہذیب اور آزاد خیالی کو ہندوستان میں بھی رائج کر سکے۔ گورنر جنرل مقرر ہونے سے پہلے وہ مدراس کا گورنر رہ چکا تھا اور ہندوستانی مسائل سے پوری طرح آگاہ تھا اس کا عہد مالی انتظامی اور سماجی اصلاحات کا ایک یادگار دور شمار ہوتا ہے۔

لارڈ ولیم بینٹنگ کے دور حکومت میں مالی انتظامی اور سماجی اصلاحات کے ذریعے کمپنی کی ہندوستانی رعایا کی بہتری کی کوششیں یادگار زمانہ مانی جاتی ہیں۔ ان اصلاحات کا مختصر بیان درج ذیل ہے:۔

مالی اصلاحات

برما کی لڑائی کی وجہ سے ہندوستانی خزانے پر بہت بار آن پڑا تھا اس لئے سب سے پہلے ولیم بینٹنگ نے ملک کی مالی حالت درست کرنے کی غرض سے بچت کی تجویزیں اختیار کیں سب سے پہلے اُس نے دوران امن میں فوجیوں کو آدھا بھتہ یا الاؤنس دینا بند کر دیا۔ اس کے بعد سول محکموں میں بھی خرچ کم کرنے اور آمدنی بڑھانے کے وسیلے اختیار کئے گئے شمال مغربی صوبجات (موجودہ اُتر پردیش) کے تیس سالہ بندوبست مالگذاری کا انتظام رابرٹ برڈ نے اس محنت قابلیت اور کامیابی سے کیا کہ ایک طرف تو حکومت کی آمدنی میں معقول اضافہ ہوا اور دوسری طرف رعیت خوش حال ہوگئی۔



LORD BENTINCK (1828-35)



DOST MUHAMMAD



LORD DALHOUSIE (1848-56)



LORD HARDINGE (1



BAJI RAO II (1795-1818)



MARQUESS OF HASTINGS (1813-23)



MAHARAJA RANJIT SINGH

مالوہ میں افیون کی پیداوار پر کنٹرول کر کے آمدنی میں اضافہ کیا گیا۔
بنگال میں کچھ تو حکومت کے کارندوں کی غفلت اور کچھ لوگوں کی دھوکہ دہی اور جعلی دستاویزات بنانے کی وجہ سے مالیہ سرکار کافی ضائع ہو رہا تھا۔ ولیم بینٹنگ نے پوری پڑتال کروا کے باقیداروں سے لگان کی بقایا وصول کر کے خزانہ میں داخل کروائی۔
چنانچہ ان اصلاحات کی وجہ سے دس لاکھ پونڈ خسارے کی بجائے کمپنی کو اب پندرہ لاکھ پونڈ سالانہ بچت اور منافع ہونے لگا

انتظامی اصلاحات

لارڈ ولیم بینٹنگ نے کارنوالس کی قائم کردہ صوبائی اور دورے کرنے والی عدالتیں منسوخ کر دیں اُس نے ہندوستانی ججوں کے اختیار اور تنخواہوں میں معقول اضافے منظور کئے۔ مقدموں کے فریقین عدالتوں میں فارسی کی بجائے اُردو استعمال کرنے کی اجازت دی گئی۔ مجسٹریٹ اور کلکٹر ریونیو کمشنروں کے ماتحت کر دئے گئے۔
ان اصلاحات سے ولیم بینٹنگ کے تدبر کا پتہ چلتا ہے۔ ان اصلاحات کی وجہ سے ملک میں کمپنی کے عہد میں پہلی بار ایک قابل عمل اور مستعد انتظامی ڈھانچہ قائم ہوا

سماجی اصلاحات

لارڈ ولیم بینٹگ کا نام درحقیقت اُس کی سماجی اصلاحات کی وجہ سے روشن ہے۔
انسداد ستی :- ۱۸۲۹ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ نے ستی کی وحشیانہ رسم بالکل بند کر دی اور بیواؤں کا اُن کے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ جلنا یا اس میں کسی طرح کی حوصلہ افزائی یا مدد کرنا جُرم قرار دے دیا۔ ولیم بینٹنگ کے اس کارنامے سے لاکھوں ہندو بیوائیں بن آئی موت کے چنگل سے بچ گئیں۔ لارڈ ولیم بینٹنگ کو اس نیک کام میں مشہور ریفارمر راجہ رام موہن رائے اور راجہ دوارکا ناتھ ٹیگور جیسے نیک دل اور ہمدرد قوم ہندوؤں کا تعاون حاصل تھا۔
انسداد ٹھگی :- ۱۸۳۰ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ نے ٹھگی کی لعنت کو ختم کرنے کی طرف توجہ دی۔ ٹھگ دھوکہ بازی سے لوگوں کو

لوٹتے اور کالی دیوی کی پوجا کرنے کے لئے انسانی قربانیاں چڑھاتے۔ اُن کے مظالم سے وسط ہند کی رعایا خاص طور پر سخت نالاں تھی۔ لارڈ ہیسٹنگز اور لارڈ ایمہرسٹ کے زمانہ میں بھی اُن کی سرکوبی کے لئے کارروائیاں کی گئیں بالآخر ایف۔ سی۔ سمتھ پولٹیکل ایجنٹ وسط ہند اور میجر سلی مین کی متحدہ کوششوں سے ٹھگوں کا پوری طرح قلع قمع کر دیا گیا۔

انسدادِ دختر کشی:۔ راجپوتوں کے بعض قبیلوں میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ زمین میں گاڑھ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا تھا۔ اس وحشیانہ رسم کو بند کرنے کے لئے لارڈ ولیم بینٹنک نے خاص احکام جاری کئے اور اسے جرم قرار دے دیا۔

اسی طرح بعض توہم پرست لوگ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی غرض سے انسانی قربانیاں چڑھایا کرتے تھے خاص طور پر گونڈ قوم میں ان کا بہت رواج تھا۔ لارڈ ولیم بنٹنگ نے اس رسم کو بھی قانوناً بند کر دیا

تعلیمی ترقی انگریزی حکمرانوں میں پہلے پہل وارن ہیسٹنگز نے تعلیمی ترقی کی طرف توجہ دی تھی لیکن کمپنی کی حکومت تعلیم کے انتظام کو اپنی ذمہ داری نہ سمجھتی تھی پہلے پہل ۱۸۱۳ء کے چارٹر ایکٹ کی رُو سے عوام کی تعلیم کے لئے ایک لاکھ روپے کی رقم مخصوص کی گئی۔ لیکن کمپنی کے افسر اس مقصد سے ہمدردی نہ رکھتے تھے۔ کلکتہ کے روشن دماغ ہندوؤں نے کلکتہ کے گھڑیوں کے سوداگر ڈیوڈ ہیئر (DAVID-HARE) کی مدد سے ۱۸۱۶ء میں ہندو کالج کی بنیاد رکھی ۱۸۳۵ء میں اس کالج میں چار سو طالب علم تعلیم پا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لارڈ میکالے کو ہندوستان میں مغربی تعلیم کا بانی سمجھنا تاریخی طور پر غلط ہے۔ بمبئی میں ۱۸۱۵ء میں بمبئی ایجوکیشن سوسائٹی اور مدراس میں سر ٹامس منرو کی سرکردگی میں مغربی تعلیم رائج کرنے کی سوچ رہے تھے لارڈ ولیم بینٹنگ کے عہد حکومت میں یہ مسئلہ حکومت کے سامنے پیش ہوا۔ کہ آیا ہندوستانیوں کو فارسی عربی اور سنسکرت زبانیں اور مشرقی علوم سکھلائے جائیں یا انہیں انگریزی زبان میں مغربی علوم سے روشناس کروایا جا

جب یہ معاملہ گورنر جنرل کی کونسل میں پیش ہوا تو میکالے نے جو کونسل میں ممبر قانون تھا بڑے جوش و خروش سے مشرقی علوم کی مخالفت کی۔ وہ چاہتا تھا کہ ملک میں انگریزی ذریعہ تعلیم ہو اور یہاں کے تعلیمی اداروں میں مغربی علوم کی تعلیم دی جائے تاکہ ہولے ہولے ایک ایسی جماعت ملک میں پیدا ہو جائے کہ جسمانی طور پر تو ہندوستانی ہو لیکن ذہنی طور پر یورپین ہو۔ ولیم بینٹنگ نے میکالے کی رائے مان لی۔ یہ فیصلہ ہماری قومی تعلیم کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس فیصلے سے بڑے اہم نتائج نکلے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بعد سے آج تک ہندوستان میں مغربی ادب۔ فلسفہ اور سائنس کے مطالعہ کا شوق بڑھتا گیا۔ توہم پرستی اور اندھی تقلید کا جذبہ جاتا رہا۔ لوگوں میں ذہنی آزادی کے ساتھ ساتھ قومی آزادی، قومیت نوازی اور حب وطن کے جذبات پیدا ہوئے جن کے بل بوتے پر بالآخر ملک آزاد ہوا۔ لیکن اس سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ایک اجنبی زبان کے ذریعہ تعلیم ہونے کی وجہ سے طالب علموں کو بڑی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ انہیں اس زبان میں اظہار خیال کرنے میں بڑی دماغی قوت بے کار صرف کرنا پڑتی رہی اور ہندوستان کی قومی اور مادری زبانوں کی ترقی بھی رک گئی کچھ عرصہ بعد انگریزی سرکاری زبان قرار پا گئی اور اردو اور فارسی کو سخت دھکا لگا۔ انگریزی زبان سے ملک میں یک جہتی اور ایکتا کا جذبہ بڑھانے۔ دوسرے ممالک سے تعلقات قائم کرنے اور جدید ترین سائنس اور فلسفہ کی ترقیوں سے آگاہ رہنے میں بڑی مدد مل رہی ہے اس سب کا سہرا لارڈ ولیم بینٹنگ کے سر ہے۔

لارڈ ولیم بینٹنگ اور دیسی ریاستیں

لارڈ ولیم بینٹنگ کو ہندوستان آنے سے پہلے اچھی طرح یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ دیسی ریاستوں کے معاملات میں دست اندازی کی کوشش نہ کرے چنانچہ جہاں تک ہو سکا لارڈ ولیم بینٹنگ سختی سے عدم مداخلت کے اصول پر قائم رہا لیکن بعض ریاستوں میں حالات اس قدر نازک صورت اختیار کر گئے کہ وہ دخل دئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ

اس سلسلہ میں یہ واقعات قابلِ ذکر ہیں :-

۱- میسور۔ یہاں کے حکمران کرشن راجہ کو ویلزلی نے تخت پر بٹھایا تھا۔ لیکن اُس وقت وہ نابالغ تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی اُس نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور رعایا پر طرح طرح کے مظالم توڑنے لگا۔ لوگوں نے تنگ آکر بغاوت کی ٹھانی۔ اب لارڈ ولیم بینٹنگ کو انگریزی فوجیں بھیجکر حالات پر قابو پانا پڑا۔ راجہ کو تخت سے اتار کر پنشن دے دی گئی اور آئندہ کے لئے ریاست کا انتظام انگریز افسروں کو سپرد کر دیا گیا۔ پچاس برس کے بعد لارڈ رپن نے پھر کرشن راجہ کے متبنّا کو حکومت سونپ دی میسور کے موجودہ گورنر اسی متبنّے کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲- کچھار :- برما کی پہلی لڑائی کے بعد معاہدہ ینڈابو کے تحت یہ ریاست انگریزوں کے زیر حفاظت آچکی تھی ۱۸۳۲ء میں یہاں کا راجہ لاولد مر گیا۔ وہاں کے چیدہ چیدہ لوگوں کی مرضی سے لارڈ ولیم بینٹنگ نے یہ ریاست انگریزی علاقہ میں شامل کر دی اس کے جنگل صاف ہوئے اور جا بجا چائے کے باغ لہلہانے لگے۔

۳- کورگ :- میسور کے قریب کورگ کا علاقہ راجہ بیر راج کے زیر حکومت تھا یہ راجہ پرلے درجے کا ظالم اور نہایت سنگ دل تھا اُس نے اپنے کنبے کے کئی افراد قتل کروائے تھے اور رعایا اُس کے ہاتھوں خون کے آنسو روتی تھی۔ آخر لارڈ ولیم بینٹنگ نے بیر راج کو معزول کر کے بنارس روانہ کر دیا اور کورگ کے علاقہ کو انگریزی علاقہ میں شامل کر دیا۔

۴- خالصہ دربار :- لارڈ ولیم بینٹنگ کو روس کی طرف سے شمال مغربی سرحد پر پیش قدمی کا بڑا خطرہ تھا۔ اس لئے اُس نے خالصہ دربار اور امیران سندھ سے دوستی کا عہد و پیمان کر کے اپنی سرحدیں محفوظ کرنے کی تجویز سوچی۔

۱۸۳۲ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ نے بڑی شان و شوکت سے روپڑ کے مقام پر پنجاب کے حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ملاقات کی اور اُسے اپنی دوستی کا یقین دلایا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی اُس سے بڑے تپاک سے ملا اور لارڈ ولیم بینٹنگ کا مشن بڑا کامیاب رہا۔

اسی سال لارڈ ولیم بینٹنگ نے سندھ کے بلوچی امیروں سے عہد نامہ کر کے
سے سندھ میں تجارت کے لئے رعائتیں حاصل کیں اور وعدہ کیا کہ انگریزی
ج کبھی اُن کے علاقوں سے گذرنے یا داخل ہونے کا قصد نہ کرے گی لیکن
یم بینٹنگ کے بعد لارڈ آکلینڈ کے دور حکومت میں افغانستان کی پہلی
ڑائی میں انگریزوں نے نہایت شرمناک طریقے سے ۱۸۳۱ء عہد کی خلاف
رزی کی۔

چارٹر ایکٹ ۱۸۳۳ء

۱۸۱۳ء کے چارٹر ایکٹ یا اجازت نامہ کی میعاد ختم ہونے کے بعد ۱۸۳۳ء میں
برطانوی پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے نیا چارٹر ایکٹ پاس کیا اس
ایکٹ کی رو سے کمپنی کو مزید بیس سال کے لئے اجازت نامہ عطا کیا گیا
لیکن اب کمپنی کو چین سے تجارت کی اجارہ داری بھی ختم کر دی گئی اور
اس طرح ہندوستان اور چین کی تجارت سب انگریز سوداگروں کے لئے
کھول دی گئی۔ کمپنی کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ اپنا سارا تجارتی کاروبار
چالیس سال کے اندر اندر ختم کر دے۔ اس چارٹر ایکٹ کی رو سے
ہندوستانی مقبوضات کے انتظام کے لئے ایک آئینی ڈھانچہ کا بھی ترتیب
دیا گیا چنانچہ گورنر جنرل بنگال کو اب گورنر جنرل ہند مقرر کیا گیا اور بمبئی
مدراس اور آگرہ کی مقامی حکومتیں پوری طرح اُس کے ماتحت اور زیر نگرانی
قرار دے دی گئیں۔ گورنر جنرل کی کونسل کو قوانین وضع کرنے کا اختیار
بھی دیا گیا اور اس غرض کے لئے ایک ممبر قانون کا کونسل میں اضافہ کیا گیا
آگرہ میں چوتھی پریذیڈنسی قائم کی گئی اور اسے ایک صوبائی گورنر کے
ماتحت کر دیا گیا۔ اس ایکٹ میں ایک نہایت اہم اصول یہ تسلیم کیا گیا کہ
آئندہ کوئی ہندوستانی محض رنگ نسل وطن یا مذہب کی بنا پر حکومت
کے کسی عہدہ سے محروم نہ رکھا جائے گا گورنر جنرل کو خاص ہدایت کی گئی
کہ وہ ہندوستان سے غلامی کی بری رسم کو جلد از جلد ختم کر کے اسے

جرم قرار دیا۔ اس ایکٹ کی رو سے ایک طرف تو کمپنی کی تجارتی حیثیت بالکل ختم
کر دی گئی اور دوسری طرف ایک قانونی حکومت کی بنا ڈالی گئی جس میں
آہستہ آہستہ مختلف ایکٹوں کی رو سے تبدیلی کر کے بالآخر ایک جمہوری حکومت
کے قیام کی راہ ہموار کر دی گئی یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی آئینی تاریخ
میں اس ایکٹ کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔

سر چارلس مٹکاف

۱۸۳۵ — ۱۸۳۶

لارڈ ولیم بینٹنگ کی واپسی پر ایسٹ انڈیا
کمپنی کے ایک قابل ترین افسر سر چارلس
مٹکاف نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ سر
چارلس مٹکاف اس سے پہلے ترقی کرتے کرتے صوبہ آگرہ کا گورنر مقرر ہو
چکا تھا۔ سر چارلس مٹکاف نے اپنے عہد میں ہندوستانی پریس پر سے ہر
قسم کی پابندیاں ہٹا دیں اور ویلزلی نے پریس کی آزادی سلب کرنے کے
لئے جو قواعد مقرر کر رکھے تھے سب منسوخ کر دئے یہ ایک بڑا ہی ترقی
پرورانہ قدم تھا اور ہندوستانی پریس نے اس سے پورا فایدہ اُٹھایا اور
لوگوں کی ترجمانی شروع کی اس سے برطانوی سامراجیوں کے محلوں میں
پکار پڑ گئی۔ سر چارلس مٹکاف کی اس قدر مخالفت شروع ہو گئی کہ اُسے مجبوراً
استعفےٰ دے کر عہدہ چھوڑنا پڑا۔

لارڈ آکلینڈ

۱۸۳۶ — ۱۸۴۲ء

سر چارلس مٹکاف کے بعد ۱۸۳۶ء میں لارڈ آکلینڈ
گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آیا اُس کے عہد کا سب
سے مشہور واقعہ افغانستان کی پہلی لڑائی ہے

اسباب جنگ افغانستان

۱۸۳۹ء

اُنیسویں صدی میں برطانوی خارجہ
پالیسی روس کے ڈر پر مبنی تھی۔
برطانوی سیاست دانوں کا خیال تھا

کہ روس اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور اپنی سلطنت کی توسیع کے لئے ایک طرف تو مشرق وسطیٰ اور دوسری طرف ہندوستان میں پاؤں پھیلانے کی کوشش کرے گا چنانچہ روس کی مشہور ملکہ کیتھرین کے عہد میں روسی حکومت نے جنوب میں کوہ قاف اور گرجیا اور مشرق میں ایران کی شمالی سرحد اور وسط ایشیا کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی طرف پیش قدمی کرنا شروع کی تھی۔ ایران نے اس خطرناک صورت حال کے مقابلہ کے لئے انگریزوں سے دوستی اور مفاہمت میں ہی اپنی خیر سمجھی لیکن ۱۸۲۶ء میں جب روس اور ایران میں لڑائی چھڑی تو انگریزوں نے ایران کی کچھ مدد نہ کی کیونکہ اس وقت وہ یونانیوں کی جنگ آزادی میں ترکوں کے خلاف اُن کی مدد کر رہے تھے چنانچہ ایران کو شکست ہوگئی اور روس ایران پر چھا گیا۔ روسیوں نے ایرانیوں کو ہرات اور قندھار فتح کرنے کی شہ دی۔ اب حکومت ہند کو سخت خطرہ لاحق ہوگیا اور انگریزوں نے سمجھا کہ اب اُن کی خیر نہیں۔ روسی اقتدار کو افغانستان میں پھیلنے سے روکنا انگریزوں کی سامراجی پالیسی کی لازمی شرط تھی اس لئے حکومت ہند امیر افغانستان کو اپنے اثر و رسوخ میں رکھنا چاہتی تھی۔

اُدھر افغانستان میں احمد شاہ ابدالی کے شاہی خاندان سدوزئی کا وارث شاہ شجاع ایک کمزور اور نکما حکمران تھا اس کے ہاتھ میں صرف ہرات کا کچھ علاقہ تھا۔ کابل۔ قندھار اور جلال آباد کے اہم علاقے برک زئی قبیلہ کے بہادر اور جواں ہمت سردار دوست محمد خان کے ہاتھ میں تھے دوست محمد خاں کو ایک طرف روسی اور ایران پیش قدمی کا ڈر تھا دوسری طرف مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر اور پشاور کے افغان مقبوضہ علاقوں پر قبضہ کر لیا ہوا تھا۔ سندھ میں امیران سندھ کے نیم آزاد علاقے تھے۔ کچھ عرصہ بعد دوست محمد خان نے شاہ شجاع کو ہرات سے بھی چلتا کیا شاہ شجاع کشمیر اور کشتواڑ سے ہوتا ہوا بالآخر لدھیانے میں انگریزوں کی پناہ میں آگیا امیر دوست محمد خاں اس بات کو بھی خطرہ سے خالی نہ سمجھتا تھا اس نازک صورت حالات میں دوست محمد خان ایک دشمن کو دوسرے سے دبا کر اپنی خیر منانا چاہتا تھا چنانچہ جب حکومت ہند نے امیر دوست محمد خاں

سے زیادہ گہرے تعلقات اور دوستی کی خواہش کی تاکہ انہیں افغانستان کے راستے روسی حملہ کا خطرہ نہ رہے تو امیر دوست محمد خان نے آمادگی ظاہر کی مگر شرط یہ لگا دی کہ انگریز پشاور کا علاقہ سکھوں سے خالی کروا دیں۔ انگریز مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کسی صورت میں ناراض نہ کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اسی اثناء میں ۱۸۳۷ء میں امیر دوست محمد خان نے روس کے ایک سیاسی مشن کا کابل میں خیر مقدم کیا۔

اب انگریزوں کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور روسی خطرہ بُری طرح اُن کے سر پر منڈلانے لگا۔ لارڈ آکلینڈ نے ساری صورت حال کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کیا اور بالآخر یہ طے کیا کہ شاہ شجاع اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تعاون سے امیر دوست محمد خان والئے کابل کا ناطقہ بند کیا جائے۔ افغانستان کی پہلی لڑائی کی یہی سب سے بڑی وجہ تھی۔ لارڈ آکلینڈ نے ولیم میکناٹن کے ذریعے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع سے عہد نامہ کر لیا جس کی رو سے قرار پایا کہ انگریز اور سکھ شاہ شجاع کو دوبارہ تخت کابل حاصل کرنے میں امداد دیں گے اور امیر دوست محمد خان کو افغانستان سے نکال باہر کیا جائے گا اس کے عین بعد لارڈ آکلینڈ نے اعلان جنگ کر دیا۔ اس میں اُسے برطانوی پرائم منسٹر پامرسٹن کی پوری پوری حمایت حاصل تھی اس جنگ سے ہندوستانی عوام کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہ محض ایک سامراجی جنگ تھی جو ہندوستانیوں کے مال و دولت اور جان سے انگریزی مفاد اور سامراجی فائدے کے لئے لڑی گئی۔

واقعات اس جنگ کا آغاز امیران سندھ سے ایک شرمناک عہد شکنی سے ہوا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ انگریزی فوجوں کے پنجاب سے گذرنے پر رضامند نہ ہوا۔ تو انگریزی فوجیں سندھ اور درہ بولان کے راستے افغانستان پر چڑھائی کرنے کیلئے روانہ ہوئیں حالانکہ ۱۸۳۲ء کے عہد نامہ میں انگریزوں نے امیران سندھ سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی ہتھیار بند فوجیں کبھی سندھ میں داخل نہ ہونگی۔

۱۸۳۸ء میں انگریزی فوجیں درہ بولان عبور کرکے افغانستان کے علاقے میں گھس [illegible] قندھار اور جلال آباد پر قبضہ کرنے کے لئے

بعد کابل میں داخل ہوگئیں۔ شاہ شجاع کو پھر سے کابل کا بادشاہ بنا دیا گیا
اور ولیم میکناٹن انگریزی رزیڈنٹ اور شاہ شجاع کا سیاسی مشیر مقرر ہوگیا
اس فتح کی خبر انگلستان پہنچی تو لارڈ آکلینڈ۔ میکناٹن اور سپہ سالار کینسر
پر اعزازوں کی بارش کر دی گئی اور ان کی قابلیت دلیری اور عزم واستقلال
کی دھاک بیٹھ گئی۔ چند دنوں بعد امیر دوست محمد خان نے اطاعت قبول
کر لی اور انگریزوں نے اُسے قید کرکے کلکتہ روانہ کر دیا۔

دو سال تک بظاہر امن وامان رہا لیکن بہادر اور غیور افغانوں کو
اپنی قومی ذلت کے احساس کی وجہ سے دم بھر چین نہ تھا اندر ہی اندر اُن
کے سینوں میں انتقام کی آگ دہک رہی تھی شاہ شجاع نکما اور کمزور حاکم
تو تھا ہی آہستہ آہستہ ملک میں ہر طرف انگریزی سامراجیوں اور وطن
دشمنوں کے خلاف بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ امیر دوست محمد خان کے
بہادر غیور اور باہمت بیٹے محمد اکبر خان نے وطن پرور اور سامراج دشمن
افغانوں کی قیادت سنبھالی۔ ولیم میکناٹن نے روپے کا لالچ دے دے کر
کئی افغان سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا مگر جب میکناٹن کو حکومت
ہند نے روپیہ دینے میں کمی کر دی اور کابلی حکومت کو ٹیکس وصول کرنے
میں ناکامی ہوئی تو یہ سردار بھی بگڑ بیٹھے اور صورت حال سخت نازک ہو گئی
آخر کار موقعہ پاتے ہی افغانوں نے ۱۸۴۱ء میں سر الیگزینڈر برنز پولیٹیکل
ایجنٹ اور ولیم میکناٹن کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اس وقت افغانستان
میں سولہ ہزار انگریزی فوج تھی۔ موسم سرما شروع ہو چکا تھا اور رسد کا
معقول انتظام نہ تھا اب جنگی جرنیلوں اور افغانوں میں گفت وشنید
ہوئی اور یہ قرار پایا کہ شاہ شجاع کو اگر وہ چاہے تو واپس جانے کی اور
انگریزی فوجوں کو بے ہتھیار کرکے باامن لوٹنے کی اجازت ہو گی۔ جنوری
کے مہینہ میں برف و باراں میں یہ قافلہ روانہ ہوا راستے میں پٹھان
قبائل نے گولہ باری سے ان بھاگتے ہوئے دشمنوں کی دھجیاں اُڑا دیں
زندہ جرنیل رابرٹ سیل کے پاس جلال آباد سے صرف ڈاکٹر برائیڈن
باقی سب فوج کھیت
اور ایک ہفتہ میں ان سولہ ہزار سپاہیوں کو
وہ پاگل ہوگیا اور استعفا

لے کر واپس انگلینڈ چلا گیا۔ حکومت انگلستان بھی اس واقعہ سے بوکھلا اُٹھی اور پارلیمنٹ اور پریس میں کہرام مچ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی سامراج کی تاریخ میں اس قدر عبرتناک شکست کی نظیر نہیں ملتی۔

لارڈ ایلنبرا ۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۴ء اور جنگ افغانستان کا آخری دور

۱۸۴۲ء میں لارڈ ایلنبرا گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔ اس نے آتے ہی حالات کا جائزہ لیا۔ کابل اس وقت مجموعی بحران کے دور میں تھا۔ شاہ شجاع قتل ہو چکا تھا جلال آباد میں جنرل رابرٹ سیل انگریزی فوج کے ساتھ محصور تھا جنرل ناٹ قندھار میں تھا اب گورنر جنرل نے درہ خیبر کے راستے جنرل پولک کی سرکردگی میں فوج روانہ کی جنرل پولک نے رابرٹ سیل اور ناٹ کی خلاصی کروائی اور ستمبر ۱۸۴۲ء میں فاتحانہ انداز سے کابل میں داخل ہوا۔ کابل کے بڑے بازار کو جہاں میکناٹن کی لاش لٹکائی گئی تھی وحشیانہ انتقام کے جذبے میں آکر توپوں سے اُڑا دینے کا حکم دیا۔ اب فیصلہ کیا گیا کہ انگریزی فوج کو واپس بلا لیا جائے اور کابل کی حکومت کا معاملہ افغانوں پر چھوڑ دیا جائے امیر دوست محمد خان کو رہا کر دیا گیا وہ واپس آکر پھر کابل کی حکومت پر قابض ہو گیا اور لارڈ ایلنبرا نے اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

نتائج اس لڑائی میں ہزاروں جانوں اور کروڑوں روپوں کا نقصان ہوا کمپنی کی شہرت کو سخت دھکا لگا اور انگریزوں کو ایسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جس کی نظیر نہیں ملتی اور اس پر طرہ یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی یا سلطنت برطانیہ کو اس جنگ سے اپنے سامراجی مقاصد میں ذرہ بھر بھی کامیابی نہ ہوئی اس جنگ کے لئے انگریزوں کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہ تھا یہ سراسر ایک جارحانہ کاروائی تھی جس کا سوائے نقصان کے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

الحاق سندھ ۱۸۴۳ء

سندھ کے علاقے میں تالپور خاندان کے بلوچ سردار میرپور۔ خیرپور اور حیدرآباد کی ریاستوں پر حکمران تھے۔ شروع شروع میں یہ امیر کابل کے بادشاہ کو اپنا سربراہ سمجھتے تھے لیکن شاہ شجاع کی معزولی کے بعد تقریباً آزاد ہو چکے تھے لارڈ ولیم بنٹنگ نے امیران سندھ سے ۱۸۳۲ء میں معاہدہ کر کے سندھ میں تجارت کی مراعات حاصل کیں اور وعدہ کیا کہ انگریز فوجیں کبھی سندھ میں داخل نہ ہوں گی۔ اسی سال جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سندھ کو فتح کرنے کا قصد ظاہر کیا تو انگریزوں نے اس کی حمایت کی حامی نہ بھری بلکہ امیران سندھ کو حفاظت کا یقین دلا کر اُن سے تین لاکھ روپیہ خراج اور حیدرآباد میں انگریز ریذیڈنٹ رکھنے کی اجازت لے لی۔ امیران سندھ ان سب اشتعال انگیزیوں کا صبر و تحمل سے مقابلہ کرتے رہے تا آنکہ بالآخر ۱۸۳۹ء میں انگریزی فوجیں جنگ افغانستان میں شامل ہونے کی غرض سے سندھ میں داخل ہو گئیں۔ یہ سراسر عہد شکنی تھی لیکن امیران سندھ نے پھر بھی انگریزوں سے الجھنا مناسب نہ سمجھا اور دوستی کے معاہدوں کی پوری طرح پابند رہے۔

لارڈ ایلنبرا ایک سامراجی ذہنیت کا حاکم تھا اُس نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ ہر قیمت پر سندھ کو انگریزی علاقے میں شامل کر کے رہے گا اس کے لئے وہ کسی بہانے کی تلاش میں تھا آخر اُس نے امیران سندھ پر کمپنی کے خلاف افغانوں کی مدد کا الزام لگایا اور اس الزام کی تحقیقات کے لئے سر چارلس نیپئر کو متعین کیا جو خود دل سے چاہتا تھا کہ سندھ پر انگریزوں کا قبضہ ہو جائے اُس نے سندھ پہنچتے ہی بغیر کسی خاص تحقیقات کے سب الزاموں کی تصدیق کر دی اور کئی علاقوں پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ بلوچی فوج بے قابو ہو گئی اور کھلی جنگ چھڑ گئی۔ میانی اور دابو کے مقام پر دو لڑائیاں ہوئیں جن میں ... حیدرآباد کی ... شکست ...

کھا گئیں اور سر چارلس نیپئر نے سارے سندھ پر قبضہ کر کے اسے انگریزی علاقے میں شامل کر دیا۔ صرف خیر پور کی ریاست ایک ماتحت ریاست کے طور پر بحال رہنے دی گئی کیونکہ وہاں کے غدار امیر نے انگریزوں کی مخالفت میں کچھ حصہ نہ لیا تھا سندھ کا الحاق انگریزوں کی سیاسی بد اخلاقی عہد شکنی اور ظلم کی ایک بے نظیر مثال ہے خود سر چارلس نیپئر اسے ایک "فائدہ بخش بدمعاشی" "[An advantageous piece of rascality]" کہا کرتا تھا اس جارحانہ کارروائی پر پارلیمنٹ میں سخت نکتہ چینی کی گئی لیکن اس بے انصافی کی کسی طرح بھی تلافی نہ کی گئی اور سر چارلس نیپئر ہی کو سندھ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

اسی سال گوالیار میں شورش بپا ہو گئی جن کا جی سیندھیا کے مرنے کے بعد اُس کی بیوی نے حکومت چلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی اور فوج بے قابو ہو گئی۔ لارڈ ایلنبرا نے مداخلت کی اور مہاراج پور اور پنیار کے مقام پر گوالیار کی فوجوں کو شکست ہو گئی۔ فوج کی تعداد ایک تہائی کر دی گئی۔ ریاست کے انتظام کے لئے ایک نگران کونسل [Regency Council] قائم کر دی گئی جس کا نگران اعلیٰ انگریز رزیڈنٹ کو مقرر کیا گیا ۱۸۴۴ء میں کمپنی نے لارڈ ایلنبرا کو واپسی کا حکم دیا اور اس کی جگہ سر ہنری ہارڈنج گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ سکھوں کی پہلی جنگ ہے۔

شیرِ پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ

احمد شاہ ابدالی کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ میں افراتفری اور گھر گھر راج کا دور دورہ ہو چکا تھا اس سیاسی ابتری سے فائدہ اٹھا کر پنجاب میں سکھ سردار مار دھاڑ کرتے پھرتے تھے ان سرداروں کے بارہ مشہور قبیلے تھے جو مسل کہلاتے ... مسلوں میں سکو چکیہ مسل

کے سردار مہان سنگھ کے گھر میں گوجرانوالہ ۱۷۸۰ء میں رنجیت سنگھ پیدا ہوا بچپن میں وہ چیچک کی موذی مرض میں مبتلا ہوگیا اور وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگیا اور ایک ٹانگ اور ایک بازو میں بھی کمزوری پیدا ہوگئی۔ بارہ برس کی عمر میں رنجیت سنگھ کے باپ مہان سنگھ کا انتقال ہوگیا۔ رنجیت سنگھ کی ماں نے بھی اُس کی خاص نگہداشت نہ کی اس طرح اُس کا بچپن نہایت تنگدستی اور پریشانی میں گذرا لڑکپن میں ہی کنہیا مسل کے سردار گور بخش نے اُسے اپنی بیٹی بیاہ میں دے دی اس سے رنجیت سنگھ کی حالت قدرے بہتر ہوگئی۔

رنجیت سنگھ نے ۱۹ سال کی عمر میں اپنی سیاسی زندگی شروع کی اور اپنی سوجھ بوجھ ہمت اور بہادری سے ترقی کرنے لگا۔ رنجیت سنگھ نے زمان شاہ والئے کابل کی سرداری تسلیم کر کے اُس سے لاہور کی حکومت حاصل کی اور اب اپنی خود مختار سلطنت کے قیام کی تجویزیں سوچنے لگا۔

۱۸۰۲ء میں رنجیت سنگھ نے بھنگی مسل کے سرداروں کو شکست دے کر سکھوں کے متبرک مقام امرت سر پر قبضہ کر لیا اور بڑھتے بڑھتے ستلج پار تک کے سارے علاقے پر قبضہ کر کے مشرقی پنجاب کی سکھ ریاستوں کو فتح کرنے کی تجویزیں سوچنے لگا اور اکے دکے حملے بھی شروع کر دیئے۔ یہ ریاستیں انگریزوں کی وفادار حلیف تھیں۔ ان کی درخواست پر لارڈ منٹو نے ۱۸۰۹ء میں سر چارلس مٹکاف کو خالصہ دربار میں سفارت پر مامور کیا۔ سر چارلس مٹکاف کی کوشش سے امرت سر کا عہد نامہ طے ہوا جس کی رو سے انگریزوں اور خالصہ دربار میں دوستی کی بنیاد پر طے ہوا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ستلج پار کے علاقوں سے کوئی سروکار نہ رکھے گا ور انگریزوں

کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے شمالی یا مغربی پنجاب میں فتوحات پر کوئی اعتراض نہ ہوگا مہاراجہ رنجیت سنگھ کو زندگی بھر انگریزوں سے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا اور اُن سے دوستی بنی رہی اس طرح مشرقی سرحد محفوظ کرنے کے بعد مہاراجہ نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ ۱۸۰۹ء میں کانگڑہ۔ ۱۸۱۶ء

میں جھنگ ۱۸۱۷ء میں ملتان۔ ۱۸۱۹ء میں کشمیر اور ۱۸۳۷ء میں پشاور
فتح کرکے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ایک طاقتور سکھ سلطنت کی بنیاد
رکھ دی۔

اسی دوران میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مفتوحہ علاقے میں اچھی طرح
اپنا سکہ بٹھلانے کے لئے سول اور فوجی انتظامات کو ترتیب دینے کی طرف
توجہ کی۔ ساری سلطنت چار صوبوں میں بانٹی گئی اور صوبہ لاہور، صوبہ ملتان
صوبہ کشمیر اور صوبہ پشاور میں صوبائی گورنروں یا ناظموں کے ماتحت صوبائی
حکومتیں قائم کی گئیں۔ ناظموں کے ماتحت ہر ضلع میں کاردار مقرر تھے جو
ماتحت عملہ کی مدد سے مالیہ سرکار وصول کرتے تھے کل پیداوار کا ۱/۳ حصہ سے
۱/۲ تک سرکاری مالیہ کے طور پر وصول کیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ کئی
چھوٹے موٹے ٹیکس اور بھی تھے ان کی وصولی میں رعایا پر بڑی سختی کی جاتی
تھی ملک میں کوئی خاص قانون رائج نہ تھا۔ مختلف جرموں پر جرمانے یا ہاتھ
پاؤں کاٹنے کی سزائیں دی جاتی تھیں حکومت کی طرف سے تعلیم۔ رفاہ عامہ، صنعت
وحرفت کی ترقی۔ صحت عامہ اور تمدنی ترقی کی دیکھ بھال کا کچھ انتظام نہ
تھا۔ طاقتور سرداروں اور جاگیرداروں کے مظالم سے رعایا سخت نالاں
تھی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک مطلق العنان اور مدبر حاکم تھا اس لئے اُس کا
دارومدار فوجی طاقت پر تھا اس کی فوج شمالی ہندوستان کی بہترین منظم اور
مضبوط فوج مانی جاتی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس فوج کی اعلےٰ درجے
کی تربیت کے لئے فرانسیسی اور اطالوی جرنیل مقرر کر رکھے تھے جا بجا اسلحہ
سازی کے کارخانے تھے اُس کے پاس الٰہی بخش کی کمان میں ایک عمدہ توپ خانہ
تھا اس کے علاوہ سوار فوج کے برق رفتار دستے ہر وقت تیار رہتے
تھے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ میں سرداری کی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی
تھیں اُس کی شخصیت بڑی بارعب تھی۔ قدرت نے اُسے آہنی ارادہ بخشا تھا
وہ خود غرض ہوشیار۔ عیار۔ بہادر اور مغرور حکمران تھا اس میں وہ سب

خوبیاں اور عیب ہے جو ایک مطلق العنان مشرقی بادشاہت کی کامیابی کے لئے ضروری ہیں۔ رنجیت سنگھ تدبر۔ معاملہ فہمی اور سیاست میں اپنی نظیر آپ تھا۔ اُس کی بہادری اور جوانمردی ضرب المثل تھی وہ خود اَن پڑھ تھا لیکن عالموں کا قدردان تھا وہ اپنی رعایا کے ہر فرقہ کا تعاون اور وفاداری حاصل کرنے کا خواہشمند تھا راجہ دھیان سنگھ ڈوگرہ۔ فقیر عزیز الدین۔ راجہ دینا ناتھ مدن اور دیوان ساون مل اُس کے خاص مشیر تھے۔ راجہ دھیان سنگھ کے بیٹے کنور ہیرا سنگھ سے مہاراجہ کو بڑی محبت تھی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ جموں کے ڈوگرہ شاہی خاندان کے بانی مہاراجہ گلاب سنگھ پر بڑا مہربان تھا۔ غرضیکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک سلطنت کا بانی۔ سکھوں کو متحد کرنے والا رہنما۔ ایک عظیم الشان فوجی جرنیل اور ایک بیدار مغز حاکم اور مدبر تھا یہی وجہ ہے کہ اس کا شمار ہندوستان کے نامور حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۳۹ء میں وفات پائی اور اُس کے مرتے ہی سکھ سلطنت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا اور دس سال کے اندر اندر اس کا پوری طرح خاتمہ ہوگیا۔

سکھ سلطنت کے زوال کے اسباب

دنیا کی سلطنتوں میں سکھ سلطنت ہی ایک ایسی سلطنت ہے جو اتنی تیزی سے بنی اور اتنی تیزی سے برباد ہوئی اس سلطنت کے زوال کی اہم وجوہات یہ تھیں:-

۱۔ سکھوں کی سلطنت لاکھ اچھی سہی لیکن یہ ایک مطلق العنان اور مستبد حکومت تھی جس کی بنیاد لوگوں کی مرضی پر قائم نہ تھی۔ ہر شخصی حکومت کی طرح اس کی بنیاد بھی کھوکھلی تھی۔

۲۔ جب تک مہاراجہ رنجیت سنگھ زندہ رہا سکھوں میں اتحاد قائم رہا۔ اُس کی آنکھیں بند ہوتے ہی سکھ سرداروں کے آپس کے جھگڑے اور بغض و حسد نے سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں۔

۳۔ سکھ حکومت نے مرہٹوں کی طرح رعایا میں دیرپا وفاداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے تعلیم۔ صحت عامہ۔ رفاہ عامہ۔ تمدنی ترقی اور صنعت و حرفت اور تجارت کو بڑھاوا دینے سے بے پرواہی برتی جس سے سلطنت مضبوط بنیادوں پر کھڑی نہ ہو سکی۔ ٹیکسوں کی زیادتی اور وصولی میں سختی سے بھی رعایا بددل ہو گئی۔

۴۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشینوں میں کوئی بھی اُس جیسا قابل باہمت اور بہادر نہ تھا اس لئے وہ یکے بعد دیگرے حکومت کے نااہل ثابت ہوئے اور سلطنت کمزور ہوتی گئی۔

۵۔ سکھ جاگیردار افسر اور جنگی سردار خاص طور پر جموں کے راجہ گلاب سنگھ نے خالصہ دربار سے وفاداری نہ کی اور اپنے ذاتی فائدے کے لئے انگریزوں سے ساز باز کرنے لگے۔ اس سے خالصہ حکومت کو سخت دھکا لگا۔

۶۔ رنجیت سنگھ کے جانشینوں کی کمزوری کی وجہ سے سکھ فوج بے قابو ہو گئی اور وہی فوج جس نے سلطنت کی بنیادیں استوار کی تھیں اب سلطنت کی تباہی کا موجب بن گئی۔

۷۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد ملک میں بدنظمی کا دَور دَورہ ہو گیا رنجیت سنگھ کا بڑا شہزادہ کھڑک سنگھ تخت پر بیٹھا اور راجہ دھیان سنگھ ڈوگرہ وزیر اعظم مقرر ہوا لیکن تھوڑے دنوں بعد کھڑک سنگھ بھی مرگیا۔ اب رنجیت سنگھ کا پوتا نونہال سنگھ تخت پر بیٹھا مگر چند دنوں بعد ہی وہ ایک حادثہ میں حضوری باغ کے دروازے کے اچانک گرنے سے اس کے نیچے دب کر مرگیا۔ اب رنجیت سنگھ کا دوسرا بیٹا مہاراجہ شیر سنگھ تخت پر بیٹھا مگر حالات پر قابو نہ پا سکا اور قتل ہو گیا اب خالصہ فوج نے حکومت سنبھال لی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نابالغ بیٹے دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھایا اور اُس کی والدہ مہارانی جنداں خالصہ فوج کے سرداروں کی ایک مجلس کی مدد سے حکومت کرنے

لگی مہارانی جنداں نے خالصہ فوج کی بڑھتی ہوئی طاقت کو استعمال کرکے فوج کا جوش ٹھنڈا کرنے کی ایک چال سوچی اور فوجی سرداروں کو انگریزی علاقہ پر حملہ کی ترغیب دی جس کا نتیجہ سکھوں کی پہلی لڑائی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سکھ شکست کھا گئے اور ہوشیار پور اور جالندھر کے اضلاع پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور انگریزی رزیڈنٹ لاہور میں متعین ہوگیا۔ فوج کی تعداد گھٹا کر بیالیس ہزار کر دی گئی۔ ۱۸۴۸ء میں سکھوں نے پھر اپنی طاقت بحال کرنے کی آخری کوشش کی اور اس دوسری جنگ میں ہار کر پوری سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس طرح مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے صرف دس سال بعد سارے پنجاب پر انگریزی جھنڈا لہرانے لگا۔

لارڈ ہارڈنج
۱۸۴۴ء تا ۱۸۴۸ء

۱۸۴۴ء میں لارڈ ایلنبرا کی واپسی کے بعد لارڈ ہارڈنج گورنر جنرل مقرر ہوکر ہندوستان آیا اُس کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ انگریزوں اور سکھوں کی پہلی لڑائی ہے۔

سکھوں کی پہلی جنگ
۱۸۴۵ء — ۱۸۴۶ء

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد پنجاب میں افراتفری پھیل گئی۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ اور مہاراجہ نونہال سنگھ کی بے وقت موت اور مہاراجہ شیر سنگھ کے قتل کے بعد خالصہ فوج بے قابو ہوگئی اور بالآخر مہاراجہ دلیپ سنگھ پانچ برس کی عمر میں مہارانی جنداں کی سرپرستی میں تخت پر بیٹھا لیکن ساری طاقت سردار لال سنگھ کے ہاتھ میں تھی جو جنگی سرداروں کی ایک مجلس کی مدد سے حکومت کرتا تھا مہارانی جنداں سردار لال سنگھ پر بڑی مہربان تھی اس لئے باقی سردار اُس سے بہت حسد

کرتے تھے مہارانی جنداں بظاہر فوج کی بڑی حامی تھی لیکن دل ہی دل میں چاہتی تھی کہ فوج کی طاقت اور اثر و رسوخ پر کسی طرح کاری ضرب لگا سکے وہ چاہتی تھی کہ یہ فوج یا تو انگریزوں کے خلاف لڑ کر پورے ہندوستان کی سلطنت سکھوں کے لئے فتح کر لے اور یا پھر انگریزوں سے لڑ کر طاقت کھو بیٹھے اور مہارانی جنداں پھر انگریزوں سے صلح کرے ساری فوج بے دل سپاہیوں اور غدار سرداروں سے بھری پڑی تھی۔ آخر ۱۳ دسمبر ۱۸۴۵ء میں خالصہ فوج ستلج کے پار اُترنا شروع ہوئی۔ انگریزوں نے اس علاقے کے مورچے بہت مضبوط کر رکھے تھے۔ چالیس ہزار جوان اور ایک سو توپیں اس سرحد پر جمع تھیں لیکن شروع شروع میں ان فوجوں نے سکھوں کی کوئی مزاحمت نہ کی بالآخر گورنر جنرل لارڈ ہارڈنج نے اعلان جنگ کر کے ستلج کے مشرق میں سارے سکھ مقبوضات کی ضبطی کا اعلان کر دیا اور انگریز سپہ سالار سر ہیو گف (SIR HUGH GOUGH) کے ماتحت انبالہ اور لدھیانہ سے انگریزی فوجیں فیروزپور چھاؤنی کے بچاؤ کے لئے آگے بڑھنے لگیں پہلا مقابلہ ۱۸ دسمبر کے دن مدکی کے مقام پر ہوا۔ سکھ جان توڑ کر لڑے اور ۸۷۲ انگریزی سپاہیوں اور جنرل سر رابرٹ سیل کو قتل کر دیا گیا پھر بھی میدان انگریزوں کے ہاتھ رہا اور سکھ ۱۷ توپیں کھو کر شکست کھا گئے اب انگریزی فوجیں فیروزپور کی طرف آگے بڑھیں جہاں سردار لال سنگھ کی کمان میں ۳۵ ہزار تازہ دم سکھ فوج مقابلہ کے لئے تیار کھڑی تھی اب لارڈ ہارڈنج گورنر جنرل خود بھی میدان جنگ میں آ پہنچا اور فیروز شاہ کے مقام پر دوسرا معرکہ پیش آیا اس میں پہلے حملہ میں انگریزوں کو منہ توڑ شکست ہوئی اور قریب تھا کہ ان کا کچومر نکل جاتا کہ عین وقت پر سردار تیجا سنگھ موقعہ پر پہنچا۔ لیکن بغیر لڑے میدان سے لوٹ گیا اس غداری نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ سکھوں کو شکست ہو گئی اُن کے ۸ ہزار سپاہی کام آئے اور ۷۳ توپیں دشمن کے ہاتھ چڑھ گئیں۔ انگریزوں کے چھ سو سپاہی اور ایک سو افسر مارے گئے اور سترہ سو کے قریب سپاہی زخمی ہوئے۔

سکھ ستلج پار کر کے اپنے علاقے میں آ گئے مگر انہوں نے نہ ہار مانی اور نہ دامن ہمت ہاتھ سے چھوٹا۔ آخر وہ اپنی فوجوں کو پھر منظم کر کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور ۲۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو علی وال کے مقام پر پھر انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ یہاں سر ہیری اسمتھ انگریز جرنیل نے پھر سکھوں کو شکست دی اُن سے ۶۷ توپیں چھین لیں اور سکھوں کو پھر ستلج کے پار دھکیل دیا۔ آخر سکھوں نے پھر نہایت زبردست تیاری کر کے دریائے ستلج پر کشتیوں کا پل بنا کر پھر انگریزوں پر حملہ کیا اور ۱۰ فروری ۱۸۴۶ء کو سبھراؤں کے گاؤں میں آخری معرکہ پیش آیا۔ سکھوں کے توپ خانہ نے دو گھنٹے زبردست گولہ باری کی لیکن انگریزی فوجیں ایک دم طوفانی حملہ کر کے آگے بڑھیں اتنے کشتیوں کا پل فوجوں کے بوجھ کے سامنے جواب دیا گیا اور عجیب افراتفری اور انتہائی خونریزی شروع ہو گئی انگریزی فوجوں نے گولیوں کی باڑھ سے خالصہ فوج کی صفوں کو چھلنی کر دیا اور دس ہزار بہادر سکھ سپاہی دشمن سے لڑتے لڑتے میدان جنگ میں کام آئے میدان میں لاشوں کے پشتے لگ گئے اور ستلج کا پانی خون سے سُرخ ہو گیا۔ انگریزوں کے بھی قریباً ڈھائی ہزار سپاہی مارے گئے۔ لیکن آخری فتح انگریزوں کی ہوئی اور لارڈ ہارڈنج فاتحانہ انداز سے سکھ سلطنت کی راجدھانی لاہور میں داخل ہوا اس وقت اگر لارڈ ہارڈنج چاہتا تو سارے پنجاب پر قبضہ کر لیتا لیکن ایک تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پرانی دوستی کے پیش نظر اور دوسرے یکایک اتنے بڑے علاقے پر حکومت بحال کرنے کی دشواری کی وجہ سے لارڈ ہارڈنج نے چند شرائط پر صلح کرنا منظور کر لیا۔

مارچ ۱۸۴۶ء میں عہد نامہ لاہور کے ذریعے مندرجہ ذیل شرائط پر انگریزوں اور سکھوں میں صلح طے ہو گئی :-

۱- علاقہ بست دواب یعنی اضلاع ہوشیار پور و جالندھر انگریزوں کے حوالے کر دئے گئے اور اب انگریزی علاقے کی سرحد ستلج کی بجائے

بیاس مقرر ہوا۔

۲۔ لاہور میں ایک انگریز رزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔

۳۔ سکھوں کی فوج گھٹا کر بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ مقرر کر دی گئی۔

۴۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پنجاب کا حکمران تسلیم کر لیا گیا اور مہارانی جنداں اس کی سرپرست مقرر کی گئی۔ انتظام سلطنت کے لئے ایک کونسل مقرر کی گئی۔

۵۔ سکھوں پر ڈیڑھ کروڑ روپیہ تاوان جنگ ڈالا گیا لیکن چونکہ خالصہ دربار کے خزانے میں اس قدر روپیہ نہ تھا اس لئے سکھوں کو کشمیر کا علاقہ ۷۵ لاکھ روپے کے عوض میں چھوڑنے کے لئے کہا گیا اور یہ علاقہ انگریزوں نے جموں کے راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور ملک کے ساتھ ساتھ لاکھوں کشمیری بھی بھیڑ بکریوں کی طرح بک گئے۔

دسمبر میں ایک الگ عہد نامہ کی رُو سے آٹھ سرداروں کی ایک ایجنسی کونسل مقرر ہوئی جس کا صدر ہنری لارنس رزیڈنٹ لاہور مقرر ہوا اور قرار پایا کہ یہ کونسل ۸ برس تک حکومت چلاتی رہے تاآں کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ بالغ ہو کر خود حکومت سنبھال لے لیکن غیور اور باہمت سکھ انگریزوں کے اس تسلط کو برداشت نہ کر سکے اور عہد نامہ لاہور کے دو سال کے اندر اندر ہی جنگ کے شعلے پھر بھڑک اٹھے جنہوں نے خالصہ سلطنت کو اپنی لپیٹ میں لے کر راکھ کر دیا۔

لارڈ ہارڈنج کی اصلاحات

لارڈ ہارڈنج ایک قابل جرنیل ہونے کے علاوہ ایک روشن دماغ مدبر بھی تھا۔ اُس نے سب سے پہلے ہندوستان میں ریل جاری کرنے کی کوشش کی اور ایک جامع اسکیم تیار کی۔ دریائے گنگا سے آبپاشی کے لئے نہر گنگ کی تعمیر شروع کروائی۔ ملک میں ٹیکنیکل تعلیم کا پہلا ادارہ انجینیرنگ کالج رڑکی قائم کیا۔ آثار قدیمہ کی حفاظت اور مرمت کا کام شروع کروایا دارجیلنگ میں موسم گرما میں حکومت کے اعلیٰ افسروں کے قیام کی سہولتیں

ہم پہنچ گئیں۔ اتوار کا دن دفاتر میں تعطیل کے لئے مخصوص کیا۔ کلکتہ شہر کے انتظام کے لئے میونسپل کمیٹی قائم کی اور قومی اخراجات میں کمی کے لئے پچاس ہزار فوج برخاست کر دی کیونکہ پنجاب اور گوالیار کی فوجوں کی تباہی اور شکست کے بعد اس کی کوئی ضرورت باقی نہ تھی۔ آخر کار جنوری ۱۸۴۸ء میں لارڈ ہارڈنگ اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر انگلستان واپس چلا گیا اور اس کی جگہ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہو کر آیا۔

لارڈ ڈلہوزی

۱۸۴۸ء — ۱۸۵۶ء

لارڈ ڈلہوزی نے جنوری ۱۸۴۸ء میں کلکتہ پہنچ کر ۳۶ سال کی چھوٹی عمر میں گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا اس سے پہلے لارڈ ڈلہوزی برطانوی وزارت میں وزیر تجارت کی حیثیت سے بڑا نام پیدا کر چکا تھا ہندوستان میں بھی اس کا عہد ایک اہم تاریخی دور مانا جاتا ہے۔ ڈلہوزی اپنے تدبر معاملہ فہمی محنت اور فرض شناسی کی وجہ سے برطانوی ہند کے حکمرانوں میں ایک ممتاز شخصیت کا مالک تھا وہ سچے دل سے یقین رکھتا تھا کہ ہندوستانی رعایا کے لئے کمپنی کی حکومت دیسی راجاؤں اور نوابوں کی شخصی ظالمانہ حکومت سے بدرجہا بہتر تھی اس لئے وہ ذرا سے بہانے پر بھی دیسی ریاستوں کو برطانوی ہند میں مدغم کرنے سے دریغ نہ کرتا تھا اُس کے عہد میں سکھوں کی دوسری لڑائی اور الحاق پنجاب۔ برما کی دوسری لڑائی اور الحاق جنوبی برما۔ مسئلہ الحاق اور دیسی ریاستوں پر قبضہ اور الحاق اودھ مشہور واقعات ہیں اُس کے عہد میں ہندوستان میں مغربی تہذیب رائج کرنے اور ملکی ترقی اور رفاہ عامہ کے متعلق بھی اہم کارنامے انجام پائے اور ہندوستان میں زبردست تبدیلیاں رونما ہونے لگیں ان سب واقعات اور اصلاحات کا تذکرہ درج ذیل ہے:-

سکھوں کی دوسری لڑائی
۱۸۴۸ء ـــــــــ ۱۸۴۹ء

اسباب :- عہد نامہ لاہور کی رو سے پنجاب کی حکومت کی باگ ڈور عملی طور پر انگریز ریذیڈنٹ کے ہاتھ تھی اُس نے سب بڑے بڑے عہدوں پر انگریز افسر مقرر کر دئے جس کی وجہ سے سکھ سرداروں اور فوج میں ناراضگی کا جذبہ بڑھتا گیا ویسے بھی انگریزوں کا غلبہ ہونے سے آزاد سکھ سلطنت غلامی کے پنجوں میں پھنس گئی تھی سکھ جائز طور پر اس صورت حال سے ناخوش تھے ۱۸۴۸ء میں دیوان ساون مل کے بیٹے دیوان مولراج ناظم ملتان سے مالیہ سرکار کی لقایا ادا کرنے اور حساب صاف کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ مولراج نے اسے اپنی توہین سمجھ کر نظامت سے استعفےٰ دے دیا۔ لاہور سے دو انگریز افسر چارج لینے ملتان آئے تو مولراج کے حامیوں نے انہیں قتل کر دیا اور دیوان مولراج نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ بس سکھوں کی دوسری لڑائی کا یہی بہانہ ہو گیا۔

واقعات :- لارڈ ڈلہوزی کو آئے ہوئے بمشکل تین ماہ ہوئے تھے کہ اُسے اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑا لارڈ ڈلہوزی نے سر ہیوگف کمانڈر انچیف کے مشورہ سے موسم سرما کے شروع تک کوئی عملی قدم اٹھانے سے احتراز کیا۔ اسی دوران میں ایک انگریز افسر لفٹنٹ ایڈورڈز نے تھوڑی سی جمعیت کے ہمراہ مولراج کا مقابلہ کرکے اُسے ملتان کے شہر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اب لاہور دربار نے سردار شیر سنگھ کو کچھ فوج دے کر مولراج کے مقابلہ پر بھیجا۔ مولراج اس وقت انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کی تجویز سوچ رہا تھا اور امیر دوست محمد خان سے مدد کا خواہاں تھا اُس کے جذبہ قومی کو دیکھ کر سردار شیر سنگھ اور کئی دوسرے سکھ سردار بھی مولراج سے جا ملے۔

آخر لارڈ ڈلہوزی نے اکتوبر کے مہینے میں نہایت زوردار الفاظ میں سکھوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور انگریزی سپہ سالار کی سرکردگی

میں انگریزی فوجیں دریائے راوی کو پار کر کے آگے بڑھ سکیں۔ پہلا مقابلہ رام نگر کے مقام پر ہوا لیکن اس جھڑپ میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جنوری ۱۸۴۹ء میں چلیانوالہ کی جنگ ہوئی۔ سکھ جان توڑ کر لڑے اور کئی انگریزی دستوں کو منہ توڑ شکستیں ہوئیں اور کئی رجمنٹوں کے جھنڈے سکھوں نے چھین لئے۔ سر ہیوگف کی شہرت کو اس قدر دھکا لگا کہ اس کی جگہ حکومت برطانیہ نے سر چارلس نیپئر کو انگریزی افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا لیکن سر چارلس کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے ہی سر ہیوگف نے جنگ گجرات میں سکھوں کو آخری اور فیصلہ کن شکست دے دی۔ مارچ ۱۸۴۹ء میں لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کے الحاق کا اعلان کر دیا۔ پنجاب کے انگریزی علاقہ میں شامل ہونے کے بعد مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پچاس ہزار پونڈ سالانہ پنشن دے کر پنجاب سے باہر جانے کی ہدایت کر دی۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ انگلستان چلا گیا اور وہاں عیسائی مذہب قبول کر کے باقی زندگی وہیں انگریز رئیسوں کی طرح بسر کرتا رہا۔ پنجاب کے نئے صوبے کے انتظام کے لئے تین کمشنر مقرر کر دئے گئے۔ ہنری لارنس اور جان لارنس دونوں بھائی پنجاب میں کمشنر مقرر ہو کر آئے اور انہوں نے بڑی قابلیت سے پنجاب میں انگریزی نظم و نسق قائم کیا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں بھائیوں میں اختلاف بڑھ گیا تو ہنری لارنس راجپوتانہ تبدیل ہو گیا اور جان لارنس واپس ولایت چلا گیا لیکن صوبہ پنجاب بتدریج ترقی کرتا رہا۔ دیوان مولراج پر انگریز افسروں کے قتل کے الزام میں مقدمہ چلا کر اُسے عمر قید کی سزا دی گئی لیکن چند ماہ کی قید گذار کر وہ ملک عدم کو سدھار گیا۔ سکھوں سے ہتھیار چھین لئے گئے اور کئی سرکردہ سکھوں کی زمینیں اور جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔

برما کی دوسری لڑائی

برما کی پہلی لڑائی کے بعد ۱۸۲۶ء میں صلحنامہ یندابو کے مطابق انگریزوں کو برما میں ساری مراعات حاصل ہو گئی تھیں

اور کئی انگریز تاجر رنگون جا بسے تھے برما کی حکومت کے گورنر نے ان تاجروں سے بدسلوکی کی تو وہ لارڈ ڈلہوزی کے حضور میں فریادی ہوئے۔ چنانچہ لارڈ ڈلہوزی نے شاہ برما سے مطالبہ کیا کہ رنگون کے گورنر کو موقوف کر کے ایک لاکھ پونڈ ہرجانہ ادا کیا جائے۔ حکومت برما نے گورنر کو تو تبدیل کر دیا لیکن ہرجانہ ادا کرنے کے متعلق ہاں نہ کی۔ لارڈ ڈلہوزی نے اس پر اعلان جنگ کر دیا۔ انگریزی فوجوں نے زبردست حملہ کیا اور کچھ عرصہ میں ہی رنگون۔ پروم اور پیگو کے آس پاس کا علاقہ فتح کر کے وہاں اپنا قبضہ جما لیا۔ جنوبی برما پر پوری طرح انگریزی تسلط کے بعد شاہ برما کو سمندر کا راستہ نہ رہا۔ اور اس کے پاس کوئی بندرگاہ نہ رہی اس فوجی کارروائی پر انگلستان میں بہت لے دے ہوئی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان علاقوں کو برطانوی ہند میں ملا لیا اور اس طرح خلیج بنگال کے دونوں طرف راس کماری سے ملایا تک کا علاقہ انگریزی قبضہ میں آ گیا۔

مسئلہ الحاق
یا
لارڈ ڈلہوزی اور دیسی ریاستیں

پرانے زمانے سے ہندوؤں میں متبنےٰ بنانے کی رسم چلی آتی تھی چنانچہ جن ہندو راجاؤں کے اولاد نہ ہوتی تھی وہ لڑکے گود لے کر اُنہیں اپنے متبنےٰ بنا لیتے تھے تاکہ وہ اُن کے بعد اُن کی ریاستوں کے وارث بھی ہوں اور اُن کے مرنے کے بعد اُن کے عقیدے کے مطابق مذہبی رسوم بھی انجام دیتے ہیں جو اُن کے خیال میں اُن کی روحانی نجات کے لئے ضروری ہوتی تھیں۔ سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے دور میں بھی اس رسم و رواج پر عمل ہوتا رہا لیکن لارڈ ڈلہوزی نے انگریزی قانون کے منشاء کے مطابق قرار دیا کہ کسی راجہ کے لاولد مرنے کی صورت میں اُس کی ریاست انگریزی علاقے میں شامل ہونی چاہیئے۔ ڈلہوزی کے اس نظریے کو مسئلہ الحاق (DOCTRINE OF LAPSE)

کہتے ہیں یہ کوئی نیا نظریہ نہ تھا لیکن چونکہ ڈلہوزی نے انگریزی مقبوضات کی توسیع کے لئے اس کا دل کھول کر استعمال کیا لہٰذا یہ اُس کے نام سے منسوب ہے۔ ڈلہوزی کے اس نظریہ پر مورخین نے بہت نکتہ چینی کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے اطلاق سے ہندو راجاؤں میں بڑی بے چینی پھیلی اور انہیں انگریزوں کی نیت پر اعتماد نہ رہا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے اسباب میں یہ بے چینی بھی ایک اہم سبب مانی جاتی ہے۔

مسئلہ الحاق کے اطلاق سے مندرجہ ذیل ریاستیں انگریزی علاقے میں شامل کی گئیں :-

۱۔ ستارا۔ لارڈ ہیسٹنگز نے مرہٹوں کی آخری لڑائی کے بعد یہ ریاست شیواجی کے خاندان کے ایک شہزادے کو عطا کی تھی۔ ۱۸۴۸ء میں اس خاندان کا آخری راجہ لاولد مر گیا تو ڈلہوزی نے اس ریاست کو انگریزی علاقے میں شامل کر دیا۔

۲۔ ۱۸۵۲ء میں جھانسی کا راجہ لاولد مر گیا۔ یہ ریاست باجی راؤ پیشوا کے مقبوضات سے انگریزوں کے ماتحت آئی تھی اسے بھی لارڈ ڈلہوزی نے انگریزی علاقے میں شامل کر لیا اور یہاں کی بیوہ مہارانی لکشمی بائی کی پنشن مقرر کر دی اس بہادر اور نڈر مہارانی نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۳۔ ناگپور۔ یہ ریاست ۱۸۱۸ء میں لارڈ ہیسٹنگز نے فتح کر لی تھی لیکن بعد میں بھونسلا راجہ کے خاندان کے ایک شہزادے کے حوالے کر دی گئی تھی یہ راجہ ۱۸۵۳ء میں لاوارث مر گیا تو ڈلہوزی نے اسے انگریزی علاقے میں شامل کر دیا۔ اس ریاست کے الحاق سے اسی ہزار مربع میل کا رقبہ اور ۴۰ لاکھ آبادی کے علاوہ روئی پیدا کرنے والا بہترین علاقہ انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ فوجی اعتبار سے بھی یہ الحاق بڑا فائدہ مند رہا اور کلکتہ سے بمبئی تک کی فوجی شاہراہ بالکل محفوظ ہو گئی۔

(ان تین بڑی ریاستوں کے علاوہ ۱۸۴۹ء میں جیت پور، سنبھلپور، -

۱۸۵۰ء میں بگھاٹ (بندھیلکھنڈ) اور ۱۸۵۲ء میں اودے پور کی ریاستیں انہی وجوہات پر انگریزی علاقے میں شامل کر لی گئی تھیں۔

اس کے علاوہ لارڈ ڈلہوزی نے نواب ارکاٹ اور راجہ تنجور کے خطابات ختم کر دیئے۔ باجی راؤ ثانی کے متبنٰے ناناصاحب کی پنشن بند کر دی گئی اور مغل شہنشاہ بہادر شاہ ثانی کو مطلع کر دیا گیا کہ اس کے بعد کسی کو بادشاہ تسلیم نہ کیا جائے گا اور اس کے وارثوں کو قلعہ معلی چھوڑنا پڑے گا۔ نظام حیدر آباد بہت مقروض ہو گیا تھا اور کمپنی کو فوجی اخراجات کا روپیہ ادا کرنے سے قاصر تھا۔ ڈلہوزی نے نظام کو مجبور کر کے اس خرچ کے عوض میں برار کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور یہ شرط رکھی گئی کہ کمپنی کی واجب الادا رقم سے زائد آمدنی نظام کے خزانہ میں منتقل کر دی جایا کرے گی۔

ان کے علاوہ لارڈ ڈلہوزی کا سب سے بڑا کارنامہ الحاق اودھ تھا۔

الحاق اودھ

لارڈ ویلزلی کے عہد حکومت میں اودھ کی آدھی سلطنت انگریزوں نے ہتھیا لی تھی اور نواب اودھ کے اختیارات پر کئی پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ لارڈ ہیسٹنگز نے مغل شہنشاہ دہلی کے وقار کو مٹانے کے لئے نواب غازی الدین حیدر والئے اودھ کو کنگ یعنی بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اودھ کے بادشاہوں نے بھی انگریزوں کی دوستی اور حمایت سے کبھی انکار نہ کیا اور پوری طرح عہد و پیمان کے پابند رہے اس لئے قانونی یا اخلاقی طور پر کمپنی کے پاس ان کے خلاف کوئی وجہ شکایت موجود نہ تھی لیکن کمپنی کی حمایت نے ان مستبد اور مطلق العنان بادشاہوں کو بیرونی حملے اور اندرونی بغاوت کے خطرے سے بے نیاز کر کے بالکل بے پروا کر دیا وہ عیش و عشرت میں پڑ گئے اور ملک کی بہتری اور رعایا کی خوش حالی سے غافل ہو گئے۔ تعلقہ دار جاگیردار اور بددیانت افسروں نے خوب ہاتھ رنگنے شروع کئے اور رعایا کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ ڈلہوزی نے اودھ کا انتظام سنبھالنے کے لئے

کی تجویز کی لیکن کمپنی کے ڈائریکٹروں نے پورا انتظام سنبھال کر بادشاہت ختم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ڈلہوزی نے اودھ کے آخری نواب جان عالم واجد علی شاہ اختر کو دست برداری کا مشورہ دیا لیکن بادشاہ اس پر رضامند نہ ہوا آخر فروری ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے اودھ پر زبردستی قبضہ کر لیا اور واجد علی شاہ کو معزول کر کے کلکتہ بھیج دیا جہاں اُسے بارہ لاکھ روپے سالانہ پنشن دی گئی اور وہ مٹیا محل میں اپنی زندگی کے دن پورے کرنے لگا۔

الحاق اودھ پر مورخین نے سخت نکتہ چینی کی ہے اُن کا خیال ہے کہ کمپنی کو اس کاروائی کے لئے کوئی قانونی یا اخلاقی جواز حاصل نہ تھا اودھ کے نواب اور بادشاہ شروع ہی سے انگریزوں کا ساتھ دیتے رہے اور جو عہد و پیمان انہوں نے کمپنی سے کئے نقصان اور ذلت کے باوجود انہوں نے کبھی ان سے انحراف نہ کیا اس وفادار خاندان کے ساتھ کمپنی کی یہ بدعہدی اور بدسلوکی ایک نہایت ہی ناواجب حرکت تھی۔

اس الحاق کی وجہ سے اودھ کے رئیس طبقہ سرکاری ملازموں اور فوجیوں میں سخت بے چینی اور بے اطمینانی پھیل گئی اور سال بھر بعد جب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے شروع ہوئے تو ان لوگوں نے ان میں انگریزوں کے خلاف بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

اودھ کے نواب عیش عشرت کے دلدادہ تھے۔ کاریگروں دست کاروں اور صنعت کاروں کے مربّی تھے۔ ان کے علاوہ فن کار مثلاً گانے بجانے والے مصور، سُنار۔ زردوز کئی محض دربار کی سرپرستی پر گذر اوقات کرتے تھے الحاق اودھ کے بعد یہ سب لوگ بے کار ہو کر برباد ہو گئے۔

لیکن الحاق اودھ کا روشن پہلو یہ تھا کہ رعایا کو نوابی حکومت۔ جاگیرداروں اور بددیانت افسروں کے ظلم و ستم سے نجات ملی۔ کمپنی کی حکومت بھی کوئی جمہوری اور رعایا پرور حکومت نہ تھی پھر بھی۔ لوگوں کے لئے نوابی حکومت سے بدرجہا بہتر تھی۔

ڈلہوزی کی اصلاحات

لارڈ ڈلہوزی ایک روشن دماغ مدبر تھا۔ ہندوستانی رعایا کو مغربی تہذیب روشناس کرانے اور رفاہ عامہ کے لحاظ سے اُس نے کئی اصلاحات نافذ کیں جس سے ملک میں ایک نئی قومی زندگی کا آغاز ہوا اُس اہم اصلاحات میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں :۔

۱- ریلوے۔ لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں ۱۸۵۳ء میں بمبئی اور تھانہ کے درمیان پہلی ہندوستانی ریل قایم کی گئی اس کے بعد کلکتہ اور رانی گنج کے درمیان ریل چلنا شروع ہوئی۔ ریلوے کی وجہ سے ہندوستانی صنعت اور تجارت میں ایک انقلاب عظیم آگیا۔

۲- ملک میں اطلاعات اور خبر رسانی کے لئے تار کا سلسلہ قایم کیا گیا چنانچہ کلکتہ آگرہ دہلی اور لاہور کے درمیان ٹیلی گراف کا سلسلہ قایم ہوا خط و کتابت کی سہولت کے لئے محصول ڈاک میں مزید کمی کر دی گئی۔

۳- محکمہ تعمیرات عامہ اور محکمہ آبپاشی مستقل طور پر قائم کئے گئے اور ملک میں جا بجا سرکاری عمارتوں۔ سڑکوں اور نہروں کی تعمیر کا کام شروع ہوا جس سے ملکی ترقی میں بڑی مدد ملی۔

۴- ۱۸۵۴ء میں سر چارلس ووڈ نے اپنا مشہور تعلیمی مراسلہ بھیجی۔ اس کی منشا کے مطابق کلکتہ۔ بمبئی اور مدراس میں یورپی وضع کی یونیورسٹیاں قایم کرکے اعلیٰ مغربی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اس کے علاوہ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو خاص شرائط پوری کرنے پر سرکاری امداد دینے کا بھی بندوبست کیا گیا۔ ابتدائی

درجوں میں دیسی زبانوں میں تعلیم دینے کا انتظام بھی کیا گیا۔ اس طرح مغربی وضع کی ہندوستانی قومی تعلیم کی شاندار بنیاد رکھی گئی۔

اسی زمانہ میں اعلےٰ عہدوں کے لئے انگلستان میں انڈین سول سروس کا مقابلہ کا امتحان، شروع ہوا اور بہترین نوجوانوں قابلیت کی بناء پر

منتخب ہو کر ہندوستان آنے لگے ان کی وجہ سے ہندوستان کے نظم و نسق میں بڑی ترقی ہوئی۔

لارڈ ڈلہوزی نے پہلی بار ہندوستانی رعایا کی مالی اور اخلاقی حالت پر ایک مکمل رپورٹ تیار کروائی تاکہ حکومت قومی ترقی کے کاموں کی طرف توجہ دے سکے۔

لارڈ ڈلہوزی کی ساحراجی پالیسی اور الحاقات پر کافی نکتہ چینی کی جاتی ہے اور یہ بڑی حد تک جائز بھی ہے لیکن لارڈ ڈلہوزی صرف ایک بڑا جرنیل اور فاتح ہی نہیں تھا بلکہ ایک اعلےٰ مدبر بھی تھا۔ اُس کی شہرت کا بہت حد تک اس کی اصلاحات پر انحصار ہے جن کی وجہ سے ہندوستانی قومی زندگی میں ایک بڑا انقلاب آیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان اصلاحات کی وجہ سے لارڈ ڈلہوزی کا نام ہماری تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا

نیا چارٹر ۱۸۵۳ء

لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر یا اجازت نامے کی مدت ختم ہوئی اور ۱۸۵۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے نیا چارٹر عطا کیا اس کی رو سے آئندہ کے لئے کمپنی کے اجازت نامے کی کوئی خاص مدت مقرر نہ کی گئی اور پارلیمنٹ نے یہ حق محفوظ رکھا کہ جب چاہے وہ ہندوستان کی حکومت کمپنی سے اپنے ہاتھوں میں لے لے اس کے علاوہ بنگال اور پنجاب کے لئے الگ لفٹننٹ گورنر مقرر کئے گئے اور گورنر جنرل کی قانون ساز کونسل کے ممبروں کی تعداد بڑھا کر بارہ کر دی گئی۔

فروری ۱۸۵۶ء میں لارڈ ڈلہوزی کی جگہ لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آیا۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ ۱۸۵۷ء کا غدر ہے۔

لارڈ کیننگ ۱۸۵۶ء تا ۱۸۵۸ء

لارڈ کیننگ ایک بڑا پڑھا لکھا اور محنتی آدمی تھا اُس کی شرافت لیاقت منصف مزاجی اور نیک دلی کافی مشہور تھی۔ ۱۸۵۶ء میں وہ گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔ اُس کے عہد میں ۱۸۵۷ء کے انقلابی ہنگامے درپیش آئے جنہیں آج کل ہندوستان کی پہلی جنگ

آزادی کا نام دیا جاتا ہے اسے غدر یا فوجی بغاوت بھی کہا جاتا ہے لیکن مورخوں نے ابھی تک اس پر کوئی متفقہ رائے قائم نہیں کی کہ آیا یہ ہندوستانی قوم کی انگریزی سے مخلصی پانے کی متحدہ کوشش تھی یا صرف ایک فوجی بغاوت تھی جس میں کئی قسم کے مختلف الخیال اور مختلف طبقوں کے لوگ مختلف مقاصد کو سامنے رکھ کر شامل ہوئے اور اس بے اتفاقی کی وجہ سے ہندوستانی قوم کی غلامی کی زنجیریں اور مضبوط ہوگئیں ان خیالات کو سمجھنے اور ایک عاقلانہ رائے قائم کرنے کے لئے اس انقلاب یا غدر کی وجوہات واقعات اور کیفیت سمجھنا ضروری ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے اسباب

انیسویں صدی کے دوران میں انگریزوں نے ہندوستانی سیاست پر جس طرح اپنا اقتدار بٹھایا اس سے قدیم ہندوستانی سیاسی نظام بالکل منتشر ہوگیا۔ ملک میں پہلی بار ایک ایسی سامراجی حکومت قایم ہوئی جس کی جڑیں ملک سے باہر تھیں اور ہندوستان کی قسمت کی باگ ڈور ایک ایسی قوم کے ہاتھ میں آگئی جو ترکوں یا مغلوں کی طرح ہندوستان کو اپنا وطن تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھی اس قوم کا مقصد ترکوں اور مغلوں کی طرح ہندوستان کی دولت ہندوستان میں ہندوستانیوں کے فائدے کے لئے خرچ کرنا نہ تھا بلکہ وہ ہندوستان کے مادی وسائل یہاں کے لوگوں اور ملک کو اپنی قوم کے فائدے کے لئے استعمال کرنا چاہتی تھی یہ ایک ایسی صورت حال تھی جو ہندوستانیوں کے لئے بالکل عجیب اور انوکھی تھی اس کے سماجی۔ اقتصادی اور سیاسی اثرات نے ہندوستانیوں کے لئے مصیبتوں کے ایسے باب کھولے کہ ہر طرف پریشانی بے دلی اور بغض پھیل گیا اور جب فوج بغاوت پر اتر آئی تو کئی مصیبت زدہ اور محب وطن لوگوں نے اُن کا ساتھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین ۱۸۵۷ء کے واقعات کے متعلق آج تک کوئی ایک متفقہ

رائے قایم نہیں کر سکے۔ اس زمانے کے عینی شاہد انگریز اعلیٰ افسروں میں سر جان لارنس کا خیال تھا کہ ۱۸۵۷ء کا غدر محض ایک فوجی بغاوت تھی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ فوج میں انفلیڈ (ENFIELD) بندوقوں میں چربی لگے ہوئے کارتوس استعمال ہوتے تھے جنہیں منہ سے توڑنا پڑتا تھا فوج میں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ اس چربی میں گائے اور سئور کی چربی کی ملاوٹ ہے جسے منہ لگانا ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی عقیدوں کے خلاف تھا اس لئے فوج۔ کہ ہندو اور مسلمان سپاہی بغاوت پر اتر آئے اس کے برخلاف سر جیمز اوٹریم کا یقین تھا کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات مسلمانوں کی ایک سازش کا نتیجہ تھے جن میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو بھڑکا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا اس میں کارتوسوں کا واقعہ محض ضمنی حادثہ تھا اس نے اس سازش کو قبل از وقت ظاہر کر دیا۔

عام غیر جانبدار مؤرخوں کا خیال ہے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات در اصل ایک فوجی بغاوت سے زیادہ نہ تھے لیکن یہ بغاوت ایسے وقت ہوئی جب کئی سیاسی۔ سماجی اور مذہبی وجوہات سے پھیلی ہوئی بے چینی کے اظہار کے لئے کتنی لوگ اس میں شامل ہو گئے۔ مرہٹوں نے سمجھا کہ وہ پیشوا کی پرانی عظمت کو بحال کر لیں گے۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ وہ تیموری خاندان کی شان و شوکت پھر تازہ کر لیں گے۔ مسلمان مجاہدوں نے اسلام کی خدمت کے لئے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ چھوٹے چھوٹے راجے رئیس زمیندار جاگیردار دیسی ریاستوں کے حاکم غرضیکہ جو کوئی بھی کمپنی کے ہاتھوں ستم رسیدہ تھا اس تحریک میں شامل ہو گیا تاہم اسے ایک عوامی تحریک نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس کے مقاصد میں نہ تو اتحاد تھا اور نہ ہی یہ مقاصد عوامی تھے بہرکیف اب اسباب غدر پر غور کر لیں لہٰذا اس کے واقعات کا مختصر تبصرہ کر لیں تو پھر اس مسئلہ پر بھی غور کرنا ہوگا کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات کو "ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی"

کہنا تاریخی اعتبار سے کہاں تک درست ہے۔

سیاسی وجوہات

لارڈ ڈلہوزی کی ریاستوں کی ضبطی اور مسئلہ الحاق سے متعلق پالیسی کی وجہ سے ہندوستانی راجاؤں اور رئیسوں میں سخت بددلی اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کی ناجائز نفع اندوزیاں جاگیرداری اور رعایا کا خون چوسنے کی کھلی چھٹی اب زیادہ دیر نہ چل سکے گی انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا۔ سکھ سلطنت کی بربادی۔ دربار اودھ کا اجڑنا۔ ستارہ اور ناگپور کی مرہٹہ ریاستوں کے الحاق سب کے سامنے تھے۔ اس کے علاوہ بہادر شاہ ظفر آخری مغل بادشاہ کو کہہ دیا گیا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اُس کے کسی وارث کو بادشاہ تسلیم نہ کیا جائے گا بلکہ شاہی خاندان کو قلعہ محلے بھی چھوڑنا ہوگا۔ اُدھر باجی راؤ ثانی کے مرنے کے بعد کمپنی نے ناناصاحب کو اس کا وارث تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور پیشوا کی پنشن جو باجی راؤ ثانی کو ملتی تھی یہ کہہ کر بند کر دی کہ یہ پنشن صرف باجی راؤ ثانی کی ذاتی پنشن تھی۔ اس سے مرہٹہ اور مغل جذبات کو سخت ٹھیس پہنچی تھی اور وہ انگریزوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھنے لگے۔

سماجی و مذہبی وجوہات

جو جو دیسی ریاست انگریزی علاقے میں شامل کی گئی وہاں شاہی خاندان کے علاوہ دیسی حکام۔ فوجی دستکار بھی بے کار ہوتے چلے گئے اور انگریزی حکومت جہاں انگریز ملازموں کی بھرمار ہوتی تھی ان بے کار لوگوں کو روزگار مہیا نہ کر سکی۔ ان ریاستوں کے کئی جاگیرداروں کو معمولی قانونی نقائص کی بنا پر جاگیروں سے محروم کر دیا گیا چنانچہ ۱۸۵۲ء میں بمبئی میں ۲۰ ہزار جاگیریں ضبط کی گئیں۔ اودھ کے الحاق کے بعد وہاں کے ظالم اور جابر چیف کمشنر جیکسن نے دیسی فوجیں توڑ کر فوجی ملازم برخاست کر دئے اور اودھ کے تعلقہ داروں کے پٹہ جات کی

بڑی سختی سے جانچ پڑتال کی اس لئے یہ سب لوگ انگریزوں کی جان کے لاگو ہو گئے اور فوجی بغاوت کے شروع ہونے ہی سر بکف ہو کر انگریزوں کے خلاف میدان جنگ میں کود پڑے۔

ریل۔ ڈاک خانے ہسپتال اور مدرسے جاری ہونے سے ذات پات اور چھوت چھات کی پابندیوں پر اور انگریزی تعلیم سے ہندوستان میں سائینس علم ہیئت اور سرجری کے رواج سے قدامت پرست برہمنی توہمات پر بڑی زبردست چوٹیں پڑیں اور ہندو یہ سمجھنے لگے کہ سرکار اُن کا مذہب خراب کر کے انہیں عیسائی بنانا چاہتی ہے چنانچہ لارڈ کیننگ کے متعلق عام افواہ تھی کہ حکومت برطانیہ نے اُسے ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے انہی دنوں عیسائی مشنری جوق درجوق ہندوستان آنے لگے اور چاروں طرف عیسائی مشن اسکول۔ کالج۔ ہسپتال اور سماجی ادارے قائم ہوئے جن میں پادری ہندو دھرم اور اسلام پر اعتراض کرنے۔ عیسائیت کی سچائی ثابت کرنے اور بائیبل یا انجیل مقدس کا پرچار کرنے لگے اس سے یہ عام غلط فہمی اور بھی مضبوط ہو گئی۔

ہندو دھرم شاستر کے اصولوں کے مطابق اگر کوئی ہندو اپنے دھرم سے مُنہ موڑ کر دوسرا مذہب قبول کرے تو اُسے جدی جائیداد سے کچھ حصہ نہ ملتا تھا۔ بیواؤں کو دوسری شادی کی اجازت بھی نہ تھی۔ انگریزی حکومت نے ان اصولوں کو شخصی اور مذہبی آزادی پر قید سمجھ کر یہ قانون پاس کر دیا کہ آئندہ صرف تبدیلئ مذہب کی بناء پر کسی کو جدی جائیداد سے محروم نہ رکھا جائے گا اور بیواؤں کو دوسری شادی کی بھی اجازت ہو گی۔ ہندوؤں نے ان اقدامات کو بھی عیسائیت قبول کروانے کی ترغیب سمجھا

لارڈ ولیم بنٹنگ کے زمانے میں ستی یعنی بیواؤں کا اپنے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ چتا پر چڑھ جل مرنا اور بچیوں کو پیدا ہوتے ہی دم گھونٹ کر مارنا یا دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسانوں کی قربانی چڑھانا جرم قرار دے دیا تھا اسے بھی عام مذہبی اور قدامت پسند ہندو ہندو دھرم میں ناجائز مداخلت خیال کرتے تھے۔

مسلمانوں کے دلوں میں انگریزی کے خلاف دشمنی اور نفرت کے جذبات کہیں زیادہ گہرے تھے کیونکہ اُن کی سلطنت برباد کرنے کے علاوہ انگریز مسلمانوں سے ہر شعبۂ زندگی میں نہایت بُرا سلوک کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں اُن کے حقیقی دشمن مسلمان ہی ہیں اس لئے انہیں جاگیروں۔ سرکاری ملازمتوں۔ فوجی نوکریوں۔ سرکاری ٹھیکوں وغیرہ سے محروم کر دیا گیا تھا مسلمانوں میں بھی یہ خیال عام تھا کہ انگریز اُنہیں عیسائی بنانا چاہتے ہیں اس لئے وہ انگریزی تعلیم کے سخت مخالف تھے۔ کئی مسلمان سمجھتے ہیں کہ اسلام انہیں کسی کا غلام رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے وہ سچے جذبے اور خلوص نیت سے انگریزوں کی غلامی سے خلاصی پانا چاہتے تھے اُن کے مذہبی پیشوا انگریزوں کی مخالفت میں سب سے آگے تھے چنانچہ ۱۷۹۳ء میں ہی ہندوستانی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مذہبی رہنما اور قرآن و حدیث کے زبردست عالم حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے فتویٰ جاری کر دیا تھا کہ انگریزوں کے سول یا فوجی ملازمت کرنا یا اُن کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنا مذہب اسلام کے خلاف ہے۔ ان کے بعد حضرت شاہ اسمعیل شہید اور حضرت سید احمد بریلوی نے مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد کی تعلیم دیتے رہے۔ مجاہدین کی اسی جماعت کو طنزاً وہابی کہا جانے لگا۔ ان مجاہدین نے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی ایک عوامی تحریک شروع کی اور ۱۸۵۷ء کے واقعات میں نہایت شاندار حصہ لیا۔

فوجی وجوہات

انگریزوں کی فوج میں زیادہ تعداد دیسی سپاہیوں کی تھی چنانچہ لارڈ ڈلہوزی کی واپسی پر کل انگریزی فوج دو لاکھ ۳۳ ہزار تھی جس میں انگریزی سپاہی صرف ۴۵ ہزار ۳ سو ۲۲ تھے ایک تو فوج کا بہت بڑا حصہ جنگ کریمیا کی وجہ سے ترکی گیا ہوا تھا دوسرے لارڈ ڈلہوزی نے اچھے اور قابل انگریز فوجی افسر سول محکموں میں بڑے بڑے عہدوں پر تعینات کر رکھے تھے اس سے فوج کمزور ہو گئی تھی اس کے علاوہ دہلی اور الہ آباد کی

چھاونیوں میں خالص ہندوستانی پلٹنیں تھیں اسی طرح الہ آباد سے کلکتہ تک صرف دیناپور میں کچھ انگریز فوجی باقی سب چوکیاں دیسی سپاہیوں کے ہاتھ میں تھیں۔

کمپنی کی فوج کے تین بڑے حصے بنگال۔ مدراس اور بمبئی کی فوجیں کہلاتی تھیں بنگال کی فوج اپنی منہ زوری کے لئے مشہور تھی اس فوج میں زیادہ تر برہمن اور راجپوت سپاہی تھے اس فوج کو افغانستان کی جنگ میں لڑنا پڑا تھا اور یہ اُن کے لئے بہت صبر آزما معرکہ تھا اس سے قبل اس فوج نے برما کی لڑائی میں شامل ہونے سے انکار کیا تو یہ سنتالیسویں رجمنٹ بھی برخاست کر دی گئی تھی اس کے علاوہ بھی چھوٹی موٹی فوجی بغاوتیں اس فوج میں معمول کی بات تھی جب لارڈ کیننگ نے جنرل سروس اِن لسٹمنٹ ایکٹ (GENERAL • RVICE ENLISTMENT ACT) پاس کیا اور یہ قاعدہ بنایا کہ ہندوستانی فوج میں بھرتی ہونے والوں کو جہاں سرکار کی مرضی ہو ہندوستان یا باہر جاکر لڑنا پڑے گا تو برہمن اور راجپوت سپاہی سخت پریشان ہو گئے کیونکہ اُس زمانے کے قدامت پرست ہندوؤں کے خیال کے مطابق سمندر کے سفر پر جانے سے انسان ذات باہر ہو جاتا تھا یہ سپاہی سوچتے تھے کہ اب اُن کے بیٹوں کو یا تو سپہ گری کا خاندانی پیشہ چھوڑنا ہوگا اور یا پھر ذات باہر ہونا برداشت کرنا پڑے گا غرض یہ کہ یہ سپاہی ہندوستان کے باہر انگریزوں کی سامراجی لڑائیوں میں شامل ہونا نہ چاہتے تھے۔

اودھ کے الحاق کے بعد پوربی سپاہی بے کار ہو گئے تھے ان کے جو رشتہ دار کمپنی کی فوجوں میں بھرتی ہوئے تھے اپنے بھائی بندوں کی مصیبت کی وجہ سے اپنے انگریز آقاؤں سے سخت نالاں تھے۔

ہندوستان کے باہر جنگ کریمیا و جنگ افغانستان میں انگریزوں کی ذات آمیز شکست اور پنجاب میں سکھوں کی فتح مندی کی وجہ سے ہندوستانی سپاہیوں کے حوصلے بلند ہو چکے تھے اور انہیں یقین تھا کہ وقت آنے پر جب وہ اُٹھ کھڑے ہوئے تو انگریزوں کی اُن کے سامنے کچھ پیش نہ جائے گی۔ چنانچہ ان وجوہات نے بغاوت کا سب سامان مہیا کر رکھا تھا

کہ کارتوسوں کے واقعہ نے اس جلتی پر تیل کا کام کیا اور بغاوت کی آگ نے تقریباً سارے شمالی ہند کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔
کمپنی کی فوجوں میں نئی قسم کی انفیلڈ رائفل (ENFIELD RIFLE) میں چربی ملے ہوئے کارتوس استعمال ہوتے تھے اور بندوق میں چڑھانے سے پہلے انہیں دانتوں سے کھولنا پڑتا تھا کمپنی کے دیسی سپاہیوں میں کسی طرح افواہ پھیل گئی کہ اس چربی میں گائے اور سوٗر کی چربی کی ملاوٹ ہے اور سرکار نے یہ کام اس ارادے سے کروایا ہے کہ ہندو مسلمان سپاہیوں کا مذہب خراب کروایا جائے کیونکہ گائے ہندوؤں کے لئے مقدس اور سوٗر مسلمانوں کے لئے ناپاک ہے وہ کبھی ان جانوروں کی چربی کو چھونا بھی پسند نہیں کر سکتے۔
فوج میں بد دلی تو پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی اس افواہ سے بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حکومت نے بالارادہ ان کارتوسوں پر گائے اور سوٗر کی چربی لگوائی تھی لیکن یہ حقیقت ہے کہ وول وچ (WOOL WICH) کے اسلحہ سازی کے کارخانوں میں جانوروں کی چربی استعمال ہوتی تھی جن میں گائے اور سوٗر کی چربی بھی ہوتی تھی۔ فوج کے افسروں نے بے سوچے سمجھے عام افواہ کی تردید شروع کر دی لیکن فوجیوں نے سمجھا کہ یہ انکار محض انہیں دھوکے میں ڈالنے کی ایک چال ہے۔ بعد میں جب اس چربی کا استعمال منع کر دیا گیا اور کئی اعلان نامے شائع کئے گئے لیکن فوجیوں میں پھر بھروسہ پیدا نہ ہو سکا۔
انتقام بغاوت اور کینہ کی یہ آگ ۱۸۵۷ء کے پہلے چند مہینوں میں سلگتی رہی آخر مارچ ۱۸۵۷ء میں بارک پور (کلکتہ) میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ حکومت نے فوراً سختی سے یہ بغاوت دبا دی اور باغی پلٹن کو نوکری سے برخاست کر دیا اپریل ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی میں چند سوار سپاہیوں نے یہ کارتوس استعمال کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ فوج کے کرنیلوں نے انہیں ہزار سمجھایا مگر وہ ایک نہ مانے آخر انہیں کورٹ مارشل کے سامنے حکم عدولی کے جرم میں پیش کیا گیا جہاں سے انہیں دس سال قید کا حکم سُنا دیا گیا ۹ مئی کو برسرعام ان کے

فوجی بِلّے اور وردیاں اُتار کر انہیں ذلیل و خوار کیا گیا تاکہ دوسروں کو اس
سے عبرت حاصل ہو۔ چاروں طرف بھری ہوئی توپیں اور مسلح انگریز افسر
اور فوجی موجود تھے اس ڈر سے اُس وقت تو کوئی نہ بولا لیکن جب ان
قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑ جیل لے جایا جانے لگا تو انہوں نے بڑے
جوش سے نعرے لگا کر اپنے ساتھی سپاہیوں کی غیرت کو للکارا اور انگریز
افسروں کو بہت بُرا بھلا کہا۔

آخر ابتدار ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کی شام کو تین دیسی رجمنٹیں اُٹھیں۔ اپنے
انگریز افسروں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر آگے بڑھیں۔ جیل خانے کے دروازے
توڑ کر اپنے ساتھیوں کو رہا کروایا اور "دہلی چلو" کا نعرہ لگا کر بغاوت
کا اعلان کر دیا اسی واقعہ سے غدر کا آغاز ہوا اور یہ بغاوت دُور دُور
تک پھیل کر ایک انقلاب کی صورت اختیار کرنے لگی۔

واقعات ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء کے واقعات کے بڑے بڑے مرکز دہلی۔ کانپور۔ لکھنو۔ بنارس اور جھانسی تھے۔
مدراس۔ بمبئی۔ پنجاب اور کشمیر۔ حیدر آباد۔ بھوپال۔ نیپال نے نہ صرف بغاوت
کا ساتھ ہی نہ دیا بلکہ انگریزوں کی عملی طور پر امداد کر کے ان کی کامیابی
کو ممکن بنا دیا۔

دہلی میرٹھ سے انقلابی فوج بڑی تیزی سے دہلی کی طرف بڑھی اور
شہر میں داخل ہو کر آخری مغل بادشاہ ابو ظفر سراج الدین
محمد بہادر شاہ ثانی کی شہنشاہی کا اعلان کر دیا۔ ہندو مسلم رعایا نے
اس اعلان کا [illegible] گرم جوشی سے استقبال کیا اور چند ہی دنوں میں دہلی
انقلابیوں کا سب سے بڑا مرکز بن گئی۔ ستمبر ۱۸۵۷ء تک دہلی انقلابی فوجوں
کے قبضہ میں رہی۔ آخر جولائی میں جنرل سر جان نکلسن پنجاب سے ایک
مضبوط فوج لے کر دہلی پر حملہ آور ہوا۔ دونوں طرف سے بڑی جانبازی
سے مقابلہ ہوتا رہا۔ انگریزوں کے ساڑھے چودہ سو سپاہی زخمی ہوئے یا
مرے۔ جنرل نکلسن بھی زخمی ہو کر [illegible] ستمبر

میں انگریزی فوجیں سکھوں کی مدد سے شہر دہلی کے اندر داخل ہوئیں اور
لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ بہادر شاہ ثانی قلعۂ معلی
سے بھاگ کر ہمایوں کے مقبرہ میں جا چھپا۔ لیکن آخرکار انگریزوں نے
اُسے گرفتار کر لیا۔ اُس کے دو جوان سال بیٹوں اور ایک پوتے کو لفٹننٹ
ہڈسن نے نہایت وحشیانہ طریقے سے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ بہادر شاہ
ثانی پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور آخر بطور سزا اُسے
معزول کر کے ملک بدر کرنے اور برما میں قید رکھنے کا حکم سنایا گیا۔ اسی
قید میں نہایت تنگ دستی کی حالت میں بابر و اکبر کا یہ آخری جانشین
اپنے ملک سے دور اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ بہادر شاہ ثانی کے
ساتھ ہی مغلیہ خاندان کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا۔

کانپور جون ۱۸۵۷ء میں انقلابی تحریک اودھ میں بھی جا پہنچی۔ کانپور
اور لکھنؤ تحریک کے بڑے مرکز بن گئے۔ کانپور کے قریب
بیتھور میں ناناصاحب مقیم تھا جو باجی راؤ ثانی آخری معزول پیشوا
کا وارث تھا۔ ناناصاحب نے انگریزوں کے خلاف تحریک منظم کرنے میں
بڑی مستعدی دکھائی اور سارے اودھ کا دورہ کیا۔ اب اُس نے کانپور
میں رہنے والے انگریز سول اور فوجی افسروں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور
کیا اور وعدہ کیا کہ انہیں باحفاظت الہ آباد جانے کے لئے کشتیوں میں
سوار کروا دیا جائے گا جب یہ لوگ گھربار چھوڑ کر کشتیوں میں سوار
ہو گئے تو ناناصاحب کی فوج نے گولیوں کی بوچھاڑ سے سب کے
تکے بوٹیاں اُڑا دیں اُدھر شہر میں ناناصاحب نے پیشوا ہونے کا
اعلان کر دیا اور جو بچے کچھے انگریز مرد عورتیں بچے اُس کی قید میں
تھے اُنہیں مروا کر ایک کنوئیں میں پھینکوا دیا۔ الہ آباد سے تازہ دم
انگریزی فوج اس واقعہ کے ایک دن بعد میں کانپور پہنچی۔ ناناصاحب
اُن کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

لکھنؤ کانپور سے فوج کا ایک حصہ جنرل ہیولاک (HAVE LOCR)

کی کمان میں لکھنو کی طرف بڑھنے لگا جہاں سر ہنری لارنس چیف کمشنر
ریذیڈنسی کی عمارت میں چاروں طرف سے انقلابی فوجوں سے گھرا ہوا
تھا کچھ عرصہ کے مقابلہ کے بعد سر ہنری لارنس کے گولی لگی اور وہ وہیں
چت ہوگیا لیکن اُس کے ساتھی محاصرے میں رہ کر مقابلہ کرتے رہے آخرکار
ستمبر میں جنرل ہیولاک اور سر جیمز اوٹریم (SIR JAMES OUTRAM
کی فوجیں لکھنو پہنچ گئیں اور گھیرے میں آئی ہوئی فوج بچ نکلی۔ لیکن
انگریز لکھنو شہر پر قبضہ نہ کرسکے کچھ عرصہ بعد سر کالن کیمپ بل (SIR
COLIN CAMPBELL) پانچ ہزار تازہ دم فوج لے کر لکھنو پر حملہ آور
ہوا اس کی کوشش سے مارچ ۱۸۵۸ء میں انگریز پھر لکھنو پر قابض
ہوگئے اسی دوران میں نانا صاحب کے ایک نہایت قابل ساتھی مرہٹہ
سردار تانتیا ٹوپی نے انگریزوں کو کانپور سے مار بھگا دیا اور خود
کانپور پر قابض ہوگیا۔

جھانسی

جھانسی مشہور جانباز مہارانی لکشمی بائی نے انگریزوں سے
بدلہ لینے کا یہ موقعہ غنیمت جانا اور بڑی ہوشیاری
اور دانائی سے جنگ کی تیاری میں لگ گئی وہ مردوں کی طرح گھوڑے
پر سوار ہوکر میدان میں لڑتی اور فوج کا حوصلہ بڑھاتی تھی۔ تانتیا
ٹوپی نے بھی مہارانی کی مدد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ بھوپال کے کئی
مسلمان سردار بھی اس بہادر شیر دل عورت کی مدد کے لئے اُس کے
ساتھ آن ملے لیکن آخرکار جھانسی کا قلعہ انگریزوں نے فتح کر لیا۔
لیکن مہارانی لکشمی بائی نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا اور لڑتی لڑاتی گوالیار
کی طرف بڑھنے لگی۔

اسی عرصہ میں تانتیا ٹوپی نے بھی گوالیار کی طرف یلغار کی انگریزوں
کی طرف سے سر ہیو روز (SIR HUGH ROSE) مہو چھاؤنی سے روانہ
ہوا اور راستے میں بندھیلکھنڈ کے مختلف مقامات فتح کرتا ہوا تانتیا
ٹوپی کے مقابلہ کے لئے گوالیار آپہنچا یہاں مہاراجہ سیندھیا نے رانی
جھانسی اور تانتیا ٹوپی کے مقابلہ کی کوشش کی تو ساری فوج
بگڑ گئی۔ سیندھیا جان بچانے کے لئے آگرہ بھاگ گیا اور فوج نے

ناناصاحب کی پیشوائی قبول کرلے کا اعلان کردیا۔ سرہیو روز مقابلہ کے لئے آگے بڑھا دو لڑائیوں میں طرفین میں سخت مقابلہ ہوا۔ اسی دوران میں مہارانی لکشمی بائی مردانہ لباس میں لڑتے لڑتے اپنی آن پر مرمٹی۔ اور میدان انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ تانتیا ٹوپی روپوش ہوگیا اور ایک سال بعد گرفتار کرکے پھانسی پر لٹکوا دیا گیا۔ ناناصاحب نے بھاگ کر نیپال میں پناہ لی اور وہیں گمنامی کی حالت میں مرگیا۔ اس طرح انقلابی فوجوں کا ایک سے ایک بڑا گڑھ انگریزوں نے فتح کرلیا اور ۱۸۵۸ء کے آخر میں گورنر جنرل نے ایک اعلان کے ذریعے امن کا اعلان کردیا

۱۸۵۷ء کے واقعات کی حقیقت

۱۸۵۷ء کے انقلابی واقعات اور فوجی بغاوت کو ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی بھی کہا جانے لگا ہے جہاں تک ان واقعات میں انگریزوں کے غلبہ کے خلاف جدوجہد کا تعلق ہے اسے کسی حد تک ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کہا جاسکتا ہے لیکن اسے ایک ایسی وطن پرور اور قوم پرستانہ یا عوامی جنگ آزادی کہنا جیسی کہ امریکہ کی جنگ آزادی تھی تاریخی لحاظ سے صحیح نہیں اس تحریک میں کوئی متحدہ قومی مقصد اور سارے ملک کی آزادی کی ایسی تجویز نہ تھی جس پر ساری قوم متفق ہو۔ مرہٹے مرہٹہ شاہی کی۔ مغل مغل شہنشاہی کی اور وہابی اسلامی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے ہر انقلابی گروہ کا اپنا لیڈر اور اپنے مقاصد تھے قومی جذبہ بھی ابھی تک ہندوستانیوں میں بیدار نہ ہوا تھا اُن کا کوئی قومی رہنما یا جنگی جرنیل ایسا نہ تھا جس کی سب گروہ اطاعت کرنے پر تیار ہوتے اُن کی کوئی متفقہ جنگی اسکیم بھی نہ تھی اُوپر کے طبقہ کے لوگ سرمایہ دار۔ رئیس۔ سابق حکام اور جاگیردار اس تحریک میں شامل تھے ان کی ذاتی اغراض تھیں اُن کے سامنے کوئی متحدہ قومی مقصد نہ تھا اسی طرح بہادر شاہ ثانی اور مہارانی لکشمی بائی بھی قومی مقاصد کی بجائے اپنے ذاتی اور خاندانی مفاد کی خاطر میدان میں آئے تھے

اس تحریک سے جنوبی ہند۔ بمبئی۔ گجرات اور بنگال کا بڑا حصہ الگ تھلگ رہا دوسرے علاقوں میں یہ عام رعایا کی تحریک یا ایک عوامی تحریک نہ بن سکی یہی وجہ ہے کہ کئی مورخ ۱۸۵۷ء کے واقعات کو "پہلی جنگ آزادی" کہنے پر تامل کا اظہار کرتے ہیں۔

ناکامی کی وجوہات

۱۸۵۷ء کی انقلابی تحریک یا فوجی بغاوت کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ یہ ساری قوم کی عوامی تحریک نہ تھی اس تحریک کی کوئی متحدہ جنگی اسکیم اور متحدہ قومی کمان نہ تھی ہر گروہ اپنے مقامی یا خاندانی مقاصد حاصل کرنے کے لئے اس میں شامل ہوا تھا دیسی راجے اور نواب۔ سکھ اور گورکھے اس تحریک کے مخالف تھے اور انگریزوں کے حامی تھے۔ انگریز فوجیں پورے نظم و ضبط سے ایک متحدہ جنگی اسکیم لے کر ایک متحدہ کمان کے زیر ہدایت لڑ رہے تھے اُن کے پاس بہتر جنگی سامان اور اسلحہ تھا۔ تار۔ ڈاک اور ریل کے ذریعے انگریزی فوجوں کو اطلاعات ہدایات رسد اور کمک پہنچانے میں بڑی مدد ملتی تھی۔ ہندوستانی فوجوں کو ان میں سے کوئی بھی سہولت میسر نہ تھی۔ عام ہندوستانی رعایا کو اپنے سابق حاکموں سے اُن کے ظالمانہ اور مطلق العنانہ طرز حکومت کی وجہ سے کوئی خاص ہمدردی نہ تھی اس لئے انہوں نے کسی خاص قومی جوش و خروش کا اظہار نہ کیا اور یہ تحریک سماج کے اوپر کے طبقہ کے لوگوں تک ہی محدود رہی اسی لئے اس تحریک میں ہندوستانی کامیاب نہ ہو سکے اور انگریزوں نے ہر محاذ پر فتح پائی۔

نتائج

۱۸۵۷ء کے واقعات سے ایک طرف تو مغلیہ سلطنت کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ بہادر شاہ ثانی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا اور خاندان مغلیہ کا پوری طرح خاتمہ ہو گیا دوسری طرف انگریزوں میں یہ خیال عام ہو گیا کہ اتنی بڑی سلطنت کا نظام حکومت زیادہ دیر تک ایک تجارتی ادارہ کے ہاتھ میں نہیں رکھا جا سکتا کیونکہ ان کی لوٹ کھسوٹ۔ بددیانتی اور رشوت ستانی سے ملک

برباد ہو چکا تھا چنانچہ اگست ۱۸۵۸ء میں ایک خاص مسودہ قانون کے ذریعے برطانوی پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہندوستان کی حکومت لے کر اسے تاج برطانیہ کے سپرد کر دیا کورٹ آف ڈائریکٹرز اور بورڈ آف کنٹرول برخاست کر دیئے گئے۔ ہندوستان کی حکومت ایک سیکرٹری آف اسٹیٹس فار انڈیا یا وزیر ہند کے سپرد کی گئی جو برطانوی کابینہ کا ممبر ہوتا تھا اس وزیر کی مدد اور مشورہ کے لئے ایک مجلس انڈیا کونسل کے نام سے مقرر ہوئی۔ ہندوستان کی دیسی ریاستوں کی دیکھ بھال کے لئے ملکہ انگلستان نے گورنر جنرل کو نائب یعنی وائسرائے مقرر کیا۔ اس نئے نظام کے تحت وائسرائے اور گورنر جنرل کے عہدہ پر لارڈ کیننگ کا تقرر ہوا۔

یکم نومبر ۱۸۵۸ء میں الہ آباد میں ایک نہایت عالی شان دربار منعقد کیا گیا جس میں ملکہ وکٹوریا کا مشہور شاہی اعلان پڑھ کر سنایا گیا جس کی بنیاد پر آئندہ ایک نوے برس تک برطانوی سامراج ہندوستان پر مسلط رہا۔ اس اعلان کی اہم باتیں مختصراً درج ذیل ہیں :۔

۱۔ ملکہ وکٹوریا نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خاتمہ اور ہندوستان کی حکومت براہ راست برطانوی حکومت کو سونپنے کا اعلان کیا۔

۲۔ ملکہ وکٹوریا نے ہندوستانی رعایا کو یقین دلایا کہ اُن سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا سب ایک ہی قانون کے ماتحت ہوں گے اور رنگ نسل یا مذہب کی تمیز کے بغیر محض لیاقت کی بناء پر سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کے مواقع سب کو حاصل ہوں گے۔

۳۔ ہندوستانی رعایا کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور حکومت کسی گروہ کے مذہبی معاملات میں دخل انداز نہ ہوگی

۴۔ ہندوستانی راجاؤں اور نوابوں کو یقین دلایا گیا کہ حکومت برطانیہ انہیں تاج و تخت یا ریاستوں سے محروم نہ کرے گی بلکہ ریاست کے بہتر انتظام کے لئے اُن کی ہر ممکن مدد کرے گی۔

۵۔ والیانِ ریاست کے لاولد ہونے کی صورت میں انہیں متبنیٰ بنانے کی اجازت ہوگی۔

۶۔ قاتلوں کے سوا سب باغیوں کے لئے عام معافی کا اعلان کیا گیا۔

EXERCISE.

1. Narrate the causes and effects of the battle of Plassey. (J & K. U. 1955)
2. Describe the battle of Buxar and assess its importance. (P. U. 1939)
3. Clive was the founder of the British Empire in India Is this a correct statement? Discuss.

   OR

   Why is Lord Clive regarded as the founder of the British Empire in India? (J & K. U. 1957, 1949)
4. Sketch the career of Lord Clive in India and summarise his political achievements. (J & K. U. 1953)
5. What do you know about the administrative reforms of Warren Hastings?
6. Describe the dealings of Warren Hastings with the Rohillas. Was he justified? (J & K. U. 1950)
7. What led to the passing of the Regulating Act? What were its main provisions and chief defects?
8. Give an account of the life and career of Haider Ali and his struggle against the English.
9. What do you think of the dealings of Warren Hastings with Nand Kumar, Raja Chet Singh and the Begums of Oudh. (J & K. U. 1954, 56. P. U. 1944)
10. Why is Warren Hastings regarded as one of the real founders of the British Empire in India? Why was he impeached by the House of Commons?
11. Give in brief the main provisions of the Pitt's India Bill. How far did it remove the defects of the Regulating Act.
12. What do you know about the permanent Settlement of Bengal? What were its merits and demerits?
13. "Wellesley was the real founder of the British Empire in India." Discuss. (J & K. U. 1951)

    OR

    How did Wellesley help in the expansion of the British Empire in India? (J & K 1957)

4. What were the causes and results of IV Mysore War.
15. What do you know about the relations of Wellesley with the Marhattas ?
16. Narrate briefly the principal events of the administration of the Marquis of Hastings (the Earl of Moira) (J & K U. 1952)
17. Describe briefly the overthrow of the marhattas
18. Describe the reforms of Lord William Bentinck (J & K. U. 1960. 1949)
19. What were the causes and results of the first Afghan war. (J & K. U. 1957)
20. What were the causes and results of the invasion of Sindh by Sir Charles Napier. (J & K. U. Sup. 1957
21. How did Maharaja Ranjit Singh establish the Sikh Empire ? (J & K U Sup. 1958
22. Give an estimate of the character of Maharaja Ranjit Singh. Describe his civil and military administration.
23. What were the causes of the downfall of the Sikh Empire ?
24. Mention the important political events that had taken place during the administration of Lord Dalhousie and show how far had he succeeded in expanding the British Dominion in India.

(J & K. 1953)

25. What were the causes aand results of the Second Anglo Sikh War. (J & K. U. 1958, Sup. 1957)
26. What was Dalhousie's Doctrine of Lapse ? What annexations were made by its application ? (J & K. U. 1956, 1954)
27. What were the causes and results of the annexation of Oudh. How far was it justified ?
28. What were the causes of the Mutiny of 1857 ? (J & K. U. 1955, 1950)
29. Discuss the true nature of the Mutiny of 1857 and the causes of its failure. How far was Dalhousie responsible for this war. (J & K. U. 1960)
30. What were the main points of the proclamation of 1858 made by Queen Victoria ? (J & K. U. 1960)

31. Write short notes on :—
(a) The Charter Acts of 1813, 1833. Sultan Tipu. Rani of Jhasi. (J & K. U. 1960)

ٹائم چارٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج اور حکومت ۱۷۴۶ء تا ۱۸۵۷ء

سال	واقعہ
۱۷۴۶ء	کرناٹک کی پہلی لڑائی
۱۷۴۹ء	کرناٹک کی دوسری لڑائی
۱۷۵۷ء	پلاسی کی لڑائی
۱۷۵۸ء	کرناٹک کی تیسری لڑائی
۱۷۶۴ء	بکسر کی لڑائی
۱۷۶۷ء	کلائیو کی واپسی۔ میسور کی پہلی لڑائی
۱۷۷۳ء	ریگولیٹنگ ایکٹ
۱۷۷۴ء	جنگ روہیلہ
۱۷۸۰ء	میسور کی دوسری لڑائی
۱۷۸۴ء	پٹس انڈیا بل
۱۷۹۰ء	میسور کی تیسری لڑائی
۱۷۹۳ء	بنگال کا بندوبست استمراری
۱۷۹۹ء	میسور کی چوتھی لڑائی
۱۸۰۲ء	جنگ مرہٹہ و عہدنامہ بسین
۱۸۰۹ء	عہدنامہ امرتسر
۱۸۱۸ء	مرہٹہ شاہی کا خاتمہ
۱۸۳۹ء	افغانستان کی پہلی لڑائی
۱۸۴۵ء	سکھوں کی لڑائیاں اور الحاق پنجاب
۱۸۴۹ء	
۱۸۵۲	الحاق اودھ
۵۷	غدر اور کمپنی کی حکومت کا خاتمہ

(۱۷۵۷ء – ۱۷۶۷ء) کلائیو کی پہلی اور دوسری گورنری کا دور

سکیل - ۱ = ۲۰ سال

ہندوستان - تاج برطانیہ کے ماتحت

۱۸۵۸ء ———— ۱۹۴۷ء

پہلا وائسرائے وگورنر جنرل لارڈ کیننگ

۱۸۵۸ء ———— ۱۸۶۲ء

لارڈ کیننگ ایسٹ انڈیا کمپنی کا آخری گورنر جنرل اور ملکہ وکٹوریا کی حکومت انگلستان کا پہلا گورنر جنرل اور وائسرائے تھا غدر کے دوران میں اگرچہ عام انگریزوں نے سفاکی اور ظلم وستم میں کافی وحشیانہ پن کا مظاہرہ کیا تاہم لارڈ کیننگ سمجھتا تھا کہ ہندوستانی رعایا پر زیادہ سختی برطانیہ کے سامراجی مفاد کے خلاف ہے اس لئے عام انگریز اُسے طنز بہ طور پر "رحم دل کیننگ" یعنی (CLEMENCY CANNING) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ کیننگ کے زمانہ میں مندرجہ ذیل اصلاحات قابل ذکر ہیں :-

کیننگ نے انگریزی فوج کی نئے سرے سے تنظیم کی فوج میں انگریز سپاہیوں کی تعداد میں کافی اضافہ کیا اور توپ خانہ کی بھرتی صرف یوروپین لوگوں کے لئے مخصوص کردی تاکہ اگر ہندوستانی پھر سر اُٹھائیں تو اُن کی سرکوبی کے لئے ایک قابل اعتماد مسلح طاقت ہر وقت میسر رہے۔

ہندوستانی حکومت ۱۸۵۷ء کے واقعات کی وجہ سے بہت زیر بار ہو چکی تھی اس لئے انگلستان کے مشہور ماہر مالیات جیمز ولسن (JAMES WILSON) ہندوستان بھیجے گئے آپ نے خرچ میں کمی اور سکہ میں تبدیلیاں تجویز کیں اور ہندوستانیوں پر انکم ٹیکس اور دوسرے ٹیکس لگانے کا سجھاؤ دیا تاکہ حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔ لارڈ کیننگ کے زمانے میں کلکتہ مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیوں کی مزید توسیع و ترقی کی گئی اور کئی ماتحت کالج اور کھولے۔

لیکن اس عہد کا سب سے قابل ذکر کارنامہ انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۶۱ء

ہے اس قانون کے ذریعے برطانوی پارلیمنٹ نے بنگال. مدراس اور بمبئی کے گورنروں کو صوبائی قانون بنانے کا اختیار دیا اور گورنر جنرل کی کونسل کے ممبروں کی تعداد بڑھاکر بارہ کردی اور آدھے ممبروں کا غیر سرکاری ہونا لازمی قرار دے دیا اگرچہ یہ غیر سرکاری ممبر حکومت ہی نامزد کرتی تھی. وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے پانچ ممبر مختلف محکموں کے انچارج مقرر ہوئے چھٹا خاص ممبر کمانڈر انچیف کو بنایا۔ وائسرائے خود معاملات خارجہ کا انچارج اور ساری کونسل کا نگران مقرر ہوا۔ ۱۸۶۲ء میں تین ہندوستانی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہوئے ان میں مہاراجہ پٹیالہ۔ مہاراجہ بنارس اور اندور کے سرد نکر راؤ پہلے پہل ممبر مقرر ہوئے

اس عہد میں ضابطہ دیوانی۔ تعزیرات ہند اور ضابطہ فوجداری کے قانون بناکر جاری کئے گئے جو آج بھی دنیا کے بہترین مکمل قانون مانے جاتے ہیں لارڈ کیننگ کے عہد میں صدر نظامت عدالت اور صدر دیوانی عدالت کی بجائے کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں ہائی کورٹ بھی قائم کئے گئے۔

لارڈ ایلگن

۱۸۶۲ء میں لارڈ کیننگ کے بعد لارڈ ایلگن وائسرائے بن کر آیا۔ اس کے عہد میں شمال مغربی سرحدی علاقے میں وہابیوں نے پھر انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا لیکن ایلگن نے بڑی سختی سے اس تحریک کو دبا دیا لیکن قدرت نے اُسے زیادہ موقع نہ دیا اور ۱۸۶۳ء میں دھرم سالہ کے قصبہ میں اس دنیا سے کوچ کر گیا اور اُس کی جگہ لارڈ لارنس وائسرائے ہوکر آیا۔

لارڈ لارنس

۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۹ء

سر جان لارنس گورنر جنرل بننے سے پہلے پنجاب کا چیف کمشنر رہ چکا تھا غدر کے دوران میں اُس نے پنجاب میں امن بحال رکھنے اور سکھوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد کے لئے تیار کرکے انگریزوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے میں بڑا شاندار کام کیا تھا اس کے عہد حکومت میں جنگ بھوٹان۔ افغانستان سے تعلقات اور قحط اڑیسہ قابل ذکر ہیں۔

بہار اور بنگال کے شمال میں ایک آزاد ریاست بھوٹان واقع ہے یہاں کے لوگ ہندوستانی علاقوں میں ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کے لئے آتے رہتے

تھے ۱۸۶۴ء میں انہوں نے دوار کے علاقے پر قبضہ کرلیا- اب انگریزی حکومت اس زیادتی کو برداشت نہ کرسکی اور انگریزی فوجیں بھوٹان پر حملہ آور ہوئیں. راجہ بھوٹان صلح کا طالب ہوا- راجہ دوار کا علاقہ انگریزی سلطنت ہند میں شامل کرنے پر رضامند ہوگیا اور اُس کے عوض انگریزوں سے مالی مدد قبول کرکے وفاداری کا وعدہ کیا-

۱۸۶۶ء میں اڑیسہ کے علاقے میں سخت قحط پڑ گیا اور لوگ ہزاروں کی تعداد میں بھوک سے مرنے لگے- لارڈ لارنس نے دل و جان سے کوشش کرکے مصیبت زدگان کی مدد کے انتظام کئے- گو اُسے زیادہ کامیابی نہ ہوئی تاہم اس کا ایک نتیجہ نکلا- حکومت نے آئندہ ایسی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مستقل امدادی فنڈ قائم کردیا جسے فیمین ریلیف فنڈ (FAMINE - RELIEF FUND) کہتے ہیں- اس رقم سے قحط کے زمانے میں محتاج خانے قائم کرنا- تقاوی قرضے دینا اور امدادی تعمیری کاموں کے لئے روپیہ مہیا کرکے رعایا کو بھوک سے مرنے سے بچایا جا سکتا تھا-

شمال مغربی سرحدی پالیسی

لارڈ لارنس کے زمانے میں انگریز ملکی مدبروں کے دو گروہ تھے ایک گروہ "فارورڈ اسکول" کہلاتا تھا ان کا خیال تھا کہ حکومت ہند کو افغانستان فتح کرکے وہاں ایک باضابطہ حکومت قائم کر دینی چاہیئے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم افغانستان کے حصے بخرے کرکے اُسے مقامی سرداروں میں بانٹ کر اس کی طاقت کو ملیامیٹ کر دینا چاہیئے تاکہ ہندوستان میں برطانوی سلطنت کو کسی خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑے- دوسرا گروہ اس بات کا قائل تھا کہ افغانوں کو انگریزی غلامی میں جکڑنے کی کوشش فضول ہے اس لئے حکومت کو عدم مداخلت اور غیر جانبداری کے سنہری اصولوں پر چل کر افغانستان کے وقتی امیروں کو حاکم تسلیم کرکے ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے چاہئیں- لارڈ لارنس خود بھی اسی اصول کا قائل تھا چنانچہ ۱۸۶۳ء میں جب امیر دوست محمد خان کا انتقال ہوگیا تو اس کے بیٹوں شیر علی- عظیم خان- افضل خان اور پوتے عبدالرحمن خان میں خانہ جنگی شروع ہوگئی- شیر علی نے تخت سنبھالا اور ۱۸۶۸ء میں لارڈ لارنس

نے اُسے امیر افغانستان تسلیم کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد افضل خان نے کابل پر قبضہ کر لیا تو لارڈ لارنس نے اُسے امیر کابل اور شیر علی کو امیر قندھار و ہرات تسلیم کر لیا ۱۸۶۷ء میں افضل خان کو امیر کابل و قندھار اور شیر علی کو امیر ہرات تسلیم کیا گیا غرض یہ کہ لارڈ لارنس نے افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخل دینے یا تخت کے کسی امیدوار کی مدد سے قطعی انکار کر دیا اور ہر ایک امیدوار سے دوستانہ تعلقات قایم رکھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس سے ایک تو ملک میں خانہ جنگی کو شہ ملتی رہی اور دوسرے ہر اُمیدوار تخت جو برطانوی مدد کا طالب تھا۔ لارڈ لارنس کی وجہ سے انگریزوں سے شاکی رہا لیکن یہ حکمت عملی اس لحاظ سے مدبرانہ تھی کہ انگریز لارڈ آکلینڈ کی حماقت اور اس کے ذلت آمیز نتائج کا پھر نشانہ نہ بن سکے اور آخر کار جب امیر شیر علی فتح یاب ہوا عظیم خان ایران بھاگ گیا اور وہیں مر گیا اور عبد الرحمٰن تاشقند میں روسیوں کے ہاں پناہ گزین ہو گیا تو حکومت ہند نے امیر شیر علی کو پھر امیر افغانستان تسلیم کر لیا اور اُسے بہت سا اسلحہ اور مالی امداد روانہ کر کے اُس سے دوستانہ تعلقات بحال کئے۔ امیر شیر علی دیسے دل سے انگریزوں کا مخالف ہو چکا تھا اور اُسے اُن پر کوئی بھروسہ نہ رہا۔

اسی زمانے میں روس نے وسط ایشیا میں ۱۸۶۵ء میں تاشقند اور ۱۸۶۸ء میں سمرقند اور بخارا کی ریاستیں فتح کر کے روسی سرحد ہندوستان سے ملا دی اس خطرہ کے مقابلہ کے لئے لارڈ لارنس نے تلوار اُٹھانے کی بجائے رُوس سے برطانیہ کو سمجھوتے کا مشورہ دیا جس پر ۱۹۰۷ء میں عمل ہوا لیکن اس عرصہ میں روسی خطرہ انگریزوں کے سر پر منڈلاتا رہا۔ اور اس کے سدباب کے لئے انگریزوں کو چوکنا رہنا پڑا

لارڈ میو

۱۸۶۹ء تا ۱۸۷۲ء

۱۸۶۹ء میں لارڈ لارنس کی جگہ لارڈ میو گورنر جنرل و والسرائے مقرر ہو کر ہندوستان آیا وہ اپنی شیریں زبانی اور حکمت عملی کی وجہ سے مشہور تھا۔ خاص طور پر دیسی راجے اور نواب اُس کے بڑے مداح تھے

شمال مغربی سرحدی پالیسی

لارڈ میو شمال مغربی سرحدی پالیسی میں لارڈ لارنس کا چیلہ تھا اور عدم مداخلت اور غیر جانب داری کی پالیسی کا حامی تھا اُس کے عہد میں مارچ ۱۸۶۹ء میں شیر علی امیر افغانستان کو ہندوستان میں انبالہ کے مقام پر شاہی دعوت دی گئی اور اس کے اعزاز میں ایک نہایت شاندار دربار منعقد کیا گیا۔ وائسرائے کی خوش خلقی سے امیر شیر علی بہت خوش ہوا اور اُس پر حکومت ہند کے شان و شکوہ اور طاقت کا دبدبہ بیٹھ گیا وہ چاہتا تھا کہ انگریز اُس کے چھوٹے بیٹے عبداللہ خان کو ولی عہد تسلیم کرے اور اُس کے خاندان کی حکومت بنائے رکھنے کے لئے مالی اور فوجی امداد کا وعدہ دے کر ایک باقاعدہ معاہدہ کر لے لارڈ میو اسے غیر جانبداری اور عدم مداخلت کی پالیسی کے خلاف سمجھتا تھا پھر بھی اُس نے امیر شیر علی سے ٹال مٹول کر کے اُسے خوش خوش افغانستان لوٹا دیا۔ اسی دوران میں حکومت برطانیہ نے حکومت روس سے گفت و شنید شروع کی۔ حکومت روس نے افغانستان پر امیر شیر علی کی حکومت تسلیم کر لی لیکن اندر ہی اندر وہ افغانستان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے میں مشغول رہے چنانچہ روسی ترکستان کے گورنر جنرل کافمن (KAUF MANN) نے امیر شیر علی سے خط و کتابت شروع کر دی لیکن امیر شیر علی اس خط و کتابت سے حکومت ہند کو آگاہ کرتا رہا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔

لارڈ میو کے عہد میں ۱۸۷۰ء میں ملکہ وکٹوریا کا دوسرا بڑا بیٹا ڈیوک آف ایڈنبرا ہندوستان کے دورے پر آیا اور جا بجا سرکاری طور پر اس کے شاندار استقبال کا انتظام کیا گیا اسی سال حکومت ہند نے پہلی بار کل ہند مردم شماری کا انتظام کیا اور مرکزی حکومت۔ زراعت اور تجارت کے نئے محکمے قائم کئے گئے۔

مالی اصلاحات

لارڈ میو کا سب سے بڑا اور یادگار کارنامہ اس کی مالی اصلاحات ہیں جب لارڈ میو نے عنان حکومت سنبھالی تو حکومت کو سخت گھاٹے کا سامنا تھا چنانچہ لارڈ میو نے

اپنے اعلیٰ تجربہ کار افسروں سر رچرڈ ٹمپل اور سر جان اسٹریچی کی مدد
سے انکم ٹیکس بڑھا کر اور محصول نمک عاید کرکے حکومت کی آمدنی
میں قابل قدر اضافہ کیا اور مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں میں
آمدنی کی تقسیم کا نیا اصول وضع کیا اس سے پہلے صوبائی حکومتوں کو
مخصوص مدوں میں خرچ کرنے کے لئے مقررہ رقمیں دی جاتی تھیں۔
صوبائی حکومتوں کو یہ اختیار نہ تھا کہ ایک مد کی بچت کسی دوسری مد
میں خرچ کر سکیں اس طرح صوبائی حکومتیں روپیہ ہوتے ہوئے مالی
مشکلات کا شکار رہتی تھیں اور انہیں بعض اوقات سخت تنگی کا سامنا
کرنا پڑتا تھا لارڈ میو نے اس پابندی کو اڑا دیا اب انہیں ہر سال ایک
مقررہ رقم دے دی جاتی تھی جس کی مدوار تقسیم اُن کی اپنی مرضی پر
چھوڑ دی جاتی تھی ہر پانچ سال بعد اس مالی انتظام پر نظر ثانی
بھی کی جا سکتی تھی صوبائی حکومتوں کو اپنا خرچ چلانے کے لئے
صوبائی ٹیکس عاید کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی اس سے
ہندوستانی رعایا پر ٹیکس کا بوجھ اور بڑھ گیا۔

۱۸۷۲ء میں لارڈ میو جزائر انڈیمان کے دورے پر پورٹ بلئیر
گیا۔ چاندنی رات میں جب وہ چہل قدمی کے لئے باہر نکلا تو یکایک
ایک پٹھان انقلابی شیر علی نے جو یہاں عمر قید کاٹ رہا تھا لارڈ
میو کے چھرا گھونپ کر اُسے وہیں ڈھیر کر دیا۔

لارڈ نارتھ بروک

۱۸۷۲ء — ۱۸۷۶ء

لارڈ میو کے قتل کے بعد لارڈ نارتھ بروک
جو گلیڈسٹون وزیر اعظم برطانیہ کی
حکومت میں جنگی محکمہ کا انڈر سیکرٹری
رہ چکا تھا وائسرائے مقرر ہو کر ہندوستان آیا وہ طبعاً ایک محتاط
منتظم تھا اور ہر معاملہ پر آزادانہ رائے قائم کرنے کا عادی تھا اُس
نے ٹیکسوں کے بوجھ کو کم کرنے اور کم سے کم نئے قوانین وضع
کرنے اور بیرونی پالیسی میں غیر جانبداری کے اصول پر چلنے کا
پکا ارادہ کیا۔ اور ان اصولوں پر ڈٹا رہا اس کے عہد میں ہندوستان لارڈ
میو کی مالی اصلاحات اور نہر سویز کے ذریعے تجارت میں اضافے

کی وجہ سے قدرے خوش حال ہو گیا لارڈ نارتھ بروک نے ہندوستان کے ساتھ تجارتی لین دین بڑھانے کے لئے تمام مال درآمد پر ۷½ فی صدی سے گھٹا کر ۵ فی صدی شرح محصول مقرر کی اس کے علاوہ مال برآمد میں تیل۔ چاول۔ نیل۔ لاکھ اور گندم پر سے محصول برآمد منسوخ کر دیا اس کا زیادہ فائدہ تو انگریز کارخانہ داروں کو ہی پہنچا پھر بھی ہندوستانی تجارت کو کچھ نہ کچھ فروغ ہی حاصل ہوا۔ انگلستان کی حکومت چاہتی تھی کہ مال درآمد پر محصول بالکل اڑا دیا جائے لیکن لارڈ نارتھ بروک نے ایک تو آمدنی کے پیش نظر اور دوسرے ہندوستانی صنعتوں کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے یہ اصول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لارڈ نارتھ بروک نے انکم ٹیکس بھی معاف کر دیا لیکن محصول نمک جس کا بوجھ عام غریب ہندوستانیوں پر پڑتا تھا معاف نہ کیا اس طرح اُس نے غریبوں کا گلا گھونٹ کر امیروں کو ٹیکس کی چھوٹ دی۔ اُس کی اس سامراجی پالیسی پر مورخ بجا طور پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

۷۴-۱۸۷۳ء میں بہار میں سخت قحط پڑ گیا لارڈ نارتھ بروک نے ۶۵ لاکھ روپے خرچ کر کے ہزاروں من چاول برما سے منگوا کر تقسیم کئے۔ امدادی کام شروع ہوئے تعداد کثیر قرضے دئے اس بے دریغ خرچ سے رعایا بچ گئی اور لارڈ نارتھ بروک کی حکومت کی کافی نیکنامی ہوئی۔

لارڈ نارتھ بروک کے عہد کا ایک اور اہم واقعہ ملہار راؤ گائیکواڑ والئے بڑودہ کی معزولی تھی۔ ۱۸۷۰ء سے ہی ملہار راؤ کے خلاف بدعنوانیوں۔ رشتہ داروں کو ناجائز طور پر تنگ کرنے۔ عورتوں کو عذاب دینے اور سوداگروں اور ساہوکاروں کو تباہ و برباد کرنے کی شکایات تھیں اُسے ۱۸ ماہ میں سب شکایات رفع کرنے کا موقعہ دیا گیا لیکن جب حالت بالکل نہ سدھری تو لارڈ نارتھ بروک نے اُسے انگریز ریذیڈنٹ کو زہر کھلانے کے الزام میں ایک کمیشن کے سپرد کر دیا اس کے ممبروں میں گوالیار اور جے پور کے مہاراجے حیدرآباد دکن کا وزیر اعظم۔ سرد نکر راؤ اور تین برطانوی افسر شامل تھے۔ کمیشن کے دیسی ممبروں نے ملہار راؤ کو بری کر دیا

لیکن انگریز افسروں نے اُس کے خلاف رپورٹ کی لارڈ نارتھ بروک نے اب بدنظمی کا الزام لگا کر ملہار راؤ کو معزول کر کے خفیہ طور پر مدراس بھیج دیا اور اُس کے خاندان کے نابالغ شہزادے کو سرمادھو راؤ کی سرپرستی میں تخت پر بٹھا دیا۔

لارڈ نارتھ بروک نے افغانستان سے غیر جانب داری کی پالیسی کے اصولوں پر دوستانہ تعلقات رکھے اس زمانے میں وسط ایشیا میں روس کی طاقت دن بدن بڑھ رہی تھی امیر شیر علی انگریزوں کی سرد مہری سے تنگ آ گیا تھا ۱۸۷۳ء میں شملہ میں افغان سفیر اور لارڈ نارتھ بروک کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں افغان سفیر نے وائسرائے کو بتایا کہ امیر شیر علی کو روسیوں پر کوئی اعتماد نہیں مگر وہ چاہتا ہے کہ حکومت برطانیہ اس کے ساتھ کوئی مضبوط معاہدہ کرے تاکہ اُسے روسیوں کا کوئی خوف نہ رہے لارڈ نارتھ بروک نے اس درخواست کو معقول سمجھ کر حکومت برطانیہ سے سفارش کی اگر امیر شیر علی اپنے خارجہ تعلقات پر برطانیہ کی سرداری تسلیم کر لے تو حکومت برطانیہ کو امیر شیر علی کی سلطنت کی حفاظت کا یقین دلا دینا چاہیئے مگر حکومت برطانیہ اس قسم کا کوئی حتمی وعدہ نہ کرنا چاہتی تھی جس سے اُسے روس سے الجھنا پڑے لہٰذا لارڈ نارتھ بروک نے گول مول الفاظ میں امیر شیر علی کو اپنی دوستی کا یقین دلایا اور پانچ ہزار بندوقیں اور دس لاکھ روپیہ تحفہ کے طور پر دیا۔ امیر نے بندوقیں تو لے لیں مگر روپیہ لینے سے انکار کر دیا بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ حکومت برطانیہ نے لارڈ نارتھ بروک کی رائے پر عمل نہ کر کے کس قدر غلطی کی تھی لارڈ نارتھ بروک نے افغان پالیسی پر اختلاف کی بناء پر ۱۸۷۶ء میں اپنے عہدے سے استعفےٰ دے دیا اور اس کی جگہ لارڈ لٹن گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔

لارڈ لٹن
۱۸۷۶ء تا ۱۸۸۰ء

لارڈ لٹن کے عہد میں جنوبی ہند میں ۱۸۷۶ء سے ۱۸۷۸ء تک سخت قحط پڑا بعد میں وسط ہند اور پنجاب کا کچھ حصہ بھی اس کی زد میں آگیا۔ اس کے بعد بخار اور ہیضہ کی وبا پھیل گئی ایک تو قحط و وباء اتنے بڑے علاقے میں پھیلی اس پر حکومت نے بھی پہلے کی طرح دریا دلی نہ دکھائی اگرچہ حکومت نے چودہ کروڑ روپے خرچ کئے تاہم یہ رقم اتنے بڑے علاقے کے لئے آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی چنانچہ کوئی پچاس لاکھ انسان قحط اور وباؤں کی نذر ہو گئے اس مصیبت کا ایک اچھا نتیجہ یہ نکلا کہ اب حکومت ہر سال پندرہ لاکھ پونڈ کی رقم محفوظ رکھنے لگی تاکہ ایسی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تعمیری امدادی کام کیا جاسکے۔ اس رقم سے ریلیں بچھانے اور قحط زدہ علاقوں میں آبپاشی کی سہولتیں بہم پہنچانے کے انتظام ہونے لگے اس رقم کو پورا کرنے کے لئے تجارت اور پیشوں پر اور کچھ زراعتی ٹیکس لگائے گئے۔ لارڈ لٹن کی قحط کی روک تھام کی پالیسی پر آیندہ حکومتیں بھی پوری احتیاط اور پابندی سے چلتی رہیں۔

مالی اصلاحات

لارڈ لٹن کے عہد میں سر جان اسٹریچی اور وزیر مالیات مقرر ہوا اس نے سب سے پہلے محصول نمک کی شرح سارے ملک میں مساوی کر دی اور ہندوستانی ریاستوں کو معاوضہ دے کر الگ محصول لگانے سے روک دیا۔ اس سے ملک کے ایک حصہ سے نمک دوسرے حصے میں لے جانے کا کچھ فائدہ نہ رہا اور محصول کی سرحدوں کی پہرہ داری کی ضرورت نہ رہی چنانچہ اس بڑے عملے کی بچت کر دی گئی۔

سر جان اسٹریچی نے شکر اور انتیس باقی ضروری اشیاء پر سے محصول درآمد منسوخ کر دیا لیکن برطانوی پارلیمنٹ اور حکومت کی سفارش کے باوجود اُس نے لنکا شائر کے کپڑے کے کارخانہ داروں کا یہ مطالبہ منظور نہ کیا کہ انگلستان سے آنے والے سوتی کپڑے پر ۵ فی صدی محصول درآمد اُٹھا کر آزاد تجارت کی اجازت دے دے کیونکہ اس سے حکومت کو مالی

نقصان اور ہندوستان کے سوتی کپڑے تیار کرنے والوں کے کاروبار کی تباہی کا خطرہ تھا بالآخر حکومت برطانیہ کے دباؤ پر لارڈ لٹن نے اپنے خصوصی اختیارات سے کونسل کی رائے کے خلاف ۱۸۷۹ء میں موٹے سوتی کپڑے پر سے محصول درآمد ہٹا دیا اس سے ہندوستان کی موٹے کپڑے بننے کی دستکاری ملیامیٹ ہوگئی اور انگلستان کے تاجروں کے وارے نیارے ہوگئے۔

۱۸۷۷ء میں سر جان اسٹریچی کی سفارش پر صوبائی مالیات کو مرکزی مالیات سے الگ کر دیا گیا اور انہیں ٹیکسوں کی آمدنی سے حصہ ملنے لگا اور مرکز سے بجٹ کی رقموں کی منظوری کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس طرح جو اصلاحات لارڈ میو نے شروع کی تھیں وہ اب پایہ تکمیل کو پہنچ گئیں اور مالی لامرکزیت یا (FINANCIAL DECENTRALISATION) کا عمل مکمل ہوگیا۔

لارڈ لٹن کے عہد میں ہندوستانی سول سروس میں ہندوستانیوں کی بھرتی کے لئے قواعد کا اعلان کیا گیا اور ۱۸۳۳ء میں کئے ہوئے وعدے پورے کئے گئے کہ ہندوستانی رعایا کو بلا لحاظ مذہب و ملت قابلیت کی بنا پر اعلے سے اعلے عہدہ حاصل کرنے کے موقعے میسر ہوں گے۔

لارڈ لٹن کے عہد میں ہندوستانی زبان میں چھپنے والے اخبارات کی آزادی سلب کر دی گئی اور انہیں ایسے مضامین کی اشاعت سے روک دیا گیا۔ جن سے حکومت اور رعایا کے درمیان نفرت پیدا ہونے کا احتمال ہو لارڈ لٹن کے اس اقدام پر ہر طرف سے لعنت ملامت ہونے لگی اور چار سال بعد ہی حکومت کو یہ وحشیانہ قانون واپس لینا پڑا۔

لارڈ لٹن کے عہد میں ملکہ وکٹوریا نے قیصرِ ہند کا لقب اختیار کیا اور لارڈ لٹن نے اس واقعہ کی یاد میں ایک عظیم الشان دربار کیا جس میں سب ہندوستانی راجے مہاراجے بڑے ٹھاٹھ سے شامل ہوئے۔ ایک

طرف تو برطانوی سامراج اس طرح اپنی شان و شکوہ کی نمائش کر رہا تھا

اور دوسری طرف لاکھوں ہندوستانی قحط و وبا کی لپیٹ میں آکر سسک سسک کر جان دے رہے تھے۔

۸ جنوری ۱۸۷۷ء کے دن لارڈ لٹن نے سرسید احمد خان کے قائم کئے ہوئے اینگلو محمڈن کالج کی بنیاد رکھی جو ترقی کرتے کرتے ۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی بن گیا اور آج ایشیا بھر میں مسلمانوں کا سب سے بڑا تہذیبی اور تعلیمی مرکز ہے۔

لارڈ لٹن کے عہد کا سب سے رسوا کن واقعہ جنگ افغانستان (۱۸۷۸ء تا ۱۸۸۰ء) ہے اس جنگ کی وجہ سے لارڈ لٹن پر اس قدر نکتہ چینی ہوئی کہ شاید ہی کسی دوسرے وائسرائے پر ہوئی ہو۔

افغانستان کی دوسری لڑائی کے اسباب

امیر شیر علی انگریزوں سے بالکل ناامید ہو چکا تھا اور اُسے اُن کی خود غرضانہ پالیسی کی وجہ سے اُن پر بالکل بھروسہ نہ رہا تھا امیر شیر علی دل سے چاہتا تھا کہ اُس کے چھوٹے بیٹے عبداللہ جان کو اس کا ولی عہد اور وارث تخت تسلیم کر لیا جائے انگریز اس کے لئے تیار نہ تھے لیکن جب امیر شیر علی نے یہی درخواست زار روس سے کی تو اس نے اسے جھٹ مان لیا ادھر انگلستان میں قدامت پرست سامراجی طاقت پکڑ گئے اور ڈسرائیلی وزیر اعظم اور سالسبری وزیر ہند مقرر ہوئے یہ دونوں سیاست دان روس کی وسط ایشیا اور مشرقی یورپ میں پیش قدمی سے سخت خائف تھے۔ اس لئے دونوں چاہتے تھے کہ جیسے بھی ہو افغانستان میں انگریزی اثر و رسوخ قائم کر کے روسیوں کا سد باب کرنا ضروری ہے چنانچہ انہوں نے لارڈ نارتھ بروک کو ہدایت کی تھی کہ وہ ہرات میں انگریز ایجنٹ رکھنے کا انتظام کرے لیکن لارڈ نارتھ بروک نے اس پر عمل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کچھ دیر بعد مستعفی ہو کر چلا گیا لارڈ لٹن افغانستان کے متعلق نئی پالیسی پر چلنے کے ارادے سے ہندوستان آیا تھا اُس نے آتے ہی اپنی فوجی پوزیشن مضبوط کرنے کی طرف توجہ دی اور

کوئٹہ پر قبضہ کر لیا ادھر شیر علی نے روسی سفیر کی بڑی آؤ بھگت کی
اور پوری روسیوں کے زیر اثر آ گیا۔ لارڈ لٹن نے امیر شیر علی سے
وعدہ کیا کہ وہ عبداللہ جان کو وارث تخت تسلیم کرے گا اور امیر
افغانستان کو روس کے خلاف مدد بھی دے گا اور روپے اور فوج
سے اُس کی مدد کرے گا مگر شرط یہ تھی کہ امیر شیر علی افغانستان میں
انگریزی ایجنٹ رکھنا قبول کر لے جب امیر شیر علی نے لیت و لعل کیا
تو لٹن نے زبردستی انگریزی ایجنٹ کابل روانہ کر دیا۔ امیر شیر علی
نے اُسے علی مسجد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی۔ لارڈ لٹن نے
اسے سلطنت برطانیہ کی توہین سمجھا اور امیر شیر علی کو الٹی میٹم دے
دیا کہ یا تو وہ انگریزی ایجنٹ کو کابل آنے دے اور یا پھر جنگ کے
لئے تیار ہو جائے الٹی میٹم کا وقت گذرتے ہی لارڈ لٹن نے اعلان
جنگ کر دیا اور ۲۱ نومبر ۱۸۷۸ء میں افغانستان کی دوسری جنگ
شروع ہو گئی۔

واقعات و نتائج تین انگریزی فوجیں افغانستان پر حملہ آور
ہوئیں اور معمولی مقابلے کے بعد قندھار اور
بلال آباد پر قابض ہو گئیں۔ امیر شیر علی بھاگ کر روسی علاقے میں
چلا گیا اور روسی مدد کے انتظار میں ہی بیمار ہو کر وہیں مر گیا انگریزوں
نے امیر شیر علی کے بیٹے یعقوب خان کو امیر کابل تسلیم کر لیا اور صلحنامہ
گنڈمک کی رو سے کرم، پشین اور سیبی کے اضلاع انگریزوں کو مل گئے
انگریزوں کو افغانستان کی خارجہ پالیسی پر کنٹرول بھی حاصل ہو گیا
اور یعقوب خان نے کابل میں انگریزی ایجنٹ رکھنا بھی منظور کر لیا
لیکن یہ فتح دیرپا ثابت نہ ہوئی انگریزی ایجنٹ سر لوئی کیوگنری
(SIR LOUIS CAVAGNARI) ۲۴ جولائی کو کابل میں پہنچا اور
۳ ستمبر کے دن یکایک افغان محب وطن فوجی سرداروں نے اُس پر
حملہ کر کے اُسے ساتھیوں سمیت تہ تیغ کر دیا یہ خبر سنتے ہی قندھار
میں مقیم فوج آگے بڑھ کر کابل پر حملہ آور ہوئی۔ یعقوب خان
نے تخت سے دست بردار ہو کر اپنے آپ کو انگریزوں کے رحم و کرم پر

ڈال دیا۔ انگریزوں نے اُسے ہندوستان بھیج دیا۔ اسی زمانے میں افضل خان کے بیٹے اور امیر دوست محمد خان کے پوتے شہزادہ عبدالرحمٰن نے روسیوں سے کچھ مدد حاصل کر کے قسمت آزمائی کے لئے افغانستان کا رخ کیا لارڈ لٹن اپنے سارے ہوائی قلعے مسمار ہوتے دیکھکر بوکھلا اٹھا تھا اس نے موقعہ غنیمت سمجھا اور عبدالرحمٰن کی حمایت شروع کر دی۔ اسی اثنا میں انگلستان میں وزارت تبدیل ہو گئی لارڈ لٹن استعفے دیکر واپس چلا گیا نئے وائسرائے لارڈ رپن کو افغانستان کی لڑائی ختم کرنے کی ہدایت تھی اُس نے آتے ہی عبدالرحمٰن کو افغانستان کا باقاعدہ امیر تسلیم کر لیا اور شیر علی کے بیٹے ایوب خان کو قندھار سے نکالنے کے لئے انگریزوں اور امیر عبدالرحمٰن نے متحدہ کوشش شروع کر دی۔ جنرل رابرٹس نے ایوب خان کو شکست دے کر کچھ عرصہ بعد یہ علاقہ امیر عبدالرحمٰن کے سپرد کر کے واپس ہندوستان کی راہ لی امیر عبدالرحمٰن کو بارہ لاکھ روپیہ سالانہ مالی امداد وعدہ دیا گیا اور بیرونی حملے کی صورت میں فوجی مدد کی پیشکش بھی کی گئی شرط صرف اتنی رہی کہ امیر عبدالرحمٰن انگلستان کے سوا کسی دوسری یورپین طاقت سے کوئی سروکار نہ رکھے گا۔ اور پیشین اور سیبی کے اضلاع انگریزوں کے قبضہ میں ہی رہیں گے۔ افغانستان میں انگریزی ایجنٹ رکھنے کا مطالبہ جس کے لئے یہ جنگ لڑی گئی تھی انگریزوں نے ترک کر دیا اس طرح ۱۸۸۰ء میں افغانستان کی دوسری لڑائی ختم ہو گئی۔

یہ جنگ درحقیقت برطانیہ کی روس کے خلاف ایک سامراجی کارروائی تھی اور اس کا کل خرچ برطانیہ کے خزانے کے ذمہ ہونا چاہیئے تھا لیکن انگریزوں نے عین اُس وقت جبکہ جنوبی ہند میں لاکھوں انسان بھوک قحط اور وبا کا شکار ہو رہے تھے یہ جنگ ہندوستانی خزانے کے روپے سے شروع کی حالانکہ ہندوستانیوں کو اس جنگ سے کسی قسم کی دلچسپی نہ تھی اس جنگ پر ہندوستان کو چودہ کروڑ روپیہ اور ہزاروں جانوں کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اور انگلستان نے صرف ۷۰ لاکھ

روپے کے قریب خرچ کیا اس لحاظ سے یہ ایک سراسر ظالمانہ کارروائی تھی جس کی زیادہ تر ذمہ داری لارڈ لٹن پر تھی۔ لارڈ لٹن کی واپسی کے بعد لارڈ رپن گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہو کر آیا۔

لارڈ رپن
۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۴ء

لارڈ ولیم بینٹنگ کے عہد کی طرح لارڈ رپن کا عہد حکومت بھی برطانوی ہند کی تاریخ میں ایک یادگار شمار ہوتا ہے لارڈ رپن انگلستان کی لبرل پارٹی کا ممبر تھا اور وہ عدم مداخلت اور حکومت خود اختیاری کے اصولوں کا پابند تھا وہ سچے دل سے ہندوستانی نظام حکومت میں جمہوریت کے اصول کو جاری کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے ہندوستانیوں کو ضروری تعلیم و تربیت دینے کے انتظام کرنا چاہتا تھا اس کے علاوہ اس نے عوامی مفاد کی کئی اصلاحات کیں جن کی وجہ سے اس کا نام زندہ ہے۔

مالی اصلاحات

خوش قسمتی سے رپن کے دور حکومت میں سر جان اسٹریچی کی مالی اصلاحات کے فوائد ظاہر ہونے لگے اور لگاتار چار برس منافع کا بجٹ پاس ہوتا رہا چنانچہ ۱۸۸۲ء میں ۵ فی صدی محصول درآمد تقریباً سب درآمدی مال پر منسوخ کر دیا گیا صرف نمک۔ شراب۔ سپرٹ اور اسلحہ و گولا بارود پر محصول درآمد باقی رہا اسی سال سارے ملک میں نمک پر چونگی کی شرح بھی گھٹی۔

لوکل سیلف گورنمنٹ

لارڈ رپن کا سب سے بڑا اور یادگار کارنامہ ملک میں مقامی حکومت خود اختیاری (LOCAL SELF GOVERNMENT) کا قیام تھا اس دور میں ہر تحصیل یا تعلقہ اور ضلع میں میونسپل بورڈ قائم کئے گئے اور انہیں وہ رقمیں رفاہ عامہ کے لئے خرچ کرنے کے اختیار سونپے گئے جو صوبائی

حکومتیں ان کے لئے منظور کرتی تھیں۔ بڑی بڑی میونسپل تنظیموں کو تعمیر عامہ تعلیم اور اسی طرح کے دوسرے فرائض بھی سونپے گئے کئی میونسپل کمیٹیوں کو اب کلکٹر کی بجائے غیر سرکاری صدر منتخب کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ان بورڈوں اور کمیٹیوں کی دیکھ بھال تو حکومت ضرور کرتی تھی لیکن انہیں زیادہ سے زیادہ آزادی کار دی جاتی تھی تاکہ ہندوستانی لوگ جمہوری روایات سے روشناس ہوں اور انہیں ملک کا انتظام جمہوری اصولوں پر چلانے کی عملی تربیت حاصل ہو سکے اس طرح ہندوستان میں جمہوریت کا پودا لگانے کا سہرا لارڈ رپن کے سر ہی ہے۔ ہندوستانی لارڈ رپن کے اس نیک دلانہ اقدام کی وجہ سے اس کے بہت ممنون ہوئے۔

پریس کی آزادی

لارڈ لٹن کے پریس ایکٹ کی وجہ سے ہندوستانی پریس کی آواز دبا دی گئی تھی لارڈ رپن نے ہندوستانی اخبارات کی آزادی کو پھر بحال کیا اور لارڈ لٹن کے پریس ایکٹ کو منسوخ کر دیا۔ ہندوستانی پریس پھر پورے زور سے عوام کی ترجمانی کرنے لگا جس سے بعض اوقات انگریز سامراجیوں کو پریشان بھی ہونا پڑا۔

تعلیمی ترقی

لارڈ رپن نے سر ولیم ہنٹر کی صدارت میں بیس ممبروں کی ایک کمیشن بٹھائی تاکہ وہ ملک میں تعلیمی ترقی کا جائزہ لے سکے۔ کمیشن کی رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ یونیورسٹی کے درجوں کے مقابلہ میں ابتدائی یعنی پرائمری اور ثانوی یعنی سیکنڈری تعلیم میں ترقی کی بہت ضرورت تھی چنانچہ لارڈ رپن کی حکومت نے نئے قواعد وضع کرکے پرائمری اور سیکنڈری ایجوکیشن کی بہتر سہولتیں مہیا کرنے کا انتظام کیا اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو امدادی رقمیں دے دے کر تعلیم پھیلانے میں مدد دی ۱۸۸۲ء میں لاہور میں پنجاب یونیورسٹی قائم ہوئی

نسلی امتیاز ختم کرنے کی کوشش

لارڈ رپن جیسا نیک دل حاکم یہ برداشت نہ کر سکا کہ ہندوستانی ججوں کو انگریزوں کے مقدمات سننے کا اختیار نہ ہو محکمہ انصاف

میں یہ نسلی امتیاز ایک نہایت ہی بُری مثال تھی یہ انسانیت کی توہین اور انگریزوں کی جمہوری روایات کے سراسر منافی بات تھی چنانچہ لارڈ رپن کے ایماء پر وائسرائے کی کونسل کے لاء ممبر مسٹر البرٹ نے ایک بل تیار کیا جس کا منشاء یہ تھا کہ اس بُری روایت کو ختم کر دیا جائے اور قانون کے سامنے سب کی برابری کے اصول کے مطابق ہندوستانی ججوں کو انگریزوں کے مقدمات سننے اور فیصلہ کرنے کا بھی اختیار دیا جائے۔ یہ مسودہ قانون "البرٹ بل" کے نام سے مشہور ہے ۱۸۸۲ء میں اس بل کے پیش ہوتے ہی سامراجی انگریزوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور اس بل کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا چنانچہ حکومت برطانیہ کے اشارے

پر اس بل میں کئی تبدیلیاں کر کے اس کی روح کو فنا کر دیا گیا اور قرار پایا کہ ہندوستانی ججوں کو انگریزوں کے مقدمات سننے کا اختیار تو ہوگا لیکن ان ججوں کی مدد کے لئے جیوری ہوا کرے گی جس میں آدھے ممبر یورپین اور آدھے دیسی ہوں گے اس بل کی مخالفت سے ہندوستانیوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں اپنی غلامی اور ذلت کا احساس ہونا شروع ہوا عام لوگوں کو اب برطانوی حکومت کی انصاف پسندی اور ہمدردی پر کوئی بھروسہ نہ رہا ہماری قومی جاگرتی میں البرٹ بل ایجی ٹیشن کا بھی کافی حصہ سمجھا جاتا ہے۔

سماجی اصلاحات

لارڈ رپن نے سماج کے مظلوم مزدور طبقہ کی حمایت اور اُن کے حقوق کی حفاظت کے انتظام کی بنیاد رکھی اور ہندوستانی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت بہتر بنانے کے لئے ۱۸۸۱ء میں ایک فیکٹری ایکٹ پاس کروایا اس کی رُو سے سات سے بارہ برس کی عمر تک کے مزدور بچوں سے ۹ گھنٹے روزانہ سے زیادہ کام لینا ممنوع قرار دے دیا گیا مزدوروں کو خطرناک مشینوں کی زد سے بچانے کے لئے اُن کے گرد حفاظتی جنگلے لگانا لازمی کر دیا گیا اور اس قانون کی پابندی کی دیکھ بھال کے لئے فیکٹری انسپکٹر مقرر کئے گئے۔

لارڈ رپن نے اپنا عہد حکومت افغانستان کے ساتھ صلح سے گذارا اور وہ اپنے دوران حکومت میں صلح و امن کے لئے ہی کوشش کرتا اس نے ۱۸۸۱ء میں میسور کی ریاست واگذار کر کے لارڈ ولیم بینٹنک کے احکام واپس لے لئے

اور وہاں کے راجہ کے بیٹے کو میسور کی ریاست کا حکمران بنا دیا۔

لارڈ رپن نے اپنی نیک دلی سے ہندوستانیوں کا دل موہ لیا۔ خاص کر البرٹ بل کے خلاف ایجی ٹیشن کے دوران میں جوں جوں انگریز سامراجی لارڈ رپن کی مخالفت کرتے توں توں وہ ہندوستانیوں میں زیادہ ہر دلعزیز ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ ۱۸۸۴ء میں جب وہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر کلکتہ سے بمبئی اور وہاں سے انگلستان روانہ ہونے لگا تو راستہ بھر لوگوں کے بڑے بڑے ہجوموں نے آبدیدہ ہو کر اس نیک دل حاکم کو الوداع کیا یہ ہر دل عزیزی رپن کے سوا کسی دوسرے برطانوی حاکم کے حصے نہ آ سکی۔ ہندوستان کے محب وطن اور قوم پرست حلقوں میں لارڈ رپن کی بڑی عزت و توقیر ہوتی تھی کیونکہ وائسرائے کی تخت پر ہندوستانیوں کے مفاد کا محافظ رپن سے بڑھکر دوسرا کوئی نہ بیٹھا تھا یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے اُسے اپنے دل میں جگہ دی اور جب وہ جانے لگا تو اس پر اپنے آنسوؤں کے موتی نچھاور کرکے اپنی عقیدت اور شکر گذاری کا اظہار کیا اس کے علاوہ ایک مجبور اور غلام قوم اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

لارڈ ڈفرن
۱۸۸۴ تا ۱۸۸۸ء

لارڈ رپن کی واپسی کے لارڈ ڈفرن گورنر جنرل اور وائسرائے کے عہدہ پر مامور ہوا اس کے عہد میں افغانستان اور روس کے سرحد کے متعلق جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا پنجدہ نامی گاؤں پر روس دعویدار ہوا انگریزوں نے امیر افغانستان کی حمایت کی بیڑا اٹھایا لیکن امیر افغانستان نے بڑی ہوشمندی سے اپنے ملک کو جنگ کی آگ سے محفوظ رکھا اور پنجدہ پر روسی قبضہ تسلیم کرکے بات کو بڑھنے سے روک دیا

برما کی تیسری لڑائی اور الحاق

لارڈ ڈفرن کے دورے کا دوسرا مشہور واقعہ برما کی تیسری لڑائی (۱۸۸۵ء) ہے برما کا بادشاہ تھیبا انگریزوں سے مخلصی پانے کے لئے فرانسیسیوں سے سازباز کرنے لگا اور انہیں تجارتی اجازت دے کر ان سے تعلقات بڑھانے لگا انگریزوں کے کان کھڑے ہو گئے کچھ عرصہ بعد شاہ تھیبا اور انگریزی فرم بمبئی اینڈ برما ٹریڈنگ کمپنی کا جھگڑا

ہوگیا شاہ تھیبا نے اس کمپنی کے کچھ کارندے گرفتار کرلئے لارڈ ڈفرن نے بھی بہادر شاہ کے شاہ تھیبا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ دو ہفتے کی مختصر لڑائی میں شاہ تھیبا شکست کھا کر گرفتار ہوگیا اور رتنا گری (بمبئی) میں نظر بند کر دیا گیا اور اپر برما کے الحاق کا اعلان کر دیا۔ اب سارے برما پر انگریزی پرچم لہرانے لگا۔

لارڈ ڈفرن کے عہد میں ہندوستان کی آزادی کی علمبردار اور سب سے بڑی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد مسٹر اے۔ او۔ ہیوم ایک نیک دل انگریز نے رکھی ۱۸۸۵ء میں اس کا سب سے پہلا اجلاس ڈبلیو۔ سی بنرجی کی صدارت میں بمبئی میں ہوا اور دوسرا کلکتہ میں دادا بھائی نوروجی کی صدارت میں۔ ہوتے ہوتے یہ جماعت زور پکڑتی گئی حتیٰ کہ گاندھی جی کی قیادت میں اسی جماعت نے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی کی لعنت سے چھٹکارا دلایا۔

لارڈ ڈفرن کے عہد میں گوالیار کا قلعہ مہاراجہ سیندھیا کو لوٹا دیا گیا اور ملکہ وکٹوریا کی جانشینی کی پچاس سالہ یادگار یا گولڈن جوبلی بڑی دھوم دھام سے منائی گئی لارڈ ڈفرن کی بیوی نے ہندوستانی عورتوں کی بہبودی کے لئے لیڈی ڈفرن فنڈ قائم کیا جس سے عورتوں کے علاج معالجے کے لئے جگہ جگہ انتظام کئے گئے۔

لارڈ لینسڈون
۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۴ء

لارڈ ڈفرن کے بعد ۱۸۸۸ء میں لارڈ لینسڈون گورنر جنرل و وائسرائے مقرر ہوکر آیا۔ اس وائسرائے کے عہد میں چاندی کی قیمت گر جانے کی وجہ سے ہندوستان کی حکومت کو سخت مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے نمک کی چونگی پھر بڑھا دی گئی اور سرمایہ داروں کی آمدنی پر انکم ٹیکس عاید کیا گیا لیکن پھر بھی حکومت کی مالی مشکلات کا تسلی بخش حل نہ نکلا۔

بغاوت منی پور

۱۸۹۰ء میں مشرقی سرحدی ریاست منی پور میں وہاں کے سیناپتی نے راجہ کے مرنے کے بعد تخت پر زبردستی قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی وائسرائے نے اپنے خاص اختیارات استعمال کرکے منی پور میں جانشینی کا فیصلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ

برطانوی آسام کے چیف کمشنر کوئنٹان (QUINTON) کو چار سو مسلح فوجیوں کے ہمراہ صورت حال کی تحقیق کے لئے روانہ کیا اس افسر نے مینا ستی کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تو بہت سے منی پوری لوگ انگریزوں کے مقابلہ پر ڈٹ گئے اور بعد میں انہوں نے چیف کمشنر اور اس کے تین ساتھیوں کو دھوکے سے بات چیت کے بہانے بلا کر قتل کر دیا باقی انگریز افسر اور سپاہی بے دل ہو کر منی پور سے بھاگ نکلے جن کے لئے انہیں بعد میں سخت سزائیں دی گئیں۔ اب منی پوری فوج نے مشرقی بنگال پر حملہ کیا اس حملے کا منہ توڑ جواب دیا گیا اور اب انگریزی فوج پوری تیاری سے منی پور پر حملہ آور ہوئی۔ سیناپتی اور اس کے حمائتی مارے گئے اور منی پور کی ریاست وہاں کے شاہی خاندان کے ایک نابالغ شہزادے کو عطا کی گئی اور اس کی نگرانی کے لئے ایک برطانوی پولیٹکل ایجنٹ مقرر کر دیا گیا۔

قلات کا قضیہ

۱۸۹۲ء میں خان قلات نے اپنے وزیر اس کے باپ اور بیٹے کو قتل کر دیا۔ لارڈ لینسڈون نے اُسے کوئٹہ میں جواب طلبی کے لئے بلوایا اور ریاست کے بڑے بڑے سرداروں کے مشورے سے خان قلات کو تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا اس کے بعد خان قلات کے بڑے بیٹے کو وارث تخت تسلیم کر لیا گیا

مہاراجہ جموں و کشمیر کی معزولی

۱۸۸۵ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کے پرلوک سدھارنے کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ گدی پر بیٹھا۔ ابھی تک ریاست جموں و کشمیر میں کوئی انگریز ریذیڈنٹ نہ رہتا تھا اب حکومت ہند نے انگریز ریذیڈنٹ مقرر کرنا چاہا تو مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے بہت لیت و لعل کیا لیکن حکومت ہند نے ایک نہ سنی اور مسٹر پلاؤڈن (PLOWDEN) ریذیڈنٹ مقرر ہو کر آیا اس نے ریاست کے اندرونی نظم و نسق میں دخل اندازی شروع کی اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ سے اس کی ٹھن گئی لارڈ لینسڈون نے پلاؤڈن کو واپس بلا لیا لیکن اس کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ پر روس کے ساتھ ساز باز کرنے کا مبہم سا الزام لگا کر اسے بے اختیار کر کے معزول کر دیا

اور حکومت کا انتظام ایک کونسل کے سپرد کر دیا گیا اس معاملہ پر برطانوی پارلیمنٹ میں بھی لے دے ہوئی اور بالآخر ۱۹۰۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ بحال ہو گیا۔

ہند افغان حد بندی

امیر عبدالرحمٰن برطانوی حکومت کا حلیف تھا لیکن اندر ہی اندر اپنی آزادی اور خود مختاری کا خواہاں بھی تھا۔ انگریزوں نے بھی اُس کی ناکہ بندی کرنے کے لئے گلگت میں انگریزی فوج متعین کر دی اور بعد میں چترال کی جانشینی کا فیصلہ کرنے کے بہانے وہاں بھی انگریزی تسلط جما دیا اب حکومت ہند نے امیر عبدالرحمٰن سے حد بندی اور دوسرے جھگڑے چکانے کے لئے پہلے لارڈ رابرٹس اور بعد میں مارٹیمر ڈیورنڈ کو متعین کیا۔ ڈیورنڈ نے ہند افغان سرحد مقرر کر دی یہ حد بندی ڈیورنڈ لائن کے نام سے مشہور ہے۔ امیر افغانستان نے چمن پر انگریزی قبضہ تسلیم کر لیا اور حکومت ہند نے امیر افغانستان کا وظیفہ بارہ سے اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ کر دیا اور افغانستان کو ہندوستان کے راستے مال تجارت لانے لے جانے کی سہولتیں بھی دے دیں۔

انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۹۲ء

۱۸۶۱ء کے ایکٹ کے تحت چند نامزد ہندوستانی ممبر گورنر جنرل کو قانون بنانے میں مشورہ دینے لگے تھے لیکن وہ سرمایہ دار اور جاگیر دار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ہندوستانی عوام کے نمایندے کہلانے کے بالکل مستحق نہ تھے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے مجلس قانون ساز میں ہندوستانیوں کی نمایندگی کا مطالبہ کیا اور آخر کار لارڈ ڈفرن کے عہد میں اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس کی سفارش پر لارڈ کراس وزیر ہند نے انڈین کونسل بل برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری کے لئے پیش کیا جو ۱۸۹۲ء میں پاس ہو کر انڈین کونسل ایکٹ کہلایا۔

اس ایکٹ کی رو سے گورنر جنرل کی کونسل میں ایگزیکٹو کونسل یا مجلس منتظمہ کے ممبروں کے علاوہ قانون سازی کے لئے کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ سولہ ممبر مقرر کرنے کی ہدایت کی گئی یہ سب ممبر حکومت نامزد

کرتی تھی البتہ صوبائی کونسلوں میں ممبر مقرر کرنے کے لئے قواعد وضع کئے گئے جن کی رو سے میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کو صوبائی کونسلوں کے کچھ ممبروں کے انتخاب کا حق دیا گیا اس طرح کونسلوں کی ممبری کے لئے پہلے پہل بالواسطہ انتخاب (INDIRECT ELECTION) کا اصول تسلیم کر لیا گیا یہ ۱۸۹۲ء کے ایکٹ کی ایک خاص بات تھی اس کے علاوہ کونسلوں کے ممبروں کو بجٹ پر بحث کرنے کی اجازت دی گئی اور حکومت سے مفاد عامہ کے متعلق سوالات کرنے کا حق بھی دیا گیا۔

انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۹۲ء سے قوم پرست حلقوں کی تسلی تو نہ ہوئی پھر بھی ہندوستان کے چوٹی کے لیڈر جیسے گوپال کرشن گوکھلے۔ آستوش مکرجی۔ راش بہاری گھوش اور سریندر ناتھ بینرجی نے کونسلوں میں ہندوستانی مفاد کی وکالت کا حق نہایت قابلیت سے ادا کر کے ثابت کر دیا کہ ہندوستانی جمہوری حکومت چلانے کے اہل ہو چکے ہیں۔

لارڈ ایلگن ثانی
۱۸۹۴ء تا ۱۸۹۹ء

لارڈ لینسڈاؤن کے بعد لارڈ ایلگن ثانی ۱۸۹۴ء میں گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہوا۔ لارڈ ایلگن کے عہد میں سرحدی جھگڑے۔ لڑائیاں قحط وبائیں اور کساد بازاری کا دور دورہ رہا جس سے ہندوستانی عوام پس گئے اور ہر طرف سیاسی بے چینی کے آثار دکھائی دینے لگے اور ملک کے بہی خواہوں نے ہندوستانیوں کی قومی سیاسی تنظیم اور ملک کی آزادی کی جدوجہد کی داغ بیل ڈالنی شروع کی اس لحاظ سے لارڈ ایلگن کا عہد ہماری تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز تھا۔

ملک میں کساد بازاری کی وجہ سے حکومت سخت مالی مشکلات میں مبتلا تھی اس لئے لارڈ ایلگن کو سوتی کپڑے کے سوا سب مال درآمد پر پانچ فی صدی محصول دوبارہ عاید کرنا پڑا۔ لیکن سوتی کپڑے کے انگلستانی کارخانوں کو یہ رعایت دینے سے حکومت ہند پر انگلستان کے دوسرے صنعت کاروں نے سخت نکتہ چینی کی بالآخر سوتی کپڑے پر بھی محصول برآمد عاید کر دیا گیا لیکن اس کے ساتھ ہندوستانی سوتی کپڑے پر چونگی لگا دی گئی تاکہ ہندوستانی کپڑا انگلستانی کپڑے سے زیادہ سستا نہ بکنے

پائے اس پر ہندوستان میں بجا طور پر کڑی نکتہ چینی ہوئی اور یہی بعد
میں سودیشی کی تحریک کا موجب ہوئی آخرکار محصول درآمد اور چونگی
دونوں کی شرح کم کر کے ۳½ فی صدی مقرر کر دی گئی لیکن ہندوستانیوں
کو یقین ہو گیا کہ انگریزی حکومت ہندوستانی صنعتوں کو تباہ کر کے انگلستانی
کارخانہ داروں کو نفع کمانے کے موقعے دینا چاہتی ہے اور ہندوستان پر
اقتصادی غلامی کا جُوا ٹھونسنا چاہتی ہے۔

۱۸۹۵ء میں ہندوستان کی فوج کی از سر نو تنظیم کی گئی۔ اس سے
پہلے بمبئی۔ مدراس۔ اور بنگال میں تین فوجیں تھیں جن کے تین الگ الگ
سپہ سالار تھے اب سارے برطانوی ہند میں ایک ہی متحدہ فوج قائم
کر کے سارے ہندوستان کا ایک ہی کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا اور اس کے
ماتحت چار لفٹننٹ جنرل بنگال۔ مدراس۔ بمبئی۔ آگرہ۔ اودھ و پنجاب
کے لئے مقرر کر دئے گئے ۱۸۹۶ء میں ہندوستان میں قحط اور پلیگ کی
وبا سے لاکھوں انسان مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ قحط کا زیادہ زور یو۔ پی
وسط ہند۔ بنگال کے کچھ حصے مدراس۔ بمبئی اور راجپوتانہ میں رہا اور
لگ بھگ ساڑھے سات لاکھ انسان قحط کا شکار ہو گئے اور تقریباً
چالیس لاکھ فاقہ کش مفلس حکومت کی مدد پر گذران کرنے لگے۔ اسی
سال اگست میں بمبئی میں پلیگ یعنی طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ اور
ہزاروں انسان اس کا شکار ہو گئے یہ بیماری بمبئی سے ہندوستان کے دوسرے
شہروں میں بھی پھیلتی چلی گئی حکومت کی طرف سے کی گئی حفاظتی
تدبیروں پر چلنے کی بجائے عوام نے جہالت کی وجہ سے ان کی مخالفت
شروع کر دی اور کئی سیاسی انجمنوں نے اس مصیبت کو اپنی اغراض کے
لئے بھی استعمال کیا چنانچہ پچیس تیس برس تک ہر سال ہزاروں انسان
اس کا شکار ہوتے رہے اور اب کچھ عرصے سے ہندوستان اس موذی
مرض کے پنجے سے نکلا ہے۔

ایک طرف تو ہندوستانی رعایا بھوک اور بیماری کی وجہ سے موت
کے منہ میں جا رہی تھی اور دوسری طرف لارڈ ایلگن ثانی ملکہ وکٹوریہ
کی جانشینی کو ۶۰ سالہ یادگار یعنی ملکہ ڈائمنڈ جوبلی منا کر اپنی

سامراجی شان و شوکت کا مظاہرہ کرنا تھا۔

لارڈ ایلگن ثانی کے عہد میں چترال اور مالاکنڈ و تیراہ کی مہمیں بھی پیش آئیں جن پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے اور کوئی خاص خاطر خواہ نتیجہ بھی نہ نکلا۔

مہم چترال

جنوری ۱۸۹۵ء میں ایک سابق وزیر شیر افضل اور عمرا خان والئے جھنڈول کے ایماء پر مہتر چترال قتل ہوگیا اور اُس کی جانشینی کا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہندوستان کی سرحد پر یہ جھگڑا برطانوی سامراج کے لئے ایک خطرہ تھا اس لئے گلگت کے پولیٹیکل ایجنٹ سر جارج رابرٹسن نے چترال پر چڑھائی کردی اب سواتی بھی چترالیوں کی مدد کے لئے کمربستہ ہوگئے آخر سر آر۔ لو (SIR R. LOW) اور کرنیل کیلی (KELLY) کی کوشش سے چترال پر قابو پا لیا گیا اور مہتر چترال کے اعلٰے وارث کو تخت نشین کروانے اور چترال سے پشاور تک پکی سڑک تعمیر کروا کے انگریزی فوج [illegible] ہوئی۔

مہم مالاکنڈ و تیراہ

اسی دوران میں سرحدی قبائلی علاقے میں مسلمان آزادی خواہ مجاہدوں نے علم جہاد بلند کر دیا اور پٹھانوں کو اسلام کی عزت کی خاطر غیرت دلا کر انگریزوں کو تباہ و برباد کرنے کی مہم شروع کر دی امیر عبدالرحمن والئے افغانستان نے بھی جہاد کی دینی اور سیاسی ضرورت کی طرف پٹھانوں کی توجہ دلانے کے لئے ایک کتاب لکھی نتیجہ یہ ہوا کہ پٹھان آزادی و حریت کے سپاہی بن کر انگریزوں کی مخالفت پر ڈٹ گئے۔ جون ۱۸۹۷ء میں ان مجاہدوں نے ٹوچی کی وادی میں پولیٹیکل ایجنٹ اور اس کے حفاظتی دستے کو موت کے گھاٹ اتار دیا اب سواتی اور مہمند قبائلی بھی میدان میں اُتر آئے اور مالاکنڈ کے سامنے علاقے میں جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ اُدھر دریائے کابل کے جنوب میں آفریدی اور اورکزئی پٹھان سامانہ کی سکھ فوجی چوکی کا صفایا کر کے خیبر اور علی مسجد کی مضبوط قلعہ بندیوں پر بھی قابض ہوگئے اب انگریزوں نے پوری جنگی تیاری سے ایک مہم مالاکنڈ کے مہمند قبائلیوں کے خلاف بھیجی جس نے مہمندوں کو جنوری ۱۸۹۸ء میں

شکست دی۔ دوسری مہم تیراہ کے آفریدی مجاہدوں کے خلاف بھیجی گئی۔ اس فوج کا سالار سر ولیم لاک ہارٹ ۳۵ ہزار جوانوں کے ہمراہ تیراہ پر حملہ آور ہوا اور درگئی کے راستے سارے تیراہ میں تباہی و بربادی۔ لوٹ مار اور آتش زنی سے اپنی درندگی اور وحشیانہ پن کا ثبوت دیا۔ آفریدی بڑی جوانمردی سے مقابلہ پر ڈٹے رہے لیکن جب اور فوجیں کمک میں آنے لگیں تو تباہ حال مگر بہادر آفریدی ہتھیار ڈال بیٹھے۔ پٹھانوں کے اس جہاد سے برطانوی سامراج کی بنیادیں ہل گئیں۔ تین سو انگریز سپاہی کام آئے نو سو زخمی ہوئے اور اس قدر مالی نقصان اور پریشانی ہوئی کہ انگریز غدر ۱۸۵۷ء اور افغانستان کی دوسری لڑائی کی تباہ کاریوں کو بھی بھول گئے۔

۱۸۹۹ء میں لارڈ ایلگن ثانی واپس چلا گیا اور اس کی جگہ لارڈ کرزن وائسرائے اور گورنر جنرل مقرر ہوا۔

لارڈ کرزن
۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۵ء

لارڈ کرزن ۴۰ برس کی عمر میں ہندوستان آیا۔ اس سے قبل وہ لارڈ سالسبری کی حکومت میں ہندوستان اور امور خارجہ کا انڈر سیکرٹری رہ چکا تھا اور جاپان کوریا۔ افغانستان۔ ایران اور ہندوستان کا سفر کر کے مغربی ملکوں کے مسائل سے اچھی طرح روشناس ہو چکا تھا اس کا عہد حکومت اس کی خارجہ پالیسی اور اصلاحات کے لئے بہت مشہور اور اہم ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان کے عظیم برطانوی حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے۔

شمال مغربی سرحدی قبائل اور کرزن

لارڈ کرزن کے آنے سے پہلے چترال۔ وادی ٹوچی مالاکنڈ۔ درگئی اور کوئٹہ میں مختلف مقامات پر انگریزی فوجیں ایک قابض فوج کی طرح ڈیرے ڈالنے پڑی تھیں ۱۸۹۱ء میں اہم سرحدی قبائل

ہتھیار ڈال چکے تھے تاہم ابھی حالات معمول پر نہ آئے تھے لارڈ کرزن نے صورت حال کا بغور ملاحظہ کر کے فیصلہ کیا کہ درہ خیبر۔ قرم وادی۔ وزیرستان وغیرہ قبائلی علاقے سے زیادہ تر فوج واپس بلائی جائے لیکن مالاکنڈ درگئی وغیرہ کے اہم فوجی مقامات پر مضبوط چوکیاں قائم کر کے انہیں اچھی طرح قلعہ بند کر دیا جائے اور باقی علاقے کی حفاظت کے لئے قبائیلوں کی فوج تیار کی جائے جس کے افسر انگریز ہوں۔ قبائلی علاقے کے ساتھ ساتھ انگریزی فوجی چھاؤنیوں کو اور مضبوط کر دیا جائے اور درگئی۔ جمرود اور تھل تک عمدہ سڑکیں اور ریل کی پٹڑی بنا دی جائے چنانچہ اس پالیسی کی وجہ سے آیندہ اس علاقے میں نسبتاً دیرپا امن قائم ہو گیا اور یہ پالیسی لارڈ کرزن کی بڑی کامیابیوں میں شمار ہوتی ہے۔

۱۹۰۱ء میں سندھ پار کے چھ سرحدی اضلاع متحد کر کے چالیس ہزار مربع میل پر مشتمل ایک نیا صوبہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نام سے قائم کیا گیا اور اس کا انتظام صوبہ پنجاب سے الگ کر کے ایک چیف کمشنر کے سپرد کر دیا گیا جو براہ راست وائسرائے کے ماتحت تھا۔

افغانستان سے دوستی

امیر عبدالرحمن والئے افغانستان ۱۹۱۰ میں مر گیا اور اس کے بعد اُس کا بیٹا حبیب اللہ تخت پر بیٹھا۔ حکومت ہند اُس سے نیا معاہدہ کرنا چاہتی تھی لیکن امیر حبیب اللہ پرانے عہدنامے ہی جاری رکھنا چاہتا تھا چنانچہ کچھ عرصہ حکومت ہند اور افغانستان کے تعلقات میں فرق آگیا اور امیر حبیب اللہ نے وظیفہ وصول کرنا ترک کر دیا آخرکار حکومت ہند نے امیر حبیب اللہ کا ہز میجسٹی کا خطاب تسلیم کر لیا اور امیر نے وظیفہ وصول کرنا شروع کر دیا اور اس کی زندگی بھر انگریزوں سے دوستی رہی۔

خلیج فارس پر اقتدار

اگرچہ حکومت ہند کے تعلقات ایران سے دوستانہ تھے پھر بھی انہیں دوسری یورپین قوموں سے خلیج فارس میں اقتدار حاصل کرنے کا خوف تھا۔ چنانچہ حکومت ہند خلیج فارس کے ساحلی علاقوں اور جزیروں پر کسی دوسری

طاقت کا اثر برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔ لارڈ کرزن نے بحری فوج خلیج فارس میں بھیجکر فرانس اور روس کی دخل اندازی کا بڑی سختی سے سدباب کر دیا۔

مہم تبت

تبت کے لوگ دنیا کی دوسری قوموں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہنا پسند کرتے تھے چنانچہ برطانوی عہد حکومت میں وارن ہیسٹنگز نے تبت سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے کوئی نمایاں کامیابی نہ ہوئی ۱۸۷۷ء میں تبت نے ریاست سکم پر ایک ناکام حملہ کیا اس کے بعد انہوں نے انگریزوں سے ایک تجارتی معاہدہ کر لیا لیکن حکومت ہند کے تبت سے کوئی گہرے تعلقات قائم نہ ہوسکے لارڈ کرزن کے عہد میں حکومت تبت نے حکومت روس کا تبت کی راجدھانی لہاسہ میں آنا منظور کر لیا۔ لارڈ کرزن کو یہ روسی پیش قدمی ذرا نہ بھائی اور اس نے تبت سے تجارتی اور سیاسی تعلقات زیادہ مضبوط کرنے چاہے لیکن تبت کی حکومت نے تعاون نہ کیا۔ لارڈ کرزن جیسا سامراجی یہ برداشت نہ کرسکا اور اس نے حکومت برطانیہ سے بضد ہوکر تبت پر فوج کشی کی اجازت حاصل کر لی۔ تبت کی فوج نے تھوڑا بہت مقابلہ کیا لیکن آخرکار انگریزی فوجیں لہاسہ میں داخل ہو گئیں اب حکومت تبت نے حکومت ہند سے ایک صلحنامہ طے کیا جس کی رُو سے تبت نے تاوان جنگ ادا کرنا اور تجارتی مراعات دینا منظور کر لیا اور حکومت ہند نے تبت پر حکومت چین کی سرداری تسلیم کر لی۔

لارڈ کرزن کی خارجہ پالیسی کے اس مختصر بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پالیسی محض برطانیہ کے سامراجی مفاد کی حفاظت کے لئے وضع کی گئی تھی اور اس سے ہندوستان اور ہندوستانیوں کو قطعاً کوئی دلچسپی نہ ہوسکتی تھی۔ ہندوستانی وسایل کا ان مقاصد کے لئے استعمال ہرگز جائز نہ تھا

لارڈ کرزن کی اصلاحات

لارڈ کرزن کو انتظامی اصلاحات کرنے کا بہت شوق تھا چنانچہ اُس کے عہد حکومت میں جدید ضرورتوں اور تہذیبی تقاضوں کے مطابق سارے انتظامی ڈھانچے میں ردو بدل اور ضروری اصلاحات کی گئیں جن کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

زرعی اصلاحات

لارڈ کرزن نے عہدہ سنبھالتے ہی موجودہ انتظامی ڈھانچے کے نقائص کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا اور اس کے سفارشات کے مطابق مختلف اصلاحات کیں لارڈ کرزن کی آنکھوں سے کاشت کاروں کی مصیبتیں اوجھل نہ تھیں چنانچہ پنجاب کے کسانوں کو ساہوکاروں کے پنجے سے چھڑانے کے لئے اُس نے قانون انتقال اراضی نافذ کیا جس کے ذریعے ساہوکاروں کو کسانوں کی زمینیں خریدنے اور انہیں بے دخل کرنے کا حق نہ رہا۔ لگان کے اضافے کے متعلق بھی خاص قواعد کے ذریعے غریب کاشت کاروں کے حقوق محفوظ کر دئیے گئے اب غیر کاشت کار اشخاص نہ تو زرعی زمینیں خرید سکتے تھے نہ ۲۰ برس سے زیادہ رہن رکھ سکتے تھے اور نہ ہی قرض کی ادائیگی میں زمینیں قرق کروا سکتے تھے۔

غریب کاشت کاروں کو چھوٹے چھوٹے قرضوں کے لئے ساہوکاروں کی محتاجی سے نجات دلوانے کے لئے کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹیاں قائم کر دی گئیں جو انہیں معمولی شرح سود پر قرضے دینے لگیں اس کے علاوہ زراعتی ترقی کے لئے حکومت ہند کا الگ محکمہ زراعت اور اس کا انسپکٹر جنرل مقرر کیا گیا تاکہ ہندوستانی کسانوں کو کھیتی کرنے کے جدید اور سائنٹفک طریقوں سے روشناس کروایا جائے اس کے علاوہ آبپاشی اور نہروں کی تعمیر و ترقی کے لئے بھی خاص اقدام کئے گئے۔

تجارتی اور اقتصادی ترقی کے لئے اقدامات

ملک میں تجارت کو فروغ دینے

اور بیرونی بیوپار بڑھانے کی طرف بھی خاص توجہ دی گئی چنانچہ ملک میں چھ ہزار میل لمبی ریلوے لائنیں بچھائی گئیں اور حکومت ہند میں کامرس و انڈسٹری کا نیا محکمہ کھولا گیا جس کا چارج وائسرائے کی کونسل کے ایک مستقل ممبر کے سپرد کیا گیا نمک کا محصول آدھا کر دیا گیا اور ایک ہزار روپے کی آمدنی پر انکم ٹیکس لگا دیا گیا۔

تعلیمی اصلاحات

لارڈ کرزن نے ملک میں یونیورسٹی تعلیم کا معیار بلند کرنے کے لئے ۱۹۰۴ء میں انڈین یونیورسٹی ایکٹ پاس کیا۔ اس ایکٹ کا منشاء تو تعلیمی معیار بلند کرنا تھا مگر اس کا ایک بڑا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں کی آزادی میں فرق آیا اور ان پر حکومت کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا۔ یونیورسٹیوں کو امتحانات کے انتظام کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ہدایت کی گئی۔

پولیس کی اصلاح

ملک میں پولیس کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لئے پولیس کے افسروں کی تنخواہوں میں معقول اضافہ کر دیا گیا اور اُن کی تعلیم و تربیت کے لئے پولیس ٹریننگ اسکول قائم کئے گئے۔

آثار قدیمہ کی نگہداشت

لارڈ کرزن نے ہندوستان کے آثار قدیمہ کی نگہداشت کے لئے محکمہ آثار قدیمہ یعنی آرکیولاجیکل ڈیپارٹمنٹ قائم کر کے علمی دنیا پر بہت بڑا احسان کیا اس محکمہ نے پرانی عمارتوں کی دیکھ بھال اور زمین کے نیچے دبی ہوئی پرانی عمارتوں کو دریافت کرنا شروع کیا اور علمی دنیا کو ہندوستان کے تہذیبی ورثہ سے روشناس کروانا شروع کیا چنانچہ ٹیکسلا۔ موہنجو دارو۔ ہڑپا لے قدیم شہر دریافت ہوئے اور ہندو راجاؤں۔ سلاطین دہلی اور مغلوں کی بنائی ہوئی عمارتوں کی جدید طریقوں سے مرمت کر کے انہیں تباہ ہونے سے بچا لیا اس کے علاوہ کئی جگہ عجائب گھر بھی قائم ہوئے۔

نئے صوبے

انتظامی سہولت کے لئے لارڈ کرزن نے سندھ پار کے چھ سرحدی اضلاع کو متحد کر کے شمال مغربی سرحدی

صوبہ قائم کیا اور اسے ایک چیف کمشنر کے ماتحت کر دیا۔ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے بنگال کے مشرقی حصے اور آسام کو ملا کر ایک نیا صوبہ بنا دیا۔ مگر ہندو سرمایہ داروں اور وکیلوں نے تقسیم بنگال کی سخت مخالفت کی نئے صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی قوم پرستوں نے اس تقسیم کو "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کے اصول کی کرشمہ سازی سمجھا اور انہوں نے بھی اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ آخر کار چھ برس بعد شاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کے جلسے میں تقسیم بنگال منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ قوم پرستوں کی ایجی ٹیشن کی یہ پہلی بڑی فتح تھی۔ تقسیم بنگال سے بنگال میں مسلمانوں میں بھی نئی سیاسی بیداری پھیل گئی جو آخر کار مشرقی پاکستان کے قیام کی ذمہ دار بنی۔

فوجی اصلاحات

لارڈ کرزن نے فوج کا محکمہ رسل و رسائل یعنی ٹرانسپورٹ از سر نو منظم کیا۔ فوج میں نئی وضع کی بندوقیں اور توپیں تقسیم کی گئیں اور امپیریل کیڈٹ کور قائم کی گئی جس میں راجاؤں نوابوں اور رئیسوں کے بیٹے بھرتی کئے جانے لگے

۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن کا لارڈ کچنر کمانڈر انچیف سے گورنر جنرل کی کونسل میں فوجی ممبر کے تقرر پر سخت اختلاف ہو گیا اور معاملہ حکومت برطانیہ کے سامنے پیش ہوا۔ وزیر ہند نے لارڈ کچنر کی رائے سے اتفاق کیا اس پر لارڈ کرزن اپنے عہدے سے استعفےٰ دے کر انگلستان لوٹ گیا۔

EXERCISE.

Relate the important reforms of Lord Canning, the first viceroy of India. (J & K. U. 1960)

2. How did Lord Ripon win the affection and respect of the Indian people ? (J & K. U. Supp. 1957, 1958)
3. What were the provisions of the Indian Council's Act 1892.
4. Review the foreign policy of Lord Curzon.
5. Briefly describe the reforms brought about by Lord curzon account for his greatness as an administrator.
6 Describe the North Western Frontier policy of the Govt. of India from 1867-1892.

باب چہارم

(الف) مغربی غلبے کی چھاپ ہندوستان پر

کہتے ہیں جیسا راجا ویسی پرجا۔ جب انگریز ہندوستان میں آئے اور یہاں کے حکمران بنے تو اُن کی تہذیب۔ تمدن خیالات اور روایات کا ہندوستانیوں پر اثر پڑنا شروع ہوا۔ اس میل جول کا اثر نہ صرف ہندوستانی سیاست و نظام حکومت پر ہی پڑا بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر مغربی غلبے کی چھاپ پڑی۔ چنانچہ جمہوری اداروں کی ابتدا۔ مغربی تعلیم کی نشوونما۔ ہندوستانی پریس کا آغاز۔ نئی ایجادات اور سماجی تبدیلیاں۔ اقتصادی تعمیر نو۔ ہندوستانی صنعتوں کا زوال و احیاء۔ علوم و فنون کی ترقی اور سیاسی جاگرتی سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں ان سب کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے:۔

جمہوری اداروں یا مقامی حکومت خود اختیاری کی ابتدا

ہندوستان میں سب سے پہلے ۱۶۶۷ء میں مدراس میں ایک میونسپلٹی قائم کی گئی اور بعد میں کلکتہ اور بمبئی کے شہروں میں بھی میونسپل کمیٹیاں قائم کی گئیں مگر ان کے اختیارات بالکل محدود تھے اور فرائض بھی مختصر تھے۔ ۱۸۴۲ء میں مدراس کلکتہ اور بمبئی کے پریذیڈنسی شہروں کے باہر بھی میونسپل کمیٹیاں قائم کی گئیں لیکن عام طور پر ان میونسپل کمیٹیوں کے رکن حکومت کی طرف سے نامزد کئے جاتے تھے اور انتخاب

ونمایندگی کا اصول تسلیم کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔

۱۸۷۰ء میں لارڈ میو کے عہد حکومت میں جمہوری اداروں اور مقامی حکومت خود اختیاری کے قیام کے لئے حکومت ہند نے ایک مشہور ریزولیوشن منظور کیا جس کی رُو سے اس ضرورت کو تسلیم کر لیا گیا کہ مقامی مفاد عامہ کے کاموں۔ صحت و صفائی۔ علاج امراض اور تعلیم وغیرہ کے انتظام کے لئے مقامی آدمیوں کی نگرانی اور تعاون ضروری ہوتا ہے چنانچہ یہ قرار پایا کہ حکومت جمہوری اداروں اور مقامی حکومت خود اختیاری یعنی لوکل سیلف گورنمنٹ کی ترقی کے لئے بہتر مواقع مہیا کرے۔ میونسپل اداروں کو زیادہ با اختیار بنائے اور ہندوستانی اور یوروپین شہریوں کو میونسپل انتظام میں زیادہ حصہ دینے کی کوشش کرے۔ ہندوستان میں میونسپل نظام کا سنگ بنیاد یہی ریزولیوشن مانا جاتا ہے۔

۱۸۸۲ء میں لارڈ رپن نے اس اصول کو اور وسعت دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عوام کو سیاسی تربیت دینے کے لئے قوم کے سب سے اچھے اور قابل سپوتوں کو موقعہ دیا جائے کہ وہ آگے بڑھ کر مقامی انتظام کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور جمہوری اداروں کو چلانے کی عملی تربیت حاصل کریں۔ چنانچہ ۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۴ء تک کئی قوانین و قواعد وضع کئے گئے جن کی رُو سے انتخابی اصول کو بتدریج میونسپل اداروں میں جاری کیا گیا اور مقامی نمائندوں کو میونسپل انتظام سونپا گیا چنانچہ مقامی میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ قائم ہوئے جن کے ممبروں کی کافی تعداد منتخب ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کئی میونسپل کمیٹیوں کو غیر سرکاری صدر منتخب کرنے کا اختیار بھی دیا گیا۔

۱۹۱۵ء میں لارڈ ہارڈنج (ثانی) کے عہد میں لارڈ رپن کے قائم کئے ہوئے میونسپل نظام میں اہم رد و بدل کیا گیا ۱۹۱۵ء کے ریزولیوشن میں مندرجہ ذیل اصول تسلیم کئے گئے جن سے لوکل سیلف گورنمنٹ کی ترقی میں بڑی مدد ملی۔

۱۔ تمام میونسپل کمیٹیوں میں منتخب ممبروں کی اکثریت ہونی چاہیئے۔

۲۔ ان ممبروں کو اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ اپنا صدر خود منتخب کریں۔

۴- گاؤں پنچایتوں کو معمولی دیوانی مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کا اختیار دیا جانا چاہیئے۔

۱۹۱۹ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات نافذ ہوئیں تو حکومت میں بھی عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کو کچھ حصہ ملا۔ اس کے ساتھ ساتھ لوکل سیلف گورنمنٹ کے لئے نمائندہ جمہوریت کا اصول پوری طرح تسلیم کر لیا گیا چنانچہ ہندوستان کے نئے آئین کے تحت میونسپل کمیٹیوں ڈسٹرکٹ بورڈوں اور دوسرے میونسپل اداروں کی دیکھ بھال کا کام صوبائی حکومتوں کو سپرد کر دیا گیا صوبائی حکومتوں میں یہ محکمہ ایسے وزیروں کے سپرد ہوا۔ جو چنے ہوئے نمائندوں میں سے مقرر کئے جاتے تھے اور اپنے انتظامی کاموں کے لئے صوبائی مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے رائے دہندگی کا حق بھی عام کر دیا گیا اور میونسپل کمیٹی کے ممبروں کے انتخاب کے لئے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ووٹ دینے کا حق دے دیا گیا سب کمیٹیوں میں منتخب ممبروں کی اکثریت کر دی گئی۔ چھوٹے چھوٹے شہروں میں جہاں میونسپل کمیٹیاں نہ بن سکتی تھیں۔ ٹاؤن ایریا کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ گاؤں کی پنچایتوں کی صحت و صفائی اور معمولی جھگڑے چکانے کے اختیار دئے گئے اور ان کی تعداد میں اضافہ کیا گیا میونسپل اداروں پر سرکاری نگرانی اور نرم کر دی گئی اس طرح ہندوستان میں جمہوری طرز انتظام کی توسیع و ترقی کا میدان ہموار کر دیا گیا۔

۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے بعد قومی حکومت نے لوکل سیلف گورنمنٹ کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے اس کی ترقی کے لئے اور کوششیں شروع کیں۔ سب صوبائی سرکاروں نے میونسپل ایکٹ منظور کئے اور ہر صوبے میں گرام پنچایتوں۔ میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کا جال بچھا دیا گیا اور ان کے اختیارات اور آمدنی کے ذرائع میں بہت اضافہ کر دیا گیا لیکن تعلیم کی کمی۔ غربت۔ سرمایہ داروں کی کھڑپنچی فرقہ پرستی اور رشوت ستانی کی وجہ سے ان اداروں میں سچی جمہوری روایات قائم ہونے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ذات پات کے جھگڑوں

کی وجہ سے کئی بار ایسے ممبر منتخب ہو جاتے ہیں جو اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتے۔ حکومت کو کئی کیٹیوں کے معاملات میں دخل دینا پڑتا ہے جس کی وجہ سے خوددار اور قابل اشخاص میونسپل اداروں میں آکر کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ عوام کی غربت کی وجہ سے سرمایہ دار فرقہ پرست اور بددیانت لوگ پیسے کے زور پر ممبر بن جاتے ہیں لیکن وہ عوام کے صحیح جمہوری نمایندے نہیں ہوتے۔ امید ہے کہ شہریت کا احساس اور تعلیم عام ہونے سے یہ برائیاں بھی دور ہو جائیں گی۔

مغربی تعلیم کی ترویج اور اس کے اثرات

مغربی تعلیم کی ترویج ۔ مغربی تعلیم کی ترویج ۱۹ ویں صدی کے آغاز میں ہی شروع ہوگئی تھی لارڈ ولیم بنٹنگ کے عہد میں لارڈ میکالے کے ایما پر حکومت ہند نے انگریزی زبان کے ذریعے مغربی سائنس اور ادب کی تعلیم کا فیصلہ کیا یہ واقعہ ہماری تعلیمی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے انگریزی زبان و ادب اور مغربی سائنس کی تعلیم سے ہندوستان میں زبردست تمدنی اور سماجی انقلاب آئے۔

۱۸۵۴ء میں سر چارلس وڈ صدر بورڈ آف کنٹرول نے اعلےٰ اور ابتدائی تعلیم کی ترویج و ترقی کے لئے خاص ہدایات جاری کیں اور کچھ عرصہ بعد کلکتہ بمبئی اور مدراس میں مغربی وضع کی اعلےٰ تعلیمی درسگاہیں اور یونیورسٹیاں قائم ہوگئیں اور ہر صوبہ میں تعلیم عامہ کے محکمے کھول دئے گئے ان یونیورسٹیوں نے لندن یونیورسٹی کے معیار اور روایات کے مطابق امتحانات لینے شروع کئے کچھ عرصہ بعد ہنٹر کمیشن کی سفارشات پر ابتدائی تعلیم پر زیادہ توجہ دی جانے لگی پنجاب اور الہ آباد میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ سر سید احمد خان نے علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد رکھکر مسلمانان ہند کو مغربی تعلیم حاصل کرنے پر راغب کیا۔

۱۹۰۱ء میں لارڈ کرزن نے ایک یونیورسٹی کمیشن مقرر کیا حکومت ہند نے ایک انسپکٹر جنرل تعلیمات مقرر کیا صوبائی حکومتوں کو تعلیم کے لئے زیادہ روپیہ ملنے لگا یونیورسٹی کمیشن کی سفارشوں پر یونیورسٹی

ایکٹ پاس ہوا اور یونیورسٹیوں کے نظام میں حکومت کا اثر زیادہ کرکے معیار تعلیم بلند کرنے کے انتظام کئے گئے ۱۹۱۶ء میں کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کی سفارشات پر ملک میں اقامتی دانش گاہیں (RESIDENTIAL - UNIVERSITIES) قائم کرنے کا فیصلہ ہوا یہ یونیورسٹیاں امتحان بھی لیتی ہیں اور یہاں طالب علموں کے رہنے اور تعلیم پانے کا انتظام بھی ہوتا ہے چنانچہ ۱۹۲۰ء میں بنارس میں ہندو یونیورسٹی اور علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی قائم ہوئی۔

ہندوستان کی آزادی سے پہلے گاندھی جی اور ڈاکٹر ذاکر حسین نے نئی تعلیم کی اسکیم بنائی جس میں کارآمد دستکاریوں کے ساتھ ساتھ ادبی اور سائنٹفک تعلیم کو ملاکر نصاب تیار ہوا۔ یہ واردھا اسکیم کے نام سے مشہور ہوئی اور انڈین نیشنل کانگریس نے اس کی حمایت کی لیکن آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کے ساتھ شدید اختلاف کیا بہرکیف ہندوستان کی آزادی کے بعد ملک کی قومی حکومت نے تعلیمی مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے مشہور فلاسفر اور عالم سرو پلی رادھا کرشنن (نائب صدر جمہوریہ ہند) اور ڈاکٹر لکشمن سوامی مدلیار کی صدارت میں ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے کمیشن مقرر کئے جن کی سفارشات کے مطابق اب ملک میں قومی تعلیم کے نئے سانچے ڈھالے جارہے ہیں اور ایک ایسے نظام تعلیم کی نشو و نما کی بنیاد رکھی جارہی ہے جو ملک کی صنعتی۔ معاشی۔ تمدنی اور فنی ضروریات کو پورا کر سکے۔

مغربی تعلیم کی ترویج و ترقی سے ہندوستان میں جو تمدنی اور سماجی انقلاب آیا دراصل اسی نے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کروایا۔ ہندوستانیوں کی سیاسی بیداری مغربی تعلیم کا سب سے قابل قدر تحفہ تھا۔ انگلستان اور مغربی دنیا کے ترقی پسند انسانی آزادی کے علمبردار عالموں سے روشناس ہوکر اور برک۔ میکالے۔ مل۔ ہربرٹ سپنسر بنیتھم اور کامرٹ کی تصنیفات پڑھ کر جو طالب علم یونیورسٹیوں سے نکلتے تھے اُن کے دل حب وطن اور قومی آزادی کے جذبے سے سرشار

ہوتے تھے۔

ملک میں مغربی تعلیم اور سائنس کے مطالعہ کی وجہ سے اندھ وشواس یا کورانہ تقلید۔ توہم پرستی۔ ذات پات اور چھوت چھات کے خلاف جذبہ اُبھرتا گیا اور انسانیت کی عزت۔ مساوات اور خدمت خلق کا جذبہ بڑھتا گیا جس کا ثبوت ہمیں اُنیسویں صدی کی مذہبی اصلاح اور اشاعت تعلیم کی مختلف ہندوستانی تحریکوں سے ملتا ہے۔

مغربی تعلیم کی وجہ سے لوگوں میں جمہوریت اور سیاسی آزادی کا جذبہ زور پکڑتا گیا اور بالآخر ہندوستانیوں نے ۱۹۲۹ء میں مکمل آزادی کو اپنا نصب العین بنایا اور اس کے بعد ۱۸ برس کی مسلسل کوششوں سے ملک میں پہلی بار ایک خود مختار جمہوریہ کی بنیاد رکھی۔

غرض یہ کہ انگریزی راج میں مغربی تعلیم کی ترویج و ترقی نے ملک کی کایا پلٹنے میں شاندار کام کیا۔

اخبارات کی اشاعت یا پریس کی آزادی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں پہلے پہل انگریزی میں اخبار نکلنے شروع ہوئے کچھ عرصہ بعد بنگالی اردو، مراٹھی میں بھی اخبار نکلنے لگے ملکی خبریں شائع کرنے کے علاوہ اخبارات ملکی معاملات پر رائے عامہ کے اظہار کا بھی ایک اہم ذریعہ ہیں اخبارات یا پریس کی آزادی سیاسی آزادی کی بنیاد ہے۔ لارڈ ولیم بینٹنگ کے عہد کے بعد جب سر چارلس مٹکاف عارضی گورنر جنرل بنا تو اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پریس کے متعلق قواعد جو اصول آزادی کے خلاف تھے منسوخ کر دئے اور پریس کی آزادی بحال کر دی گئی لیکن اخبارات کی آزادی اور غیر ملکی حکومت دونوں کے ساتھ نبھنا مشکل تھا چنانچہ لارڈ لٹن کے عہد میں جب ہندوستانی اخبارات نے اس کی سامراجی خارجہ پالیسی اور ہندوستان دشمن رویہ کی قلعی کھولنا شروع کی تو وہ تلملا اٹھا اور اس نے غصہ میں آکر ورنیکلر پریس ایکٹ پاس کر دیا جس سے ہندوستانی زبانوں میں چھپنے والے اخبارات پر بہت سی پابندیاں لگا دیں لارڈ رپن کے عہد میں یہ جمہوریت کش قانون منسوخ کر دیا گیا۔ انیسویں صدی آخر اور بیسویں صدی

کے شروع کے سالوں میں اخبارات نے رائے عامہ منظم کرلے اور حکومت کی ہندوستان دشمن پالیسی پر سخت نکتہ چینی شروع کر دی چنانچہ پہلی جنگ عظیم سے پہلے ملک میں سیاسی تحریکوں کو کامیاب بنانے میں اخبارات نے بڑا کام کیا اور ملک میں سودیشی اور ہوم رول کی تحریک پھلانے میں لوکمانیہ تلک کے اخبار کیسری اور مسلمانان ہند کو تحریک آزادی میں حصہ لینے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے اخبارات الہلال اور البلاغ نے چاروں طرف آگ لگادی۔ چنانچہ حکومت نے گھبرا کر پریس پر پھر پابندیاں عاید کر دیں لیکن اخبارات کی آزادی ہمیشہ کے لئے سلب کرنا حکومت کے لئے بھی ممکن نہ تھا جنگ یا مقامی سیاسی شورش کے سوا اخبارات کی آزادی کا اصول حکومت کو ماننا ہی پڑا۔ آزاد بھارت کے ودھان میں بھی اخبارات کی آزادی تسلیم کر لی گئی ہے۔

نئی ایجادیں اور ان کے سماجی اثرات

اٹھارہویں اور ۱۹ ویں صدی میں یورپ کے سائنس دانوں نے بھاپ اور بجلی سے چلنے والی مشینیں ایجاد کیں۔ کوئلہ اور تیل سے طاقت حاصل کرنے کے راز معلوم کئے اور بڑے پیمانے پر صنعتی کارخانے قائم کئے اس کی وجہ سے یورپ میں زبردست تبدیلیاں آئیں جنہیں صنعتی انقلاب (INDUSTRIAL REVOLUTION) کہا جاتا ہے انگلستان میں صنعتی انقلاب کے لئے سرمایہ ہندوستان سے ملا اور ہندوستان کی صنعتیں تباہ و برباد کرکے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے انگلستانی مال کی کھپت اور کچے مال کی سپلائی کی زبردست منڈی بنا دیا۔ آہستہ آہستہ ہندوستان میں ریلوے۔ تار۔ ڈاک کے محکمے قائم ہوئے۔ خبریں بھیجنے منگوانے کی آسایش ہوگئی۔ سفر اور مال کے لانے لے جانے میں بھی سہولت ہوگئی۔ ہندوستان سے تجارت کو ترقی دینے کے لئے جہاز رانی کی طرف پہلے ہی کافی توجہ دی جا رہی تھی ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کے کھل جانے سے اور بھی ترقی ہونے لگی انگلستان اور ہندوستان کے درمیان کیبل (CABLE) یعنی بحری تار بھیجنے منگوانے کا سلسلہ بھی قائم ہوگیا اب ہندوستانی سرمایہ دار بھی کارخانے قائم کرنے لگے اور ملکی صنعت و تجارت

پھولنے پھلنے لگی۔ کلکتہ۔ مدراس۔ بمبئی اور کراچی زبردست صنعتی اور تجارتی مرکز اور بندرگاہیں بن گئے ملک کے اندر بڑے بڑے شہر پھر با رونق ہوکر بڑھنے لگے جیسے بنگلور۔ حیدر آباد۔ دہلی۔ لکھنؤ۔ لاہور وغیرہ۔

انگریزوں کے زمانے میں بڑی بڑی اور پکی شاہ راہیں بنائی گئیں تاکہ فوج آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جاسکے اور ہندوستان پر برطانیہ کا پنجہ مضبوط رہے لیکن اس کے زمانے میں ان شاہ راہوں پر موٹریں لاریاں سفر اور تجارت میں مدد دیتی رہیں۔ بیسویں صدی میں ریڈیو اور ہوائی جہازوں کی ایجاد نے سارے ملک کو سمٹا کر ایک ہی شہر کی صورت دینی شروع کی اور بیرونی ملکوں سے بھی زیادہ گہرے تعلقات قائم ہونے شروع ہوئے اس سے مشترکہ شہریت اور متحدہ قومیت کے جذبے کو بڑی تقویت پہنچی اور چھوت چھات کی توہم پرستی کو بھی سخت دھکا لگا ہے خاص طور پر ریلوں اور موٹر لاریوں کے سفر نے چھوت چھات کے خاتمہ میں بڑا کام کیا ہے۔

سائنس اور صنعتی تعلیم پر زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ خاص طور پر آزادی کے بعد ملک میں جگہ بجگہ سائنس کی تجربہ گاہیں۔ میڈیکل کالج انجینیرنگ یونیورسٹیاں اور کالج اور پالی ٹیکنیک قائم ہونے شروع ہوئے جن سے ذہنی آزادی کے علاوہ ملک اقتصادی آزادی سے مالا مال ہو رہا ہے اور پہلی اور دوسری پنج سالہ منصوبہ بندی سے ملکی تعمیر نو بڑی تیزی سے ہو رہی ہے۔ ملک میں بجلی پیدا کرنے۔ نہریں نکالنے۔ صنعتی کارخانے قائم کرنے اور اس طرح معیار زندگی کو بلند کرنے اور ملک کو خوراک اور صنعتی مال میں خودکفیل بنانے کے لئے کئی منصوبے مکمل ہو چکے ہیں اور کئی زیر کار ہیں۔ قحط اور دباؤں کا انسداد ہو رہا ہے اور لوگوں میں قومی ترقی کا جذبہ بڑھ رہا ہے لوگوں کی بیگانگی دور ہو رہی ہے لوگ ایک جگہ سے جاکر دوسری جگہ آباد ہو رہے ہیں اور سماج کا اقتصادی نظام بدل گیا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب ہندوستان میں ایک مکمل سوشلسٹ نظام قائم ہو جائے جس میں امیر غریب کی تمیز بھی ملیا میٹ ہو جائے۔

علوم و فنون کی ترقی

پرانے وقتوں سے ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر مذہب اور دیوی دیوتاؤں کے قصّے کہانیوں اور توہم پرستی کا گہرا اثر تھا عام ہندوستانیوں کو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر رہتی تھی اور وہ دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کش رہنا ثواب سمجھتے تھے بڑے بڑے رئیس راجے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے مگر اُن کے ادب اور آرٹ پر بھی مذہب اور دیو مالا کے قصوں کی گہری چھاپ تھی لوگ پرانی رسموں ریتوں کو بے سوچے سمجھ مانتے تھے۔ اور بزرگوں کے قول کے خلاف کوئی بات نہ کرتے تھے۔ اُن میں جدّت پسندی اور ترقی کی خواہش کے بدلے قدامت پرستی کا زور تھا ان کے علوم و فنون پر بھی اسی جذبے کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔

مغربی تہذیب کی چھاپ پڑنے سے ہندوستانیوں کی ذہنی اور اخلاقی زندگی میں بہت بڑا انقلاب آیا اور وہ اب ہر عقیدے اور روایت کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگے اب لوگوں میں اجتماعی زندگی کا شعور پیدا ہونے لگا اور وہ دنیوی ترقی کو اُتنا ہی ضرور سمجھنے لگے جتنا کہ پرانے ہندوستانی روحانی ترقی کو سمجھتے تھے لوگوں کو اب قومیت اور ملکی ترقی میں دلچسپی پیدا ہونا شروع ہوئی اس نئی تہذیب میں لوگوں کو سب سے زیادہ دلچسپی انسان اور اس کے ماحول سے ہے اب علم اور ادب میں ایک طرف تو انسان کی نفسیاتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ شروع ہوا اور دوسری طرف انسان کی معاشی زندگی اور طبعی ماحول یعنی خشکی۔ تری۔ زمین۔ آسمان۔ نباتات۔ طبعیات۔ کیمیا اور فصلوں کی افزائش اور موسموں کے اثرات کا مطالعہ پر توجہ دی جانے لگی جدید ہندوستانی ادب پر مغربی تہذیب کے اس انداز فکر کا اثر نمایاں ہے۔

انگریزوں کے عہد حکومت میں انگریزی زبان و ادب اور انگریزی سائنس و فلسفہ نے ہندوستانی زبانوں کے ادبی سرمایہ کے بڑھانے میں بڑی مدد دی اس سلسلہ میں سب سے پہلی کوشش وارن ہیسٹنگز کے زمانے میں ہوئی جب مشرقی علوم کے مطالعہ کے لئے بنارس میں سنسکرت کالج اور کلکتہ میں مدرسہ عالیہ اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی گئی اس کے بعد

ہندوستانی ادب کی نشو ونما شروع ہوئی اور اردو۔ ہندی کے فاضل اُستادوں نے بھی بڑا حصہ لیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہندوستانی زبانوں کی نشو ونما شروع ہوئی اور اُردو۔ ہندی۔ بنگالی۔ مراٹھی۔ تامل۔ تیلیگو۔ اور ملیالم میں جدید ادب کی ابتدا ہوئی چونکہ اب انگریزی اعلےٰ تعلیم کے لئے ذریعہ تعلیم اور سرکاری زبان تھی اس لئے انگریزی ادب فلسفہ اور سائنس کا اثر ہندوستانی ادب پر نمایاں طور پر پڑنے لگا۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ہندوستانی آرٹ میں وہ پہلے سی نفاست نزاکت اور حسن باقی نہ رہا تھا کاریگر اور اُستاد کچھ تو ہندوستانی درباروں کے خاتمہ کی وجہ سے کم ہو گئے اور جو رہے بھی اُن کا قدردان کوئی نہ تھا اسی وجہ سے اُن میں جدّت طرازی کی جگہ پرانی لکیروں کا فقیر بن کر رہنے کی عادت پیدا ہو گئی۔ مغربی طرزوں کی آمد سے اُن کی رہی سہی قدر بھی جاتی رہی اور آرٹ کا اعلےٰ مذاق جاتا رہا چنانچہ اِسی زمانے کے فن تعمیر میں مغربی طرزوں کی اندھی تقلید کے نمونے ملتے ہیں جیسے لکھنو کے نوابوں کی عمارتیں یا بنگالی راجاؤں نوابوں کے بڑے بڑے مکان ان سب میں مغل اور راجپوت فن تعمیر کے حسن و نزاکت کی بجائے ایک عامیانہ بھونڈا پن نمایاں ہوتا ہے اس کے بعد انگریزی محکمہ تعمیر عامہ کی عمارتیں بننا شروع ہوئیں جو اُس زمانے کی فنی بدذوقی کا ثبوت ہیں آخر اس ضرورت کا احساس عام ہوا کہ خالص ہندوستانی اور مغربی طرز تعمیر کو خوبصورتی سے یکجا کر کے ایک نئے طرز تعمیر کی بنیاد رکھی جائے چنانچہ نئی دہلی کا فن تعمیر اسی کوشش کا بارعب اور دلکش نتیجہ ہے۔

فن تعمیر کی طرح فن مصوری بھی اسی دَور سے گذرا چنانچہ لکھنو لاہور۔ پٹنہ۔ پونا۔ میسور کے مصوّر اُستاد پرانے نئے نمونوں کی اندھا دھند تقلید کرتے رہے لیکن اُن کے قلم میں پہلے اُستادوں کی نفاست و نزاکت نہ تھی اور ان کا فنی معیار بھی گھٹیا تھا اب ہندوستان میں یورپ کے گھٹیا قسم کے آرٹ کے نمونے قبول ہونے لگے اس فنی زوال کے بعد اُنیسویں صدی کے آخر میں بنگالیوں نے نئی مصوّری کی بناد ڈالی

اور آخر کار کلکتہ آرٹ اسکول کے مسٹر ہیول، اور مشہور بنگالی مصور ابی نندر ناتھ ٹیگور کی کوششوں سے نیا ہندوستانی فن مصوری وجود میں آیا جس میں مشرقی طرزوں اور یورپین تکنیک کو یک جا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نئے مصوروں میں نندلال بوس اور عبدالرحمٰن چغتائی بڑے صاحب طرز مصور مانے گئے ہیں؛

(ب) ہندوستان میں سیاسی بیداری اور قومی احساس کی نشوونما ۱۹۰۹ء تک

ہندوستان پر مغربی غلبہ کا سب سے بڑا اور قیمتی تحفہ ۱۹ویں صدی میں سیاسی بیداری اور قومی احساس کی نشوونما تھی۔ اس کے کئی اسباب بیان کئے جاتے ہیں در اصل خاندان مغلیہ کی حکومت کے دوران میں ہی قومی احساس کی ابتدا ہونا شروع ہو گئی تھی چنانچہ نسل زبان اور مذہب کے اختلاف کے باوجود ہندوستانی طرز زندگی۔ رسم و رواج۔ لباس کھانے پینے ادب اور آرٹ میں ایک اشتراک نظر آنا شروع ہو گیا تھا جو متحدہ قومیت کے لئے ایک مضبوط بنیاد کا کام دے سکتا تھا لیکن ابھی تک ایک ایسی ہمہ گیر سماج کا تصور پیدا نہ ہوا تھا جس میں سب ایک دوسرے کے ساتھ مساوات اور بھائی چارے کے برتاؤ کے ساتھ ساتھ نفسیاتی طور پر سب افراد قوم ایک دوسرے کو اپنا ہی انگ ساتھ سمجھنا شروع کر دیں اور سب اختلاف مٹا کر قوم کو اتحاد کی ایک ہی لڑی میں پرو دیں۔ انیسویں صدی میں کئی اثرات کی وجہ سے سیاسی شعور اور قومیت کا جذبہ اُبھرنا شروع ہوا اس سے ایک طرف تو آزادی اور جمہوریت قائم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور دوسری طرف قوم میں مذہبی اور سماجی اصلاح کی تحریکوں کو قوت ملی۔

ہندوستان میں قومی احساس پیدا ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہندوستان

میں ۱۹ویں صدی کا اقتصادی انقلاب ہے۔ سڑکوں۔ ریلوں اور ذرائع خبر رسانی کی ترقی سے لوگوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا۔ تجارت کی ترقی اور گاؤں کا الگ تھلگ اقتصادی خودکفیلی کی حالت میں رہنا ختم ہو گیا ملک کی آبادی میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا ذرائع آبپاشی کی ترقی سارے ملک میں یکساں نرخوں کا چلن۔ سارے ملک کی مشترکہ کرنسی نے ملک میں وہ اقتصادی وحدت پیدا کر دی جو سیاسی ایکے اور قومیت کے لئے سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے۔

انگریزی راج میں سارے ہندوستان میں ایک سا نظام حکومت۔ مشترکہ قانون اور عدالتیں قانون کے سامنے سب کی برابری نے بھی ہندوستانیوں میں قومی احساس کو بڑی تقویت دی اور لوگوں میں اپنے حقوق کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستانیوں میں حکومت میں حصہ لینے اور اپنی قسمت اپنے ہاتھوں سے سنوارنے کا جذبہ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ خاص طور پر جب لوگ انگریزوں کے انگلستانی اور ہندوستانی نظام حکومت کا مقابلہ کرتے تو اُن میں بھی خود مختاری حاصل کرنے کی قدرتی تمنا پیدا ہوتی رہتی تھی۔

مغربی تعلیم خاص طور پر انگریزی زبان و ادب کے مطالعہ نے ہندوستانی تعلیم یافتہ لوگوں میں انگریزی جمہوریت اور وہاں کے لوگوں جیسی آزادی فکر نے قومی جذبہ اور حب وطن پیدا کرنے میں بڑی مدد دی۔ ہندوستانی نوجوان جب روسو۔ والٹیر۔ کارلائل۔ برک۔ مل اور اسی قسم کے دوسرے انقلابی اور آزادی خواہ مصنفوں کے خیالات سے آگاہ ہوئے تو اُن میں سیاسی شعور اور قومی احساس پیدا ہونے لگا اور اُن کی وجہ سے عام ہندوستانی ان خیالات سے متاثر ہونے لگے۔ اس نئے تعلیم یافتہ طبقے میں ڈاکٹر۔ اُستاد۔ ایڈیٹر۔ اخبار نویس کاروباری لوگ صنعت کار اور سرمایہ دار سبھی شامل تھے یہ متوسط طبقہ ہی ملکی آزادی کا سب سے زبردست طلبگار تھا یہ لوگ جانتے تھے کہ انقلاب کے بغیر آزادی اور آزادی کے بغیر انگریزوں کی غلامی اور اُن کے حمایتی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ظلم سے نجات مشکل

اس طبقے کا وجود میں آنا انگریزی راج ہی کا نتیجہ تھا۔
۱۹ ویں صدی کے آخر میں مشرقی ممالک میں قومیت پرستی زور پکڑنے لگی تھی چنانچہ روس چین اور ایران میں عوامی جمہوری تحریکیں رنگ پکڑنے لگی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد جاپان اور روس کی جنگ (۱۹۰۵ء) میں جاپان کی فتح اور روس کی شکست نے مشرقی ممالک میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی اور اس کا اثر ہندوستان پر بھی پڑا۔ چنانچہ بنگال میں انقلاب پرست دہشت پسندوں نے برطانوی اقتدار کے محل میں زلزلہ پیدا کر دیا۔

ہندوستان میں البرٹ بل۔ سودیشی کی تحریک اور تقسیم بنگال کے خلاف ایجی ٹیشن نے بھی ہندوستانیوں میں سیاسی بیداری اور قومی احساس پیدا کرنے میں بڑا کام کیا۔

۱۹ ویں صدی میں ہندوستانیوں جیسی خوش حال اور دنیا کی ایک نہایت قدیم اور اعلے تہذیب کی وارث قوم کا مٹھی بھر غیر ملکیوں سے شکست کھا جانا بڑے اچنبے کی بات تھی ہندوستان کے بڑے بڑے قومی رہنماؤں اور ریفارمروں میں اس کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے قومی کردار کو سنوارنے۔ اتحاد پیدا کرنے ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کا قلع قمع کرنے۔ اور رسوم و رواج اور اندھی تقلید کی پابندیوں سے قوم کو آزاد کروانے کا بیڑا اٹھایا ۱۹ ویں صدی کی ان مذہبی اور سماجی اصلاح کی کوششوں نے بھی ہندوستانیوں کی سیاسی جاگرتی اور قوم پرستی کا راستہ ہموار کر دیا۔

ہندو ریفارمر اور ان کی تحریکیں

مغربی تہذیب کے زیر اثر ۱۹ ویں صدی میں عقلی نکتہ نظر سے مذہبی معاملات پر سوچ بچار شروع ہوا اور اس کے نتیجے

کے طور پر ہندو سماج کی اخلاقی۔ مذہبی اور تعلیمی اصلاح کے لئے ملک
میں مختلف تحریکیں اُٹھیں ان میں سب سے پہلی قابل ذکر تحریک برہمو سماج
تھی جس کی بنیاد ۱۸۲۸ء میں مشہور ہندو ریفارمر راجہ رام موہن رائے
نے رکھی تھی راجہ رام موہن رائے جدید ہندوستان کے بانیوں میں شمار
ہوتے ہیں آپ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے آپ بچپن
سے مورتی پوجا کے سخت خلاف تھے آپ نے فارسی اور سنسکرت میں
پوری دست گاہ حاصل کی اور اسلام۔ عیسائیت اور ہندو دھرم کا بغور
مطالعہ کیا اور آخر اپنی زندگی ہندو دھرم کی اصلاح۔ ویدوں اور اپنشدوں
کے اُپدیش کے مطابق نرنکار ایشور بھگتی۔ سماجی بُرائیوں اور توہم پرستی
کی مخالفت ذات پات کے بندھن توڑنے اور عورتوں کی سماج میں اونچا
درجہ دلوانے کے لئے وقف کر دی۔ آپ نے مختلف مذہبوں کے ماننے
والوں کے اتحاد پر بھی بہت زور دیا۔ آپ کے بعد مہرشی دیوندر ناتھ ٹیگور
نے اس سماج کی بڑی سیوا کی برہمو سماج کے دوسرے قابل ذکر رہنما
کیشب چندر سین تھے آپ عیسائیت کی تعلیم سے بہت متاثر تھے ۱۸۶۶ء
میں آپ نے نئی برہمو سماج کی بنیاد ڈالی آپ جب بمبئی گئے تو آپ
کے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر ۱۸۶۷ء میں ڈاکٹر آتما رام نے
پرارتھنا سماج کی بنیاد رکھی جس کا ذکر آئندہ سطور میں کیا گیا ہے غرضیکہ
راجا رام موہن رائے نے بنگال میں جس سماجی اصلاح کی بنیاد رکھی اس
کا اثر ملک بھر میں پھیلا۔ راجا رام موہن رائے انگریزی تعلیم کے بڑے
حامی تھے آپ نے ستی۔ انسانی قربانی اور دختر کشی کی انسانیت سوز
رسموں کو مٹانے کے لئے بھی بہت جد و جہد کی اور آخر اس میں کامیاب
ہوئے۔

پرارتھنا سماج

پرارتھنا سماج کے بانی ڈاکٹر آتما رام پانڈو رنگ
تھے اس سماج کے دو مقاصد تھے ایک تو سماج
سدھار اور دوسرے سوچ وچار اور پرارتھنا اس سماج کا کام سارے
مہاراشٹر میں پھیلا ہوا تھا اس کے نامور کارکنوں میں جسٹس راناڈے۔
سر آر۔ جی بھنڈارکر۔ گوپال کرشن گوکھلے اور ایم۔ این جوشی جیسے اعلےٰ پایہ

کے عالم و فاضل تھے اس سماج نے سماجی اصلاح کے لئے یہ کام کئے
۱۔ عوام میں تعلیم پھیلانے کے لئے "دکھشن شکھشا سنگ" کے نام سے ایک تعلیمی انجمن قائم کی۔
۲۔ خدمت خلق اور سماجی اصلاح کے لئے گوکھلے نے "بھارت سیوا سنگ" قائم کیا جس نے ملک کے کئی حصوں میں سماجی اصلاح کے لئے ادارے قائم کئے۔
۳۔ اچھوتوں کی حالت سدھارنے کے لئے دلت سدھار مشن قائم کئے۔
۴۔ مہاراشٹر میں جابجا اسکول۔ ودھوا آشرم اور اناتھ آشرم یعنی محتاج گھر قائم کئے۔

آریہ سماج

گجرات کے مشہور سنسکرت دان اور مذہبی ریفارمر مول شنکر یا سوامی دیانند نے آریہ سماج کی بنیاد رکھی۔ آریہ سماج نے ویدک دھرم کا پرچار شروع کیا اور بچپن کی شادی ذات پات مورتی پوجا۔ برہمنوں کی برتری اور اندھ وشواس کے خلاف زبردست جدوجہد شروع کی۔ ویدوں کے ترجمے سادہ زبان میں عوام کے سامنے رکھے اور انہیں ایک خدا کی عبادت اور اعلےٰ کردار بنانے اور ہر مذہب اور قوم کے لوگوں کو ویدک دھرم قبول کرکے آریہ بننے کی دعوت دی آریہ سماج نے عورتوں اور مردوں کو ایک سی تعلیمی سہولتیں بہم پہنچانے بیوہ عورتوں کی شادی۔ یتیموں کی تعلیم و پرورش اور اچھوت اُدھار پر بھی بہت زور دیا۔ سوامی دیانند نے ہندوؤں میں خود اعتمادی۔ اپنی تہذیب پر فخر اور قومیت پرستی کے جذبات کو ابھارا۔ آپ نے ہندی زبان کو ملکی زبان بنانے کے لئے سب سے پہلے کوشش شروع کی آپ ۱۸۸۳ء میں اجمیر میں پرلوک سدھارے۔ آپ کے بعد مہاتما ہنس راج نے لاہور میں اینگلو ویدک کالج کی بنیاد رکھی اور سوامی شردھانند نے گوروکل کانگڑی میں قدیم وضع کی ایک اعلےٰ درس گاہ قائم کی بعد میں پنجاب راجستھان۔ دہلی۔ یو۔پی، مدھیہ پردیش وغیرہ میں جابجا آریہ سماجی تعلیمی ادارے قائم ہو گئے اور انہوں نے شاندار کام انجام دیا۔

رام کرشن مشن

رام کرشن مشن کے بانی شری رام کرشن پرم ہنس

انیسویں صدی کے مشہور فلاسفر۔ مذہبی رہنما اور خدا پرست بزرگ تھے آپ نے عیسائیت۔ اسلام اور ہندو دھرم کا بغور مطالعہ کیا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچنے کے دنیا کے سب مذہب سچے ہیں رام کرشن مشن کے ذریعے آپ نے سچی خدا پرستی۔ خدمت خلق اور سماجی اصلاح کا کام شروع کیا اس تحریک کے سب سے بڑے کارکن پرم ہنس کے چیلے سوامی وویکانند تھے سوامی وویکانند ایک عالم و فاضل اور اعلےٰ پایہ کے مقرر تھے آپ کی شخصیت اور شیریں گفتاری میں ایک عجیب قسم کی کشش تھی۔ آپ آپ اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے یورپ اور امریکہ بھی گئے اور سب کے دلوں پر ہندوستانی مذہب و تہذیب کی عظمت کا سکہ بٹھا کر آئے آپ پر مغربی تہذیب کا بھی کافی اثر پڑا۔ ہندوستان لوٹ کر آپ نے ملک بھر کے دورے کئے اور اپنے عالمانہ لیکچروں سے لوگوں کی سوئی ہوئی روحوں کو بیدار کرنا شروع کیا سوامی وویکانند ایک بہت بڑے محب وطن بھی تھے آپ ملک کی تہذیب پر بہت نازاں تھے اور سچے دل سے چاہتے تھے کہ ہندوستان بھی دنیا کے دوسرے ملکوں کے شانہ بہ شانہ ترقی کرتا چلا جائے۔

رام کرشن مشن کے خدمت خلق کے ادارے جیسے ہسپتال۔ لائبریریاں محتاج خانے اور بیواؤں کی مدد کے ادارے ملک بھر میں قائم ہوئے اور قحط۔ وباء یا سیلاب کے موقعوں پر مصیبت زدگان کی مدد کے لئے خاص انتظامات کرنے لگے۔

تھیوسافیکل سوسائٹی

۱۸۷۵ء میں نیویارک میں تھیوسافیکل سوسائٹی قائم ہوئی اور ۱۸۷۹ء میں اس کی شاخ ہندوستان میں بھی قائم ہوئی اس سوسائٹی نے ہندوستان اور ایشیا کے مذاہب کے مطالعہ اور سچائی کی تلاش کا جذبہ پیدا کرکے لوگوں میں بہتر روحانی زندگی کو ترقی دینے کی کوشش کی اس سوسائٹی کے خاص خاص اصول یہ تھے۔

سب کو اپنے مذاہب کا پابند رہتے ہوئے دوسرے مذاہب کے لئے رواداری اور ادب کا جذبہ رکھنا چاہیئے ایک خدا میں یقین رکھنا چاہیئے

اور انسانوں میں اونچ نیچ یا دین دھرم کی بنا پر فرق کرنا گناہ سمجھنا چاہیئے اور سب انسانوں میں برادری اور محبت کا رشتہ پیدا کرنا چاہیئے اور سب مذاہب کی سچائیوں کے متعلق لٹریچر شایع کرکے ہندوستان کے پڑھے لکھے لوگوں میں ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔

ان کے علاوہ بھی مغربی تعلیم اور تہذیب و تمدن کے زیر اثر ملک میں سماجی اصلاح اور خدمت خلق کے کئی چھوٹے بڑے ادارے قائم ہوئے جن سے سیاسی بیداری اور قومیت پرستی کے جذبے کو تقویت پہنچی۔

ہند اسلامی اصلاحی تحریکیں

تحریک شاہ ولی اللہؒ:۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں میں ذہنی جمود۔ اقتصادی بدحالی۔ اخلاقی گراوٹ اور سماجی خرابیوں کا دور دورہ ہوگیا۔ اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کے مشہور مذہبی پیشوا حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے مسلمانوں کی مذہبی اور سماجی اصلاح کی تحریک شروع کی۔ آپ کے خاندان میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کرنے کی تلقین کی اور ۱۷۹۳ء میں مشہور فتوٰے یا مذہبی حکمنامہ جاری کیا جس میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے کسی قسم کا تعاون نہ کریں آپ کی کوششوں سے مسلمانوں میں اخلاقی اصلاح اور روحانی ترقی کا شوق پیدا ہوا چنانچہ آپ کے ممتاز شاگرد حضرت سید احمد بریلویؒ اور اُن کے مرید مولانا عبدالحیؒ شاہ اسمعیل شہیدؒ نے ایک زبردست انقلابی تحریک شروع کی جس کا مقصد انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کا سدباب کرکے انھیں ملک سے باہر نکالنا تھا اس کے لئے انہوں نے سرحدی صوبہ اور قبائیلی علاقے میں جہاد کے مرکز بنائے اور پنجاب میں یلغار شروع کی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر ایک خونریز جنگ میں یہ دونوں بزرگ شہید ہوگئے ان کی ساری زندگی مسلمانوں کی مذہبی اور سماجی اصلاح میں گذری اور انہوں نے ایک ایسی جماعت قائم کردی جو مسلمانوں کی اخلاقی بہتری اور ملک کی سیاسی آزادی کی تحریکوں میں پیش پیش رہی۔ آپ نے غیر اسلامی رسموں اور فضول خرچی سے لوگوں کو منع کیا اور بیواؤں کی دوسری شادیوں پر زور دیا اور اسلام

کی سچی پیروی کی تلقین کی ان بزرگوں پر مغربی تعلیم و تہذیب کا کوئی اثر نہ تھا۔

غدر کے زمانے میں حضرت سید احمد بریلوی رح کی جماعت نے ایک بار پھر انگریزوں کے خلاف جہاد شروع کیا چنانچہ اس دور میں انگریزوں نے مسلمانوں پر بڑی سفاکی اور ستم ریزی شروع کردی اور کئی مسلمان رئیس عالم شاعر اور ادیب انگریزوں کے ظلم کا نشانہ بن گئے۔ انگریزوں کو مسلمانوں پر کوئی بھروسہ نہ رہا اور آہستہ آہستہ ملازمت۔ تجارت اور کام کاج کے سب دروازے مسلمانوں پر بند ہونے لگے اور حکومت ہر مسلمان کو باغی سمجھنے لگی اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کے انیسویں صدی کے سب سے بڑے ریفارمر اور ہمدرد رہنما ڈاکٹر سید احمد خان رح نے مذہبی معاشرتی اور تعلیمی اصلاح کا کام شروع کیا جو عام طور پر "علی گڑھ تحریک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تحریک علی گڑھ

ڈاکٹر سر سید احمد خان رح ۱۸۱۷ء میں دہلی کے شریف سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم دہلی میں ہی پائی اور عربی اور فارسی کے بڑے عالم ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت میں محکمہ انصاف میں ملازمت کرلی۔ غدر کے زمانے میں آپ نے انگریز مرد عورتوں اور بچوں کو پناہ دینے اور محفوظ مقامات پر پہنچانے میں بڑا کام کیا اور حکومت انگریزی آپ پر بہت خوش ہوئی۔ آپ کی دور رس نگاہ نے محسوس کرلیا کہ مسلمان اب انگریزی حکومت کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے اور انگریزوں میں مسلمانوں پر عدم اعتماد کا جذبہ مسلمانوں کی اقتصادی تباہی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے اس کے علاوہ انگریزی تعلیم یافتہ طبقے کی بے الوطنی قوم پروری اور توہم پرستی سے بیزاری سے بھی آپ بڑے متاثر ہوئے چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو حکومت سے تعاون کرنے اور انہیں مغربی علوم انگریزی زبان و ادب اور سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے علی گڑھ سے اپنا مشہور رسالہ "تہذیب الاخلاق" نکالا اور مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا ۱۸۷۷ء میں آپ کی کوشش سے محمڈن اینگلو

اورینٹل کالج وجود میں آیا جس میں آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کی طرز پر مغربی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور بہتر سے بہتر انگریز پروفیسر منگوائے گئے یہی کالج بعد میں ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہوا۔ سرسید احمد خان نے بڑی رسموں کی اصلاح۔ تعلیم کی اشاعت اور مغربی علوم کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے لئے ذوق و شوق پیدا کیا اور اس طرح علی گڑھ پورے اسلامی ہند کا سب سے اہم تمدنی اور تعلیمی مرکز بن گیا اس کالج سے ملک کے بڑے بڑے مدبر۔ منتظم اور قومی رہنما پیدا ہوئے جنہوں نے ملک و قوم اور خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کی حالت سدھارنے کے لئے شاندار خدمات انجام دیں ۱۸۹۸ء میں سرسید احمد خان نے انتقال فرمایا اور علی گڑھ کالج کی مسجد کے صحن میں ایک طرف آسودۂ خاک ہو گئے۔

ندوۃ العلماء

سرسید احمد خان کی تحریک کا اثر جن مسلمان علماء اور مذہبی شخصیتوں پر پڑا ان میں مولانا شبلی نعمانیؒ (۱۸۵۷ء — ۱۹۱۴ء) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ مغربی علوم سے واقف تھے اور اسلامی علوم کے ماہر تھے آپ نے روشن دماغ اور ترقی یافتہ مذہبی عالم پیدا کرنے اور مذہبی اصلاح کے لئے کارکن تیار کرنے کے لئے لکھنو میں ندوۃ العلما کی بنیاد رکھی اور مغربی طرز پر اسلامی علوم میں ریسرچ کرنے اور اردو زبان میں مذہبی اور تحقیقی کتابیں شائع کرنے کے لئے اعظم گڑھ (یو۔پی) میں دار المصنفین کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا آپ کی وفات کے بعد آپ کے قابل اور مایہ ناز جانشین مولانا سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی روایات کو تازہ رکھا۔

تحریک دیوبند

لیکن علماء کا ایک بہت بڑا حصہ سرسید احمد خان کی جدت پسندی اور مغربی علوم کی اشاعت کے حق میں نہ تھا اور نہ ہی وہ انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار تھا ان علما نے حضرت مولانا محمد قاسم نانا توویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جیسے بزرگ علماء اور آزادی وطن کے شیدائیوں کی زیر نگرانی دیوبند میں اپنا مرکز قائم کیا اور مذہبی تعلیم کے لئے وہاں ایک شاندار

دارالعلوم قائم کیا جس میں ہندوستان کے علاوہ باہر سے بھی طلباء تعلیم پانے
کے لئے آتے ہیں اور مفت تعلیم کے علاوہ رہنے سہنے۔ کھانے پینے اور پہننے
اور کتابوں کے لئے بھی دارالعلوم ہی کی طرف سے مفت انتظام کیا جاتا
ہے۔ دیوبندی علماء اسلام کی پیروی۔ بُری رسموں کے انسداد اور
پرہیزگاری پر بہت زور دیتے ہیں۔

تحریک احمدیہ

پنجاب میں مرزا غلام احمد قادیانی نے تحریک احمدیہ
شروع کی آپ ۱۸۳۹ء میں ضلع گورداسپور میں
قادیان کے مقام پر پیدا ہوئے آپ نے عربی فارسی کی تعلیم پانے کے بعد
اسلام کا تحقیقی مطالعہ کیا اور اس زمانے کے عیسائی مشنریوں نے اسلام
پر اعتراض کرنے اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی جو تحریک شروع کی تھی
اس کا مقابلہ کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے آپ نے ایک طرف تو اپنے
پیروؤں کو اسلام کے اصولوں کی پیروی کی دعوت دی اور دوسری طرف
اسلام کی اشاعت کے لئے کوشش کی کچھ عرصہ بعد آپ نے اپنے پیغمبر
ہونے کا اعلان کر دیا یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان تحریک احمدیہ کو ایک
جداگانہ مذہب خیال کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے دینی اصلاح اور اشاعت
اسلام کے لئے ہر طرف مرکز قائم کئے اور کچھ ہی دنوں میں آپ کی
تحریک ہندوستان بھر میں پھیل گئی اور پھر افریقہ۔ یورپ۔ انگلستان اور دنیا
کے دیگر ممالک میں بھی آپ کے مشن قائم ہو گئے۔

آپ کی تعلیم یہ تھی کہ سب مذاہب خدا کی طرف سے ہیں مگر اسلام
آخری اور عالمگیر مذہب ہے آپ سمجھتے تھے کہ تلوار اٹھا کر جہاد کرنا
مسلمانوں پر فرض نہیں بلکہ انہیں قلم سے جہاد کرنا چاہیئے اور اسلامی
تعلیمات کی اشاعت کرنا چاہیئے آپ نے ۱۹۰۸ء میں وفات پائی اور
قادیان میں آپ کا مقبرہ بنایا گیا۔

EXERCISE.

1. What have been the most outstanding features of the impact of western power on India ?
2. How do you account for the growth of political consciousness and nationalism among the Indian people ?
3. Describe the chief movements of religious and social reform in India during the 19th century.

باب پنجم

ہندوستان جمہوریت کی شاہراہ پر

الف۔ ۱۹۰۹ء ——— ۱۹۱۹ء
ب۔ ۱۹۱۹ء ——— ۱۹۳۵ء

۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے استعفیٰ دیکر لوٹنے کے بعد لارڈ منٹو ثانی گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا اس کے عہد میں قومی تحریک نے بہت زور پکڑا اور بالآخر حکومت برطانیہ کو آئینی اصلاحات نافذ کرنا پڑیں جو منٹو مارلے اصلاحات یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۰۹ء کے نام سے مشہور ہیں ان اصلاحات سے ہندوستانی حکومت میں جمہوریت کی ابتدا ہوتی ہے۔

سیاسی بیداری اور اصلاحات کا مطالبہ

انیس ویں صدی کے آخر میں مذہبی اصلاح تعلیمی ترقی اور اخلاقی آزادی کے ساتھ ساتھ قوم پرستی اور سیاسی بیداری بھی جنم لے چکی تھی۔ توہم پرستی۔ اندھ وشواس اور معاشرتی بندشوں کے بندھن ٹوٹ رہے تھے اور مغربی تعلیم نے ہندوستانیوں میں اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں لینے کی زبردست خواہش پیدا کر دی تھی چنانچہ سر الفریڈ لائل مشہور انگریز مورخ نے ۱۸۵۹ء میں ہی یہ سوال اٹھایا تھا کہ "ہندوستانیوں کو آزادی کے فائدے سمجھانے اور مغربی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے بعد ہم انہیں کس طرح غلام بنائے رکھ سکتے ہیں ہم انہیں کیسے یقین دلا سکتے ہیں کہ ہم نے جو سب اعلیٰ عہدوں پر قبضہ کر رکھا ہے وہ انہیں کے فائدے کے لئے ہے" ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقہ انگلستان سے اسی جمہوری حکومت کا مطالبہ کرتا تھا جو خود انگلستان

میں جاری تھی وہ ملک کے بھوکے ننگے۔ بے علم اور بیمار ہم وطن ہندوستانیوں کی مصیبت کا سب سے بڑا سبب سیاسی غلامی ہی کو سمجھتے تھے۔

انیسویں صدی کے آخر میں ۷۷-۱۸۷۶ء اور ۹۹-۱۸۹۶ء کے زبردست قحطوں۔ روپے کی قیمت گرنے اور مہنگا بازاری سے ملک میں سخت بے چینی پھیلی ہوئی تھی حکومت ہند نے اس نازک دور میں آزاد تجارت کی پالیسی پر عمل شروع کیا اس سے انگلستانی کارخانہ دار تاجر اور سرمایہ دار تو خوش ہو گئے کیونکہ محصول کی معافی سے ان کی تجارت بر آمد بہت بڑھ گئی لیکن ہندوستانی سرمایہ دار سخت نالاں ہو گئے ان کے کاروبار کو دھکا لگا اور س کا اثر مزدور طبقہ پر بھی پڑا۔

لارڈ رپن کے عہد میں البرٹ بل ایجی ٹیشن سے ہندوستانیوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ عام ہو گیا اور حکومت کی غیر جانب داری اور انصاف پسندی کا بھرم کھل گیا۔ ہندوستانیوں کو یقین ہو گیا کہ حکومت انگریزوں کی سیاسی برتری قائم کرنا چاہتی ہے اس لئے اس قومی غیرت کے سوال نے ہندوستانیوں کو سیاسی طور پر بیدار کرنے میں بڑا کام کیا۔

آخر کار ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی اور بے زبان ہندوستانیوں کو ایک زبان مل گئی۔ کانگریس نے آئین حکومت کی اصلاح کونسلوں میں ہندوستانی ممبروں کے تقرر۔ اعلےٰ عہدوں پر ہندوستانیوں کو مقرر کرنے اور ملک میں ہر قسم کے مذہبی نسلی اور صوبہ پرستی کے تعصبات کو ختم کر کے متحدہ قومیت کے اصولوں پر ملک کے سیاسی استحکام کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ کانگریس نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ ملک سے غربت دور کرنے کی تدبیریں اختیار کی جائیں حکومت کی آمدنی اور خرچ کا انتظام بہتر کیا جائے۔ ہندوستانیوں کے لئے فوجی تربیت اور بڑے عہدوں کے لئے بھرتی کے دروازے کھول دئے جائیں اور ملک کے آئین میں اصلاحات کر کے ہندوستانیوں کو نمایندگی کا حق دیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں قانون ساز کونسلوں کے آئین میں کچھ رد و بدل ہوا لیکن کانگریس کے مطالبات جوں کے توں رہے ابھی تک تو کانگریس صرف تعلیم یافتہ طبقے کی نمایندگی کرتی تھی لیکن ۲۰ ویں

صدی کے آغاز سے اس کا پیغام دور دور تک پہنچنے لگا اور کانگریس نے ایک ہردل عزیز قومی سیاسی جماعت کی شکل اختیار کرنا شروع کی۔

افریقہ میں ہندوستانیوں سے بدسلوکی اور لارڈ کرزن کے عہد میں تقسیم بنگال کے خلاف ایجی ٹیشن سے بھی ملک میں سیاسی بے چینی بڑھ گئی انہی دنوں جاپان نے جنگ منچوریا (۰۵-۱۹۰۴ء) میں روس کو شکست پر شکست دیکر ایشیائی قوموں پر یوروپی قوموں کی برتری کا طلسم توڑ دیا اور سب ایشیائی قوموں اور خصوصاً ہندوستانیوں میں اس سے سیاسی بیداری اور قومی خودداری کا زبردست جذبہ پیدا ہوگیا اور لوگ وطن کی آزادی کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار ہوگئے۔

چنانچہ اس دور میں مہاراشٹر میں بال گنگا دھر تلک۔ پنجاب میں لالہ لاجپت رائے اور بنگال میں بپن چندر پال اور سری آربند گھوش نے انقلابی تحریک کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو تلوار کے زور سے ہندوستان سے چلتا کیا جائے کچھ اعتدال پسند ہندوستانی رہنما آئینی جدوجہد اور تدریجی ترقی کے حامی تھے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے طاقت کے استعمال کو جائز نہ سمجھتے تھے ان میں قابل ذکر دادا بھائی نوروجی۔ بدرالدین طیب جی۔ سریندرناتھ بینرجی اور گوپال کرشن گوکھلے تھے ۱۹۰۶ء میں کانگریس کے اجلاس کلکتہ میں ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری یا سوراج کا مطالبہ کر دیا گیا اب انتہا پسند اور اعتدال پسند کانگریسیوں میں ان بن ہوگئی اور ۱۹۰۷ء کے اجلاس سورت میں انتہا پسند بال گنگا دھر تلک کے جھنڈے تلے کانگریس کو کچھ عرصہ کے لئے خیرباد کہہ آئے۔

سرسید احمد خان کی سلامت روی کی پالیسی کے زیر اثر مسلمان ابھی تک انگریز دشمن سیاسی تحریکوں سے الگ تھلگ تھے۔ تقسیم بنگال سے مشرقی بنگال اور آسام میں ان کی اکثریت ہوگئی تھی اس کے خلاف ایجی ٹیشن سے مسلمانوں میں بے اعتمادی پیدا ہونا شروع ہوئی اور وہ سمجھنے لگے کہ سیاسی تنظیم کے بغیر اپنے حقوق کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ ادھر انڈین نیشنل کانگریس کا زور کرنے اور قومی تحریک کے سیلاب کو روکنے

کے لئے حکومت بھی چاہتی تھی کہ مسلمانوں کو کانگریس سے دُور ہی رکھا جائے چنانچہ ۱۹۰۶ء میں سرکردہ سرمایہ دار۔ جاگیردار اور اونچے طبقہ کے مسلمانوں نے حکومت کے ایما پر مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ مسلم لیگ کے مقاصد ملک کی بہتری اور ترقی کے لئے باقی ہندوستانیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا۔ مسلمانوں کی مشکلات کے حل کے لئے ہندوؤں اور دوسرے فرقوں سے مل جل کر کام کرنا اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے جدوجہد کرنا قرار پائے مسلم لیگ نے صوبائی اور مرکزی کونسلوں میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ نمایندگی کا مطالبہ بھی بڑے شدومد سے کیا۔

۱۹۰۷ء میں بنگال کے محب وطن نوجوانوں نے انقلابی تحریک شروع کی اور ہر طرف توڑ پھوڑ لوٹ مار اور قتل و غارت کی وارداتیں شروع ہو گئیں جس سے برطانوی حکومت کی بنیادیں ہل گئیں۔ حکومت نے پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی پر سخت پابندیاں عاید کر دیں اور انقلابیوں کو سخت سزائیں دیکر تحریک کو دبانے کے لئے پوری طاقت کا استعمال کیا۔

اب حکومت نے مسلمانوں اور اعتدال پسند قومی رہنماؤں کو اپنے اعتماد میں لے کر اُن کی مدد سے انتہا پسند قوم پرستوں اور انقلابی جماعتوں کا زور کم کرنے کی کوشش شروع کی جس کا سب سے اہم نتیجہ منٹو مارلے ریفارم یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۰۹ء کی صورت میں ظاہر ہوا۔

منٹو مارلے اصلاحات

ہندوستان کی بڑھتی ہوئی سیاسی بے چینی کے پیش نظر گورنر جنرل ہند لارڈ منٹو اور وزیر ہند مارلے نے باہمی مشورے سے ہندوستان میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کا فیصلہ کیا اُن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور اعتدال پسند ہندوؤں کو حکومت میں نمایندگی دے کر قومی تحریک آزادی کی طاقت کم کر دی جائے چنانچہ اُنہیں کسی حد تک اس مطلب میں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

۱۹۰۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پاس کر کے ہندوستان میں جمہوری طرز حکومت کا ڈول ڈالا اس ایکٹ کی رُو سے آئین میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں کی گئیں :-

۱- وائسرائے کی مجلس قانون ساز کے ممبروں کی تعداد بڑھا کر ۶۰ کر دی گئی اور اختیارات میں اضافہ کر دیا گیا۔

۲- صوبائی کونسلوں میں غیر سرکاری ممبروں کی تعداد سرکاری اور نامزد ممبروں کی تعداد سے زیادہ کر دی گئی اور کل تعداد پہلے کی نسبت لگ بھگ دگنی کر دی گئی۔

۳- وائسرائے کی کونسل کے ۲۷ ممبروں کا انتخاب خاص خاص جماعتیں مثلاً مسلمان۔ زمیندار وغیرہ اور صوبائی کونسلوں کے غیر سرکاری ممبر کرنے لگے صوبائی کونسلوں میں انتخاب کا اصول مان لیا گیا اور ممبروں کو بجٹ پر بحث کرنے اور سوالات پوچھنے کا حق دیا گیا۔

۴- مسلمانوں کو صوبائی اور مرکزی قانون ساز کونسلوں میں جُداگانہ حق نمایندگی دیا گیا۔

۵- مرکزی اور صوبائی وزارتوں میں ہندوستانی ممبر مقرر ہونے لگے۔

۶- وزیر ہند کی کونسل میں ایک ہندو اور ایک مسلمان ہندوستانی ممبر کا تقرر منظور ہوا۔

۷- ہندوستانی کونسلوں میں اب برطانوی پارلیمنٹ کی طرح کارروائی ہونے لگی اور ہندوستانیوں کو حکومت اور قانون سازی میں کافی حصہ مل گیا گو اب بھی سیاسی اقتدار برطانوی پارلیمنٹ کے ہاتھ ہی تھا تاہم ۱۹۰۹ء کی اصلاحات ذمہ دار اور جمہوری نظام حکومت کی طرف پہلا قدم تھیں اور ان سے ہندوستان میں جمہوریت کا پودا لگایا گیا جو ۴۰ سال بعد پھل پھول کر ایک آزاد جمہوریت کے قیام کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

منٹو مارلے اصلاحات سے محب وطن جمہوریت پسند اور قوم پرست حلقوں کو سخت مایوسی ہوئی اور انہوں نے تقسیم بنگال کی منسوخی برطانوی مال کے بائیکاٹ اور سودیشی کی تحریک اور سوراج کے قیام کے سلسلہ میں

اپنی جد وجہد جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

سیاسی جد وجہد
۱۹۰۹ء ـــــ ۱۹۱۹ء

۱۹۱۰ء میں لارڈ منٹو ثانی کے بعد لارڈ ہارڈنج ثانی (۱۹۱۰ء - ۱۹۱۶ء) گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہوکر آیا۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ ۱۹۱۱ء کا دربار قیصری ہے۔ انگلستان کے بادشاہ جارج پنجم اور ملکہ میری نے دسمبر ۱۹۱۱ء میں ہندوستان آکر اپنی تاجپوشی کا جشن منایا اس موقعہ پر بادشاہ نے ہندوستانی رعایا کو خوش کرنے کے لئے ایک اعلان کیا جس کی رو سے تقسیم بنگال منسوخ کرکے آسام کو چیف کمشنری اور بہار و اڑیسہ و چھوٹا ناگپور کو ملا کر الگ صوبہ بنا دیا۔ ہندوستان کی راجدھانی کلکتہ سے دہلی منتقل کردی لیکن انتہا پسند محب وطنوں کی پھر بھی تسلی نہ ہوئی چنانچہ ۱۹۱۲ء میں انہوں نے لارڈ ہارڈنج ثانی پر بم پھینک کر قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ اپنی خوش قسمتی سے بچ نکلا۔ اسی دور میں مسلمانان ہند میں بھی حب الوطنی اور آزادی کے جذبے نے سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء کی وفادارانہ پالیسی کو چھوڑ کر انگریزی سامراج سے ٹکر لینے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۹۱۲ء میں مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنے اخبار "الہلال" اور البلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو وطنی اور قومی آزادی کے لئے ابھارنا شروع کیا آپ کی تقریروں اور تحریروں نے مردہ دلوں کو زندہ کر دیا اور مسلمانوں میں انگریزی حکومت ختم کرنے کا جذبہ روز بروز جڑ پکڑنے لگا مولانا ابو الکلام آزاد کا یہ تاریخی کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ مسلمانوں نے یورپی قوموں کے اسلامی ممالک میں مظالم کی داستانیں سنیں تو ان میں اسلامی ممالک سے ہمدردی اور یورپین قوموں کی سامراجی چالوں کو ناکام بنانے کا جوش پھیل گیا چنانچہ اٹلی کے طرابلس پر قبضہ اور ترکوں کے خلاف یورپین اقوام کی جنگ بلقان کے دور میں مولانا ابو الکلام آزادؒ۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ۔ مولانا محمد علیؒ۔ مولانا شوکت علیؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے انگریزوں کے خلاف چاروں طرف آگ لگا دی ترکوں کی مدد کے لئے چندے بھیجے گئے اور میڈیکل مشن روانہ کئے گئے ادھر کانگریس میں اعتدال پسند طبقہ بھی مایوس ہوگیا

جنگ عظیم کا اثر

اس سیاسی بے چینی کے دوران میں یورپ میں پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء — ۱۹۱۸ء) شروع ہوگئی۔ انگلستان نے دنیا کی چھوٹی بڑی قوموں کی آزادی اور جمہوریت کے نام پر اس جنگ میں شرکت کی۔ ہندوستانی راجاؤں۔ رئیسوں اور رعایا نے دل کھول کر انگریزوں کی مدد کی لیکن کچھ انتہاپسند ہندو اور مسلمان اب بھی انگریزوں کے مخالف تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ آزادی اور جمہوریت کے بچاؤ کی بجائے انگریز اپنے سامراج کو بچانے کے لئے جنگ میں کود پڑے ہیں چونکہ انگریز ترکی کے خلاف بھی جنگ کر رہے تھے اس لئے مسلمانوں میں خاص طور پر انگریزوں کے خلاف جذبہ ناراضگی پھیل رہا تھا اور علماء دیوبند مثلاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ سید حسین احمد مدنی اور مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لئے کوشش کر رہے تھے کیونکہ سلطان ترکی خلیفۃ المسلمین بھی تھے اور اس لحاظ سے ساری دنیا کے مسلمانوں کے مذہبی پیشوا ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے تھے ان کی سلطنت کی تباہی مسلمانوں کے لئے بڑے غم و غصے کی وجہ تھی پھر بھی ہندوستان نے لاکھوں سپاہی اور کروڑوں روپے دے کر برطانیہ کی مدد کی اور ہندوستانی فوجوں نے فرانس۔ افریقہ۔ عراق وغیرہ میں شاندار فتوحات حاصل کیں لیکن لڑائی طول پکڑتی گئی اور لوگوں کا جوش بھی ٹھنڈا پڑتا گیا۔ ادھر قومی رہنماؤں نے موقعہ غنیمت جان کر آزادی کی تحریک اور تیز کر دی۔ ۱۹۱۵ میں کانگریس کے اجلاس بمبئی میں لارڈ سنہا نے صدارتی تقریر میں ہندوستان میں حکومت خود اختیاری یا سوراج کا مطالبہ کر دیا اور ملک میں جمہوری حکومت کے قیام پر زور دیا ادھر مسز اینی بیسنٹ نے سب محب وطن آزادی خواہوں کا متحدہ محاذ قائم کرکے ہوم رول لیگ کی بنیاد ڈال دی ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنج کی جگہ لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہو کر آئے لارڈ چیمسفورڈ کے عہد حکومت میں قومی تحریک آزادی نے ایک نئی کروٹ لی اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ مسٹر محمد علی جناح۔ مسز اینی بیسنٹ۔ بال گنگا دھر تلک۔ اور دوسرے قومی رہنماؤں کی کوششوں سے کانگریس اور لیگ میں ایک تاریخی سمجھوتہ ہوگیا جسے لکھنؤ پیکٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مسٹر محمد علی جناح نے جو کانگریس کے ایک نہایت ممتاز لیڈر بھی تھے اور مسلم لیگ کے صدر بھی اعلان کر دیا کہ مسلم لیگ کا نصب العین ہندوستان کے لئے آزاد حکومت خود اختیاری حاصل کرنا ہے اس اعلان نے کانگریس اور لیگ کے مل کر ملک کی آزادی کی جنگ لڑنے کی راہ ہموار کر دی۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور لیگ کے مشترکہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے جس میں لکھنؤ پیکٹ طے ہوا جس کی رو سے مسلم لیگ نے آزادی ہندوستان کی تحریک میں حصہ لینے کا وعدہ کیا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے جداگانہ حق نمایندگی و انتخاب کو تسلیم کر لیا اور کئی صوبوں میں انہیں آبادی کی نسبت سے کچھ زیادہ نمایندگی دینے کا وعدہ بھی کیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اس اتحاد سے قومی تحریک بہت مضبوط ہو گئی ہندوستانیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انگریزی حکومت کے اوسان خطا ہونے لگے انہی دنوں مولانا ابو الکلام آزاد اور مسز اینی بیسنٹ کی گرفتاری اور نظر بندی پر ملک بھر میں طوفان برپا ہو گیا اور مجبور ہو کر برطانوی وزیر ہند مسٹر مانٹیگو کو ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء میں ایک اہم اعلان کرنا پڑا جس میں کہا گیا کہ ہندوستانیوں کو حکومت کے ہر شعبہ میں پہلے سے زیادہ حصہ لینے کا انتظام کیا جائے گا حکومت برطانیہ کا منشا یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو آہستہ آہستہ اس قابل کر دیا جائے کہ وہ حکومت خود اختیاری کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں اور اپنے ملک کی حکومت میں حصہ لے سکیں اگلے سال مسٹر مانٹیگو وزیر ہند ہندوستان آئے اور لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے کے مشورہ سے آئینی اصلاحات کی ایک نئی اسکیم بنائی جسے مانٹیگو چیمسفورڈ یا مانٹ فورڈ اسکیم کہا جاتا ہے اس اسکیم کے اصولوں پر ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کا نیا آئین تیار کیا گیا جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے نام سے نافذ ہوا۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات

۱۹۱۹ء

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء سے ہندوستان کے آئین میں مزید اصلاحات کیں اور ملک کے آئین میں ذمہ دار نظام حکومت کے اصول کو ابتدائی صورت میں تسلیم کر لیا اور ایک لحاظ سے حکومت برطانیہ نے ہندوستانی قومیت کی ترقی کے پیش نظر ہندوستانی حکومت میں شریک کرنا منظور کر لیا۔ نئے آئین کی رُو سے مرکزی مجلس قانون ساز کے دو ایوان بنائے گئے ایک کونسل آف اسٹیٹ اور دوسرا لیجسلیٹو اسمبلی کونسل آف اسٹیٹ میں کل ۶۰ ممبر ہوتے تھے جن میں سے ۳۴ منتخب اور باقی نامزد ہوتے تھے نامزد ممبروں میں ۲۰ سرکاری ملازم ہوتے تھے کونسل کا صدر حکومت خود مقرر کرتی تھی۔ لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبروں کی تعداد ۱۴۵ ہوتی تھی جن میں سے ایک سو چار منتخب اور باقی نامزد ممبر ہوتے تھے نامزد ممبروں میں ۲۶ سرکاری ملازم ہوتے تھے لیجسلیٹو اسمبلی کے صدر اور نائب صدر کا انتخاب اسمبلی کے ممبر کیا کرتے تھے عام طور پر اسمبلی کی میعاد تین برس ہوتی تھی لیکن گورنر جنرل کو اس میں توسیع کرنے کا اختیار تھا ممبروں کے انتخاب میں مسلمانوں۔ انگریزوں اور اینگلو انڈین لوگوں کو جداگانہ حق نمائندگی و انتخاب حاصل تھا پنجاب کے سکھوں اور بمبئی اور مدراس میں پسماندہ قوموں کو بھی یہ حق دیا گیا تھا۔

کونسل آف اسٹیٹ اور لیجسلیٹو اسمبلی کو قانون بنانے کے مزید اختیارات سونپے گئے اور بجٹ پر بحث کرنے اور ووٹ دینے کا حق بھی دیا گیا لیکن اگر یہ ایوان کسی مطالبہ زر کو نامنظور کر دیں اور گورنر جنرل اسے ضروری سمجھتا ہو تو اُسے اس مطالبہ زر کو منظور کرنے کے لئے خاص اختیارات دے گئے تھے۔

(۲) صوبائی حکومتوں میں "ڈائیارکی" (DYARCHY) یا دوعملی حکومت قائم کی گئی اس نظام کے تحت حکومت کے محکمے مخصوص اور غیر مخصوص (RESERVED AND UNRESERVED) دو حصوں میں بانٹے گئے چنانچہ عوامی بھلائی کے محکمے مثلاً تعلیم۔ زراعت۔ حفظان صحت۔ رفاہ عامہ وغیرہ کے غیر مخصوص محکمے عوامی وزیروں کے سپرد کئے گئے جو

اپنے محکموں کے لئے صوبائی اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے اور مخصوص محکمہ جات مثلاً قانون و انتظام۔ پولیس۔ جیل اور مالیات وغیرہ گورنر کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں کے سپرد ہوئے جنہیں گورنر مقرر کرتا تھا اور وہ اُسی کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے صوبائی قانون ساز مجلسوں میں منتخب ممبروں کا تناسب بڑھا کر ۷۰ فی صدی کر دیا گیا اور قرار پایا کہ آئندہ نامزد ممبروں میں ۴۰ سے زیادہ سرکاری ملازم نہ لئے جائیں گے اس طرح صوبوں میں جزوی طور پر ذمہ دار نظام حکومت اور جمہوریت کی بنیاد ڈال دی گئی لیکن ابھی تک اصل طاقت انگریزی سامراج کے ہاتھ میں تھی اور ملک آزادی کی منزل سے بہت دور نظر آتا تھا ملکی رہنماؤں اور سیاسی انجمنوں میں ان اصلاحات سے مایوسی پھیل گئی اور حکومت برطانیہ کے قوموں کی آزادی کے تحفظ صرف ہاتھی کے دانت ثابت ہوئے چنانچہ اب قومی رہنماؤں نے مہاتما گاندھی کی قیادت میں قومی آزادی کی تحریک کو پھر زور و شور سے زندہ کرنے کے لئے محاذ قائم کر دیا۔

سیاسی جدوجہد کا نیا دور
۱۹۱۹ء —————— ۱۹۳۵ء

ایک طرف تو انگریزی حکومت سیاسی بے چینی کو آئینی اصلاحات سے ٹھنڈا کرنے کے فکر میں تھی اور دوسری طرف قومی تحریک کے مقابلہ کے لئے قانونی سخت گیری کی تیاری کر رہی تھی چنانچہ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کی سفارشات کے ساتھ ہی رولٹ کمیٹی نے سیاسی تحریکوں کو دبانے کے لئے سفارشات کیں۔ جن کے مطابق رولٹ ایکٹ تیار کیا گیا جس کی رو سے سرکاری حکام کو سیاسی جرائم کے دبانے کے لئے خاص اختیارات دیئے گئے اس قانون کی مخالفت میں ملک میں چاروں طرف آگ سی لگ گئی انڈین نیشنل کانگریس اور مہاتما گاندھی نے اس قانون کی مخالفت میں ایک کل ہند تحریک شروع کر دی۔ چنانچہ کئی لوگ محب وطن لوگوں اور انگریزی حکومت میں ٹکریں ہوئیں پنجاب کے کچھ اضلاع میں مارشل لاء عاید کر دیا گیا امرت سر میں لوگ احتجاجی جلسہ کرنے کے لئے جلیانوالہ باغ میں جمع ہو گئے۔ جنرل ڈائر کے اشارے پر یہاں فوج نے نہتے عوام

گولیاں برسانا شروع کر دیں اور پونے چار سو آدمی جان سے مار دئے اور بارہ سو کے لگ بھگ گھائل کر دئے کچھ دیر بعد ایک ایسے ہی محب وطن ہجوم پر ہوائی جہازوں سے گولہ باری کی گئی اور کئی جگہ مشین گنوں سے عوام کے سینے چھلنی کئے گئے ان سفاکانہ اقدام کے بعد حکومت کی اصلاحات کی کون حمایت کر سکتا تھا چنانچہ تو گاندھی جی نے کچھ عرصہ کے لئے تحریک کو روک دیا اور حکومت نے تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا تاکہ اس کشت و خون کے مجرم کو سزا دی جائے لیکن سیاسی جدوجہد اب ایک نئے دور میں داخل ہو چکی تھی اور محب وطن لوگ انگریزی حکومت کو جڑ سے اکھیڑنے کے لئے کمربستہ ہو رہے تھے۔

تحریک عدم تعاون

ملک کے اعتدال پسند لبرل لیڈروں نے نئی اصلاحات کا خیر مقدم کیا اور وہ انہیں بروئے کار لانے پر تیار ہو گئے تاکہ ہندوستان کے لوگ جزوی جمہوری طریقہ حکومت کو کامیاب طور پر چلا کر ملک میں مکمل جمہوری حکومت قائم کرنے کے لئے اپنی اہلیت دنیا پر واضح کر دیں اور اس طرح آزادی کی منزل کے اور قریب آ سکیں لیکن کانگریس ان اصلاحات سے قطعاً مطمئن نہ تھی ادھر ہندوستانی مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف سخت ناراضگی پھیلی ہوئی تھی کیونکہ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء — ۱۹۱۸ء) میں ترکی کے ساتھ انگریزوں نے بڑی بدسلوکی کی تھی۔ سلطان ترکی کو مسلمان اپنا خلیفہ مانتے تھے اس لئے خلافت کے تحفظ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار تھے عام ہندوستانیوں میں پنجاب کے مارشل لاء کے مظالم نے سخت تشویش پھیلا رکھی تھی چنانچہ مہاتما گاندھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی اور علمائے دیوبند نے پورے اتحاد و اتفاق سے قومی تحریک کو چلانے کے لئے ایک مشترکہ سیاسی پروگرام طے کیا تاکہ پنجاب کے مظالم کی تلافی خلافت اسلامیہ کے تحفظ اور ہندوستان کی آزادی کے حصول کے لئے برطانوی سامراج سے ایک فیصلہ کن ٹکر لی جائے۔ گاندھی جی اس قومی جدوجہد کے روح رواں تھے انہوں نے عدم تشدد کے اصول پر ستیاگرہ یا سول نافرمانی

اور نان کوآپریشن یا عدم تعاون کا طریقہ تجویز کیا جسے قومی رہنماؤں نے منظور کر لیا اور انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا خلافت کمیٹی نے اس پروگرام کی منظوری دے دی۔ ملک میں ہر طرف قومی رضا کار بھرتی ہونے لگے اور تحریک کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے لئے سوراج فنڈ قائم کیا گیا جس میں لوگ دل کھول کر چندہ دینے لگے۔

کانگریس اور خلافت کمیٹی کی مخالفت کے باوجود نئے آئین کے تحت انتخابات ہوئے اور صوبوں میں لبرل اور آزاد امیدواروں کے تعاون سے نئی حکومتیں قائم ہوئیں جن میں غیر مخصوص یا منتقلہ شعبے ہندوستانی وزیروں کے سپرد کر دئے گئے اُدھر عدم تعاون کی تحریک پر عدم ادائیگی سرکاری ٹیکس۔ اسکولوں۔ کالجوں اور عدالتوں کا بائیکاٹ اور بدیشی مال کی فروخت پر پکٹنگ ہونا شروع ہو گیا اور سودیشی مال استعمال کرنے پر زور دیا جانے لگا تاکہ برطانوی سرمایہ داروں پر چوٹ پڑ سکے اس تحریک سے سارے ملک میں کھلبلی مچ گئی کئی جگہ لوگ حکومت کے خلاف بھڑک کر تشدد پر اُتر آئے چنانچہ جب چورا چوری (اُتر پردیش) میں لوگوں نے پولیس پر حملہ کر کے تھانہ نذر آتش کر دیا اور مالابار میں موپلا مسلمانوں نے کھلی بغاوت کر دی تو گاندھی جی کو یقین ہو گیا کہ لوگوں کو عدم تشدد کے اصول پر کام کرنے کا سلیقہ نہیں اور چونکہ اُن کی تحریک کا بنیادی اصول تھا اس لئے انہوں نے تحریک ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے انہیں اور کئی دوسرے محب وطن رہنماؤں کو بغاوت کے جرم میں قید کر لیا۔ اب ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ پڑنا شروع ہو گئی اُدھر ترکی میں مصطفٰے کمال پاشا نے سلطان ترکی کی سلطنت کا تختہ اُلٹ کر انقلابی حکومت قائم کر لی اور خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا اس سے خلافت کی تحریک بے جان ہو گئی۔ ۱۹۲۳ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس ہوا کانگریس کے رہنماؤں میں پنڈت موتی لعل نہرو اور چترنجن داس اس بات کے حق میں تھے انتخابات میں حصہ لے کر اسمبلیوں کے اندر قومی مطالبات منظور کروانے اور حکومت کو نیچا دکھانے کی کوشش کی جائے

انہوں نے اپنی ایک پارٹی سوراج پارٹی کے نام سے بنائی۔ گاندھی جی کانگریس میں پھوٹ کے خطرہ سے بے چین تھے آخر مولانا ابوالکلام آزاد کے تدبر سے یہ اختلاف دور ہوا اور کانگریس نے پنڈت موتی لعل اور چترنجن داس کا پروگرام منظور کر لیا لیکن جو لوگ اسمبلیوں کے باہر رہ کر قومی تحریک چلانے کے حق میں تھے انہیں اپنے طرز عمل کو جاری رکھنے کی اجازت بھی دے دی۔ سوراج پارٹی نے اب انتخابات میں حصہ لیا اور گو وہ صوبوں میں اکثریت حاصل نہ کر سکی پھر بھی انہوں نے کافی سیٹیں جیتیں اور اسمبلیوں کے اندر قومی محاذ قائم کر دیا اور یہ مطالبہ شروع کیا کہ ہندوستان میں دیگر برطانوی ڈومینیوں کینیڈا۔ جنوبی افریقہ آسٹریلیا وغیرہ کی طرح ذمہ دار جمہوری نظام حکومت قائم کیا جائے چنانچہ انگریزی حکومت نے سوراج پارٹی کے مطالبات سے مجبور ہوکر ۱۹۲۴ء میں مڈیمین کمیٹی مقرر کی تاکہ ہندوستان میں جمہوری طرز حکومت کے قیام کے امکانات کا جائزہ کیا جا سکے لیکن اس کمیٹی کی رپورٹ کا کوئی تسلی بخش نتیجہ نہ نکلا۔

سائمن کمیشن اور گول میز کانفرنسیں

۱۹۲۷ء

۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۶ء تک لارڈ ریڈنگ ہندوستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے رہا۔ وہ ایک نہایت چالاک اور سخت گیر حاکم تھا اس کے عہد میں قومی تحریک کو سختی سے کچلنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی اور سیاسی بے چینی کی آگ گو بظاہر دب گئی لیکن اندر ہی اندر سلگتی رہی ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۸ء تک ملک کے مختلف حصوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی فسادوں سے قومی تحریک کو سخت دھکا لگا۔ ہندو فرقہ پرستوں نے شدھی اور سنگٹھن کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں میں ہندوؤں کے متعلق بے اعتمادی اور اپنے سیاسی تحفظ کا جذبہ بڑھنے لگا۔ دونوں میں صلح کروانے کی سب کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ ۱۹۲۷ء میں حکومت برطانیہ نے سائمن کمیشن مقرر کیا۔ کیونکہ ۱۹۱۹ء کی آئینی اصلاحات کے مطابق ہر دس سال کے بعد مزید آئینی اصلاحات کے نفاذ کے امکانات کی تحقیق کا قاعدہ لیا گیا تھا اس

کمیشن کے صدر مشہور انگریز قانون دان سر جان سائمن تھا اور اس کے سب رکن انگریز تھے جن کے تقرر میں ہندوستانیوں کی رضامندی حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی تھی چنانچہ ہندوستانیوں نے اسے قومی توہین جان کر اس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ لبرل پارٹی انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ سب نے تعاون سے قطعی انکار کر دیا اور ایک بار پھر یہ امید پیدا ہو گئی کہ سب ہندوستانی ایک مشترکہ قومی محاذ پر جمع ہو کر بدیشی سامراج کے مقابلہ پر ڈٹ جائیں گے اسی عرصہ میں لارڈ اروِن گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہو کر ہندوستان آ چکا تھا اور اس کی شرافت اور ملنساری کی وجہ سے سیاسی فضا قدرے بہتر ہو چکی تھی۔

سائمن کمیشن کے تقرر کے جواب میں ہندوستان کی سب سیاسی پارٹیوں نے پنڈت موتی لعل نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر کی، تاکہ آئینی مسائل پر غور کر کے ایسی تجاویز مرتب کی جائیں جو سب فرقوں اور طبقوں کے لئے قابل قبول ہوں۔ اس کمیٹی کی رپورٹ جو نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہے ملک میں قبول عام حاصل نہ کر سکی اور قومی اختلافات کی خلیج اور وسیع ہوتی چلی گئی اسی عرصہ میں مسٹر محمد علی جناح نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے چودہ نکاتی پروگرام بنایا جو بعد میں مطالبہ قیام پاکستان کی شکل اختیار کر گیا۔ اعتدال پسند مسلمانوں نے سر آغا خاں کی قیادت میں مسلم کانفرنس کے نام سے ایک جماعت کھڑی کر دی ادھر ہندوؤں میں آل انڈیا مہا سبھا نے ہندوؤں کے سنگٹھن اور مسلمانوں کو زیادہ سیاسی رعائتیں دینے کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔

سر جان سائمن نے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے چند سرکار پرست ممبروں کے تعاون سے ملک کا دورہ کیا اور جا بجا اس کا استقبال کی سیاہ جھنڈیوں سے کیا گیا ۱۹۲۸ء میں سر ہارکورٹ بٹلر کی صدارت میں ایک اور کمیٹی مقرر ہوئی تاکہ آئندہ آئینی اصلاحات میں برطانوی سلطنت اور دیسی ریاستوں کے تعلقات پر غور کر سکے ان دونوں کمیشنوں نے

اپنی رپورٹیں تیار کر کے برطانوی حکومت کے سامنے پیش کر دیں۔ سائمن کمیشن کی مخالفت اور فرقہ وارانہ منافرت سے ملک میں شورش نے پکے قدم جمالئے تھے انڈین نیشنل کانگریس گاندھی جی کی قیادت میں بڑے پیمانے پر سول نافرمانی کی تیاریاں کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ انگریزی حکومت غیر مشروط طور پر ذمہ دار جمہوری نظام حکومت قائم کرنے کا وعدہ کرلے ۱۹۲۹ء میں لاہور کے اجلاس میں آل انڈیا نیشنل کانگریس نے پنڈت جواہر لعل نہرو کی صدارت میں آزادی کامل کا مطالبہ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ اگر حکومت برطانیہ نے ایک سال کے اندر اندر ہندوستان کو درجہ نو آبادیات (DOMINION STATUS) نہ دیا تو وہ آزادی کامل یا پورن سوراجیہ کے لئے میدان عمل میں کود پڑیں گے۔ سائمن کمیشن کی سفارشات شائع ہونے سے پہلے ہی لارڈ اروِن وائسرائے ہند نے اعلان کر دیا کہ ہندوستان کے آئندہ آئین کی تشکیل کے لئے سوچ بچار کرنے کے لئے نومبر ۱۹۳۰ء میں ایک گول میز کانفرنس (ROUNDTABLE CONFERENCE) ہوگی جس میں حکومت کے نمائندوں۔ چیدہ قومی رہنماؤں۔ ہندوستانی راجاؤں اور نوابوں کے نمائندوں اور بااثر زمینداروں اور جاگیرداروں کو شامل ہونے کی دعوت دی جائے گی لیکن گاندھی جی اس اعلان سے متاثر نہ ہوئے اور کانگریس نے اس گول میز کانفرنس کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک حکومت واضح طور پر ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا وعدہ نہ کرے اس قسم کی مجلسوں میں شامل ہونے سے ملک کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اب گاندھی جی نے سول نافرمانی اور پرامن قانون شکنی کی تحریک شروع کی اور مارچ ۱۹۳۰ء میں احمد آباد سے ساحل سمندر کی طرف مارچ شروع کیا اور قانون کے خلاف نمک بنایا۔ یہ تحریک ملک بھر میں پھیل گئی اور گاندھی جی اور دیگر محب وطن قومی رہنماؤں کو حکومت نے گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا۔ اسی مکدر سیاسی فضا میں لندن میں پہلی گول میز کانفرنس ہوئی اور اس نے ابتدائی کام کامیابی سے سرانجام دیا۔ اب

لارڈ اردن نے گاندھی جی کو دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت پر آمادہ کر لیا اور کانگریس اور حکومت میں ایک سمجھوتہ ہو گیا۔ جسے "گاندھی اردن پیکٹ" کہتے ہیں چنانچہ گاندھی جی اپنے ساتھیوں سمیت رہا کر دئیے گئے سول نافرمانی بند کر دی گئی اور گاندھی جی نے کانگریس کی طرف سے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت قبول کر لی یہ لارڈ اردن کا ایک شاندار کارنامہ سمجھا جاتا ہے ۱۹۳۱ء میں لارڈ اردن کی جگہ لارڈ ولنگڈن وائسرائے اور گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔

لارڈ ولنگڈن کے عہد میں قومی تحریک آزادی دیسی ریاستوں میں بھی پھیلنی شروع ہو گئی چنانچہ ۱۹۳۱ء میں ریاست جموں و کشمیر میں مہاراجہ ہری سنگھ کی شخصی حکومت کے خلاف ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کے لئے جناب شیخ محمد عبداللہ۔ جناب بخشی غلام محمد۔ جناب غلام محمد صادق۔ جناب مرزا افضل بیگ۔ راجہ محمد اکبر خان۔ چودری غلام عباس خان اور مولانا محمد سعید مسعودی کی قیادت میں ایک تحریک کی بنیاد پڑی۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اس تحریک کو باغیانہ سمجھ کر سختی سے کچلنے کی کوشش کی تو ہندوستانی قوم پرست مسلم تنظیم آل انڈیا مجلس احرار نے جتھے بھیج بھیجکر اس تحریک کی حمایت میں سارے پنجاب اور ہندوستان میں کشمیریوں کے حق میں آواز بلند کی ۲۵ ہزار کے قریب رضاکار قید ہو گئے بالآخر مہاراجہ ہری سنگھ کی درخواست پر لارڈ ولنگڈن نے کشمیر آرڈی نینس نافذ کر کے ریاست میں جتھے بھیجنے بند کروائے اور ریاست میں امن بحال کرنے کے لئے گورہ فوج روانہ کی گئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے آئینی اصلاحات کے لئے سفارشات مقرر کرنے کے لئے گلانسی کمیشن مقرر کیا جس نے عوام کے مطالبات کو جزوی طور پر منظور کر لیا اور ریاست میں ایک نمایندہ مجلس قانون ساز پرجا سبھا کے نام سے بنائی گئی جسے محدود اختیارات دئیے گئے لیکن عوام مطمئن نہ ہو سکے اور آزادی کی جنگ جاری رہی ۱۹۳۵ء میں ریاستی لوگوں کی سیاسی تنظیم کے لئے پنڈت جواہر لعل نہرو

کی قیادت میں آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس بنائی گئی اور ریاست جموں وکشمیر اور انڈین نیشنل کانگریس کے رہنماؤں میں تعاون و دوستی کی بنیاد پڑ گئی اور بارہ برس کے اندر اندر ریاست میں شخصی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ستمبر ۱۹۳۱ء میں لندن میں دوسری گول میز کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کانگریس کے نمائندے کی حیثیت سے گاندھی جی نے شرکت کی اس کانفرنس میں سب سے اہم مسئلہ ہندوستان کی مختلف قوموں اور طبقوں کی نمائندگی تھا کانگریس مخلوط انتخاب کی حامی تھی لیکن کئی دوسری جماعتیں جداگانہ انتخاب اور فرقہ دارانہ مفادات و حقوق کی آئینی ضمانت کی حامی تھیں ہندوستانی راجے اور نواب بھی اپنے مفادات کا آئینی تحفظ چاہتے تھے۔ گاندھی جی نے اس کانفرنس کی فضا سے بھانپ لیا کہ انگریزی سامراج کی نیت صاف نہیں اور وہ "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر چل رہی ہے اس لئے وہ واپس ہندوستان لوٹ آئے اور تحریک سول نافرمانی کو پھر شروع کرنے کی تیاریوں میں لگ گئے لیکن حکومت نے انہیں ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے پھر جیل میں ڈال دیا دوسری گول میز کانفرنس میں جب ہندوستانی نمائندے کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے تو وزیر اعظم برطانیہ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے اپنا مشہور اعلان کیا کہ اگر ہندوستانی کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے تو نمائندگی کے اصول کے مسئلے کا حل حکومت برطانیہ خود کر دے گی چنانچہ اس کے مطابق حکومت برطانیہ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا جو "کمیونل ایوارڈ" (COMMUNAL AWARD) کے نام سے مشہور ہے اس کی رو سے مسلمانوں۔ سکھوں۔ عیسائیوں۔ اینگلو انڈین اور ہندوستان کے یوروپین باشندوں کو جداگانہ حق نمائندگی و انتخاب دیا گیا اور اچھوتوں کو بھی اعلیٰ ذات کے ہندوؤں سے الگ حق نمائندگی دیا گیا۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور اچھوتوں کی اس تفریق پر گاندھی جی نے سخت احتجاج کیا اور جب اس کا کچھ اثر نہ نکلا تو انہوں نے ہندوؤں اور اچھوتوں کے اتحاد کے لئے برت رکھ لیا اس سے ملک میں ہیجان برپا



LORD READING
Viceroy and Governor-General, 1921-26



LORD CURZON (1899-1905)



LORD MOUNTBATTEN
oy and Governor-General, 1946-47
ernor-General of the Indian Dominion



LORD IRWIN (LATER LORD HALIFAX
Viceroy and Governor-General, 1926-31

ہو گیا اور آخر کار انگریزی حکومت اور گاندھی کے درمیان ایک سمجھوتہ طے ہوا۔ جسے "پونا پیکٹ" کہا جاتا ہے اس کی رو سے اچھوتوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ ہر نشست کے لئے وہ چار اُمیدوار منتخب کریں اور بعد میں ان چاروں میں سے اعلیٰ ذات کے ہندو اور اچھوت ایک کو اپنے ووٹوں سے منتخب کر لیں اس طرح اچھوتوں کا حق نمائندگی بھی محفوظ ہو گیا اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کا گلہ بھی جاتا رہا۔

۱۹۳۲ء میں لندن میں تیسری گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں مختصر غور و خوض کے بعد حکومت برطانیہ نے ہندوستان کے لئے آئندہ آئینی اصلاحات کے متعلق اپنی تجاویز ایک وائٹ پیپر یا قرطاس البیض کی صورت میں شائع کر دیں اس کے بعد برطانوی پارلیمنٹ نے لارڈ لنلتھگو کی صدارت میں ایک جائنٹ کمیٹی مقرر کی تاکہ آئینی اصلاحات کو قانونی شکل دینے کے متعلق سفارشات کرے اس کمیٹی میں ہندوستانی ممبر بھی بلوائے گئے مگر انہیں بحث میں حصہ لینے کی تو اجازت تھی لیکن وہ نہ تو ووٹ دے سکتے تھے اور نہ آخری سفارشات پر دستخط کرنے کے حق دار تھے اس کمیٹی نے نومبر ۱۹۳۴ء میں اپنی رپورٹ پیش کر دی اور اس کی بنیاد پر فروری ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا بل پیش ہوا برطانوی پارلیمنٹ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا مسودہ قانون تھا جو پارلیمنٹ میں پیش ہوا چند مہینوں کی لگاتار کوشش سے یہ بل منظور ہو کر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کہلایا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء

۱۹۳۶ء میں لارڈ ولنگڈن کے بعد لارڈ لنلتھگو گورنر جنرل و وائسرائے مقرر ہو کر آئے آپ ایک امن پسند اور مذہبی

قسم کے حاکم تھے زراعت اور مویشی پالنے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ اور ہندوستانی سیاسی مسایل سے پوری طرح آگاہ تھے۔ حکومت برطانیہ نے نئی اصلاحات کے اجرا کے لئے آپ ہی کو مناسب مدبر سمجھکر ہندوستان بھیجا آپ نے ۱۹۳۶ء میں ان اصلاحات کے ایک حصے کے نفاذ کا اعلان کیا لیکن دوسرے حصے کے نفاذ کی کبھی نوبت نہ آئی۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہندوستان کے آئین کے چیدہ چیدہ اصول اور خدوخال درج ذیل ہیں:۔

اس ایکٹ کے تحت ہندوستان کے لئے ایک وفاقی (FEDERAL) نظام حکومت تجویز کیا گیا تھا جس میں برطانوی ہند کے صوبوں اور دیسی ریاستوں کو شامل ہونا تھا اس آئین میں ذمہ دار نظام حکومت۔ جداگانہ حق نمایندگی و انتخاب اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے اصول تسلیم کر لئے گئے مرکزی حکومت میں دوعملی یا ڈائیارکی (DYARCHY) اور صوبوں میں صوبجاتی آزادی اور مکمل ذمہ دار جمہوری نظام حکومت اس کے خاص اور نمایاں خدوخال تھے۔

اس ایکٹ کی رو سے سندھ کو بمبئی سے اور اڑلیسہ کو بہار سے جدا کر کے نئے صوبے بنادئے گئے اور برما کو ہندوستان سے الگ کر کے علیحدہ نو آبادی بنا دیا گیا۔ دہلی۔ اجمیر مارواڑ۔ کورگ۔ انڈیمان اور بلوچستان ایجنسی میں چیف کمشنر مقرر ہونے قرار پائے جو براہ راست مرکزی حکومت کی نگرانی میں تھے

ہندوستان میں ایک وفاقی یا فیڈرل حکومت کے قیام کے لئے برطانوی ہند کے صوبوں کے لئے تو وفاق یا فیڈریشن میں شامل ہونا لازمی تھا لیکن دیسی ریاستوں کو الحاق کرنے نہ کرنے کی اجازت تھی اور آئین میں شرط لگا دی گئی تھی کہ جب تک آبادی کے لحاظ سے آدھی دیسی ریاستیں بخوشی فیڈریشن میں شامل ہونے کا اقرار نہ کریں گی۔ فیڈرل یا وفاقی مرکزی حکومت کے متعلق آئین کا حصہ نافذ العمل نہ ہوگا تب تک پرانی وضع کی مرکزی حکومت ہی کام کرتی رہے گی چنانچہ آئین کے اس حصہ کے نافذ ہونے کی نوبت ہی نہ آئی۔

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت صوبوں میں صوبائی حکومتیں قائم ہوئیں۔
محکمہ جات کی تقسیم کے لئے آئین میں مرکزی۔ صوبائی اور مشترک محکموں کی فہرستیں بھی دے دی گئی تھیں صوبوں کو مرکزی حکومت کی آمدنی سے حصہ دینے کی تجویز بھی کی گئی تھی اور ملک کی مالی انتظام کے لئے ایک ریزرو بنک اور محکمہ انصاف کی سب سے بڑی عدالت فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے قیام کے لئے بھی آئینی دفعات رکھی گئی تھیں۔
۱۹۳۶ء میں صوبوں میں دو عملی حکومت کا خاتمہ کر کے مکمل ذمہ دار جمہوری حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا اور آئین کا یہ حصہ نافذ کر دیا گیا صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں میں سے گورنر چیف منسٹر اور وزیروں کو مقرر کرنے لگے مگر یہ وزیر اب اسمبلی کی اکثریت رکھنے والی پارٹی سے چنے جانے لگے اور گورنر کی بجائے اسمبلیوں کے سامنے جواب دہ ہونے تھے وزیر اعلےٰ اب صوبائی انتظام کا افسر اعلےٰ ہونا اور گورنر ایک آئینی حکمران کی حیثیت میں اس کے کام میں دخل دینے کا مجاز نہ تھا البتہ خاص حالات میں گورنر کو خصوصی اختیارات استعمال کرنے کا آئینی حق حاصل تھا۔
برطانوی ہند کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ میں۔ ایک اور چھ میں دو ایوانوں کی قانون ساز اسمبلیاں بنائی گئی تھیں ان اسمبلیوں کے ممبروں میں اضافہ کر دیا گیا تھا اور لوتھیان کمیٹی کی سفارشوں کے مطابق تقریباً ۳ کروڑ رائے دہندگان کو کثرت آرا سے نمایندے منتخب کرنے کا حق دیا گیا تھا اس طرح ہندوستان کی بالغ آبادی کے $\frac{1}{4}$ حصے کو ووٹ کا حق مل گیا تھا عورتوں کو بھی مردوں کے ساتھ مساوی شرائط پر ووٹ دینے کا حق دیا گیا تھا سب صوبوں میں مسلمانوں۔ پنجاب میں سکھوں۔ مدراس میں عیسائیوں اور بنگال میں یوروپین باشندوں کو خاص حق نیابت (SPECIAL REPRESENTATION) دیا گیا اس سے ہندوستان میں غیر مذہبی جمہوری روایات کے پھلنے پھولنے میں سخت رخنہ اندازی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔
صوبوں کی لیجسلیٹو اسمبلیوں کی میعاد پانچ سال مقرر ہوئی۔ لیجسلیٹو

کونسلوں کو مستقل حیثیت دیکر شرط یہ رکھی گئی کہ اس کے ۱/۳ ممبر ہر تین سالوں کے بعد ریٹائر ہوجایا کریں۔ لیجسلیٹو اسمبلیوں کے سب ممبر منتخب ہوا کرتے تھے اور ان میں جمہوری روایات کے مطابق ذمہ دار وزارتیں قائم ہوتی تھیں جنہیں صوبجاتی نظام میں مکمل خود اختیاری حاصل ہوتی تھی۔

ہر ایک صوبہ میں سرکاری ملازمتوں میں بھرتی کے لئے ایک پبلک سروس کمیشن مقرر ہوئی جو قابلیت کی بنیاد پر ملازمتوں میں بھرتی کی سفارشیں کرنے لگی۔

نئے آئین کے تحت وزیر ہند کا عہدہ تو بحال رہا لیکن اُس کی کونسل کا خاتمہ کر دیا گیا اس کے بدلے وزیر ہند کے چھ مشیر مقرر کر دیئے گئے اُن کے عہدے کی میعاد پانچ سال مقرر کی گئی اور اُن کی تنخواہیں بھی برطانوی خزانہ سے بٹنے لگیں۔

ہندوستانی حکومت کے نمایندے کی حیثیت سے ایک ہائی کمشنر کا تقرر ہونے لگا جو گورنر جنرل کی ہدایات کے مطابق کام کرتا تھا۔ ان اصلاحات میں کئی خوبیاں بھی تھیں اور کئی نقائص بھی۔ اس آئین میں مرکزی وفاقی حکومت کے قیام پر دیسی راجاؤں اور نوابوں کی رضامندی کی شرط لگانا سراسر جمہوریت کشی تھی۔ چنانچہ اس جمہور دشمن گروہ کی سرد مہری کی وجہ سے مرکزی وفاقی حکومت سے متعلق حصہ آئین بے آئی موت مرگیا اس سے فرقہ دارانہ کشمکش میں ایک اور نیا جھمیلا آن پڑا اور قوم پرست طاقتوں کو سخت دھکا لگا اس آئین میں فرقہ دارانہ نیابت (COMMUNAL REPRESENTATION) کے اصول کو تسلیم کر کے ملک کی تقسیم کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا تھا اور ملک میں ایک متحدہ قوم پرست معاشرے کی نشو و نما ناممکن بنا دی گئی تھی مذہبی اکثریت اور مذہبی اقلیت کا تصور آپس کے بھروسے کی کمی اور تمدنی و تہذیبی غلامی کے خطرے نے ملک کو تقسیم سے بچانا ناممکن کر دیا۔ نئے آئین سے ہندوستان کو درجہ نو آبادیات (DOMINION STATUS) حاصل نہ ہوا مرکزی میں حکومت برطانیہ کی بالادستی بحال رکھ کے مکمل جمہوری

اور ذمہ دار حکومت کا قیام غیر ممکن بنا دیا گیا۔
ان نقائص کے باوجود ۱۹۳۵ء کا آئین استبدادیت (DESPOTISM)
اور جمہوریت کے درمیان ایک اہم کڑی تھی درحقیقت اس میں ہندوستان
کی آزادی کی کھیتی بو دی گئی تھی اور جمہوریت کا پودا لگا دیا گیا
تھا جو بارہ برس بعد ہی جمہوریہ ہند کی صورت میں ایک تناور درخت
بن گیا اس آئین نے ملک میں جمہوریت کے قیام کے لئے خونیں انقلاب
کی ضرورت باقی نہ رکھی اور حکومت برطانیہ کی آزادی ہند کے لئے
مخلصانہ کوششوں کا دروازہ کھول دیا اور بالآخر حکومت برطانیہ
نے خوشی خوشی ہندوستان کی کامل آزادی تسلیم کر کے ہند و انگلستان
کی دوستی کا ایک نیا باب کھول دیا۔

EXERCISE.

1. Describe briefly the Minto Morley reforms of 1909.
2. Describe in outline the Montagu Chelmsford reforms of 1919.
3. What do you know about the constitutional changes brought about by the Govt of India Act 1935.
4. Write notes on :—
   Non-cooperation movement, Simon Commission, the roundtable conferences, civil disobedience movement of 1931, the Kashmir ordinance, the Communal Award.

باب ششم

ہندوستان کی آزادی

۱۹۳۵ء ——— ۱۹۴۷ء

۱۹۳۵ء کے بعد قومی جدوجہد

۱۹۳۶ء میں لارڈ لنلتھگو گورنر جنرل اور وائسرائے ہند مقرر ہو کر آئے۔ آپ اس سے قبل ہندوستان کے شاہی زراعتی کمیشن کے صدر اور ہندوستانی آئین تیار کرنے والی برطانوی جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے صدر رہ چکے تھے اور ہندوستان کے معاملے سے پوری طرح آگاہ تھے آپ کی خواہش تھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کو اپنے عہد حکومت میں کامیابی سے نافذ کر سکیں آپ کی اس میں جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔ لارڈ زٹلینڈ وزیر ہند تھے اور قبل ازیں بنگال کے گورنر رہ چکے تھے ہندوستان کے چیف جسٹس سر مارس گائر نے خود ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کا مسودہ تیار کیا تھا ان مدبروں نے نئی اصلاحات کے نافذ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اعتدال پسند اور آزاد لیڈروں نے ان اصلاحات کا گرم جوشی سے استقبال کیا لیکن قوم پرست کانگریسی رہنماؤں نے اس ایکٹ پر سخت اور کڑی نکتہ چینی کی اور اسے ناقابل قبول قرار دے دیا تاہم صوبائی نظام حکومت کو چند شرائط پر چلانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا اور یہ اُمید پیدا ہو گئی کہ شاید پھر ہندو اور مسلمان ۱۹۱۶ء کے لکھنؤ پیکٹ کے زمانے کی طرح مل جل کر کام کرنے

پر تیار ہو جائیں ۱۹۳۵ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں کانگریس نے ۱۰۰ منتخب شدہ سیٹوں میں سے ۴۴ کا انتخاب جیت لیا اور کم سے کم ہندو حلقوں نے انتخاب میں اپنی مقبولیت کا سکہ جما دیا۔

ان حالات میں لارڈ لنلتھگو نے نئی اصلاحات نافذ کرنے کے لئے دیسی راجاؤں اور نوابوں سے الحاق کے متعلق گفت و شنید شروع کی۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۹ء تک جاری رہا جب دوسری جنگ عظیم پھوٹ پڑی اور ملکی سیاست نے ایسی کروٹ لی کہ ہندوستانی راجے نواب اپنی مستقبل کے تحفظ کے لئے سخت پریشان ہو گئے اس طرح مرکزی وفاقی نظام کے قیام کا سنہری موقع ایسا ہاتھ سے نکلا اور پھر نہ مل سکا۔

صوبوں میں عوامی حکومتیں

فروری ۱۹۳۷ء میں سب صوبوں میں نئی اصلاحات کے تحت انتخاب ہوئے جن میں پانچ صوبوں میں کانگریس کو اکثریت حاصل ہو گئی بمبئی میں بھی کانگریس مخلوط پارٹی کو اکثریت کی حمایت حاصل تھی شمال مغربی سرحدی صوبہ میں خان عبدالغفار خان کی سرخ پوش جماعت خدائی خدمت گاروں کو اکثریت حاصل ہوئی یہ جماعت کانگریس کے پروگرام کی حامی تھی البتہ بنگال اور کانگریس اقلیت میں رہی بنگال میں ابوالقاسم فضل الحق کی مخلوط وزارت اور پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے رہنما سر سکندر حیات خان کی وزارت برسر اقتدار آئی۔ یونینسٹ پارٹی ملک بھر میں کانگریس کے سوا ایک غیر فرقہ وارانہ سیاسی جماعت تھی اس میں بڑے بڑے ہندو اور مسلمان زمیندار شامل تھے ہندو زمینداروں کے بڑے لیڈر سر چھوٹو رام بھی (۳۰) میں شامل تھے۔ سر سکندر حیات خان اور اُن کے بعد سر خضر حیات خان ٹوانہ کی رہنمائی میں یونینسٹ پارٹی ۹ برس تک پنجاب کی حکومت چلاتی رہی۔

انتخابات کے بعد ایک اور الجھن پیدا ہو گئی۔ کانگریس نے یہ مطالبہ کر دیا کہ حکومت سنبھالنے سے پہلے انہیں اس بات کی یقین دہانی دلائی جائے کہ آئینی معاملات میں گورنر اپنی وزارتوں کی رائے رد کرنے کے لئے اپنے اختیارات خصوصی استعمال نہ کریں گے ظاہر ہے کہ حکومت

برطانیہ اپنے گورنروں کے ہاتھ پیر باندھنے پر رضامند نہ ہو سکتی تھی اور کانگریس بھی حکومت پر قبضہ کرنا چاہتی تھی اس لئے صلح کا راستہ نکل آیا اور گورنر جنرل کے تشریحی اعلان کے بعد جولائی ۱۹۳۷ء میں سات صوبوں میں کانگریسی وزارتیں برسر اقتدار آگئیں اور سارے ہندوستان میں صوبائی خود مختاری اور جمہوری نظام حکومت بخوبی چلنے لگا۔

یہ عوامی وزارتیں دوسری جنگ عظیم کے آثار تک لگ بھگ دو برس تک قائم رہیں اور ایک دو کے سوا سب بڑی مضبوط ثابت ہوئیں اور ان کے کام سے کانگریسی رہنماؤں اور مدبروں کی سیاست دانی اور تدبر کا ملک میں دبدبہ بیٹھ گیا۔ مدراس کے وزیر اعلیٰ چکرورتی راج گوپال اچاری کانگریسی مدبروں میں سب سے نمایاں تھے اسی طرح یو۔ پی کے وزیر اعلیٰ گووند بلبھ پنت اور بمبئی کے بی۔ جے کھیر بھی انتظامی قابلیت اور سیاست دانی میں بڑے نامور تھے ملک میں امن وامان فرقہ وارانہ صلح وآشتی قائم رہی۔ اور انتظامی کام بخوبی انجام پاتے رہے۔ کانگریسی پبلک لیڈروں کو نظام حکومت میں دخل دینے کی اجازت نہ دی گئی اور کانگریسی وزیروں نے کانگریسی کارکنوں کو آئینی طور طریقوں کی پابندی کی تربیت دی ملک کی بہتری کے لئے گاندھی جی کے تعلیمی منصوبے کے اجرا اور نشہ بندی جیسے مفید عام اقدام بھی اٹھائے گئے اور کانگریسی وزیروں اور گورنروں میں باہمی اعتماد اور تعاون بنا رہا اور ان کے تعلقات بہت خوشگوار رہے مرکزی حکومت میں کانگریس مخالف پارٹی کی حیثیت سے حکومت کی نکتہ چین رہی اور مرکز میں ذمہ دار جمہوری حکومت کے قیام کے لئے جدوجہد کرتی رہی کانگریس کے چوٹی کے لیڈر وزارتوں سے اب بھی الگ تھے اور قومی رہنمائی اور کانگریسی وزارتوں کے کام کی دیکھ ریکھ کے لئے انہوں نے کانگریس ہائی کمانڈ قائم کر لی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کانگریس ورکنگ کمیٹی نے قومی پارلیمنٹ کیبنٹ کی حیثیت اختیار کر لی جہاں ملکی سیاست کے اعلیٰ فیصلے ہوتے اور صوبوں میں کانگریسی حکومتوں کے ذریعے

انہیں عملی جامہ پہنایا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ کانگریس ہائی کمانڈ اور

مرکزی حکومت کی ٹکر کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا کانگریس میں سب سے
با اثر ہستی گاندھی جی کی تھی جو کانگریس کے باقاعدہ عہدہ دار اور ممبر
بھی نہ تھے لیکن ساری قوم کے لئے کانگریس کی روح رواں تھے کسانوں
کے لئے گاندھی جی کانگریس تھے اور کانگریس گاندھی جی۔ نوجوان طبقہ کے
اور کسانوں کے محبوب رہنما پنڈت جواہر لعل نہرو تھے آپ شروع سے
سرمایہ داری کے خلاف سوشلزم اور مجلسی اصلاح کے حامی فرقہ پرستی
کے مخالف قوم پرست اور جمہوریت پرور مشہور تھے پڑھے لکھے طبقہ پر
آپ کا بہت زیادہ اثر تھا اس زمانہ میں بھی آپ کی قربانی۔ ایثار۔ بے
لوث خدمت کا جذبہ اور صاف گوئی ایسی تھی کہ لوگ آپ کو گاندھی جی
کا سچا چیلہ اور جانشین تصور کرتے تھے پرانی وضع کے طبقہ کی نمایندگی
ڈاکٹر راجندر پرشاد کرتے تھے مغربی ہند کے سرمایہ دار اور قومی جد و
جہد میں سرگرم حصہ لینے والے طبقہ کے نمایندے سردار ولبھ بھائی
پٹیل تھے اور غریبوں کے حامی اور سرمایہ داری کے مخالف طبقہ کے
محبوب رہنما نیتا جی سبھاش چندر بوس تھے۔

۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک کانگریس نے ملک میں اپنی حکومتیں
قائم کرکے اپنا دبدبہ قائم کر لیا اور کانگریس کے اعلےٰ رہنماؤں نے
سارے ملک میں اپنا جماعتی نظم و ضبط پوری طرح قائم کر دیا۔ اب
کانگریس نے ہندوستان کی سب قوموں کی متحدہ نمایندگی کا دعویٰ
بھی شروع کر دیا اس لئے جن صوبوں میں کانگریسی اراکین اسمبلی اکثریت
میں تھے وہاں دوسری فرقہ دارانہ جماعتوں سے اشتراک عمل کرکے ملی
جلی حکومتیں قائم کرنے کے لئے کانگریس تیار نہ تھی یہ چیز مسلم لیگ کے
رہنماؤں کے لئے سخت ناخوشگوار تھی اور اسی وجہ سے مسلم لیگ نے
ہندوستان کی آزادی کا مقصد مسلمانوں کے لئے انگریزوں اور ہندو
غلبہ سے مخلصی حاصل کرنا قرار دیا اور ملک میں فرقہ پرستی کی زبردست
لہر دوڑ گئی۔

پھوٹ کا دور

مسلمانوں کی سیاسی علیحدگی کی بنیاد دراصل
مارلے منٹو ریفارم میں فرقہ دارانہ اصول

نمایندگی سے پڑ چکی تھی جسے بد قسمتی سے کانگریس نے لکھنو پیکٹ میں تسلیم کر کے مسلمانوں کی جداگانہ سیاست کو اور تقویت دے دی۔ اس کے بعد تحریک خلافت نے بھی مسلمانوں میں اپنی الگ سیاسی حیثیت قائم کرنے کے جذبے کو تقویت دی۔ مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارم کے بعد جمہوری حکومتوں کی داغ بیل پڑنے لگی تو مسلمانوں کو ہندوؤں کے سیاسی غلبے کا خوف پیدا ہونا شروع ہوا چنانچہ ۱۹۲۲ء کے بعد ہندو مسلم اختلافات کی خلیج بڑھتی ہی چلی گئی نہرو کمیٹی رپورٹ کے موقعہ پر مسٹر محمد علی جناح نے اپنے چودہ نکات بیان کر کے مسلمانوں کی سیاست کا رُخ الٹ دیا اور ۱۹۳۰ء میں شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مسلم اکثریت کے وفاق کا تصور پیدا کیا جسے چوہدری رحمت علی نے ۱۹۳۳ء میں پاکستان کے قیام کی تجویز کی شکل دی اور بمبئی کے ایک سابق قومی رہنما اور کانگریس کے سرکردہ رکن مسٹر محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں نئی زندگی کی روح پھونک کر اس کی قیادت سنبھالی ۱۹۳۷ء کے انتخابات مسٹر جناح نے کانگریس کے ساتھ ملی جلی یا کولیشن وزارتوں کے قیام کے اصول اور اُمید پر لڑے چنانچہ اس زمانے آپ نے ایک تقریر میں فرمایا تھا" لیگ اور کانگریس میں کوئی خاص فرق نہیں ہم کانگریس کے تعمیری کاموں میں ہمیشہ بخوشی تعاون کرتے رہیں گے" لیکن بعد میں ہندوستانی سیاست میں ایک نہایت تلخ دَور شروع ہوا۔ جب کانگریس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کا نمایندہ مان کر حکومت میں حصہ دینے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا تو مسلم لیگ لیڈرشپ حزب مخالف کی حیثیت سے مقابلہ پر آگئی مسٹر جناح نے اب مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے نام پر ہر جگہ کانگریس کی سخت مخالفت شروع کر دی اور کانگریس کو ایک ہندو نواز جماعت کے رنگ میں پیش کر کے کوسنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ مسلمانوں میں دو قومی نظریہ کو ہر دلعزیز بنانا شروع کر دیا جس سے مراد یہ تھی کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں جو مذہب۔ تمدن۔ تاریخی روایات زبان اور ثقافتی لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس لئے دونوں کا مل جل کر رہنا

ناممکن ہے یہ نظریہ کانگریس کے متحدہ قومیت کے اصول پر ایک شدید حملہ تھا اور دونوں نظریے ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھے کہ کانگریس اور لیگ میں مفاہمت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی یہاں تک اکتوبر ۱۹۳۹ء میں جب کانگریس نے جنگ کے سوال پر وزارتوں سے استعفے دیئے تو مسلم لیگ نے سارے ہندوستان میں یوم نجات منایا اور ۱۹۴۰ء میں اپنے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر لاہور میں پاکستان کا قیام اپنا نصب العین بنالیا۔

ہندوستان اور دوسری جنگ عظیم

(۱۹۳۹ء ——— ۱۹۴۵ء)

جرمنی کے ڈکٹیٹر ہر ہٹلر نے ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۹ء تک جرمنی کی جنگی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کیا اور موقعہ پاتے ہی آسٹریا اور اس کے بعد چیکوسلوواکیہ پر قبضہ کر لیا اور ستمبر ۱۹۳۹ء میں پولینڈ پر دھاوا بول دیا ادھر اٹلی کے ڈکٹیٹر سائنور میسولینی نے ۱۹۳۶ء میں ابے سینیا پر حملہ کر کے شمالی افریقہ میں اپنی سلطنت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ ہٹلر اور میسولینی نے پوری طرح متحد ہو کر ساری دنیا پر چھا جانے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ آخر مجبور ہو کر انگلستان اور فرانس نے جمہوریت اور آزادی کے نام پر اعلان جنگ کر دیا اور ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی جرمنی کی فوجوں نے فرانس پر حملہ کر کے فرانسیسی فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ انگریز بھی خوف سے کانپ رہے تھے لیکن انہوں نے حوصلہ نہ ہارا اور مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ فرانس کی فتح کے بعد بحیرہ بالٹک کی نواحی ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد جون ۱۹۴۱ء میں روس پر یورش کر دی اب جاپان نے بھی جرمنی اور اٹلی کی حمایت میں اعلان جنگ کر دیا اور مشرق بعید میں انگریزی فرانسیسی اور ڈچ نو آبادیوں کو تحس نحس کر کے انڈونیشیا۔ ملایا اور برما تک اپنا جھنڈا لہرا دیا۔ امریکہ اور روس بھی اب جرمنی اور اٹلی کے مقابلہ پر آ گئے اور ساری دنیا جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی۔

ہندوستان کے لوگ دل سے جمہوریت اور آزادی کے حامی تھے قدرتی

طور پر اُن کی ہمدردیاں اتحادیوں کے ساتھ تھیں لیکن وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کی جنگ میں شمولیت کا سوال ہندوستانیوں سے پوچھ کر طے کیا جائے لیکن اس کے باوجود کہ انگریزوں نے جمہوریت اور آزادی کے تحفظ کا دعویٰ کرکے تلوار اٹھائی تھی وائسرائے نے ہندوستانیوں سے ایک محکوم قوم کا سا سلوک کرکے ہندوستانی نمائندوں سے پوچھے بنا ہندوستان کی طرف سے اعلان جنگ کر دیا اس سے ہندوستان کی قومی خودداری کو سخت دھکا لگا۔ ہندوستان کی دولت اور آدمی برطانوی سامراج کی قربان گاہ کی نذر ہونے لگے اور ملک میں ہر طرف پریشانی پھیلا کر ملک کو کنگال کر دیا۔ ہندوستانی سپاہیوں نے جان پر کھیل کر فرانس۔ اٹلی۔ سوڈان۔ سمالی لینڈ۔ ایری ٹیریا۔ شام۔ عراق۔ برما۔ انڈونیشیا۔ ملایا غرض ہر جگہ دشمن کا مقابلہ کیا اور ایک عالم پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیا۔ مشرقی محاذ جنگ کی ساری سپلائی ہندوستان سے جاتی تھی اس سے ہندوستانی صنعتوں کو کافی فائدہ پہنچا۔

اس صورت حالات میں کانگریس نے خودداری کے تقاضا کے مطابق سارے صوبوں میں وزارتوں سے استعفےٰ دے دیا لارڈ لنلتھگو نے جنگ میں برطانیہ کی مدد کے لئے ہندوستان میں جنگی سامان تیار کرنے کا انتظام کیا فوجوں کی تعداد ایک لاکھ پچھتر ہزار سے بڑھا کر ۲۰ لاکھ کر دی اور ہندوستانیوں کو کھلے دل سے حکومت کا ہاتھ بٹانے کی ترغیب دینے کے ۸ اگست ۱۹۴۰ء میں "اگست کی تجویز" پیش کی جس میں ایک طرف تو ہندوستانیوں سے آزادی کا وعدہ کیا گیا اور دوسری طرف اقلیتوں کو یقین دلایا کہ اُن کی مرضی کے بغیر اختیارات حکومت منتقل کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے گا اس کی وجہ سے مسلم لیگ کے ہاتھ اور مضبوط ہو گئے اور وہ زیادہ دم خم سے کانگریس کے مقابلہ پر ڈٹ گئی اب حکومت ہند پر پورے مشرق وسطیٰ کے تحفظ کا بار آن پڑا اور ہندوستان میں کاروبار جنگی ٹھیکوں، سپلائی کے ٹھیکے اور طرح طرح کے [illegible] سے

قیمتیں بڑھنی شروع ہو گئی اور ہر طرف مہنگائی کی ہاہاکار ہونی شروع ہو گئی ۱۹۴۲ء میں مشرق بعید کی صورت حال اور نازک ہو گئی اور جاپان ہندوستان کی مشرقی سرحد اور کچھ بنگال میں ڈنڈنانے لگا اپریل ۱۹۴۲ء میں ویساکھا پٹم کی بندرگاہ پر جاپانی جہازوں نے بم باری کی تو سارے ملک میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی برطانیہ اور امریکہ نے ہندوستان میں جا بجا جنگی ادارے قائم کرنے شروع کر دئے اسی دوران میں ملک میں مہنگائی اور قحط نے سر نکالا اور ۱۹۴۳ء میں بنگال میں شدید قحط سے ایک خوف ناک صورت حال پیدا ہو گئی کیونکہ جنگی ناکہ بندی کی وجہ سے دوسرے ملکوں سے اناج فراہم کرنا ممکن نہ تھا۔ ہر طرف سیاہ دل سرمایہ دار چور بازاری سے ہاتھ رنگ رہے تھے اور غریب بنگالی بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہے تھے آخر نئے وائسرائے لارڈ ویول نے خوراک کا مسئلہ حل کرنے کے لئے خوراک کی فراہمی اور تقسیم کا پورا کام فوج کے حوالہ کر دیا۔

انقلاب اگست ۱۹۴۲ء

جنوبی مشرقی ایشیا میں جاپانیوں کی حیرت انگیز کامیابیوں سے برطانوی سامراج کے چھکے چھوٹ گئے اور انہیں ہندوستان ہاتھ سے جاتا دکھائی دینے لگا۔ ہندوستانیوں کی دلجوئی اب ضروری نظر آئی تو حکومت برطانیہ نے ۱۱ مارچ ۱۹۴۲ء کو کیبنٹ کے ممبر سر اسٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجنے کا اعلان کیا چنانچہ سر اسٹیفورڈ کرپس نے ہندوستان آکر ہندوستانی رہنماؤں کے سامنے اپنی تجاویز پیش کیں جو "کرپس آفر" کے نام سے مشہور ہیں اس تجویز کے مطابق حکومت برطانیہ نے ہندوستان کو دولت مشترکہ میں ایک آزاد مملکت تسلیم کرنے کا وعدہ کیا اور کانگریس کے اس مطالبہ کو بھی تسلیم کر لیا کہ ہندوستان کا آئندہ آئین وضع کرنے کے لئے ایک مجلس آئین ساز کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ ہندوستانی وفاق میں ہندوستانی ریاستوں کے شامل ہونے کی تجویز بھی تسلیم کر لی گئی یہ

بھی شرط رکھی گئی کہ ہندوستان کا کوئی صوبہ اگر الگ ہونا چاہے تو اس کی [illegible] لیکن حکومت ہند کے ڈھانچہ میں فوری

رد و بدل اور ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کی تجویز پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔
کانگریس مُصر تھی کہ ہندوستان کو ایک آزاد حکومت کا درجہ دیا جائے تاکہ
وہ ایک باعزت اور خود مختار قوم کی حیثیت میں جنگ میں شامل ہو حکومت
برطانیہ اس کے لئے تیار نہ ہو سکی۔ اور یہ مفید تجویز بحث و مباحثہ کی حد
سے آگے نہ بڑھ سکی کانگریس نے گاندھی جی کی رہنمائی میں ہندوستان
چھوڑ دو کا انقلابی نعرہ لگایا اور ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو گاندھی جی اپنے
رفقاء کے ہمراہ گرفتار کر لئے گئے۔ اُدھر جاپان نے اتحادیوں کو پے در پے
شکستیں دے کر برما پر قبضہ جما لیا۔ انگریزوں نے بنگال میں نیم فوجی
حکومت قائم کر کے مکانوں۔ کھیتوں۔ کشتیوں اور خوراک کے ذخیروں پر
جبریہ قبضہ کر لیا ہر طرف بے چینی اور بد امنی کا دورہ ہو گیا۔ لوگ
کرو یا مرو کا نعرہ لگا کر قومی جد و جہد میں کود پڑے۔ جا بجا سرکاری
دفتر۔ ریلوے اسٹیشن۔ ڈاک خانے آگ کی نذر کر دئیے گئے۔ سرکاری افسر
اور پولیس کے سپاہی مارے گئے۔ کئی محب وطنوں کو پھانسی کے پھندے
گلوں میں ڈالنے پڑے جائدادوں کی ضبطی اور جرمانوں کی بھرمار شروع
ہو گئی اور سارا ملک انقلاب کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا ۱۹۴۳ء میں
حکومت برطانیہ نے اپنے تجربہ کار جنگی سردار فیلڈ مارشل ویول کو ہندوستان
کا وائسرائے مقرر کر کے بھیجا اُدھر انگریزوں کی خوش قسمتی سے جنگ
کا پانسہ پلٹنے لگا جرمنی اور محوری طاقتوں (AXIS POWERS) اٹلی
اور جاپان کی شکست کے آثار نمایاں ہو گئے اور اتحادیوں کی حالت سدھرنے
لگی اور انگریزوں کو پوری فتح کی اُمید بندھ گئی۔ ہندوستان میں امن و
امان بحال کرنے اور محب وطن رہنماؤں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے حکومت
برطانیہ کے وزیر ہند مسٹر ایمری نے ۱۴ جون ۱۹۴۳ء کو پارلیمنٹ میں ایک
اعلان کیا اس کی رُو سے تجویز ہوا کہ وائسرائے کی کونسل یا مجلس انتظامیہ
کو از سر نو منظم کر کے کمانڈر انچیف کے بغیر سب ہندوستانی ممبر مقرر
کئے جائیں اور کانگریس اور مسلم لیگ کو شمولیت کی دعوت دی جائے چنانچہ
قومی رہنما رہا کر دئیے گئے اور کانگریس اور مسلم لیگ کو مجوزہ مجلس انتظامیہ
کے لئے اپنے نمایندے نامزد کرنے کی دعوت دی گئی اور کانگریس کے صدر

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے کانگریس کی طرف سے ہندو اور مسلمان
نمایندوں کے نام پیش کئے لیکن مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح مرحوم
نے کانگریس کے نامزد مسلمان نمایندوں کی شمولیت کی سخت مخالفت کی
اور دعویٰ کیا کہ ہندی مسلمانوں کی نمایندگی کا استحقاق صرف مسلم لیگ
کو پہنچتا ہے اسی دوران میں کانگریس اور مسلم لیگ کی مفاہمت کی سب
کوششیں ناکام رہیں اسی دوران میں لارڈ ویول نے امن و امان
بحال کرنے اور بنگال کے قحط اور بے چینی کے مسایل کامیابی سے حل
کئے اور اُدھر یورپ اور ایشیا میں اتحادیوں کی فتح نے انگریزوں کی
پوزیشن کو اور مضبوط کر دیا۔

آزادیٔ ہند کی تیاریاں

۱۹۴۵ء میں برطانیہ میں عام انتخاب
ہوئے اور لیبر پارٹی کنزرویٹو یا
قدامت پرست پارٹی کو شکست دے کر مسٹر اٹیلی کی سربراہی میں اپنی
حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی لیکن اس حکومت کو گھریلو اور بیرونی
خطرناک مسائل درپیش تھے انگلستان انتہائی مالی مشکلات میں مبتلا تھا
اور وہاں کی تجارت و صنعت کا دیوالہ پٹ چکا تھا اُدھر ہندوستان میں
لوگ انگریزی سامراج کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے یہاں تک کہ
ہندوستانی فوج پر بھی بھروسہ مشکل نظر آرہا تھا۔ نیتا جی سبھاش چندر بوس کی
آزاد ہند فوج میں ۹۰ ہزار ہندوستانی سپاہی شامل ہوکر ایک دفعہ
وطن کی آزادی کی جنگ لڑتے لڑتے مشرقی ہندوستان تک پہنچ
چکے تھے گو انہیں کامیابی نہ ہوئی تاہم اُن کے کارناموں سے ہندوستانیوں
میں آزادی کی ایک نئی لہر دوڑ چکی تھی ان حالات کو سامنے رکھ کر
لیبر حکومت نے ہندوستان آزاد کرنے کا تہیہ کر لیا اور ہندوستان
میں نئے انتخابات کا حکم دے دیا گیا۔ انتخابات میں کانگریس نے لگ بھگ
سب صوبوں میں ہندو حلقوں میں پوری کامیابی حاصل کی صوبہ سرحد میں
بھی کانگریس کو اکثریت حاصل ہو گئی اور اتر پردیش۔ صوبہ وسط ہند۔
بہار اور آسام کی کئی مسلم سیٹوں پر بھی کانگریسی امیدوار کامیاب
ہوئے لیکن بنگال۔ سندھ اور پنجاب میں کانگریس اکثریت حاصل نہ

کر سکی۔ مسلم لیگ نے بھی مسلم سیٹوں کے لئے انتخاب لڑ کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ سندھ اور بنگال میں مسلم لیگ اور پنجاب میں زمینداروں کی یونینسٹ پارٹی اور باقی صوبوں میں کانگریسی وزارتیں برسر اقتدار آگئیں۔

کیبنٹ مشن حکومت برطانیہ نے مارچ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن بھیجا جس میں سر اسٹیفورڈ کرپس۔ مسٹر اے۔ وی۔ الیگزینڈر اور لارڈ پیتھک لارنس شامل تھے تاکہ ہندوستانی رہنماؤں سے مل کر یہ ہندوستان کی سیاسی گتھی کو سلجھا سکیں اس مشن کی دعوت پر مئی ۱۹۴۶ء میں شملہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں سے گفت و شنید شروع ہوئی لیکن یہ لمبی چوڑی بحثیں کسی کام نہ آئیں۔ مشن نے تجویز پیش کی تھی کہ سارے ہندوستان کا ایک وفاق یا یونین قائم کی جائے جس میں خارجی تعلقات۔ دفاع قومی اور رسل و رسائل مرکز کے ماتحت ہوں اور باقی امور میں صوبے خود مختار ہوں اس یونین میں ہندوستانی ریاستیں بھی شامل ہوں۔ صوبوں کو منطقہ وار حکومتیں قائم کرنے اور دس سال کے بعد اگر وہ چاہیں تو مرکز سے الگ ہونے کا اختیار بھی ہو اس اصول پر ملک کو اپنی نمایندہ مجلس آئین ساز قائم کرنے کا اختیار ہو اور نیا آئین وضع ہونے تک ملک میں ایک عبوری حکومت (INTERIM GOVT.) قائم کی جائے اس تجویز سے مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت بھی ہو سکتی تھی اور ملک کی وحدت بھی قائم رہ سکتی تھی اس تجویز سے کانگریس اور مسلم لیگ کی مفاہمت کی نئی راہ کھل گئی لیکن مفاہمت کی اُمید اُمید ہی رہی۔

نئی مجلس انتظامیہ یا وزارت میں کانگریس اور مسلم لیگ مساوی نمایندگی کے اصول پر شامل ہونے پر تیار ہو گئیں لیکن کانگریس اپنے نمایندوں میں ایک مسلمان کو شامل کرنے پر مصر تھی تاکہ اس کے متحدہ قومیت کے اصول اور قومی نمایندگی حیثیت ثابت ہو سکے لیکن مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی حیثیت تسلیم کروانے پر مصر تھی چنانچہ اسی نزاع کی وجہ سے مفاہمت میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

آخر کار کیبنٹ مشن نے اپنی تجاویز کا اعلان کر دیا اور سب جماعتوں

نے کافی بحث و مباحثہ کے بعد ان تجاویز کو تسلیم کر لیا اور ہندوستان کی مجلس آئین ساز کا انتخاب ہوگیا ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء میں ملک میں عبوری حکومت قائم کی گئی اور پنڈت جواہر لعل نہرو اس حکومت کے سربراہ یا وزیر اعظم مقرر ہوئے کچھ عرصہ بعد لارڈ دیول کی کوششوں سے مسلم لیگ نے بھی مسٹر لیاقت علی خان مرحوم کی قیادت میں شمولیت منظور کر لی لیکن کانگریس اور مسلم لیگ کے تعلقات کشیدہ ہی رہے۔ بہار میں ہندو فسادیوں اور بنگال میں مسلمان فسادیوں کی سفاکیوں سے ہزاروں بے گناہ موت کے گھاٹ اتر گئے اور ہندوستان کی وحدت قائم رکھنے کی کوششیں اس طوفان کشت و خون میں غرق ہوگئیں۔

دسمبر ۱۹۴۶ء میں مجلس آئین ساز کا اجلاس شروع ہوا تو مسلم لیگ نے اس کا بائیکاٹ کر دیا اگلے سال کے شروع میں بمبئی میں بحری فوج نے بغاوت کر دی جو وقت پر دبا دی گئی لیکن اس سے برطانوی مدبروں کے کان کھڑے ہو گئے اس کے بعد پنجاب میں سر خضر حیات خان کی یونینسٹ وزارت کا خاتمہ ہو گیا اور امرتسر اور ملتان میں کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔

ملک کا بٹوارہ

اب برطانوی حکومت نے پنڈت جواہر لعل نہرو۔ مسٹر محمد علی جناح اور سردار بلدیو سنگھ کو صلاح مشورہ کے لئے لندن بلایا لیکن یہ مذاکرات بھی ناکام ثابت ہوئے۔ برطانوی حکومت نے مارچ ۱۹۴۶ء میں اعلان کر دیا کہ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے پہلے حکومت برطانیہ ہندوستان پر اپنا اقتدار ہر صورت میں ختم کر کے سبکدوش ہو جائے گی اس کے ساتھ لارڈ دیول کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن کو وائسرائے بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ ہندوستان کو اختیارات سونپنے کا ضابطہ طے کرنے کی تجویز تیار کریں لارڈ مونٹ بیٹن نے آتے ہی محسوس کیا کہ مسلم لیگ ملک بٹوارے اور پاکستان کے قیام پر تلی بیٹھی ہے کانگریس میں بھی یہ احساس عام ہو چکا تھا کہ ملک آزادی حاصل کرنے اور کشت و خون سے بچنے کا اب ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ ملک تقسیم کر دیا جائے

چنانچہ آخر کار لارڈ مونٹ بیٹن سے مشورہ کے بعد ۳ جون ۱۹۴۶ء کو حکومت

برطانیہ نے ایک تاریخی اعلان کیا جس کی رو سے ملک کو تقسیم کرنے کا اصول تسلیم کر لیا گیا اس کے نفاذ کا ضابطہ مقرر کر دیا گیا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے دن ہندوستان و پاکستان کی آزاد مملکتیں قائم کرنے اور برطانوی اقتدار ختم کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا اس اعلان کو کانگریس مسلم لیگ اور سکھوں نے اسی روز تسلیم کر لیا۔

آزادی و تقسیم ہند

ملک کے بٹوارے کی تقسیم ہندو اکثریت اور مسلم اکثریت کے علاقوں کے لحاظ سے عمل میں آنی قرار پائی چنانچہ اسی اصول پر پنجاب اور بنگال کے ہندو اور مسلمان نمائندہ اراکین اسمبلی کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو ان دونوں صوبوں کی تقسیم بھی کر دی جائے صوبہ سندھ کو ہندوستان سے الگ ہونے کا اختیار دیا گیا اور صوبہ سرحد اور صوبہ آسام کے ضلع سلہٹ کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی رائے شماری کے ذریعے ہندوستان میں رہنے یا اس سے الگ ہونے کا اختیار دیا گیا اس طرح پاکستان مشرقی و مغربی وجود میں آیا اور پاکستان اور ہندوستان دولت مشترکہ کی دو خود مختار مملکتیں قرار پائیں۔ ہر ایک مملکت کی الگ الگ قانون ساز مجلسیں بنیں اور ان دونوں مملکتوں کے سرمایہ اور قرضہ کی تقسیم کے ضابطے طے کر دیا گیا ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن اور پاکستان کے مسٹر محمد علی جناح مرحوم مقرر ہوئے۔ دیسی ریاستوں کو ان دونوں میں سے ایک مملکت سے الحاق کا مشورہ دیا گیا اور ان کے ساتھ حکومت برطانیہ کے سابقہ معاہدے منسوخ قرار دے دئے گئے چنانچہ برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان کی آزادی کا قانون مجریہ ۱۹۴۷ء INDIAN INDEPENDANCE ACT پاس کر دیا جس کی خاص خاص دفعات یہ تھیں:-

۱- ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پاکستان اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ہندوستان کی دو آزاد اور خود مختار مملکتیں قائم ہوں گی۔

۲- ان تاریخوں سے ان ممالک پر برطانیہ کا اقتدار ختم ہوگا اور حکومت برطانیہ ان کے انتظام کے لئے ذمہ دار نہ ہوگی اور برطانوی پارلیمنٹ کے نافذ کردہ قوانین ان ممالک پر لاگو نہ ہوں گے۔

ٹائم چارٹ ہندوستان تاج برطانیہ کے ماتحت ۱۸۵۸ء تا ۱۹۴۷ء

سنہ	واقعہ
۱۸۵۸ء	ملکہ وکٹوریا کا اعلان اور برطانوی حکومت کا ہند پر قبضہ
۱۸۷۸ء	افغانستان کی دوسری لڑائی
۱۸۸۰ء	لارڈ رپن کی اصلاحات
۱۸۸۴ء	انڈین نیشنل کانگریس کی ابتدا
۱۸۸۷ء	انڈین کونسل ایکٹ
۱۸۹۲ء	تقسیم بنگال اور انقلابی تحریک
۱۹۰۵ء	منٹو مارلے اصلاحات
۱۹۰۹ء	پہلی جنگ عظیم کا آغاز
۱۹۱۴ء	کانگریس اور مسلم لیگ کا لکھنؤ پیکٹ
۱۹۱۶ء	مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات
۱۹۱۹ء	تحریک عدم تعاون
۱۹۲۱ء	
۱۹۲۷ء	سائمن کمیشن
۱۹۳۱ء	مہاتما گاندھی کی تحریک سول نافرمانی
۱۹۳۵ء	گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ
۱۹۳۷ء	صوبوں میں کانگریس وزارتیں
۱۹۴۲ء	ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک
۱۹۴۶ء	کرپس مشن
۱۹۴۷ء	تقسیم ہند اور آزادی ہند و پاک

سکیل ۱ = ۲۰ سال

۳۔ دونوں مملکتوں کی بین الاقوامی سرحد کا تعین ایک کمیشن کے ذریعے ہوگا

اِس قانون کی رو سے ہندوستان نے آزادی تو حاصل کر لی اور برطانیہ کے ساڑھے تین سو سال کی تجارت لوٹ کھسوٹ دو سو سال کی سیاسی برتری اور ایک سو تیس سال کی سیاسی غلامی سے مخلصی پالی لیکن اس کی بڑی گراں قیمت ادا کرنا پڑی۔ ملک کی سیاسی وحدت جس کے خواب چندر گپت موریہ۔ اشوک۔ سمدر گپت۔ سلطان علاء الدین خلجی۔ شہنشاہ اکبر۔ اورنگ زیب عالمگیر اور مہاتما گاندھی نے دیکھے تھے پارہ پارہ ہوگئی اور محب وطنوں کی آرزوؤں کا اُن کے دیکھتے دیکھتے خون ہوگیا۔ انسانیت نے ۱۹۴۷ء میں وہ ننگا ناچ ناچا جس سے تہذیب و تمدن کی گردنیں جھک گئیں اور قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا۔ ہزاروں بے گناہ بچے بوڑھے اور جوان بن آئی موت مر گئے۔ سینکڑوں عورتیں بے آبرو ہوگئیں اور کروڑوں ہندو اور مسلمان اپنی جانیں بچانے کے لئے گھر بار چھوڑ کر سرحدیں پار کرنے لگے ملک کی دولت اور تجارت کو کروڑوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا۔ انسانی کردار اور اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوگئے ہر طرف بدامنی اور بے چینی کے بھوت اُمڈ آئے اور ملک تباہی و بربادی کے طوفان میں غوطے کھانے لگا۔ آخر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو مہاتما گاندھی کی رہنمائی اور پنڈت جواہر لعل نہرو کی سربراہی میں قومی حکومت اور محب وطنوں نے یہ گھاؤ بھرنے اور ملک کو اعتدال پر لانے کے کٹھن اور صبر آزما کام کا بیڑا اُٹھایا ؛

EXERCISE.

1. How did India win her freedom? (J & K. U. 1958)
2. What were the causes and consequences of the partition of India?
3. Write notes on :—
   August 1942 Revolution; cabinet mission plan; two nation theory; The Indian Independence Act 1947.

باب ہفتم

آزاد ہندوستان

۱۹۴۷ء ـــــــــــ سے ۱۹۵ ء

ہندوستان کی آزادی کے بعد مرکزی اسمبلی میں کانگریس اکثریت میں تھی اس لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی دعوت پر کانگریس پارٹی کے لیڈر اور ہندوستان کے ممتاز ترین محب وطن پنڈت جواہر لعل نہرو نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا اور اپنی وزارت میں سب جماعتوں کے ممتاز رہنماؤں کو شامل ہونے کی دعوت دی اور بہترین لیڈروں کو چن کر اپنی وزارت میں شامل کیا جن میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نائب وزیر اعظم۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم۔ سردار بلدیو سنگھ وزیر دفاع۔ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی وزیر تجارت۔ ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیدکر وزیر قانون خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آزاد ہندوستان کی اس پہلی قومی وزارت کے سامنے نہایت مشکل اور خطرناک مسایل تھے جن کے حل پر ملک کی آئندہ ترقی اور سلامتی کا انحصار تھا ان میں سب سے اہم مسئلہ فرقہ دارانہ کشمکش کا انسداد اور امن و امان کا قیام اور لاکھوں خانماں برباد شرنارتھیوں کی۔ بحالی کا سوال تھا جو گھر بار چھوڑ کر اور برباد ہو کر ہندوستان کی پناہ میں آئے تھے اس کے بعد ملک میں ساڑھے پانچسو دیسی راجاؤں کے الحاق اور ان کی مظلوم رعایا کی آزادی کا سوال تھا اور سب سے بڑھ کر آزاد ہندوستان کے لئے ایک ایسے آئین کے تیار کرنے کا مسئلہ تھا جو قومی امنگوں کو پورا کر کے ملک میں ایک ایسی سچی جمہوریت کا قیام عمل میں لائے جس میں ہر انسان مذہبی۔ سماجی اور اقتصادی آزادی سے فیض یاب ہو سکے اور جس میں سب شہریوں کو بلا تمیز مذہب و نسل و رنگ مساویانہ حقوق حاصل ہوں۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ملک میں امن و امان قائم کرکے فسادیوں کو سختی سے کچل دیا ادھر گاندھی جی نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے اپنی کوششیں تیز کردیں لیکن ۱۹۴۷ء میں مغربی اور مشرقی پاکستان سے ۷۰ لاکھ پناہ گزین اپنا گھر بار چھوڑ کر اور مال و دولت لٹا کر برے حالوں ہندوستان پہنچے تو اس کام کو سخت دھکا لگا۔ پنجاب اور بنگال کے ہندوستانی حصوں میں ان شرنارتھیوں کے لئے گنجائش نہ تھی اس لئے یہ لوگ ملک میں دور دور تک پھیل گئے اور ان شرنارتھیوں کی بحالی کا سوال ایک کل ہند مسئلہ بن گیا ان سب لوگوں کو پھر سے گھروں میں آباد کرنا اور کام پر لگا کر پھر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانا ایک نہایت ہی مشکل کام تھا۔ حکومت ہند نے ان مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے بحالی اور امداد کے کام کی ایک الگ وزارت قائم کی۔ ان لوگوں کو بڑے بڑے کیمپوں میں ٹھہرانا۔ کھانے پینے کا انتظام کرنا۔ پھر انہیں متروکہ جائداد پر آباد کرنا۔ زمینیں الاٹ کرنا۔ امدادی قرضے دینا اور پاکستان میں چھوڑی ہوئی جائداد کا معاوضہ ادا کرنا سب اسی وزارت کے سپرد تھا دس سال کی شب و روز محنت کے بعد دو تین لاکھ پناہ گزینوں کو چھوڑ کر باقی سب کو پھر سے آباد کر دیا گیا ہے یہ حکومت ہند کا ایک نہایت ہی شاندار کارنامہ ہے۔

حکومت ہند اور دیسی ریاستیں

انگریزوں کے زمانے میں ہندوستان میں ۵۶۲ ریاستیں تھیں جن میں بعض تو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں سے بھی چھوٹی تھیں اور بعض یورپ کے ملکوں سے بھی بڑی تھیں۔ تقسیم ہندوستان کے بعد قانون آزادیٔ ہند مجریہ ۱۹۴۷ء کی رو سے سب ریاستیں برطانوی اقتدار سے آزاد ہو گئی تھیں اور ان کے حکمرانوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے ملک کی جغرافیائی کیفیت کا لحاظ رکھ کر وہ ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کو

لیں اور خارجہ پالیسی۔ ملکی بچاؤ اور رسل رسائل مرکزی حکومت کے حوالے کر کے باقی امور میں آزاد رہیں یا اگر چاہیں تو خود مختار رہیں۔ یہ ایک خطرناک تجویز تھی اور اس سے ہندوستان کے حصے بخرے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا خطرہ تھا لیکن ہندوستان کی خوش قسمتی سے اس وقت ہندوستانی ریاستوں سے متعلق مرکزی حکومت کے محکمہ کی باگ ڈور آزادئی ہند کے نڈر اور آہنی جرنیل سردار ولبھ بھائی پٹیل جیسے محب وطن کے ہاتھ تھی۔ انہوں نے اپنی دانائی۔ فولادی ارادے۔ حکمت عملی اور ہر دل عزیزی سے سب ریاستوں کو ایک نہ ایک صورت میں ہندوستان میں شامل ہونے پر رضامند کر لیا لیکن کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ اور حیدر آباد کے نظام میر عثمان علی خان خود مختاری کے خواب دیکھنے لگے۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل نے بعض ریاستیں تو ہندوستان میں مدغم کر کے ملحقہ اضلاع میں ملا دیں بعض کو گروپوں میں منظم کر کے وہاں راج پرمکھوں کی آئینی جمہوری حکومتیں قائم کر دیں البتہ میسور ریاست کو برقرار رکھ کے وہیں کے مہاراجہ کو میسور کا راج پرمکھ یا آئینی حکمران بنا دیا۔ اس طرح ریاستی عوام صدیوں کی ذلت اور غلامی سے مخلصی پا کر آزادی کی سانس لینے لگے۔ سردار پٹیل کی یہ شاندار کامیابی ایک ایسا شاہکار کارنامہ ہے جس پر ہندوستانی قوم کو ہمیشہ فخر رہے گا اور سردار پٹیل کے لئے ریاستی عوام ہمیشہ عزت و احترام اور تشکر کے جذبات رکھیں گے۔

اب سردار ولبھ پٹیل نے اپنی توجہ کشمیر اور حیدر آباد کی گتھی سلجھانے کی طرف لگا دی ان دونوں ریاستوں کے مسئلہ کا مختصر تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ کشمیر

جموں و کشمیر کی ریاست شمالی ہندوستان میں سب سے بڑی ریاست تھی یہاں ۱۸۴۶ء سے مہاراجہ گلاب سنگھ کے خاندان کی شخصی حکومت تھی۔ یہاں کا مہاراجہ سر ہری سنگھ ایک قابل اور بیدار مغز حکمران تھا لیکن ملک میں جمہوری تحریک زور پکڑ چکی تھی

اور لوگ ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کر رہے تھے وہ مہاراجہ ہری سنگھ کو صرف آئینی حکمران ماننے پر تیار تھے لیکن شخصی اور غیر ذمہ دار حکومت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے عاقبت نا اندیش مشیروں کے مشورہ سے مہاراجہ سر ہری سنگھ نے ریاست میں جمہوری نظام قائم کئے بغیر اپنی شخصی حکومت اور خود مختاری کے خواب دیکھنے شروع کر دئے اور پاکستان کے ساتھ جوں کا توں معاہدہ کرکے دونوں مملکتوں سے گفت و شنید کا سلسلہ جاری کر دیا۔ پاکستان کو مہاراجہ سر ہری سنگھ کے متعلق یہ گمان تھا کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونے کی تیاری کر رہے ہیں چنانچہ پاکستان نے تینوں طرفوں سے ریاست کی اقتصادی ناکہ بندی کر دی تاکہ مہاراجہ مجبور ہو کر پاکستان سے الحاق کا اعلان کر دے لیکن پاکستان نے جب اس طرح دال گلتی نہ دیکھی تو اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مظفر آباد اور پونچھ کی طرف سے قبائیلیوں اور دوسرے لوگوں کو مسلح حملہ کی کھلی چھٹی دے دی ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دن مظفر آباد میں سردار محمد ابراہیم خان اور ان کے ساتھیوں نے آزاد کشمیر حکومت قائم کرکے بغاوت کر دی اور باغی فوجی اور قبائیلی بارہ مولہ کی طرف بڑھنے لگے مہاراجہ ہری سنگھ کی فوجوں کے سالار اعلیٰ برگیڈیر راجندر سنگھ مقابلہ کرتے ہوئے کام آئے اور مہورہ رام پور پر قبائیلیوں کا قبضہ ہو گیا اب مہاراجہ سر ہری سنگھ نے حکومت ہند سے مدد طلب کی اور الحاق نامہ پر دستخط کر دئے ہندوستانی فوجیں ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر پہنچائی گئیں اور ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو بارہ مولہ پر پھر قبضہ کرکے قبائیلی دستوں کو اوڑی کے پرے دھکیل دیا گیا جنوری ۱۹۴۸ء میں بھارت سرکار نے یو۔ این او سے درخواست کی کہ کشمیر پر قبائیلی اور پاکستانی حملہ آوروں کو روکنے کے لئے حکومت پاکستان کو فہمائش کی جائے۔ یو۔ این۔ او نے ہندوستان اور پاکستان میں سمجھوتہ کروانے کی غرض سے ایک کمیشن مقرر کر دیا جس نے تجویز پیش کی کہ دونوں ملک کشمیر کے الحاق کا فیصلہ رائے عامہ کے ذریعے کریں۔ جنوری ۱۹۴۹ء میں جنگ بند کر دی گئی اور کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں کی

دیکھ ریکھ کے لئے اتحادی قوموں کے نمایندوں کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ اس کے بعد جموں وکشمیر میں ایک مجلس آئین ساز منتخب ہوئی اور اس مجلس نے ریاست میں جاگیرداری۔ زمینداری ۔ شخصی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور بعد میں نیا آئین بنا کر مستقل طور پر ہندوستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کر دیا جسے ہندوستان منظور کر چکا ہے لیکن پاکستان رائے عامہ حاصل کرنے کا اصرار کر رہا ہے۔

گاندھی جی کا بلیدان

جب ملک میں فرقہ پرستی کے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے تو گاندھی جی ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی دوستی قائم کروانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے تھے فرقہ پرستوں کو ان کی یہ انسان دوستی گوارا نہ تھی ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء شام کے ۵ بجے برلا ہاؤس دہلی میں جب آپ حسب معمول پرارتھنا کے لئے نکلے تو ایک سفاک ناتھو رام گاڈسے نے پستول سے آپ پر حملہ کر دیا اور آپ رام رام کرتے پرلوک سدھار گئے۔ سارے ملک میں سنسنی پھیل گئی اور دنیا بھر میں آپ کا سوگ منایا گیا اور ہر طرف سے آپ کو شاندار خراج عقیدت پیش کئے گئے اس واقعہ سے ساری ہندوستانی قوم کا سر شرم سے جھک گیا کہ ان کا مصلح اعظم اور خیر خواہ راشٹر پتا گاندھی ان کی قوم ہی کے ایک فرد کے ہاتھوں خون میں نہا کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔

ریاست حیدر آباد کا مسئلہ

۲۱ جون ۱۹۴۸ء کو ہندوستان کے آخری انگریز گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر واپس اپنے وطن لوٹ گئے اور آپ کی جگہ شری چکرورتی راجگوپال آچاریہ جو اس سے پہلے مدراس کے وزیر اعظم اور مغربی بنگال کے گورنر رہ چکے تھے پہلے اور آخری ہندوستانی گورنر جنرل مقرر ہوئے اور ۲۵ جنوری ۱۹۵۰ء تک اپنے عہدے پر فائز رہے آپ کے عہد حکومت میں حیدر آباد کا الحاق اور جمہوریۂ ہند کا قیام بڑے قابل ذکر واقعات گذرے۔

ریاست حیدر آباد دکن ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست تھی۔ یہاں کے حکمران میر عثمان علی خان نظام حیدر آباد اپنی خود مختار سلطنت

قائم کرنے کے آرزومند تھے اگست ۱۹۴۷ء میں جب انگریزی اقتدار ختم ہوا تو آپ نے اپنی خود مختاری اور آزادی کا اعلان کر دیا اور نومبر کے مہینے میں حکومت ہند سے جوں کا توں معاہدہ کر لیا اور خارجی معاملات۔ دفاع اور رسل و رسائل پر حکومت ہند کا اختیار تسلیم کر لیا مگر پوری طرح الحاق منظور نہ کیا حکومت ہند سمجھتی تھی کہ اگر نظام کی یہ ضد مان لی گئی تو دوسرے راجے اور نواب بھی اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے پر زور دیں گے اور ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس لئے حکومت نے بات چیت کے ذریعے نظام کو ہندوستان میں شمولیت پر رضامند کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اُدھر نظام نے درپردہ زبردست فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور سید قاسم رضوی نے رضاکاروں کی غیر سرکاری فوج منظم کرنا شروع کر دی اِکا دکا تصادم بھی شروع ہو گئے اور ساری ریاست میں بے چینی پھیل گئی۔ ریاست کے لوگوں میں کئی نظام کے حامی تھے لیکن اکثریت ہندوستان سے الحاق کی خواہش مند تھی ہندوستان کے لئے آزاد حیدر آباد اُس کے سینے پر ایک ناسور بن جاتا اس لئے ہندوستان نے اپنی فوجوں کو حیدر آباد میں داخل ہونے کا حکم یا جسے عام طور پر "پولیس ایکشن" یا امن بحال کرنے کی کارروائی کیا جاتا ہے۔ چار دن کے معمولی مقابلہ کے بعد نظام کے سپہ سالار الادروس نے ہندوستانی سالار میجر جنرل چودھری کے سامنے ہتھیار ڈال دئے ریاست میں عارضی طور پر فوجی حکومت قائم کر دی گئی لیکن جب امن و امان بحال ہو گیا تو حکومت پھر نظام کے حوالے کر دی گئی۔ نظام نے ہندوستان میں شمولیت کی دستاویز پر دستخط کر دئے اور حکومت ہند نے اُسے حیدر آباد کا راج پرمکھ تسلیم کر لیا بعد میں جب ہندوستان کے صوبوں کی نئی تنظیم ہوئی تو حیدر آباد کر بمبئی۔ میسور اور آندھرا دیش میں ملاکر نظام کو پنشن دے دی گئی اور اس طرح آصف جاہی شاہی خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور ریاست میں پوری جمہوری اور ذمہ دار حکومت قائم ہو گئی ؛

ہندوستان میں ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء سے مجلس آئین ساز (Constituent Assembly) ڈاکٹر راجندر پرشاد کی صدارت میں ہندوستانی آئین بنانے میں مشغول تھی اور آخر ۳ سال کی محنت شاقہ کے بعد ہندوستان کے آئین کا مسودہ قانون ۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء کو بن کر تیار ہوا اس کی ۳۹۵ دفعات اور ۸ گوشوارے ہیں اور یہ دنیا کا سب سے طویل مسودہ قانون اور مکمل تحریر شدہ آئین ہے۔ یہ آئین ہندوستان میں ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء سے لاگو ہوا اور ہندوستان ایک گن راجیہ یا جمہوریت قرار پا گیا لیکن دولت مشترکہ یا کامن ویلتھ کا بدستور ممبر رہا اس کے لئے دولت مشترکہ کے دستور میں خاص تبدیلیاں کی گئیں اور ملکۂ انگلستان دولت مشترکہ کی ملکہ کی بجائے سرپرست اعلےٰ کہلانے لگیں۔

جمہوریۂ ہند کا آئین

جمہوریہ ہند کے آئین میں ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ جمہوری جرمنی۔ آئرلینڈ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے آئینوں کے اچھے اچھے اصول شامل کئے گئے اس آئین کی رو سے عوام کی سرداری تسلیم کر لی گئی ہے اور ہندوستان کے ہر باشندہ کی قانون کے سامنے مساوات۔ مذہبی۔ شخصی اور اقتصادی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے ہر بالغ مرد و عورت کو حق رائے دہندگی حاصل ہے آبادی کے لحاظ سے ہندوستان آج دنیا کی سب سے بڑی پارلیمنٹری جمہوریت ہے یہاں کی حکومت غیر مذہبی (Secular) اصولوں کی پابند ہے۔ جمہوریہ ہند کا آئین وفاقی یا فیڈرل ہے صوبے اپنے داخلی امور میں خود مختار ہیں لیکن مرکزی حکومت کی ہدایتوں کے پابند ہیں۔ ہنگامی صورت حال میں مرکزی حکومت کو براہ راست کسی حصہ ملک کے انتظامی اختیارات سنبھالنے کا پورا اختیار حاصل ہے البتہ جموں و کشمیر میں ایسا صرف ریاستی مجلس قانون ساز کی اجازت سے ممکن ہو سکتا ہے اقلیتوں کے مذہبی اور کلچرل حقوق کی حفاظت اور چھوت چھات کا خاتمہ۔ پسماندہ قوموں کی حوصلہ افزائی اور کچھ



M. K. GANDHI



M. A. JINNAH

First Governor-General of the Dominion of Pakistan



JAWAHARLAL NEHRU

Prime Minister, 1946-



C. RAJAGOPALACHARI
Governor-General, 1949-50



DR RAJENDRA PRASAD
President, 1950-



SARDAR V. PATEL

عرصہ کے لئے انہیں قانون ساز مجلسوں میں خاص نمایندگی دینے کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ آئین کی رُو سے دیو ناگری رسم الخط میں لکھی ہوئی ہندی کو ہمارے ملک کی سرکاری زبان تسلیم کیا گیا ہے۔

بنیادی حقوق

ہندوستانی آئین میں مندرجہ ذیل بنیادی شہری حقوق کی ضمانت دی گئی ہے:۔

حق مساوات:۔ اس کی رُو سے سب ہندوستانی ہر لحاظ سے برابر ہیں اور کسی کو رنگ نسل مذہب یا دولت کی وجہ سے دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں نہ اُن سے کوئی ترجیحی سلوک کیا جا سکتا ہے۔

شہری آزادی کا حق:۔ ہندوستان کے سب باشندوں کو تحریر اور تقریر کی پوری آزادی ہے اور اُسے انجمنیں بنانے اور پُر امن طریقوں سے حکومت بدلنے اور ملکی پالیسیوں کو تبدیل کرنے کا پورا حق ہے۔ نجی جائیداد سے فائدہ اٹھانے۔ تجارت کوئی پیشہ اختیار کرنے میں پوری آزادی ہے بشرطیکہ ان حقوق کے استعمال میں یہ لحاظ رکھا جائے کہ کسی کی دلآزاری نہ ہو یا لوگوں کو تشدد آمیز طریقوں سے حکومت الٹنے کی ترغیب نہ ملتی ہو۔ غلامی اور بیگار کی بھی اجازت نہیں۔

مذہبی آزادی کا حق:۔ امن عامہ۔ صحت عامہ اور اخلاق عامہ کے تقاضوں کے ماتحت ہر ہندوستانی کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہے عبادت۔ تبلیغ اور مذہبی اداروں کے قیام کی اجازت ہے۔

کلچرل آزادی کا حق:۔ ملک کے سب رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زبان رسم خط اور طرز تمدن کو جس طرح چاہیں قائم رکھیں اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں بلکہ حکومت بھی اس کام میں اُن کی امداد کرے گی۔

آئینی دادرسی کا حق

(Right to constitutional remedies)

بنیادی آئین حقوق کی ضمانت کے طور پر آئین میں اس بات کا انتظام ہے کہ اگر کسی شخص واحد یا حکومت کا کوئی کام کسی بنیادی حق کے منافی ہو تو ہر شخص کو استحقاق حاصل ہے کہ وہ سپریم کورٹ سے اپنے حقوق تسلیم کروانے کے لئے چارہ جوئی کرے اور مناسب احکام حاصل کرے۔

آئین کی رُو سے ہندوستان ایک فیڈرل یونین یا وفاقی اتحاد ہے جس میں ریاستیں یا صوبے ایک مرکز کے ماتحت ہیں کچھ علاقے براہِ راست مرکزی حکومت کے زیر نگین ہیں۔ مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات بانٹ کر واضح قاعدے بنا دئے گئے ہیں اور مرکز اور ریاستوں کے اختلافات دور کرنے کے لئے سپریم کورٹ یا عدالت عالیہ قائم ہے یہ عدالت عالیہ ملک کے عدلیہ (Judiciary). کی نگران ہے اور اُن کے آزادی کی ضامن ہے۔ ملکی انتظام کے سب امور تین فہرستوں میں درج ہیں جن کے لئے مرکز یا صوبے یا صوبے اور مرکز دونوں قوانین وضع کرنے کے مجاز ہیں مرکز اور صوبوں کے مالی وسائل کی تقسیم صدر جمہوریہ کے مقرر کردہ کمیشن کے ذریعے ہو چکی ہے۔

آئین کی رو سے ہندوستان میں مرکزی اور صوبائی حکومتیں پارلیمنٹری جمہوریت کے اصولوں کے مطابق ہیں جہاں ایگزیکٹو یا عاملہ مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔

صدر جمہوریہ

مرکزی حکومت

ہندوستان کی مرکزی حکومت کا سربراہِ اعلٰے صدر جمہوریہ یا راشٹرپتی ہے جو ایک آئینی حکمران ہے اور اس لحاظ سے انگلستان کے بادشاہوں سے ملتا جلتا ہے صدر جمہوریہ کو مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبر ۵ سال کے لئے بالواسطہ طریقہ سے منتخب

کرتے ہیں اس عہدے کے لئے ہندوستان کا شہری ہونا اور ۳۵ سال کی عمر کا ہونا ضروری ہے۔ سرکاری ملازم اس عہدے کے لئے انتخاب میں حصّہ نہیں لے سکتے صدر جمہوریہ کو دس ہزار روپئے ماہوار تنخواہ اور رہنے کے لئے راشٹرپتی بھون کا شاندار محل ملتا ہے صدر سے مواخذہ کرنے کا اختیار چند شرائط کے تحت صرف پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ ہند یونین کے پورے اختیارات عاملہ صدر کو حاصل ہیں۔ یونین کی بحری بری اور فضائی افواج کی سپریم کمانڈ یعنی اعلےٰ کمان بھی صدر کے ہاتھ میں ہے صدر کو مجرموں کی سزا میں تخفیف کرنے یا معاف کرنے کے خاص اختیار حاصل ہیں اور وزیر اعظم ہند مرکزی کابینہ کے وزیر صوبوں کے گورنر۔ سفیر۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے جج۔ یونین پبلک سروس کمیشن کے صدر وغیرہ کے تقرر کے اختیارات بھی صدر کو ہی حاصل ہیں جب پارلیمنٹ اجلاس میں نہ ہو تو فوری ضرورت کے قوانین اور آرڈیننس جاری کرنا اور پسماندہ علاقوں کے لئے بہتر انتظامی قواعد مقرر کرنا اور پارلیمنٹ کے اجلاس طلب کرنا یا لوک سبھا کو توڑ کر نئے انتخابات کا حکم دینا بھی صدر کے اختیار میں ہے۔ پارلیمنٹ کے منظور کئے ہوئے قانونی مسودے صدر کی منظوری سے ہی قانون بن سکتے ہیں۔ ہنگامی حالات میں کسی علاقے کا انتظام سنبھال کر کے مرکزی پارلیمنٹ کے ذریعے اس کے تنظیم ونسق چلانے کا اختیار بھی صدر کو حاصل ہے ریاست جموں و کشمیر کی مجلس قانون ساز کی سفارش پر ریاستی نمائندوں کو ہند پارلیمنٹ کا ممبر مقرر کرنے اور اُن کے چُنے ہوئے صدر ریاست کو اُس کے عہدے پر مقرر کرنا بھی صدر جمہوریۂ ہند کے ہی اختیار میں ہے۔

نائب صدر جمہوریہ ہند

جمہوریہ ہند کی پارلیمنٹ کی راجیہ سبھا کے صدر جمہوریۂ ہند کے نائب صدر بھی ہیں نائب صدر کا انتخاب پارلیمنٹ کے دونوں ایوان لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے ممبر مل کر کرتے ہیں۔ صدر جمہوریہ ہند کی برطرفی یا بیماری یا مستعفی ہونے کی صورت میں نائب صدر جمہوریہ ہند صدر

کے فرائض انجام دے سکتا ہے نائب صدر کم از کم ۳۵ سال کا ہندوستانی شہری ہونا چاہیئے جو صوبوں کی کونسل کی ممبری کے انتخاب کی شرطیں پورا کرتا ہو۔ بیماری حادثہ یا عدم اعتماد کی صورت میں اُسے اپنے عہدے سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

مرکزی کابینہ

مرکزی حکومت کا کام چلانے کے لئے مرکزی کابینہ یا وزراء کی کونسل ہوتی ہے جس کا سربراہ وزیراعظم ہوتا ہے جو لوک سبھا کی اکثریت رکھنے والی پارٹی کا لیڈر ہوتا ہے اور اس کی سفارش پر کابینہ کے دوسرے ممبر صدر مقرر کرتا ہے۔ یہ کابینہ ملک کے انتظام کا ذمہ وار اور لوک سبھا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے اور اس وقت برسر اقتدار رہ سکتا ہے جب تک اسے لوک سبھا کے ممبروں کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہے

ہندوستانی پارلیمنٹ

جمہوریہ ہند کی مجلس قانون ساز۔ پارلیمنٹ یا کے دو ایوان ہیں ایک لوک سبھا جس میں عوام کے نمایندے اور دوسرا راجیہ سبھا جس میں صوبوں کے نمایندے شامل ہوتے ہیں۔ راجیہ سبھا ایک مستقل ایوان ہے ہر دوسرے سال اس کے ایک تہائی ممبر ریٹائر ہو جاتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے نمایندے چن لئے جاتے ہیں اس کے ممبروں کی تعداد دو سو پچاس مقرر ہے جن میں سے بارہ ممبر علم و فن۔ سائنس۔ ادب یا سماجی خدمات کے صلے میں صدر جمہوریہ نامزد کرتا ہے باقی ممبر ریاستی مجالس قانون ساز منتخب کرتی ہیں۔

لوک سبھا کے ممبروں کی تعداد پانچ سو مقرر ہے جنہیں ہندوستانی شہری براہ راست اپنے ووٹوں سے منتخب کرتے ہیں۔ ہری جنوں اور پچھڑے ہوئے طبقوں کے لئے سیٹیں مخصوص کر دی گئی ہیں۔ اینگلو انڈین طبقہ کی نمائندگی کے صدر ممبر نامزد کر سکتا ہے لوک سبھا کے انتخاب کے لئے سب صوبوں میں انتخابی حلقے مقرر ہیں ہر حلقہ میں ساڑھے سات لاکھ باشندوں کے لئے ایک نمایندہ ہوتا ہے۔ لوک سبھا کے انتخاب ہر پانچ سال کے بعد ہوتے ہیں لیکن اگر صدر اُسے پہلے ہی توڑ دے تو اس مدت سے پہلے ہی نئے چناؤ ہوسکتے ہیں لوک سبھا کی عمر میں صرف ہنگامی حالات میں ایک برس کی توسیع ہو سکتی ہے۔

آزادانہ چناؤ کے انتظام کرنے کے لئے ایک آزاد ادارہ ہے جسے الیکشن کمیشن کہتے ہیں یہ کمیشن ووٹروں کی فہرستیں تیار کر کے شائع کرتا ہے اور انتخابات کے انتظام اور نگرانی کا ذمہ دار ہے۔

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے کم از کم ہر چھ ماہ کے بعد اجلاس ہونے ضروری ہیں اور کم از کم ۱/۱۰ ممبروں کی موجودگی میں ایوانوں کے اجلاس منعقد ہو سکتے ہیں۔

پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے ہر رکن کو مندرجہ ذیل شرائط پوری کرنا لازمی ہے :-

(۱) کہ وہ ہندوستانی شہری ہو (۲) راجیہ سبھا کے لئے ۳۵ برس اور لوک سبھا کے لئے ۲۵ سال کی عمر کا ہونا (۳) کسی سرکاری ملازمت یا ٹھیکہ داری سے تعلق نہ رکھتا ہو (۴) پارلیمنٹ نے اُسے ممبری کا نااہل قرار نہ دیا ہو (۵) پاگل نہ ہو۔

پارلیمنٹ کے ممبروں کو پارلیمنٹ میں اپنے خیالات کے اظہار کی پوری پوری آزادی حاصل ہے اور ان پر پارلیمنٹ میں کی گئی کسی تقریر کی بنا پر مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔

پارلیمنٹ کے دونوں ایوان کثرت رائے سے قانونوں کے مسودے منظور کر کے دوسرے ایوان کی منظوری کرنے کے لئے بھیج سکتے ہیں لیکن مالیاتی بل صرف لوک سبھا میں ہی پیش ہو سکتے ہیں جو منظوری کے بعد راجیہ سبھا کو بھیجے جاتے ہیں راجیہ سبھا دو ہفتے کے اندر اندر یہ مالیاتی بل لوک سبھا کو لوٹا دیتی ہے لوک سبھا کو اختیار ہے کہ وہ ان بلوں پر راجیہ سبھا کی رائے کو مانے یا نہ مانے۔

پارلیمنٹ میں صدر جمہوریہ کی سفارش پر بجٹ پیش ہوتا ہے جس میں واجب الادا مصارف و مطالبات زر جیسے صدر جمہوریہ۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے صدروں اور نائب صدروں۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے ججوں کی تنخواہیں۔ سرکاری قرضے اور سود وغیرہ پر بحث ہو سکتی ہے لیکن ان پر ووٹ نہیں لئے جا سکتے باقی مطالبات زر پر بحث اور ووٹ دینے کا پارلیمنٹ کو حق حاصل ہے ہندوستانی شہریوں پر ٹیکس لگانے کا حق بھی

پارلیمنٹ کو حاصل ہے ہنگامی حالات میں مصارف و مطالبات زر صدر کی منظوری سے پیشگی بھی ادا کئے جا سکتے ہیں۔

ریاستی حکومتیں

ہندوستان کے وفاق یا یونین میں ۱۹۵۶ شروع، شروع میں اے۔ بی۔ سی ریاستیں تھیں جن کی کل تعداد ۲۷ تھی اے ریاستیں وہی تھیں جو برطانوی دور حکومت میں صوبے کہلاتے تھے۔ بی ریاستوں میں ہندوستانی ریاستیں یا ریاستی یونینیں شامل تھیں اور سی ریاستوں میں دہلی۔ اجمیر۔ کورگ وغیرہ کے مرکزی علاقے شامل تھے آزادی کے بعد سے ملک میں صوبوں کی نئی حد بندی کا مطالبہ شروع ہوا کچھ قومی رہنماؤں کا خیال تھا کہ زبان اور انتظامی سہولتوں کے لحاظ سے برطانوی عہد کی ملکی تقسیم میں تنظیم نو کی ضرورت تھی چنانچہ حکومت ہند نے ایک اسٹیٹس ری آرگنائزیشن کمیشن (States Reorganisation commission.) مقرر کیا جس کے صدر مسٹر جسٹس فضل علی۔ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو اور سردار کے۔ ایم پانیکر ممبر تھے۔ اس کمیشن نے ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء کو اپنی سفارشات پیش کیں۔ اس کے بعد بڑی طویل بحثوں کے بعد بالآخر نومبر ۱۹۵۶ء میں ایک قانون کے ذریعے ہندوستان میں ریاستوں کی نئی حد بندی کا اعلان کر کے اے۔ بی اور سی ریاستوں کی تمیز اٹھا دی گئی اور مندرجہ ذیل ریاستیں اور مرکزی علاقے وجود میں آئے :۔

ریاستیں :۔ (۱) بمبئی (۲) مدھیہ پردیش (۳) راجستھان (۴) آندھرا۔ (۵) جموں و کشمیر (۶) آسام (۷) میسور (۸) بہار (۹) اڑیسہ (۱۰) پنجاب (۱۱) مدراس (۱۲) پچھمی بنگال (۱۳) اُتر پردیش (۱۴) کیرالا۔

مرکزی علاقے :۔ منی پور۔ تری پورا۔ دہلی۔ ہماچل پردیش۔ جزائر انڈیمان و نکوبار و جزائر لکادیپ۔ مینی کلوئے و امین دیپ۔

ریاستی گورنر

باقی ہندوستانی ریاستوں کے انتظامی سربراہ گورنر یا راج پال لیکن جموں و کشمیر کے انتظامی سربراہ صدر ریاست

کہلاتے ہیں۔ گورنر کو صدر جمہوریہ ہند ۵ سال کے لئے مقرر کرتے ہیں گورنر بننے کے لئے کم از کم ۳۵ سال عمر اور ہندوستانی شہری ہونا ضروری ہے۔
صدر ریاست جموں وکشمیر کو ریاستی مجلس قانون ساز ۵ سال کے لئے منتخب کرتی ہے اور صدر جمہوریہ ہند اُسے صدر ریاست کا عہدہ تفویض کرتے ہیں گورنر کے رہنے کے لئے راج بھون اور ۵ ہزار روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہے
گورنر ریاستی مجلس قانون ساز میں اکثریت کے لیڈر کو چیف منسٹر مقرر کرتا ہے اور اس کی سفارش پر دوسرے وزیروں کا تقرر کرتا ہے۔
گورنر کو مجرموں کی سزائیں تخفیف، اور معافی کا حق حاصل ہے گورنر ریاستی مجالس قانون ساز کو طلب ملتوی یا برخاست کر سکتا ہے ریاستی مجلس قانون ساز کے پاس کئے ہوئے قانونی مسودے اُس کی منظوری سے قانون بن جاتے ہیں وہ ان مسودوں کو صدر جمہوریہ ہند کے غور کے لئے رکھ سکتا ہے اُن پر دوبارہ غور کرنے کے لئے واپس بھیج سکتا ہے اور مجالس قانون ساز سے خطاب کر سکتا ہے ہنگامی حالات میں آرڈی نینس بھی جاری کر سکتا ہے۔
مطالبات زر اور مالیاتی بل اُسی کی سفارش پر مجلس قانون ساز میں پیش ہو سکتے ہیں۔

ریاستی کابینہ

ریاست کے نظم ونسق میں گورنر کی امداد کے لئے ایک وزراء کی کونسل یا ریاستی کابینہ ہوتا ہے جس کا سربراہ وزیر اعلےٰ یا چیف منسٹر کہلاتا ہے لیکن ریاست جموں و کشمیر میں وزیر اعظم یا پرائم منسٹر کہلاتا ہے وزیر اعلےٰ مجلس قانون ساز میں سب سے بڑی پارٹی کا لیڈر ہوتا ہے اور اس وقت تک برسر اقتدار رہ سکتا ہے جب تک اُسے اکثریت کا اعتماد حاصل رہے وزیر اعلیٰ کابینہ کے فیصلوں سے گورنر کو آگاہ کرتا رہتا ہے اور تمام انتظامی امور کے لئے اپنے کابینہ سمیت مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ گورنر اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ ریاستی کابینہ سے مرکزی حکومت کی ہدایات کی پوری پوری تعمیل کروائے اور خود ہنگامی صورت حال میں ہر بارہ صدر جمہوریہ ہند کی ہدایات کے مطابق کام کرے

جمہوریہ ہند میں کشمیر کا درجہ

ریاست جموں وکشمیر کو ہندوستانی

آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت ایک مخصوص پوزیشن دی گئی ہے اس کے رُو سے ریاست جموں و کشمیر میں بھارتی پارلیمنٹ کو صرف اُن معاملات کے متعلق فیصلے کرنے اور قانون بنانے کی اجازت ہے جن کی تصریح دستاویز الحاق میں اور اس کے تشریحی معاہدوں میں کر دی گئی ہے۔ امور خارجہ۔ رسل و رسایل اور دفاع کے محکمے آڈٹ اور انکم ٹیکس اور کسٹم حکومت ہند کے ماتحت ہیں۔ ریاست میں انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس۔ انڈین پولیس سروس اور انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس کے قواعد بھی لاگو ہیں اس کے علاوہ بھارتی پارلیمنٹ کا کوئی قانون ریاستی مجلس قانون ساز کی مرضی کے بغیر ریاست پر لاگو نہیں ہو سکتا۔ ریاست کا اپنا الگ آئین ہے جسے ریاست کی مجلس آئین ساز نے منظور کیا تھا اس کی رُو سے ریاست سے شخصی راج۔ جاگیرداری۔ اور سماجی ظلم کا خاتمہ کر کے ملک میں جمہوری حکومت قائم کی گئی ہے ریاست کا اپنا جھنڈا ہے جو جمہوریہ ہند کے ترنگے جھنڈے کے ساتھ ساتھ لہرایا جاتا ہے۔ ریاست کی الیکشن کمیشن بھی اپنی ہے۔ البتہ ہائی کورٹ کا انتظام صدر جمہوریہ ہند اور سپریم کورٹ کی نگرانی میں ہے اس آئین کی رو سے ہنگامی صورت حال میں صدر جمہوریہ ہند جموں و کشمیر کے کسی علاقے کا انتظام ریاستی مجلس قانون ساز کی مرضی کے بغیر خود نہیں سنبھال سکتا۔ ریاست کے انتظام کا سربراہ صدر ریاست منتخب ہوتا ہے جسے صدر جمہوریہ تسلیم کرتے ہیں۔ ہند پارلیمنٹ کے لئے ریاستی نمائندے ریاست کی مجلس قانون ساز منتخب کرتی ہے جنہیں صدر جمہوریہ راجیہ سبھا اور لوک سبھا کے ممبر مقرر کرتے ہیں دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں ریاست جموں و کشمیر کو بہت حد تک داخلی خود مختاری حاصل ہے۔

ریاستی مجالس قانون ساز

ہندوستانی ریاستی مجالس قانون ساز کے دو یا ایک ایوان ہوتے ہیں جموں و کشمیر۔ پنجاب۔ اتر پردیش۔ مغربی بنگال۔ آندھرا وغیرہ میں دو ایوان ہیں یہاں ایوان زیریں لیجسلیٹو اسمبلی یا ودھان سبھا اور ایوان بالا لیجسلیٹو کونسل یا ودھان پریشد کہلاتے ہیں

لیجسلیٹو اسمبلی ۵ برس کے لئے چنی جاتی ہے لیکن اس سے پہلے بھی

بڑھائی جاسکتی ہے۔ ہنگامی حالات میں اس کی عمر میں ایک سال کی توسیع ہو سکتی ہے ریاستی اسمبلیوں کے ممبروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد پانچسو اور کم از کم ساٹھ ہے۔ ہر پچھتر ہزار شہریوں کا ایک نمایندہ اسمبلی میں لیا جاتا ہے۔ ہریجنوں اور پسماندہ طبقوں کے لئے سیٹیں مخصوص ہیں۔

لیجسلیٹو کونسل کے ممبروں کی کم سے کم تعداد ۴۰ مقرر ہے اور کسی صورت میں بھی ریاستی اسمبلی کی تعداد کے ایک چوتھائی سے زیادہ نہیں ہوسکتی $\frac{1}{3}$ ممبر میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ممبر منتخب کرتے ہیں $\frac{1}{3}$ اسمبلی کے ممبر چنتے ہیں $\frac{1}{12}$ رجسٹرڈ گریجویٹ اور $\frac{1}{12}$ ہائر سکینڈری اسکول ٹیچر منتخب کرتے ہیں باقی گورنر نامزد کرتا ہے۔ نامزدگی میں علمی۔ ادبی یا سماجی خدمات یا اعلے پوزیشن کا خیال رکھا جاتا ہے اس ایوان کے $\frac{1}{3}$ ممبر ہر دو سالوں کے بعد ریٹائر ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نیا چناؤ ہوتا ہے۔

ریاستی مجالس قانون ساز کے ضابطے اور قانون سازی کے طریقے مرکزی پارلیمنٹ قواعد کے مطابق ہیں مالیاتی بل پہلے پہل صرف اسمبلی میں پیش ہوتے ہیں عام قانون دونوں ایوانوں کی منظوری سے پاس ہوتے ہیں۔ اختلاف کی صورت میں اسمبلی اور کونسل کا مشترکہ اجلاس ہوتا ہے جس میں کثرت رائے سے قانونی مسودہ پاس یا رد کیا جا سکتا ہے سب قانونی مسودے آخری منظوری کے لئے گورنر کے پاس جاتے ہیں۔

مالیاتی بلوں کی منظوری صرف اسمبلی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ صوبائی بجٹ میں کچھ مطالبات زر واجب الادا ہوتے ہیں جن پر بحث ہو سکتی ہے لیکن ووٹ نہیں لئے جا سکتے۔ باقی مطالبات زیر بحث اور ووٹنگ ہوتی ہے۔

جوڈیشری یا عدلیہ

ہندوستانی آئین میں عدلیہ کو آزاد اور غیر جانب دار رکھنے کا پورا انتظام ہے۔ عدلیہ ہمارے آئینی اور بنیادی حقوق اور آزادی کا سب

سے بڑا اور مؤثر محافظ ہے۔

سپریم کورٹ

ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ ہے جس کا ایک چیف جسٹس اور سات جج صدر جمہوریہ ہند مقرر کرتا ہے اس عدالت کا جج بننے کے لئے ہند یونین کا باشندہ ہونا اور ہائی کورٹ کے جج کی حیثیت میں ۵ سال کا تجربہ یا کم از کم ۱۰ سال ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ ہونے کا تجربہ ضروری ہے ہر جج ۶۵ سال کی عمر تک کام کرسکتا ہے اُسے نالائقی یا مجرمانہ حرکات کے لئے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے حاضر ممبروں کے دو تہائی ووٹوں سے قرارداد پاس کرنے پر صدر جمہوریہ برطرف کرسکتا ہے اس عدالت کے پنشن یافتہ ججوں کو کسی عدالت میں بطور وکیل پیش ہونے کی اجازت نہیں۔ چیف جسٹس کو پانچ ہزار اور ہر جج چار ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے اور رہنے کے لئے مفت کوٹھیاں دی جاتی ہیں۔ سپریم کورٹ کے اجلاس دہلی میں ہوتے ہیں مگر صدر جمہوریہ ہند کی منظوری سے چیف جسٹس کو کہیں بھی اس عدالت کے اجلاس طلب کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔

سپریم کورٹ کو ہندوستانی آئین کی آخری تشریح و تعبیر کا اختیار بھی حاصل ہے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں چند شرائط کے ماتحت یہ آخری عدالت اپیل ہے حکومت ہند اور ریاستی حکومتوں کے آئینی اصلاحات ابھی دونوں سپریم کورٹ کے فیصلوں کی پابند ہیں۔ صدر جمہوریہ کسی آئینی مسئلے میں سپریم کورٹ کا قانونی مشورہ حاصل کرنے کا مجاز ہے اس عدالت کا فیصلہ ملک کی سب عدالتوں کے لئے بھی حکم ناطق ہے اس عدالت کے سارے ججوں کی تنخواہ پارلیمنٹ کے ووٹ سے مستثنیٰ ہے تاکہ اس عدالت کے وقار اور آزادی میں کسی طرح کا فرق نہ آنے پائے۔

ہائی کورٹ

ہندوستان کی ہر ریاست میں ایک ہائی کورٹ ہے جس کا ایک چیف جسٹس اور کئی دوسرے جج ہوتے ہیں جن کی تعداد کا تعین صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھ میں ہے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا تقرر صدر جمہوریہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور صوبائی گورنر کے مشورہ سے اور دوسرے ججوں کا تقرر متعلقہ ہائی کورٹ کے

چیف جسٹس کے مشورہ سے کرتا ہے ہائی کورٹ کے جج کے لئے ہندو
شہری اور دس برس تک جوڈیشل ملازمت یا ہائی کورٹ کے ایڈوکیٹ ہو
کا تجربہ ضروری ہے چیف جسٹس کو چار اور دوسرے ججوں کو ساڑھے تین
ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ ہائی کورٹ ریاست کی سب سے بڑا
عدالت ہے اور ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سنتے اور
ریاست کی عدالتوں کی نگرانی اور دیکھ ریکھ رکھنے کی ذمہ دار ہے ہائی کورٹوں
کے اختیارات میں تبدیلی صرف ہند پارلیمنٹ کے اختیار میں ہے۔

پبلک سروس کمیشن ہندوستان میں سب قوموں فرقوں اور طبقوں کو
بلا لحاظ مذہب وملت ورنگ ونسل قابلیت کی
بنا پر ملازمت اور ترقی حاصل کرنے کے ایک سے موقع دینے کے لئے سرکاری
ملازمتوں کے لئے قابل امیدواروں کے انتخاب کے لئے صدر جمہوریہ ہند یونین
پبلک سروس کمیشن مقرر کرتا ہے۔ ریاستی ملازمتوں کے لئے ریاستی پبلک سروس
کمیشن مقرر ہیں جنہیں ریاستی گورنر مقرر کرتے ہیں ان کمیشنوں کی سفارش
پر محض قابلیت کی بنا پر مرکزی اور صوبائی حکومتیں ملازموں کے تقرر کرتی
ہیں البتہ ہری جنوں اور پسماندہ طبقوں کو مناسب نمائندگی دینے کے لئے
کچھ جگہیں مخصوص کر دی جاتی ہیں لیکن ان پر تقرر پبلک سروس کمیشن کے
ذریعے ہی ہری جن یا پسماندہ طبقوں کے بہترین افراد میں سے کیا جاتا
ہے سرکاری ملازموں کی بھرتی۔ ترقی اور اس قسم کے دوسرے مسئلے پبلک
سروس کمیشن کے مشورہ سے ہی طے ہوتے ہیں۔

EXERCISE

1. Relate the measures taken by Sardar Patel to unify India. (J & K. U. 1960)
2. Describe in outline the chief features of the constitution of the India Republis.
3. What do you know about our fundamental rights under the constitution ?
4. What are powers and functions of :—
   (a) The President and the Vice President of India.
   (b) The Indian Parliament.
   (c) The Provincial Govenors.
   (d) The Provincial legislatures.
5. What do you know about the special status of the Jammu and Kashmir State in the Indian Union ?
6. Describe the judicial system of free India.

باب ہشتم

ہندوستان دنیا کی قوموں کی برادری میں

ملک کی آزادی اور مکمل جمہوری طرز حکومت کے قیام کے بعد پنڈت جواہر لعل نہرو وزیر اعظم ہند کی رہنمائی میں حکومت نے ملک کی تعمیر و ترقی اور ہندوستان کے لئے اقوام عالم میں ایک معزز مقام حاصل کرنے کی کوشش شروع کی ایک طرف تو پہلی اور دوسری منصوبہ بندی کے ذریعے ملک میں زراعت وصنعت کی ترقی اور ہندوستانیوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی تجاویز پر عمل ہوا اور دوسری طرف ہندوستان کو دنیا کی فوجی اور سیاسی دھڑے بندیوں سے الگ رکھ کر پنچ شیل کے غیر جانبدارانہ امن پسندی کے اصول کی بنا پر دنیا کے سب قوموں سے تعاون اور امن عالم کے استحکام کے لئے مسلسل کوششیں شروع ہوئیں۔ یہاں ان کوششوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

پہلی پانچ سالہ منصوبہ بندی

THE FIRST FIVE YEARS PLAN

ملک کی سیاسی آزادی اقتصادی آزادی اور ملک کے باشندوں کی خوش حالی کے بغیر بالکل بے معنی ہوتی ہے انگریزوں کی دو سو سالہ ملوکیت یا سامراجی حکومت کی لوٹ کھسوٹ سے ہندوستان کی لاش کے رگ وریشہ میں خون و زندگی کی رس تک باقی نہ تھی۔

راک جہالت اور بیماری کے آہنی پنجہ میں جکڑا ہوا تھا قومی آمدنی نہایت قلیل بے کاری عام تھی ملک میں زراعت اور صنعت نے کچھ ترقی ضرور کی تھی لیکن اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر ملکوں کا دست نگر تھا کوئی آزاد ملک اس صورت حال سے آنکھیں چرا نہیں سکتا۔ ہندوستان کی قومی حکومت نے آئین سازی کا کام مکمل کرتے ہی ملک کی اقتصادی تعمیر و ترقی کی طرف توجہ دینی شروع کی چنانچہ ۱۹۵۱ء میں پہلی پانچ سالہ منصوبہ بندی کا خاکہ تیار ہوگیا اور ۱۹۵۲ء میں ہند پارلیمنٹ نے اس کی منظوری دے دی۔

پہلی پانچ سالہ منصوبہ بندی میں زراعت کی ترقی کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی تھی کیونکہ ملک میں خوراک کا مسئلہ نہایت نازک صورت اختیار کر چکا تھا اور ملک کے زر مبادلہ EXCHANGE کا زیادہ حصہ خوراک کی درآمد میں ہی کھپ جاتا تھا پہلی پانچ سالہ منصوبہ بندی ترقی کے ان منصوبوں پر خاص توجہ دی گئی تھی۔

(۱) برطانوی عہد اور قومی حکومت کے شروع کئے ہوئے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل جن پر پہلے سے ہی کام ہو رہا تھا ان میں پناہ گزینوں کی آبادکاری اور امداد۔ دریائی گھاٹیوں کے منصوبوں پر کام۔ دودھ کی فراہمی اور ماہی گیری کی صنعت کی ترقی اور جنگلات اور بندرگاہوں کی ترقی کے منصوبے شامل تھے۔

(۲) زراعت کی امدادی صنعتوں کی ترقی جیسے آبپاشی اور بجلی پیدا کرنا تاکہ خوراک کے لئے غلہ اور صنعتوں کے لئے خام مال زیادہ سے زیادہ مقدار میں مہیا ہو سکے۔

(۳) اُن تجاویز کو بروئے کار لانا جو ایسی تربیتوں سہولتوں اور مالی کی فراہمی کے لئے ضروری ہیں جن سے بے کاری دُور کرنے اور روزمرہ کی ضرورتوں کی چیزیں پیدا کرنے کی صنعتیں قائم کرنے میں مدد مل سکتی ہو۔

(۴) کچا لوہا۔ فولاد اور بھاری کیمیاوی مادے وغیرہ پیدا کرنے کی صنعتوں کا فروغ۔

(۵) ملک کی موجودہ صنعتی اور انتظامی ڈھانچے کے نقائص دور کرکے سماجی

بھلائی کے کاموں کو ترقی دینے اور پسماندہ صوبوں کی تعمیر و ترقی کا انتظام کرنا

کامیابیاں پہلی پانچ سالہ منصوبہ بندی سے ملک کی اقتصادی تعمیر و ترقی میں شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں گو ملک کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ابھی بہت ہی صبر آزما اور محنت طلب سفر کرنا باقی ہے۔

پہلی پانچ سالہ منصوبہ بندی کا سب سے شاندار نتیجہ یہ ہے کہ قومی آمدنی میں ۱۸ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے اندازہ ہے کہ ۵۱-۱۹۵۰ء میں کل قومی آمدنی ۹ ہزار ایک سو دس کروڑ تھی اس کے مقابلہ میں ۵۶-۱۹۵۵ء میں قومی آمدنی دس ہزار آٹھ سو کروڑ تک جا پہنچی تھی اسی طرح انفرادی آمدنی (PER-CAPITA INCOME) میں ۱۱ فی صدی کا اضافہ ہوا زراعت کی ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان پانچ سالوں میں غلے کی پیداوار میں ۲۰ فی صدی روئی کی پیداوار میں ۴۵ فی صدی اور تیل نکالنے کے بیجوں کی پیداوار میں ۸ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ آبپاشی کی چھوٹی بڑی اسکیموں کے مکمل ہونے پر ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ایکڑ رقبہ سیراب ہونے لگا بجلی کی پیداوار ۵۱-۱۹۵۰ء میں چھ ہزار سات سو چھہتر ملین کلوواٹ سے بڑھ کر ۵۶-۱۹۵۵ء میں گیارہ ہزار ملین کلوواٹ ہو گئی اور صنعتی پیداوار میں بھی نہایت نمایاں اضافہ ہوا۔

اس پانچ سالہ دور میں کئی بڑے بڑے نجی اور سرکاری کارخانے قائم ہوئے۔ سرکاری کارخانوں میں سندری (SINDRI) کا کیمیاوی کھاد کا کارخانہ۔ ریلوے انجن بنانے کا چترنجن لوکو موٹو ورکس کا کارخانہ۔ بجلی اور تار اور ٹیلی فون بنانے کی تاروں کا کارخانہ ہندوستان کیبلز درگاپور جہاز سازی کا کارخانہ ہندوستان شپ یارڈ ویشاکھا پٹنم۔ ریل کے ڈبے بنانے کا کارخانہ دی انٹگرل کوچ فیکٹری مدراس۔ ہندوستان مشین ٹولز میسور۔ نیشنل انسٹرومنٹس فیکٹری کلکتہ اور ٹیلیفون فیکٹری بنگلور خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس عرصہ میں ملک کی تعمیری اور صنعتی ترقی کے کاروبار میں تین ہزار ایک سو کروڑ روپے کا سرمایہ لگایا گیا اور ملک میں چیزوں کی پیداوار میں اضافہ کے باعث قیمتوں میں تیرہ فی صدی کی کمی ہوئی۔

پہلی پانچ سالہ منصوبہ بندی کی تکمیل کے بعد بھی ہندوستانیوں کا معیار زندگی دنیا میں سب سے ادنیٰ ہے اور ملک غربت کے چنگل سے چھٹکارا نہیں پا سکا۔ ہندوستانیوں کو پیٹ بھر کے کھانا نہیں ملتا انہیں سولہ گز فی کس سالانہ سے زیادہ کپڑا میسر نہیں۔ مکانوں کی تنگی اور تعلیمی سہولتوں کی کمی ہے۔ ۱۹۶۰ء تک ملک میں ۳۰ لاکھ مکانوں کی ضرورت پوری ہونی چاہیئے۔ طبی امداد کی یہ حالت ہے کہ ہندوستان میں ہر چھ ہزار باشندوں کے لئے ایک ڈاکٹر اور تینتالیس ہزار باشندوں کے لئے ایک نرس ہے۔ اس کے مقابلہ میں انگلستان میں ہر ایک ہزار باشندوں کے لئے ایک ڈاکٹر اور تین سو باشندوں کے لئے ایک نرس ہے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مقابلہ میں یہاں بجلی کی کھپت فی کس $\frac{1}{42}$ اور فولاد کی $\frac{1}{122}$ ہے۔ ملک میں بے کاری بہت زیادہ ہے۔ اور ملک کی آبادی میں 1.25 فی صدی سالانہ اضافہ ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی صنعتی ترقی کی رفتار بہت سست ہے اور منزل مقصود ابھی کافی دور ہے۔

دوسری پانچ سالہ منصوبہ بندی

THE SECOND FIVE YEARS PLAN

مارچ ۱۹۵۵ء میں پہلی پانچ سالہ منصوبہ بندی کی میعاد ختم ہو گئی لیکن تعمیر و ترقی کے کام کو جاری رکھنے کے لئے دوسری پانچسالہ منصوبہ بندی کا پروگرام شروع ہوا جو ۱۵ مئی ۱۹۵۶ء میں رسمی طور پر پارلیمنٹ نے منظور کیا جس طرح پہلی پانچسالہ منصوبہ بندی میں زراعت کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی تھی ویسے اس دوسری پانچسالہ منصوبہ بندی میں صنعت و حرفت کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اس منصوبہ بندی کے خاص خاص مقاصد یہ ہیں:۔

(۱) قومی آمدنی میں ایسا گراں قدر اضافہ جو ملک کے معیار زندگی کو بلند کرنے میں مدد دے سکے۔

(۲) ملک میں صنعت و حرفت کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنا اور بنیادی اور بھاری صنعتوں پر خاص توجہ دینا۔ ایسی مشینیں بنانے پر زور دینا جن سے ایسی مشینیں بنائی جا سکیں جو روزمرہ کی چیزیں اور دیگر ضروری صنعتی سامان بنانے کے کام آتی ہوں۔ (۳) اس کے لئے ضروری ہے کہ لوہے

فولاد۔ غیر آہنی دھاتوں۔ کوئلے۔ سیمنٹ اور کیمیاوی صنعتوں کو مزید توسیع و ترقی دی جائے۔

۳۔ ملک سے بے کاری دُور کرنے کے لئے روزگار کے زیادہ وسیع مواقع بہم پہنچانا۔

۴۔ آمدنی اور دولت کے فرق کو کم کر کے۔ اقتصادی قوت کی مساوی تقسیم کرنا تاکہ ملک سے ظالمانہ سرمایہ داری اور غربت کا قلع قمع ہو سکے۔

یہ سب مقاصد ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں چنانچہ معیار زندگی کو بلند کرنا پیداوار کے اضافہ پر منحصر ہے اور پیداوار میں اضافہ صنعتی ترقی پر موقوف ہے صنعتی ترقی کا انحصار بنیادی صنعتوں کے فروغ پر ہے بنیادی صنعتوں میں سرمایہ لگانے سے روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کی مانگ بڑھ جاتی ہے اور ان کی منصوبہ بندی کے اصولوں پر پیداوار بڑھانے سے روزگار کے مواقع بڑھتے ہیں۔ ان مسایل کا حل ایسے طریق پر ہونا چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ معاوضے پر زیادہ سے زیادہ روزگار مہیا ہو سکیں اسی اصول کی کامیابی پر دوسرے پانچسالہ منصوبے کی کامیابی کا انحصار ہے۔

اس منصوبے کی کامیابی کے لئے حکومت کو قومی اقتصادی زندگی میں زیادہ اور مؤثر حصّہ لینا ضروری ہے چنانچہ حکومت ہند کی صنعتی پالیسی سے متعلق قرارداد (اپریل ۱۹۵۶ء) میں سرکار کو قومی اقتصادی زندگی میں مزید ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لینے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ سرکاری انتظام میں چلنے والے کارخانوں میں سب بنیادی اور قومی اہمیت کی صنعتیں اور حکومت کے رفاہ عامہ کے محکمے بھی شامل کر دئے جائیں ایسی صنعتیں بھی جن پر بہت زیادہ سرمایہ لگانے کی ضرورت ہے جو حکومت ہی مہیا کر سکتی ہے سرکار کے ہاتھ میں ہی رہیں گی۔ زیادہ اہم صنعتیں مرکزی حکومت اور باقی ریاستی حکومتوں کے ہاتھ میں رہیں گی۔

ان کے علاوہ دوسری پانچسالہ منصوبہ بندی میں چھوٹے پیمانے کی گھریلو دستکاریوں کے فروغ پر بھی بہت زور دیا گیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ بے کار لوگوں کو بآسانی روزگار مہیا کیا جا سکے۔

ملک میں غریبی اور ظالمانہ سرمایہ داری کو دُور کر کے ایک اشتراکی طرز کا معاشرہ (SOCIALIST PATTERN OF SOCIETY) قائم کرنا دوسری پانچسالہ منصوبہ بندی کا سب سے زیادہ اہم نصب العین ہے اس اقتصادی نا برابری اور مجلسی بے انصافی کو ختم کرنے کے لئے اس منصوبہ بندی میں ایسے ٹیکس عاید کرنے کی سفارشیں ہیں جن سے امیروں کی دولت غریبوں کے کام آ سکے شخصی آمدنی کی ایک خاص حد مقرر کر کے باقی رقم ٹیکسوں کی صورت میں لے لی جائے گی تاکہ قومی سرمایہ چند گنے چنے لوگوں یا خاندانوں کی میراث بن کر نہ رہ جائے اسی لئے ملک سے زمینداری اور جاگیرداری کے خاتمے۔ مینجنگ ایجنسی کے طریقے کو اڑانے اور امپیریل بنک آف انڈیا کو قومی ملکیت بنانے پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے ملک میں لایف انشورنس یا زندگی کے بیمہ پر قومی قبضہ کرنا اور ہوائی جہازوں کی سروسول کو قومی ملکیت میں لینا بھی ظالمانہ سرمایہ داری کے خاتمے کی طرف اہم قدم ہیں

اس منصوبہ بندی پر خرچ کی مختصر تفصیل یہ ہے :-

مد خرچ	پہلی پانچسالہ منصوبہ بندی میں خرچ (کروڑوں میں)	اوسط فی صدی	دوسری پانچسالہ منصوبہ بندی میں خرچ (کروڑوں میں)	اوسط فی صدی
۱۔ زراعت وکمیونٹی ڈیولپمنٹ	۳۵۷	۱۵.۱ فی صدی	۵۶۸	۱۱.۸ فیصدی
۲۔ آبپاشی اور بجلی	۶۶۱	۲۸.۱ "	۹۱۳	۱۹.۸ "
۳۔ صنعت اور کان کنی	۱۷۹	۷.۶ "	۸۹۰	۱۸.۵ "
۴۔ رسل و رسایل	۵۵۷	۲۳.۶ "	۱۳۸۵	۲۸.۹ "
۵۔ سماجی بہبود	۵۳۳	۲۲.۶ "	۹۴۵	۱۹.۷ "
۶۔ متفرق	۶۹	۳.۵ "	۹۹	۲.۱ "
میزان کل	۲۵۵۶	۱۰۰ "	۴۸۰	۱۰۰ "

پہلی اور دوسری منصوبہ بندی سے ملک میں ایک خاموش انقلاب جنم لے رہا ہے اور لوگوں میں تعمیر و ترقی اور حب الوطنی کی نئی لہریں اُٹھ رہی ہیں ملک کی سب سیاسی جماعتیں اس کام میں حکومت کا ہاتھ بٹا رہی ہیں۔ اور

پنڈت جواہر لعل نہرو کی زیر صدارت بھارت سیوک سماج کے غیر سیاسی اور سب کے ساجھے ادارے میں مل جل کر تعمیر و ترقی کے منصوبوں میں عملی حصہ لے رہی ہیں۔

آزاد ہندوستان کی خارجہ پالیسی

ہندوستان نے پہلی جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامی سیاست کے میدان میں قدم رکھا اور صلح ورسیلز اور لیگ آف نیشنز میں اہم حصہ لیا لیکن اس وقت ہندوستان برطانیہ کی غلامی میں جکڑا ہوا تھا اور قومی نمائندوں کے انتخاب میں اُس کی کوئی آواز نہ تھی دوسری جنگ عظیم کے دوران میں ہندوستان میں آزادی کا مطالبہ زور پکڑتا گیا اور آخر کار ہندوستان ۱۹۴۷ء میں آزاد قوموں کی صف میں کھڑا ہوگیا اس وقت سے آج تک ہندوستان کے وزیر امور خارجہ خود پنڈت جواہر لعل نہرو ہیں آپ نے اپنے حسن تدبر سے ایک طرف تو ہندوستان کو اقوام عالم میں نہایت معزز مقام پر لا کھڑا کیا اور دوسری طرف دنیا میں امن کے قیام اور استحکام کے لئے ایسی شاندار کوششیں کیں کہ اقوام عالم نے اس کے لئے ہندوستان کو خراج تحسین پیش کیا۔

آزاد ہندوستان کی خارجہ پالیسی محکوم قوموں کی آزادی کی حمایت۔ غیر جانب داری۔ سب قوموں سے دوستی۔ قیام و استحکام امن کی حمایت۔ جنگ اور زبردستی کی مخالفت اور انسان دوستی کے سنہری اصولوں پر قائم ہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ہندوستان کی جمہوریت دولت مشترکہ یا راشٹر منڈل اور مجلس متحدہ اقوام عالم یا یو۔ این۔ او کے رکن کی حیثیت سے ہر وقت کوشاں رہی۔ دنیا کی قومیں اسی وقت رُوس یا امریکہ کی فوجی گٹھ بندیوں میں بٹی ہوئی ہے لیکن ہندوستان ان گٹھ بندیوں سے آزاد ہے اور اس کے تعلقات روسی اور امریکی دونوں بلاکوں سے نہایت دوستانہ ہیں اور دونوں گروہ اُسے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں انڈونیشیا کے محب وطن لوگوں نے ہالینڈ کی چار سو سالہ غلامی سے نجات حاصل کرنے کے آزادی کی تحریک زور شور سے شروع کی تو ہندوستان نے انڈونیشیا کی حمایت میں یو۔ این۔ او میں شاندار حصہ لیا اور ہالینڈ کو مجبور کر دیا کہ وہ انڈونیشیا کی آزادی کو تسلیم کرے چنانچہ انڈونیشیا کی آزادی میں ہندوستان کی کوششوں کا انڈونیشیا کے رہنماؤں نے اعتراف کیا اور دونوں ملکوں میں نہایت گہرے برادرانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

۱۹۵۰ء میں شمالی کوریا کی کمیونسٹ حکومت نے روس اور چین کی مدد سے اور جنوبی کوریا نے امریکی بلاک کی مدد سے ایک خوفناک ٹکر لی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر فناہ کر دیں گے اس وقت ہندوستان کی کوششوں سے عارضی صلح کا سمجھوتہ ہوا اور ہندوستان نے سب قوموں کے اتفاق سے اس سمجھوتہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی فوج اور افسر کوریا میں امن بحال کرنے کے لئے بھیجے اور صلح کے اس مشن میں بڑی گراں قدر کامیابی حاصل کی۔

اسی طرح جب ہندچینی میں فرانسیسی اقتدار کے خلاف آزادی کی جنگ شروع ہوئی تو ہندچینی کے ایک حصہ کی مدد کا چین نے اور دوسرے حصہ کی مدد کا بیڑا امریکہ نے اٹھایا ۱۹۵۴ء میں یہ جنگ نہایت نازک صورت اختیار کر گئی۔ ہندوستان نے یو۔ این۔ او میں فرانسیسی سامراج کی زبردستیوں اور امریکہ کی پالیسی کی کڑی نکتہ چینی کی اور فرانس کو مشورہ دیا کہ وہ ہندچینی کو اپنی غلامی سے آزاد کر دے نتیجہ یہ ہوا کہ ہندچینی میں قیام امن کے لئے ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور بڑے غور و فکر کے بعد عارضی صلح کی شرطیں طے ہو گئیں اور انہیں عملی جامہ پہنانے کا کام بھی ہندوستان کے ہی سپرد ہوا جسے ہندوستان نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

ہندوستان کے چین سے بڑے پرانے اور گہرے تمدنی تعلقات تھے چنانچہ جب چین میں انقلاب ہوا اور ماؤ سے تنگ نے چین میں عوامی جمہوریہ کی بنیاد رکھی تو ہندوستان نے اسے تسلیم کر لیا اور دنیا کی دوسری قوموں اور خاص کر

امریکہ کو اس نئی حکومت کو تسلیم کرنے کا مشورہ دیا۔ ہندوستان نے تبت پر چین کی سرداری کو تسلیم کر کے ایک معاہدہ کیا اس معاہدے میں ہندوستان نے خارجہ پالیسی کے پانچ اصول تسلیم کئے جو بعد میں اصول خمسہ یا پنچ شیل کے نام سے مشہور ہوئے ۱۹۵۴ء میں جب مسٹر چو۔ این۔ لائی وزیر اعظم عوامی جمہوریہ چین ہندوستان میں تشریف لائے تو ان اصولوں کو بین الاقوامی تعلقات اور استحکام امن عالم کے لئے پنڈت جواہر لعل نہرو چو۔ این لائی مشترکہ اعلان میں ساری دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ پانچ اصول ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی ستون ہیں۔

پنچ شیل یا اصول خمسہ یہ ہیں :۔

(۱) دنیا کی قومیں ایک دوسرے کے ملکوں کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کا پاس رکھیں۔

(۲) جارحانہ کاروائی سے پرہیز کریں۔

(۳) ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔

(۴) ایک دوسرے سے مساوات کا سلوک کریں اور باہمی مفاد کا لحاظ رکھیں

(۵) اور پرامن طریقے پر ایک دوسرے کے ساتھ جیو اور جینے دو کے اصول پر قائم رہیں۔

اگر دنیا کی سب قومیں دل و جان سے ان اصولوں پر عمل پیرا ہوں۔ تو دنیا کو ہمیشہ کے لئے جنگ کے خوف اور اس کی تباہ کاریوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے چین اور روس کے علاوہ دنیا کے تیس کے قریب ملک ان اصولوں کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی یہ نہایت شاندار فتح ہے۔

۱۹۵۵ء میں انڈونیشیا میں بانڈنگ کے مقام پر ایشیائی افریقن قوموں کی ایک کانفرنس میں ان اصولوں کو تسلیم کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۵۴ء میں جب امریکہ نے مشرقی ملکوں کو اپنی فوجی دھڑہ بندی میں شامل کرنے کے لئے سیٹو S.E.A.T.O (ساؤتھ ایسٹ ایشیا ٹریٹی آرگنائزیشن) کانفرنس بلائی تو ہندوستان نے اس میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ تھائی لینڈ اور پاکستان کے علاوہ باقی کسی ایشائی ملک نے

اس فوجی معاہدہ میں شامل ہونا منظور نہ کیا اور ہندوستان کی پالیسی کو ہی اختیار کیا اسی طرح جب انگلستان۔ ترکی۔ ایران۔ پاکستان اور عراق نے معاہدہ بغداد کے نام سے ایک فوجی تنظیم قائم کی تو ہندوستان نے اس تجویز کی مخالفت کی۔

عرب ممالک میں مصر نے سب سے زوردار طریقے سے مغربی تسلط کی مخالفت شروع کی اور اپنی کامل آزادی کا اعلان کیا۔ بادشاہت ختم کر کے ملک میں جمہوریت قائم کی اور آہستہ آہستہ مصر جدید کے رہنما کرنل ناصر نے مغربی اقتدار سے مخلصی کی مہم شروع کر دی اس سلسلہ کا سب سے اہم واقعہ ۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء کے دن سوئز نہر کو قومی ملکیت میں لینا تھا۔ نہر سویز پر انگریزی اور فرانسیسی سرمایہ داروں کی ایک کمپنی کا قبضہ تھا علاوہ ازیں اسے فوجی اور تجارتی لحاظ سے بہت اہمیت حاصل تھی سامراجی طاقتیں سوئز پر مصر کا قومی قبضہ برداشت نہ کر سکیں اور اُن کی شہ پر یہودی ریاست اسرائیل نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو مصر پر حملہ کر دیا اور اسرائیل کی مدد کے بہانے انگریز اور فرانسیسی بھی جنگ میں کود پڑے۔ آخر یہ معاملہ اتحادی قوموں کی سلامتی کونسل اور پھر جنرل اسمبلی میں پیش ہوا۔ اس معاملہ میں ہندوستان نے جس جوش و خروش سے مصر کے قومی حقوق کی حمایت کی اس سے ساری عرب قومیں از حد متاثر ہوئیں۔ ہندوستان اور دوسری ملکوں کی کوششوں سے سوئز کے علاقے میں امن و امان قائم ہوا اور سامراجی حملہ آوروں کو مصری علاقہ خالی کرنا پڑا۔

اس کے علاوہ الجیریا کے مسلمانوں کی جنگ آزادی اور عربوں کے اتحاد کے لئے بھی ہندوستان پوری حمایت اور ہمدردی کا اظہار کر چکا ہے۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی وجہ سے ہندوستان کی بین الاقوامی ساکھ بہت بڑھ گئی ہے اور دنیا کے ہر معاملہ میں ہندوستان کی رائے کو سب دلچسپی اور توجہ سے سنتے ہیں اس شاندار کامیابی کا سہرا ہندوستان کے وزیر امور خارجہ پنڈت جواہر لعل جی نہرو کے سر ہے:

EXERCISE.

1. Describe in outline the main aims and objectives of
(a) The first five year plan.
(b) The second five year plan.
2. Briefly describe the foreign policy of free India.

OR

Give an account of the part played by India in the maintenance and consolidation of world peace.

3. Write notes on :—
Panch Shila Suez Crisis 1956, Bandung Conference.

باب نہم

بھارت کے لال

راجہ رام موہن رائے آپ ۱۷۷۴ء میں بنگال کے ضلع ہگلی میں ایک امیر زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔
لڑکپن میں آپ نے عربی۔ فارسی اور سنسکرت زبان و ادب میں کافی مہارت پیدا کی اور اسلام عیسائیت اور ہندو دھرم کا گہرا مطالعہ کیا کچھ عرصہ بعد آپ نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی آپ نے ہندو سماج میں قسم قسم کی سوشل برائیاں دیکھیں اور عمر بھر ان کے خلاف پرچار کرتے رہے۔ آپ نے برہمو سماج کی بنیاد رکھی آپ اندھی تقلید۔ مورتی پوجا اور توہم پرستی کے سخت خلاف تھے آپ نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انسانی قربانیوں اور ستی کی بری رسم کے انسداد میں آپ نے حکومت کی بڑی مدد کی آپ نے کلکتہ میں مغربی وضع کی تعلیم دینے کے لئے ایک اسکول بھی قائم کیا۔ ۱۸۳۰ء میں آپ مغل بادشاہ اکبر ثانی کی طرف سے شاہ انگلستان کے دربار میں وکیل بن کر گئے تاکہ مغل بادشاہ کے وظیفہ میں اضافہ کروا سکیں لیکن آپ کو کوئی کامیابی نہ ہوئی اور وہیں برسٹل کے مقام پر آپ اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے آپ ہندوؤں کے ایک مشہور مصلح قوم یا ریفارمر ہو گذرے ہیں اور ہندوستان کو اس مایہ ناز سپوت پر آج تک بجا طور پر ناز ہے۔ آپ جدید ہند کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں

سر سید احمد خاں آپ ۱۸۱۷ء میں دہلی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہلی میں ہی پائی اور عربی فارسی اور اردو میں پوری مہارت حاصل کرکے اکبر شاہ ثانی کے

باب نہم

تاریخ کشمیر

کشمیر کی تاریخ کے ماخذ

کشمیر کی تاریخ لگ بھگ اڑھائی ہزار سال سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل ماخذ ہیں :-

(۱) مقامی روائتیں اور قصے کہانیاں
(۲) نیلہ مت پُوران ۔
(۳) بودھ مذہبی ادب جیسے مہاونش
(۴) سفرنامے
(۵) راج ترنگنی سنسکرت میں مُصنّف کلہن پنڈت

مشہور تاریخی تصنیفات

۱۔ راج ترنگنی' قصّے کہانیاں۔ جادو بھری روائتوں۔ دیومالا یا مائتھالوجی اور تاریخ واقعہ نگاری کا ملا جُلا اولین تاریخی ریکارڈ ہے۔ تاریخی اعتبار سے زیادہ قابل قدر نہیں ہے۔ مگر پھر بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے گہرے مطالعہ سے ہمیں گیارھویں صدی عیسوی تک کے واقعات کی اچھی خاصی جھلک ملتی ہے۔

۲۔ فارسی تاریخی تالیفات مثلاً واقعاتِ کشمیر مُصنّفہ علامہ احمد کشمیری۔ اور تاریخ نادری۔ گو یہ تاریخیں ضائع ہو چکی ہیں مگر بعد کی تاریخوں میں ان کا ذکر اور حوالہ ہے۔

۳۔ تاریخ کشمیر مصنّفہ سید علی۔ سفرنامہ شرف الدین یزدی۔ تاریخ فرشتہ [illegible]۔ اکبرنامہ۔ تاریخ کشمیر مُصنّفہ بیربل کاچرو۔ تاریخ کشمیر مصنّفہ نرائن کول۔ تاریخ اعظمی اور اس کے تکملے۔ "راج درشنی" مُصنّفہ گنیش داس ادیرہ۔ "گلاب نامہ" مصنّفہ دیوان کرپا رام۔

۴۔ یورپین سیاحوں کے سفرنامے مثلاً مارکو پولو۔ برنیر فورسٹر۔ ہیوجل وائن۔ جیکمانٹ

(۵) تاریخ حسن مصنفہ پیر غلام حسن۔
(۶) حشمت کشمیر مصنفہ عبد القادر خان
(۷) گلزار کشمیر مصنفہ دیوان کرپا رام
(۸) اخبارات دربار مہاراجہ گلاب سنگھ مولفہ میرزا سیف الدین کشمیری۔
(۹) گلدستہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہر گوپال خستہ۔
(۱۰) ویلی آف کشمیر مصنفہ لارنس
(۱۱) انسائکلوپیڈیا کشمیر مصنفہ پریم ناتھ بزاز
(۱۲) فائل اخبار سیاست و انقلاب لاہور (۲۴-۱۹۳۲)
(۱۳) اے ہسٹری آف کشمیر مصنفہ پنڈت پی۔ این۔ کول

شیومت

شیومت کو ماننے والے شو جی کو خدا مانتے ہیں اور ان کی بغیر گھڑائی کے پتھر کی مورتی کی پوجا کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے شو کے پجاری خدا کو ایک مانتے ہیں اور خدا کی ہستی میں اپنی ذات کو مٹا دینا ہی زندگی کا اعلیٰ اور روحانی مقصد سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا روح اور مادہ الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ نیک عمل۔ خدا کی عبادت اور پرہیز گاری سے انسان کی روح مادی دنیا کے جنجال سے خلاصی حاصل کر سکتی ہے۔ اور ذات حق میں وصل پا سکتی ہے۔

کشمیر میں شیومت کا بانی واسوگپت مانا جاتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے شو سوتر بیان کئے جو کشمیر کے شو فلسفہ کی بنیاد ہیں۔ شو فلسفہ کا ادب تین حصوں میں منقسم ہے۔

شیومت کے مشہور گرنتھ

۱۔ آگم شاستر۔ جیسے شو سوتر یا مالنی۔ جیو تر تنترم جن میں صرف

۲۔ اپنشد شاستر۔ جن میں کائنات کے بھیدوں کا بیان ہے۔

۳۔ پرتی بھگیہ شاستر۔ جن میں خدا شناسی۔ پرہیز گاری اور عبادت کا ذکر ہے۔ یہ بڑی حد تک اسلامی تصوف سے ملتا جلتا ہے۔

پرانے زمانے میں مذہب اور سیاست کا گہرا تعلق رہا ہے چنانچہ بدھ مت کا عروج اس لئے ہوا کہ اسے راجہ اشوک اور کنشک کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ بدھ مت کے زوال پر پھر برہمن مت نے زور پکڑا۔ راجے شومت کے پرستار بن گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی لوگ بودھ دھرم سے منہ موڑنے لگے۔ مہایان بدھ مت کی زبان سنسکرت قرار پائی۔ اور بودھ بُدھ کی مورتی کی پوجا کرنے لگے۔ ہندوؤں نے بدھ کو وشنو کا اوتار مان لیا اور بودھ ہندوؤں میں گھل مل گئے۔

نویں صدی عیسوی کے آغاز میں سوما نند نے "شو درشٹی" نام کی کتاب لکھی اور شو فلسفہ کو کشمیر کے کونے کونے میں پہنچایا۔ اس کے بعد اوتپل۔ بھٹ نارائن اور لکشمن گپت نے اس مت کا بڑا پرچار کیا۔ شو فلسفہ کا سب سے بڑا عالم مشہور آچاریہ ابھی ناو گپت تھا وہ علم و فن شعر و ادب اور مذہب و فلسفہ کا بے نظیر استاد مانا جاتا ہے۔ اس کی لکھی ہوئی کئی کتابیں سنسکرت زبان اور ادب کے شاہکار تسلیم کی جاتی ہیں۔ اس نے شو فلسفہ کا انسائیکلو پیڈیا "تانترک لوک" بارہ جلدوں میں لکھا۔ شیو فلسفہ کا آخری بڑا پرچارک اور عالم جے رتھ تیرھویں صدی عیسوی میں ہوا ہے۔

شو فلسفہ نے اس قدر مقبولیت حاصل کرلی کہ لگ بھگ سب لوگ بودھ دھرم کی بجائے شومت کے پیرو کار بن گئے۔ جا بجا مندر، تیرتھ اور مٹھ وجود میں آگئے۔

کشمیر میں شومت کا زوال

کشمیر میں شومت کا زوال تیرھویں صدی میں اسلام کے فروغ کی

وجہ سے ہوا۔ ہندو راجاؤں میں خانہ جنگی کے سبب یکے بعد دیگرے کئی
خاندانوں نے حکومت کی۔ سنہ ۶۲۵ء میں درلبھ وردھن نے کارکوٹ خاندان کی
بنیاد رکھی۔ اس نے کئی مندر اور عمارتیں بنوائیں۔ مگر اس کی چوتھی پشت
میں جیا پیڈ نے بڑے ظلم کئے اور کارکوٹ خاندان کی جڑیں کھوکھلی
کر دیں۔ آخر اونتی ورمن نے سنہ ۸۵۵ء میں اتپل خاندان کی بنیاد رکھی۔
وہ بڑا دانا راجہ تھا۔ اس نے بڑا نام پایا۔ اس کے جانشین نالائق
اور عیاش تھے۔ اس لئے حکومت لوہارا خاندان کے ہاتھ میں چلی گئی۔
راجہ سنگرام دیو سنہ ۱۰۰۳ء میں تخت نشین ہوا۔ اس خاندان کا سب سے
بڑا حکمران راجہ ہرش دیو تھا جس نے سنہ ۱۰۸۹ء سے سنہ ۱۱۰۴ء تک حکومت
کی۔ اس کے قتل کے ساتھ ہندو راجاؤں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور
افراتفری پھیل گئی۔ آخر رہی سہی کسر تاتاری سردار ذولچو کے حملے
نے پوری کر دی۔ راجہ سہدیو مقابلہ چھوڑ کر کشتواڑ بھاگ گیا۔ اس اثناء میں
لداخ کا شہزادہ رینچن تخت نشین ہو گیا۔ اس نے راجہ سہدیو کے سپہ سالار رام چندر
کی لڑکی کوٹہ رانی سے شادی کر لی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سید شرف الدین بلبل شاہ
مسلم درویش کی پاکیزہ زندگی سے متاثر ہو کر راجہ رینچن نے اسلام قبول کر لیا اور
صدر الدین نام رکھ لیا۔ اس کی دیکھا دیکھی بہت سے کشمیریوں نے اسلام قبول کر
لیا اور شیومت کو زوال آ گیا۔

بودھ اور شیومت کا زمانہ

کشمیر کے پرانے زمانے کے حالات کی اچھی خاصی جھلک ہمیں کلہن کی راج
ترنگنی سے ملتی ہے۔ دوسری سنسکرت کتابیں بھی اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان
کے مطالعے سے مندرجہ ذیل واقفیت حاصل ہوتی ہے:۔

عوامی طرز زندگی۔ لوگ عام طور پر کھیتی باڑی کرتے تھے ان کو حکومت کے
معاملات میں کوئی دخل نہیں تھا۔ ان کی زندگی کا معیار پست تھا اور انہیں
مصائب و آلام کا سامنا رہتا تھا۔ حکومت کو تعلیم اور حفظان صحت کی پرواہ

دقیقی مسافروں کی حفاظت اور سہولت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ راستے خطرناک اور دشوار گذار تھے۔ صنعت وحرفت اور تجارت نام کو بھی نہ تھی۔ لوگوں کو بد دیانت اور رشوت خور حاکموں سے واسطہ تھا وہ بھاری ٹیکسوں اور نذرانوں کے شکار تھے۔ راجے ظالم تھے اور من مانی کرتے تھے۔ ان کے اخلاق بگڑے ہوئے تھے۔ جاگیردار۔ سردار اور بڑے زمیندار راجے کے ساتھ مل کر عوام پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھاتے تھے۔ حکومت پر ڈانگر۔ تانترے نایک اور کائستھ لوگوں کا اثر ورسوخ تھا۔ آبادی کی اکثریت برہمنوں اور کھشتریوں کی تھی۔ شودر اور ویش جاتیوں کا کہیں ذکر نہیں۔

ادب۔ سیاسی ابتری اور عوامی خستہ حالی کے باوجود آٹھویں سے بارہویں صدی عیسوی تک کشمیر میں سنسکرت علم وادب میں کافی ترقی ہوئی۔ شیومت پر سنسکرت میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ مذہبی ادب کے علاوہ اس دور میں بہت سے شاعر اور ادیب بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً بھیم بٹ۔ دامودر بھٹ۔ رتناکر۔ سری سوامی دلبھ دیو۔ سوم دت۔ چندر تھ وغیرہ سنسکرت کے عالم تھے۔ پاتنجلی۔ چندر۔ کشمیر سوامی اور دامن سنسکرت گرامر اور زبان دانی کے ماہر مشہور اور قابل ذکر ہیں۔ فن تنقید پر بھی چند کتب لکھی گئیں۔ طب میں چرک اور زہری جیسے باکمال مصنف ہوئے ہیں۔ جوتش میں بھاسکر اچاریہ آریہ بھٹ اور رتن کنٹھ نے نام پیدا کیا۔

فنِ تعمیر۔ کشمیر کے پرانے شہروں کے کھنڈرات سے پتہ چلتا ہے کہ بودھ اور شیو دور میں فنِ تعمیر۔ سنگ تراشی اور مجسمہ سازی نے کافی ترقی کی تھی۔ مارتنڈ۔ پری ہاس پور۔ اوانتی پور۔ پٹن۔ اوشکر اور ہاروں کے کھنڈر اس بات کے گواہ ہیں۔ بودھ وہار اور برہمنی مندر کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کے درمیان میں بتکدہ اور ہال ہوتے تھے اور صحن کے آس پاس ستونوں پر قائم عمارت ہوتی تھی۔ اس سے مغربی فنِ تعمیر کا اثر جھلکتا ہے۔ اس زمانے میں کشمیر گاندھار کا ایک حصہ تھا۔ اس لئے گاندھار طرز کی سنگ تراشی و مجسمہ سازی کی ستونوں کی یونانیوں سے قدیم کھنڈرات

اس طرز کے فن کی شہادت دیتے ہیں۔

مذہب و فلسفہ۔ بودھ زمانے میں کشمیر میں مہایان بودھ مت کی بنیاد پڑی۔ اس مت میں روحانی ترقی اور رواداری کی اچھی مثالیں ملتی ہیں جن کا اہل کشمیر پر گہرا اثر پڑا۔ بودھ خانقاہیں مندر اور مجسمے کثرت سے وجود میں آئے۔ ان سے بدھ مت کا بڑا پرچار ہوا۔ کشمیری فن اور تمدن پر اس کا خاص اثر ہوا۔ چونکہ بدھ مت لداخ۔ وسط ایشیا اور چین میں پھیل چکا تھا۔ اس لئے کشمیر کے لوگوں کا دوسرے ملکوں سے گہرا رابطہ قائم ہوگیا۔ کشمیری دور دور تک جانے لگے اور اس میل جول سے ان کے تمدن اور طرز زندگی میں بھی تبدیلی آئی اور آرٹ اور تجارت پر بھی اثر پڑا۔

بدھ مت کے زوال پر کشمیر میں شیو مت کو عروج حاصل ہوا۔ شاہی سرپرستی نے اسے چار چاند لگائے۔ بڑے بڑے سنسکرت کے عالم اس مذہب کی جانب مائل ہوئے اور فلسفہ پر کتابیں لکھی گئیں۔ شیو مت سے توحید اور خدا پرستی کے خیالات پھیلے۔ اخلاق کی آراستگی اور روحانی ترقی کے طریقے سوچے جانے لگے بھگتی کے وچار اور مذہبی رواداری بڑھ گئی۔ اس ماحول میں اسلام کی تعلیم اور اشاعت آسان ہوگئی اور بدھ مت اور شیو مت دونوں کو زوال ہوا +

شہمیری خاندان

کشمیر میں چک خاندان کی حکومت

کوئی تیس سال سے ذرا زیادہ کشمیر میں چک خاندان کے سلطانوں کا دور دورہ رہا۔ شاہمیری خاندان میں کوئی بھی زین العابدین کا صحیح جانشین نہ نکلا۔ شاہمیری خاندان کا آخری شہزادہ دنیا کی تاریخ میں ایک واحد ہستی ہے جو پانچ دفعہ بادشاہ بنا اور معزول ہوا۔ یہ شہزادہ امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا وہ جب چاہتے تھے اس کو تخت پر بٹھا دیتے اور جب چاہتے [illegible] اتار دیتے [illegible] خاندان

کشمیر کی سیاسی گٹھ جوڑ میں نمایاں حصہ لیتا نظر آتا ہے۔ سلطان محمد شاہ نے جب چوتھی دفعہ تخت سنبھالا تو اس نے کاجی چک کو اپنا وزیر اعلےٰ بنایا۔ کاجی چک نے سلطان محمد شاہ کی بزدلی کو دیکھ کر اس کو تخت سے اتار دیا اور اس کے بیٹے ابراہیم شاہ کو تخت پر بٹھا دیا جس سے تمام حکومت کاجی چک کے ہاتھ میں ہی رہی۔ کشمیر میں ایک دفعہ پھر انقلاب آیا۔ بابر اور ہمایوں کی مدد سے کشمیر کے امراء ملک میں سلطان بناتے رہے اور ان کو معزول کرتے رہے اس دور میں ملک حیدر کشمیر میں آیا۔ اگرچہ تخت پر سلطان نازک شاہ رہا لیکن حکومت در اصل ملک حیدر کے ہاتھ میں رہی۔ کاجی چک کو کشمیر چھوڑنا پڑا اور وہ اپنے خاندان کے ساتھ کوہستان میں در بدر رہا۔ جب ملک حیدر ایک قصاب کے ہاتھوں مارا گیا تو سلطان نازک شاہ نے عیدی رینہ کو اپنا وزیر اعظم بنایا اور کاجی چک کے بیٹوں دولت چک۔ غازی چک۔ علی چک اور حسین چک کو واپس بلا لیا اور ان کو اچھے عہدوں پر مقرر کیا۔ انہوں نے آتے ہی سیاسی چال بازیوں کا جال پھیلا دیا۔ سلطان نازک شاہ کو معزول کر کے سلطان اسماعیل ثانی کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن اب حکومت پوری طرح سے دولت چک کے ہاتھ میں آ گئی۔ دولت چک کے بھائی غازی چک نے اس سے فائدہ اٹھایا اور دولت چک کو قتل کروا دیا۔ ۱۵۵۰ء میں غازی چک نے اپنے بھانجے حبیب شاہ کو جو اسماعیل شاہ اول کا بیٹا تھا تخت پر بٹھا کر حکومت چلانی شروع کی۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس نے حبیب شاہ کو بھی ایک طرف کیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اس طرح سے حکومت جو برائے نام شاہ میری خاندان میں چلی آ رہی تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ چنانچہ آخر کار کاجی کا بیٹا غازی چک سیاسی دھڑے بندیوں کا فائدہ اٹھا کر کشمیر کا سلطان بن گیا۔ اس نے ۱۵۵۶ء سے لے کر ۱۵۶۳ء تک کوئی نو برس راج کیا۔ یہ شخص بڑا ہوشیار دانش مند تھا۔ اس میں انتظامی قابلیت بھی بہت تھی۔ یہ بڑا نڈر تھا اور اپنی سخت گیری کے لئے بھی بڑا مشہور تھا۔ [illegible]

کی شیعہ مذہب کی سرپرستی۔ اس میں یہ بعض دفعہ حد سے آگے گذر جاتا تھا۔ لیکن چونکہ بڑا سخت گیر تھا اس لئے کوئی مخورش اگر اٹھتی تھی تو وہ سختی سے دبا دیتا تھا۔ اس نے لداخ۔ اسکردو۔ گلگت۔ کشتواڑ۔ پونچھ۔ چھبال اور نکمپل کے علاقے فتح کر کے کشمیر میں شامل کر لئے تھے۔ یہ انصاف اور عدل میں کسی قسم کی رعایت کا حامی نہ تھا اور جب عدالت کی کرسی پر بیٹھتا تھا تو اپنے عزیز سے عزیز رشتہ دار کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

اس کے عہد میں چند بغاوتیں ہوئیں جن کے درپردہ کچھ ذاتی اغراض مذہبی خیالات اور سیاسی طاقت حاصل کرنے کی کوششیں پوشیدہ تھیں۔ امراء جو اس کی سخت گیری کے خلاف تھے انہوں نے مغلوں سے مل کر بغاوت پھیلانے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے سختی سے ان تمام سازشوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کو موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا۔ یوسف چک اور حبہ خاتون کی محبت کے افسانوں نے ان کو جہانگیر اور نور جہاں کی سطح پر پہنچا دیا۔ اور حبہ خاتون واقعی نور جہاں کی طرح زمین اور امور سلطنت کو اچھی طرح سمجھنے کے قابل تھی لیکن جہانگیر کے اوصاف یوسف چک میں بہت کم تھے۔ یوسف شاہ کے عیش و عشرت میں غرق رہنے کی وجہ سے سلطنت کا انتظام بگڑ گیا۔ ہر طرف بد امنی اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ اس وقت ایک مدبر اور ہوشیار بادشاہ کی ضرورت تھی اور یوسف چک اس کے بالکل برعکس تھا۔ آخر وہ تنگ آکر تخت سے دست بردار ہو گیا اور حکومت مبارک شاہ کے حوالے کر دی اس نے چھ ماہ تک حکومت کی۔ دوسرے امراء اس سے حسد کرنے لگے۔ ادھر یوسف چک اکبر بادشاہ کے پاس چلا گیا جس نے اس کو اپنی تمام مہربانیوں سے سرفراز کیا۔ جب لوہر چک نے مبارک شاہ کو ہٹا کر خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ تو یوسف چک نے اکبر بادشاہ سے مدد کے لئے درخواست کی تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا تخت پھر حاصل کر سکے۔ اکبر کی یہ بڑی خواہش تھی کہ وہ کشمیر پر قبضہ کر لے چنانچہ اس نے یوسف چک کو راجہ مان سنگھ اور مرزا یوسف خان

کے ہمراہ کشمیر بھیجا تاکہ وہ یوسف چک کو ایک باتحت حکمران کی حیثیت سے کشمیر کا تخت واپس لینے میں مدد دیں۔ کشمیر کے امراء نے جب یہ سُنا کہ مغل افواج کشمیر کی طرف آرہی ہیں تو انہوں نے یوسف چک کو پیغام بھیجا کہ وہ غیر ملکی فوجیں نہ لائے اور وہ سب اس کے وفادار ہیں اور اس کو اپنا سلطان بنانے میں اپنی تمام طاقت صرف کر دیں گے۔ یوسف چک نے بغیر راجہ مان سنگھ کو اطلاع کئے چار ہزار فوج لے کر کشمیر کی طرف روانہ ہو گیا یوسف چک تخت پر قابض تو ہو گیا لیکن مغل دربار میں اس کے خلاف بڑی شکایت پیدا ہو گئی اور اکبر نے کشمیر فتح کرنے کا مصمّم ارادہ کر لیا اگرچہ کشمیریوں نے ڈٹ کر مغلوں کا مقابلہ کیا اور مغل فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لیکن راجہ بھگوان داس نے یوسف چک کو پھسلا کر مغل دربار میں جانے کے لئے آمادہ کر لیا جہاں سے پھر وہ کبھی واپس نہ آیا۔ کشمیر کے امراء نے یوسف کے بیٹے یعقوب چک کو تخت پر بٹھا کر مغلوں کا مقابلہ شروع کر دیا۔ یوسف چک کو اکبر نے قید کر دیا اور پھر بھگوان داس کی سفارش پر اس کو ۵ صدی کا منصب دار مقرر کر دیا اور اس کو بہار بھجدیا اور تباہی تنگی اور غریبی کی حالت میں مر گیا۔

یوسف چک کے بعد اس کا بیٹا یعقوب چک کشمیر کا سلطان بن گیا یہ شخص انتہا کا تنگ نظر تھا لوگوں کو تکلیف دینا اور ان کو طرح طرح کے عذاب دے کر خوش ہوتا تھا۔ اس کے ظلم وستم سے تنگ آکر شیخ یعقوب صرفی اور بابا داؤد خاکی نے اکبر کے دربار میں فریاد کی۔ اکبر تو ایسے موقعہ کی تلاش میں تھا۔ اکبر نے میر قاسم میر بحر کو ۳۰ ہزار کی فوج دیکر کشمیر فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کشمیریوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ آخر کار اس کے عہد میں حضرت شیخ یعقوب صرفی۔ بابا داؤد خاکی اور حضرت مخدوم حمزہ کشمیر جیسے بزرگ گذرے۔ یہ اصحاب اس سے ناخوش تھے۔ کیونکہ یہ شعیہ خیالات کا حامی تھا اور اس فرقہ کی سرپرستی کرتا تھا۔ غازی چک کو کوڑھ کی بیماری لگ گئی اور آہستہ آہستہ ناک بھی گل گیا ۔۔۔

اپنا تاج و تخت اپنے بھائی حسین چک کو دے دیا اور خود علیحدہ ہو گیا۔
حسین چک نے ۱۵۶۳ء سے لیکر ۱۵۷۰ء تک حکومت کی۔ اس نے علی کوکہ
کو اپنا وزیر بنایا۔ یہ شخص شیعی تھا۔ اس نے سنیوں کی بڑی حوصلہ افزائی
کی۔ اس کے عہدِ حکومت میں اکبر بادشاہ ہندوستان نے میرزا مقیم کو اپنا
سفیر بنا کر اس کے دربار میں بھیجا۔ اس کے ایک ملازم نے شہر کے قاضی
اور امام جامع مسجد حبیب اللہ کو قتل کر دیا۔ اس سے شیعہ اور سُنی
مسلمانوں کے تعلقات بڑے کشیدہ ہو گئے۔ اسی عہد میں شاہ چک کی
لڑکی شہزادہ سلیم سے بیاہی گئی تھی جس سے حسین چک اور اکبر کے تعلقات
بڑے خوشگوار ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد کشمیر کے امراء نے اکبر
سے حسین چک کے خلاف شکایات کیجیں۔ اکبر ایسے موقعہ کی تلاش
میں تھا جس سے وہ کشمیر کی سیاست میں دخل اندازی کر سکے۔ اس نے
حسین شاہ سے قطع تعلق کر لیا جس سے امراء کے حوصلے بڑھ گئے اور
انہوں نے بغاوت کر دی۔ حسین شاہ مجبور ہو گیا اور اس نے تخت و
تاج چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس کے بعد علی شاہ چک جو
حسین شاہ کا بھائی تھا تخت پر بیٹھا۔ اس نے بڑی عقلمندی سے
حکومت کا کام چلانا شروع کیا۔ سب سے پہلے اس نے علماء کی خوشنودی
حاصل کی۔ یہ حضرت مخدوم حمزہ کشمیری اور بابا داؤد خاکی کی خدمت
میں خود حاضر ہوا اور اعزاز و تکریم سے ان کو خوش کیا اور ان سے
وعدہ کیا کہ وہ عدل و انصاف سے حکومت کرے گا۔ اس نے سیّد
مبارک خان کو اپنا وزیر اعلیٰ بنا دیا۔ امراء کو جاگیریں دیں اور دشمنوں
کو بھی دوست بنا لیا۔ اس نے اکبر بادشاہ کی بھی اطاعت قبول کر
لی آخر چوگان کھیلتے کھیلتے گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس کے مرتے ہی
ملک میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس میں آخرکار یوسف چک کامیاب
ہو گیا اور ۱۵۹۹ء میں شاہی تخت پر بیٹھ گیا۔ یوسف چک راگ و
رنگ اور عیش و عشرت کا بڑا دلدادہ تھا۔ بڑی رنگین طبیعت کا

شعور تھا۔ وہ ایک اچھا شاعر بھی تھا اور علم و ادب کی قدر کرتا تھا۔ مگر اس کی طبیعت امور سلطنت کی طرف راغب نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی نظم و نسق میں چاک و چوبند نہیں ہو سکتا۔ ان حالات میں ملک میں ابتری پھیل گئی۔ اس نے عبداللہ راتھر کی لڑکی زون کو اپنے پہلے خاوند سے طلاق دلوا کر خود شادی کر لی۔ یہ بعد میں حبہ خاتون کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ ملکہ کشمیر بے حد حسین تھی اور کشمیری زبان کی بے مثل شاعرہ تھی۔ اس کے اشعار آج بھی لوگوں کی زبان پر ہیں۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ ادبی ذوق رکھتی تھی۔

شوپیان کے قریب یعقوب چک شکست کھا کر کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا اور کشمیر کے لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات ملی۔ یہ کشتواڑ میں ہی مر گیا اور کشمیر مغلیہ سلطنت کا ایک ماتحت صوبہ بن گیا۔ اس طرح سے ایک طرف تو چک خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور کشمیر کی آزادی ختم ہو گئی۔

سلطان زین العابدین

شہمیری خاندان کے سلطان سکندر کا بیٹا اور سلطان علی شاہ کا چھوٹا بھائی تھا وہ ۱۴۲۳ء میں سلطان الاعظم سلطان زین العابدین کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ سلطان سکندر نے اس کی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام کیا وہ فن سپہ گری اور انتظامِ حکومت میں طاق ہو گیا۔ سلطان علی شاہ کے زمانے میں اُسے حکومت کا عملی تجربہ بھی ہو چکا تھا۔

اصلاحات۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے انتظام حکومت کی نئے سرے سے تنظیم کی اور قیام امن۔ رفاہِ عامہ اور اقتصادی۔ صنعتی۔ تمدنی ترقی کے کاموں میں مشغول ہو گیا۔

زین العابدین نے اپنے بھائی محمد خان کو وزیر اعظم۔ ملمرت ریینہ اور احمد ریینہ کو سپہ سالار اور ملک مسعود ٹھاکور کو دیوان مقرر کیا۔ محکمہ انصاف براہ راست اپنی دیکھ بھال میں رکھا۔

زین العابدین نے ... ملک ... کو ... سلطانی ...

کے پتروں پر لکھوا کر شہروں اور گاؤں میں لگوا دیئے تاکہ کوئی یہ ٹیکس لوگوں سے وصول نہ کر سکے۔ جرمانے اور رشوتیں سختی کے ساتھ بند کر دیں اور تاجروں کو تنبیہ کی کہ وہ صرف جائز منافع پر تجارت کریں۔ مالیہ ہم مقرر کر دیا۔

گز۔ جریب اور تول کے ماپ اور پیمانے مقرر کر دیئے۔ نیز تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے۔

زین العابدین نے سونے چاندی کی بجائے خالص تانبے کے سکے جاری کئے جو آج تک کہیں کہیں دستیاب ہوتے ہیں۔

اُنہوں نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر کسی علاقے میں چوری ڈاکے کا واقعہ ہو تو گاؤں اور دیہاتوں کے رئیسوں سے نقصان پورا کیا جائے۔ اس سے ملک میں چوری ڈاکے کا قلع قمع ہو گیا۔

آس پاس کے علاقوں میں امن قائم کرنے کے لئے زین العابدین نے سختی اور دلیری سے کام لیا۔ تبت پر قبضہ کر کے جنوبی علاقوں کی طرف توجہ دی۔ اور جسرت خان گکھڑ کی مدد سے جنوبی کشمیر میں امن و امان قایم کیا۔ جموں کے راجہ سے دوستانہ تعلقات بنائے۔ اس طرح زین العابدین ہی ریاست جموں و کشمیر کے سیاسی اتحاد کا بانی تھا۔

زراعت کی ترقی۔ زراعت کی ترقی کے لئے زین العابدین نے نالہ مار زینہ گیر اور شراب کوہل اور کریوہ مٹن کی نہریں تعمیر کروائیں۔ نئی زمین آباد کر کے کسانوں میں تقسیم کی۔ پلوں۔ سڑکوں اور کوہلوں کی مرمت کروائی۔ کئی قسم کے درخت آس پاس کے ملکوں سے منگوا کر لگوائے۔ سیب۔ آلو بخارہ اور ناشپاتی کی قسموں کو رواج دیا۔

زمین کی صفائی اور آرائش کی طرف توجہ دی۔ تجارت کو فروغ دیا۔ کاغذ سازی۔ قالین بافی۔ ریشم۔ پیپر ماشی۔ نقاشی۔ لکڑی کا کام۔ بارود سازی وغیرہ کے ماہر وسط ایشیا سے منگوائے اور ان صنعتوں کی ترقی پر توجہ دی۔

الغرض زین العابدین کے عہد میں لوگ امن اور چین سے خوشحالی

کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس نے کشمیر کی ترقی ہر لحاظ سے بہم پہنچائی۔ یہی وجہ ہے کہ
اُسے بڈشاہ یا بڑا شاہ (شاہِ اعظم) کہتے ہیں۔ ہم بجا طور پر اس کے عہد کو کشمیر
کا سنہری زمانہ کہہ سکتے ہیں۔ اس نے ملک پر ۵۲ سال حکومت کی۔ شاید ہی کسی
بادشاہ نے اس طرح نصف صدی سے زیادہ حکومت کی ہو۔ اس نے ۱۴۷۰ء میں
وفات پائی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں نظر سے دیکھتا تھا۔ اسی لئے اس نے
ہر قسم کے مذہبی ٹیکس معاف کر دئے تھے۔ ملازمت میں بھی ہندو مسلمان کی کوئی
تمیز روا نہ رکھی جاتی تھی۔ بلا لحاظ مذہب و ملت ہر کسی کو ترقی کے مواقع میسر
تھے۔ جابجا مدرسے قائم کئے جن میں تعلیم۔ کھانا اور کتابیں مفت تھیں۔ علاج
کے لئے اس نے شفاخانے بھی قائم کئے۔ مسافروں کے لئے سرائیں بھی تعمیر
کروائیں۔

زین العابدین کے کارنامے

زین العابدین کو اپنی رعایا کی گوناگوں ترقی کا ہر دم خیال رہتا تھا۔ لوگوں
کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے اس نے پوری کوشش کی۔ سب سے
پہلے اس نے سختی کے ساتھ امن قائم کیا تاکہ لوگ بلا خوف کام کر سکیں۔ کاروبار
کے لئے قوانین وضع کئے۔ ناجائز منافع پر پابندی لگا دی۔ تول ماپ کے
پیمانے مقرر کر دئے اور قانون کی خلاف ورزی کے لئے عبرتناک سزائیں مقرر
کر دیں۔ پلوں اور کوہلوں کی مرمت کروائی۔ اندر کوٹ سے سوپور تک ایک بند
بنوا کر مسافروں کی سہولت کے لئے سڑک بنوائی۔

زراعت کی ترقی کے لئے نہریں تعمیر کروائیں۔ ان میں تالمار۔ زینہ گیر
اور کریوہ مٹن قابل ذکر ہیں۔ بنجر اور غیر آباد زمینیں آباد کر کے کسانوں میں تقسیم
کیں۔ مختلف قسم کے درخت غیر ملکوں سے منگوا کر کشمیر میں لگوائے۔ جن میں
چنار سب سے بڑی یادگار ہے۔ پھلوں کی کئی نئی قسموں کو رواج دیا۔ مثلاً
سیب۔ ناشپاتی۔ آلو بخارہ۔ شہروں اور دیہاتوں کو سڑکوں سے ملا دیا۔ نئے
قصبے بھی آباد کئے۔ تجارت کی طرف خاص توجہ دی۔ صنعت و حرفت کی ترقی
کے لئے باہر سے کاریگر اور ماہر منگوائے۔ قالین بافی۔ ریشم۔ کاغذ سازی۔ پیپر

ماشی۔ نقاشی۔ اور مصوری اور لکڑی کے کام کی طرف توجہ دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگ خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

زین العابدین کو فنِ تعمیر کا بڑا شوق تھا۔ اس نے اپنی راجدھانی نوشہرہ میں بسائی اس میں خوبصورت بازار۔ مکانات اور دکانات بنوائیں۔ اپنے لئے ایک بارہ منزلہ محل تعمیر کروایا۔ ہر منزل میں ۵۰ کمرے تھے۔ جا بجا دریچے اور جھروکے اور ہال تھے۔ اس محل کے باغات کی آبیاری کے لئے نالۂ سندھ سے ایک نہر جاری کی گئی تھی۔ اس کو سیر و سیاحت کا بھی شوق تھا۔ اس نے دلکش مقامات پر باغ لگوائے۔ زینہ گیر کا باغ دو میل مربعہ میں پھیلا ہوا تھا اس میں قسم قسم کے پھول اور آرائشی اور پھلدار درخت تھے۔ چاروں طرف خوبصورت عمارتیں تھیں جن کے آس پاس امیروں وزیروں کے باغیچے اور مکان تھے۔ جھیل اولر میں اس نے ایک مصنوعی جزیرہ بنوایا تھا۔ اس میں مسجد محل اور باغ تعمیر کئے جو مدتوں سیاحوں کے لئے باعث کشش رہے۔ یہ محل زینہ ڈب کے نام سے مشہور تھا۔ زین العابدین موسم بہار میں جشن مناتا تھا اور بڑی شان و شوکت سے دریائی جلوس نکلتا تھا جس میں راگ رنگ اور کھیل تماشے ہوتے تھے۔ سلطان کے عہد میں ڈرامے بھی کھیلے جاتے تھے۔ گویّے۔ ناچنے والیاں اور ساز بجانے والے بڑے بڑے انعام پاتے تھے۔

زین العابدین خود بھی عالم تھا اور عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ مذہب اور اس کے اصولوں پر کاربند رہتا تھا۔ بڑے بڑے مولوی اس کی صحبت میں رہتے تھے مثلاً مولوی کبیر۔ ملّا احمد کشمیری۔ ملّا پارسا۔ ملّا محمد۔ مولانا نادری۔ ملّا ضیائی وغیرہ اس کے ساتھی تھے۔ مولوی کبیر سلطان کا اُستاد تھا۔ اس لئے اُسے شیخ الاسلام کا عہدہ دیا گیا۔

زین العابدین کو صوفی بزرگوں سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ وہ سید حسین منطقی کا مرید تھا۔ اس کے عہد میں کشمیری صوفیوں کا سلسلہ ریشیہ شروع ہوا اس سلسلہ کے بزرگ گوشۂ تنہائی میں رہتے تھے۔ غربت کی زندگی بسر کرتے۔ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے اور خدمتِ خلق میں مصروف رہتے تھے۔ مسلم

سب کو پاکیزہ زندگی اور ایمانداری کی تعلیم دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمان سب ان کی عزت کرتے تھے۔ اس سلسلہ کے بانی حضرت شیخ نورالدین ولی تھے۔ سلطان خود ان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوا تھا۔ وہ بڑا انصاف پسند تھا۔ مذہبی تعصب سے بالاتر رہ کر ہندو مسلمان سب سے یکساں سلوک روا رکھتا تھا۔ اس نے کئی مندروں کی مرمت کروائی اور ہندوؤں کو دوبارہ واپس آنے اور وطن میں آباد ہونے میں پوری پوری مدد دی۔ ہندوؤں کو مذہبی آزادی اور شہری برابری حاصل تھی۔ برہمن عالموں کے لئے وظیفے بھی مقرر کئے جاتے تھے اور ہندوؤں کو ہر قسم کے عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا الغرض زین العابدین انتہائی رواداری اور فراخدلی کے ساتھ پیش آتا تھا۔

اس کو علم و ادب میں بھی بڑی دلچسپی تھی۔ علمی تحقیق کا اُسے بہت شوق تھا۔ اس نے خاص سفیر بھیجکر مکہ معظمہ سے اسلامی ادب کی نادر کتابیں منگوائیں۔ اسی طرح جگن ناتھ پوری اور کوروکشیتر سے وید اور شاستر منگوائے اور ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا۔ اس نے جوگ لشٹ، مہابھارت اور راج ترنگنی کے ترجمے فارسی زبان میں کئے۔ حکیم منصور نے طب پر اپنی مشہور کتاب کفایہ منصوری لکھ کر بادشاہ کو نذر کیا۔ پنڈت جونراج نے کلہن کی راج ترنگنی پر جے سنگھ سے زین العابدین کے عہد تک کا تکملہ لکھا۔ پودی بٹ نے موسیقی پر ایک کتاب تصنیف کی اور سوم پنڈت نے کشمیری زبان میں سلطان کے حالات پر زین چرت نام کا ناٹک تصنیف کیا۔ ملا احمد نے وقائع کشمیر کے نام سے سنسکرت تاریخوں کا ترجمہ کیا اور حضرت شیخ نورالدین کے حالات زندگی "نورنامہ" میں جمع کئے۔

کشمیر میں مغل حکومت

چکوں کی شکست کے بعد ۱۵۸۶ء میں مشہور مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے کشمیر کو ہندوستان کی سلطنت میں شامل کر کے اسے ہندوستان کا ایک صوبہ بنا لیا۔ اکبری حکومت کے پہلا صوبیدار کشمیر قاسم خان میر بحر تھا۔ اس کے بعد کئی

صوبیدار یکے بعد دیگرے مقرر کئے گئے۔ اکبر خود کشمیر میں تین بار تشریف لایا۔ اور اس کے نظاروں سے لطف اندوز ہوا۔ اسی طرح اکبر کے بعد جہانگیر۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب نے بھی کشمیر میں صوبیداروں کی وساطت سے حکومت کی۔ کل پنس یا کیس صوبیدار آئے۔ آخر سلطنت مغلیہ کے زوال پر افغانوں کی حکومت ۱۷۵۴ء سے ۱۸۱۹ء تک رہی۔

مغلیہ دور میں کشمیر

اقتصادی تمدنی زندگی۔ مغلیہ سامراج پہلی غیر ملکی طاقت تھی جس نے کشمیر کی صدیوں کی آزاد حکومت کو ختم کر کے اسے پہلی بار دہلی کے ماتحت کیا۔ قاسم خان میر بحر اور اعتقاد خان مغل صوبیداروں کے عہد میں کشمیریوں کی فوجی سپرٹ کو کچلنے کی منظم کوشش کی گئی۔ اہل کشمیر پر سول اور فوجی ملازمت کے دروازے بند کر دئے گئے۔ جاگیریں اور منصب مغل سرداروں اور چند قدار کشمیریوں کے لئے مخصوص ہو گئے زمینداروں پر طرح طرح کے ٹیکس لگائے گئے۔ جب کبھی غیرت مند کشمیریوں نے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی تو انہیں سختی کے ساتھ دبا دیا گیا۔ الغرض عوام سہمے ہوئے اور ظلم وستم کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ البتہ بعد میں شاہ جہاں اورنگ زیب اور فرخ سیر کے دور میں کشمیریوں نے سکھ کا سانس لیا۔ لوٹ کھسوٹ کرنے۔ ناجائز ٹیکس معاف کرنے اور بددیانتی کو روکنے کے لئے شاہی فرمان جاری کیا گیا۔ اورنگ زیب کے حکم سے کشمیریوں کے لئے سول ملازمتیں۔ جاگیریں اور منصب وغیرہ کے دروازے کھول دئے گئے۔ فرخ سیر شہنشاہ ہند کی والدہ صاحبہ لنسواں" کشمیری خاتون تھی۔ اس سے کشمیر کی پالیسی اور بھی نرم ہو گئی۔

مغلوں کی سرپرستی میں کشمیر میں صنعت و حرفت۔ سیر و سیاحت اور تجارت میں ترقی ہوئی جس سے کشمیریوں کو فائدہ ہوا۔ ملک میں ساتھا قانون عدالتیں۔ بندوبست اراضی جاری ہونے سے عوام کی حالت سنورنے لگی۔ امن و امان قائم ہو گیا۔ [illegible]

کو نجات ملی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو شانہ بشانہ یکساں ترقی کے مواقع حاصل ہوئے۔ کئی کشمیری پنڈت اور مسلمان سردار جو مغلوں کے حامی تھے۔ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ ملک میں جاگیرداری نظام رائج تھا۔ جس کی وجہ سے محنت کش طبقہ سرداروں کی لوٹ کھسوٹ کا شکار تھا۔ غلہ داری اور چوربازاری عام تھی۔ قحط کے سبب لاکھوں لوگ بھوک کا شکار ہو جاتے تھے۔

ملک میں حفظان صحت۔ رفاہ عامہ۔ تعلیم۔ وباؤں کی روک تھام اور دیگر سماجی خدمات کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ جہالت عام تھی فرقہ وارانہ فساد بھی ہو جاتے تھے۔ مذہبی پیشواؤں کا عوام پر سکہ جما ہوا تھا۔

صنعتی اور فنی ترقی۔ مغل بادشاہ صنعتی ترقی کے بڑے مشتاق تھے۔ اکبر پشمینہ بافی کی ترقی میں خاص دلچسپی لیتا تھا۔ طوس۔ طرحدار۔ زردوزی و کشیدہ اور جامہ وار قسم کے شال اسی کے زمانہ میں تیار ہوئے۔ دو ہزار کارخانے کام کرنے لگے۔ مغلیہ عہد میں اخوند رہنما نے اندجان (وسط ایشیا) میں جا کر قالین بافی کا فن سیکھا اور ۱۸—۱۶۱۵ء کے دوران سرینگر میں قالین بافی کا کارخانہ قائم کیا جلد ہی کئی اور کارخانے کھل گئے اور اس صنعت نے پاؤں جما لئے اس کے علاوہ کار قلمدان یا پیپر ماشی اور لکڑی کے کام میں بھی کشمیریوں نے کمال حاصل کیا۔ کاغذ سازی میں بھی وسعت اور ترقی ہوئی۔

مغلوں نے گجرات۔ بھمبر۔ سعد آباد۔ نوشہرہ۔ راجوری۔ تھنہ۔ بہرام گلہ شوپیان سے ہوتی ہوئی شاہراہ تعمیر کی اور تجارت خوب بڑھی۔ اس کے علاوہ بارہ مولہ۔ مظفر آباد اور ہزارہ کے راستہ افغانستان سے بھی تجارت کی شاہراہ قائم ہوئی۔ وسط ایشیا سے بھی تعلقات بڑھے اور کشمیر میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔

کشمیر میں نقاشی، مصوری اور خطاطی نے بھی خوب ترقی کی۔

شعر و ادب۔ مغلیہ دور میں فارسی کو سرکاری۔ تمدنی اور علمی زبان کا درجہ حاصل تھا۔ ایرانی اور ہندوستانی شاعروں اور عالموں کے [illegible] فارسی شاعری اور ادب کو بڑا فروغ ہوا۔ حضرت شیخ یعقوب صرفی بلند پایہ عالم۔ ادیب

اور شاعر تھا اُس کا دیوان فارسی۔ پنج گنج اور تفسیر مطلب الطالبین وغیرہ
قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے ہمعصر ایک اور صوفی شاعر حضرت بابا داؤد خاکی تھے۔
آپ بڑے عالم اور فاضل تھے آپ کے قصیدے اور شرح ورد المریدین مشہور
ہیں۔ اسی طرح ملک حیدر چاڈورہ مصنف تاریخ کشمیر نے کشمیر کی مکمل تاریخ
فارسی میں لکھی۔ مغلیہ دور کے سب سے زیادہ نامور کشمیری فارسی گو شاعر
ملا محسن فانی اور ملا طاہر غنی اور ملا ساطع کشمیری ہو گئے ہیں۔ نثر نگاروں
میں ملا محمد علی کشمیری۔ ملا محمد صادق مصنف طبقات شاہجہانی اور خواجہ
عبد الکریم کشمیری مصنف احوال نادر شاہ کا نام قابلِ ذکر ہے۔ تذکرہ نگاروں
میں داؤد مشکواتی مصنف اسرار الابرار اور عبد الصبور مصنف خوارق
السالکین مشہور ہیں۔

فلسفہ و مذہب۔ مغلیہ دور میں فلسفہ اور مذہب کے مطالعہ کا خوب
شوق رہا مگر کوئی مذہبی یا فلسفیانہ تحریک قابلِ ذکر نہیں۔ حضرت شیخ حمزہ
مخدوم کشمیری بابا داؤد خاکی۔ حضرت شیخ یعقوب صرفی۔ بابا داؤد مشکواتی اور
آپ کے خلفا اور ریشی بزرگ لوگوں کو نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتے رہے
کبروی نقشبندی اور سہروردی صوفی سلسلے زیادہ مقبول رہے۔ روپا بھوانی
اور صاحب کول ہندو مذہب کے مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ روپا بھوانی کا
فارسی کلام معرفت کے مضامین پر مشتمل ہے۔ صاحب کول کی سنسکرت کتابیں
مشہور ہیں وہ تانترک رسوم کے ماہر تھے۔

فنِ تعمیر و باغات۔ سیاحوں کی دلکشی کے لئے مغلوں نے کشمیر میں
قلعہ۔ محل۔ خانقاہیں۔ مدرسے۔ بارہ دریاں۔ حمام اور باغ بنوائے۔ اسی
دور کی سب سے عظیم عمارت قلعہ ناگر نگر ہے جو ہری پربت کے دامن میں
واقع ہے۔ اس کی بلند فصیلیں اور شاندار محرابیں اس کی عظمت کے گواہ
ہیں۔ اس کا بانی اکبر تھا۔ اس سے کچھ آگے شاہی محل تھا جس کے جھروکے
محرابیں اور چھت پر طلائی آرائش کا نمونہ تھے۔ یہ محل [illegible] پٹھانوں

کے دور میں تباہ و برباد ہو گیا۔ مسجدوں میں جامع مسجد مشہور ہے یہ جہانگیر

اورنگ زیب کے عہد میں سلطان سکندر کی عمارت کی بنیادوں پر تعمیر کی گئی درگاہ حضرت بل کی عمارت شاہ جہاں کے عہد کی یادگار ہے۔ ایک اور قابل ذکر عمارت پری محل ہے جو چشمہ شاہی کے قریب داراشکوہ کی بیوی کا محل ہے۔ اورنگ زیب کے عہد میں یہاں ایک کالج قائم ہوا تھا۔

کشمیر کے باغات اپنے دلفروز نظاروں کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ چشمہ شاہی۔ نسیم باغ۔ اچھہ بل۔ ویری ناگ۔ اور شالامار اکبر اور جہانگیر کے عہد کی یادگاریں ہیں۔ نشاط باغ کا بانی نور جہاں کا بھائی اور جہانگیر کا وزیر اعظم آصف خاں تھا۔ ان کے علاوہ مغل صوبیداروں اور سرداروں کے بنائے کئی باغات برباد ہو گئے۔

سکھوں کا دور

کشمیر میں افغانوں نے ۱۷۵۲ء سے ۱۸۱۹ء تک حکومت کی اور سکھوں نے ۱۸۲۰ء سے ۱۸۴۵ء تک راج کیا۔ لگ بھگ اس ایک صدی کے دوران کشمیر کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس دور میں کشمیری عوام پر بڑا ظلم و ستم ڈھایا گیا اور وہ لوٹ کھسوٹ کا شکار رہے۔ ملک میں فوجی حکومت قائم رہی کشمیر کی حیثیت ایک نوآبادی کی تھی پہلے وہاں کابل سے اور پھر لاہور سے حکومت ہوتی رہی۔ دونوں حکومتوں کا مقصد کشمیر کو لوٹنا اور روپیہ حاصل کرنا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیر میں رفاہ عام کے کام بالکل بند ہو گئے آبپاشی۔ سڑکوں کی تعمیر۔ تجارت۔ صحت عامہ و تعلیم۔ صنعت و حرفت اور زراعت کی طرف بالکل توجہ نہ دی گئی۔ کشمیریوں کی حالت غلاموں کی سی تھی۔ حاکموں کی سردمہری کی وجہ سے ان کی زندگی پُریاس اور دُکھ بھری تھی۔

مالیہ وصول کرنے کے لئے ٹھیکہ داری کا نظام قائم کیا گیا۔ رشوت۔ جرمانہ [illegible] وصول ہو گیا تو انہیں لوٹ لیا گیا۔ سارا سال محنت کرنے کے بعد آدھی پیداوار حکومت لے جاتی۔ تیسرا حصہ ٹھیکیداروں اور ٹیکسوں

میں چلا جاتا۔ صرف چوتھا حصہ کسان کے پلے پڑتا جس سے اُسے پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہ ہوتا۔

بیماری۔ قحط اور سیاسی ابتری کی وجہ سے لوگوں کی مالی حالت بد سے بدتر بھی بگڑ گئی۔ خانہ جنگیوں اور بغاوتوں سے کشمیریوں کی زندگی وبال بن گئی۔

کشمیر کے غیر ملکی حاکموں نے سرکردہ کشمیریوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور یہ مقامی سردار اور رئیس غیروں کا ساتھ دے کر اپنے ہم وطنوں کا خون چوستے رہے اور لوٹ کھسوٹ میں اپنے آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے غریب رعایا کا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا۔

علم و فن کی محفلیں بھی سرد ہو چکی تھیں۔ ایک دو صوبیداروں کو چھوڑ کر باقی سب شعر و ادب سے بیگانے تھے۔ مدرسے اور مکتب بُری حالت میں تھے اگر چند عالم اور شاعر تھے تو وہ بھی گمنامی کے گوشے میں بیٹھے تھے۔

تعمیرات میں بھی سوائے امیر خان جوان شیر۔ عطا محمد خان اور کرنل میہاں سنگھ کے علاوہ کسی دوسرے حاکم نے دلچسپی نہ لی۔ بلکہ مغلیہ عہد کی عمارتیں اور باغات بھی تباہ ہونے لگے۔

صنعت و حرفت کے میدان میں بھی کشمیری بہت پیچھے رہ گئے۔ افغان اور سکھ حکمرانوں نے داغ شال کا ٹیکس لگا کر شال بافی کی صنعت تباہ کر دی اور شالباف بھوکوں مرنے لگے۔ پیپر ماشی۔ بندوق سازی۔ شمشیر سازی وغیرہ کی صنعتیں ختم تو نہ ہوئیں مگر کاریگروں کی حالت خستہ تھی۔ وہ مشکل سے گذارہ کرتے تھے۔

الغرض مندرجہ بالا واقعات اور حقائق کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ افغان اور سکھ دورِ حکومت جہالت اور تاریکی کا زمانہ تھا۔ اسلئے اِسے "تاریک صدی" کے نام سے موسوم کرنا واجب ہے +

ڈوگرہ حکومت

سنہ ۱۸۲۰ء سے سنہ ۱۹۵۱ء

راجہ گلاب سنگھ جموں کے شاہی خاندان جموال سے تھا۔ بڑے قدیم زمانے سے راجپوت ڈوگروں کا یہ خاندان جموں اور آس پاس کے علاقوں پر آباد تھا۔ اس خاندان کا بانی راجہ جامبولوچن تھا جس نے جموں شہر آباد کیا اور اس نے ارد گرد کے پہاڑی علاقوں کو فتح کر کے جموال خاندان کی حکومت قائم کی۔ مغلوں اور افغانوں کے عہد میں جموں کے راجے خود مختار رہے۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ نامور راجہ رنجیت دیو تھا جس نے سنہ ۱۷۳۵ء سے سنہ ۱۷۸۲ء تک راج کیا۔ اس نے پہاڑ کی ۲۲ ریاستوں کو مطیع کر کے چناب اور راوی کے درمیان کا علاقہ اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ مگر رنجیت دیو کے بعد سکھ فوجوں نے جموں کی ریاست پر قبضہ کر لیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سنہ ۱۸۰۸ء میں جموال خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور ریاست کو سکھ سلطنت میں شامل کر لیا۔ گویا جموں میں ڈوگرہ راج ختم ہو گیا۔

رنجیت دیو کے بھائی کی اولاد سے راجہ گلاب سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت اختیار کر لی اور اپنی خداداد لیاقت اور بہادری سے اس کے دربار میں بڑا نام پایا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خوش ہو کر راجہ گلاب سنگھ کو ۱۸۲۰ء میں جموں کا راج عطا کر دیا۔ گویا جموں ریاست میں نئے سرے سے جموال خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ

۱۸۲۲ء سے ۱۸۵۷ء

مہاراجہ گلاب سنگھ نے جموں کا راج سنبھالتے ہی ۱۸۲۱ء میں کشتواڑ کے راجہ کو شکست دے کر اس کا علاقہ فتح کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد راجوری کے راجہ سے رنجیت سنگھ ناراض ہو گیا تو گلاب سنگھ نے یہ علاقہ بھی فتح کر کے اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کے بہادر جرنیل زور آور سنگھ

امرتسر کی رُو سے گلاب سنگھ نے ۷۵ لاکھ روپیہ سکھوں کو دے کر کشمیر کی ریاست حاصل کر لی۔ سکھوں کو انگریزوں کے مقابلے میں شکست ہوئی تھی اور انگریزوں نے سکھوں پر تاوانِ جنگ ڈیڑھ کروڑ روپیہ ڈال دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد سکھوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی وہ تاوانِ جنگ ادا نہ کر سکے۔ انہوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ کشمیر کی ریاست فروخت کر دی اور ۷۵ لاکھ روپیہ لے کر تاوانِ جنگ کی رقم پوری کی۔

اب مہاراجہ گلاب سنگھ کا راج اسکردو۔ لداخ۔ کشتواڑ سے لے کر ضلع جہلم اور راولپنڈی کی حدود تک پھیل گیا۔ راجہ دھیان سنگھ کے مرنے کے بعد پونچھ۔ بھمبر اور میرپور کے علاقے بھی جموں راج کے ماتحت آ گئے اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے موجودہ جموں و کشمیر کی متحدہ ریاست کی بنیاد رکھی۔

پس گو جموں ریاست مہاراجہ گلاب سنگھ سے پہلے بھی جموال ڈوگرہ خاندان کے قبضہ میں تھی مگر موجودہ متحدہ جموں و کشمیر کی ریاست کا بانی مہاراجہ گلاب سنگھ ہی تھا بلکہ جموں کی ریاست بھی جموال خاندان سے چھین کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضے میں چلی گئی تھی اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۱۸۲۰ء میں نئے سرے سے جموں ریاست میں ڈوگرہ خاندان کی حکومت قائم کی اور بعد ازاں کشمیر بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ لہذا مہاراجہ گلاب سنگھ ہی موجودہ جموں و کشمیر کی ریاست کا بانی تھا اور اس کے بعد ڈوگرہ خاندان نے ۱۸۲۰ء سے ۱۹۵۱ء تک جموں و کشمیر پر راج کیا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ

۱۸۵۶ء سے ۱۸۸۴ء

مہاراجہ رنبیر سنگھ عرف میاں پھینوں ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والد مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس کی ابتدائی تربیت کی اور آپ سے فنِ سپہ گری میں طاق کیا۔ البتہ اس کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ ابھی وہ چودہ برس ہی کا تھا کہ والئے سیبہ راجہ نہچے سنگھ کی لڑکی کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی۔

عہد نامہ امرتسر کی رو سے جب کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کی سلطنت میں شامل ہو گیا تو مہاراجہ نے اپنی زیادہ تر توجہ کشمیر کی طرف مبذول کر دی اور ریاست جموں کا انتظام میاں پھینول (مہاراجہ رنبیر سنگھ) کے سپرد کر دیا۔ راجکمار کی فن سپہ گری میں تربیت اور جموں کا انتظام بعد میں خوب اس کے کام آیا۔

جب ۱۸۵۶ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے وفات پائی تو راجکمار رنبیر سنگھ مہاراجہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس وقت کشمیر کی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ رشوت ستانی کا زور تھا۔ قانون کا کوئی احترام نہ تھا۔ لوگوں کی بھلائی کے کام کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ مہاراجہ نے اصلاحات کی طرف دھیان دیا۔

اصلاحات

۱۔ **زراعت**۔ زرعی نظام کو بہتر بنانے کے لئے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے مالیہ سرکار مقرر کیا۔ ٹھیکہ داری کا طریقہ منسوخ کر دیا۔ لیکن تشخیص مالیہ میں سرکاری ملازموں نے رشوت لینا شروع کر دیا۔ کسان ٹھیکہ داروں کے چنگل سے تو نکل گئے۔ لیکن افسرانِ مال کی رشوت ستانی کا شکار ہو گئے۔

۲۔ **انصاف**۔ محکمہ انصاف کی تنظیم پر بھی توجہ دی گئی۔ جموں اور سرینگر میں صدر عدالتیں قائم کی گئیں اور ۳۰ ماتحت عدالتیں بھی قائم کی گئیں۔ قانون فوجداری رائج کیا گیا۔ جسے رنبیر ڈنڈ بدھی کہتے ہیں۔ مہاراجہ خود بھی فریادیوں کی دادرسی کرتا تھا اور دربار میں مقدمے سنتا اور فیصلے کرتا۔

۳۔ **ملکی انتظام**۔ ریاست کے انتظام کے لئے مالی۔ دیوانی اور جنگی محکمے الگ الگ قائم کئے گئے۔ راولپنڈی سے سرینگر تک سڑک بنوانا شروع کیا۔ تار اور ڈاک کا سلسلہ بھی قائم کیا گیا۔ جموں کو سرینگر سے ملانے کے لئے بھی سڑک کی تعمیر شروع کی گئی۔ مہاراجہ ہندو اور مسلمان دونوں سے یکساں سلوک روا رکھتا تھا۔ اس کی حکومت میں کئی مسلمان افسر اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ کئی مسلمانوں کو جاگیرداری بھی عطا کی گئی۔ مذہبی پیشواؤں کو روزینے اور وظیفے دئے گئے۔ ہندوؤں کے لئے مندر تعمیر کروائے گئے۔ جامع مسجد سرینگر کی مرمت بھی کروائی گئی۔ ہر جگہ نئی مسجدیں بنانے کی اجازت دی گئی۔

شالبافوں اور کارخانہ داروں کے جھگڑوں اور شیعہ سنی فسادات کو سختی سے دبایا گیا اور امن و امان قائم کیا گیا۔ مظلوموں کی مدد کی جاتی تھی اور غریبوں کا نقصان پورا کیا جاتا تھا۔

۴۔ علم و ادب کی اشاعت۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو سنسکرت اور ڈوگری زبانوں کی اشاعت اور ترقی میں بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے ایک محکمہ ترجمہ قایم کیا جس میں کئی عالم فاضل کام کرتے تھے۔ خلیفہ نور الدین۔ استاد غوث محمد ہوشیارپوری اور لدھا سنگھ کے نام قابل ذکر ہیں۔ بنارس کے سنسکرت اداروں کی بھی مدد کی جاتی تھی۔ سنسکرت کے مطالعہ کے لئے طلباء کو وظیفے دئے جاتے تھے۔ ریاست میں جا بجا مکتب اور پاٹھ شالائیں کھولی گئیں۔ جموں کی رنبیر لائبریری کے علاوہ نسخوں اور قلمی کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی قایم کیا گیا۔ ۱۸۸۱ء میں سرینگر میں پادری ڈاکسی نے ایک مشن سکول کی بنیاد رکھی اور جدید طرز تعلیم کا آغاز ہوا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے دوسرے ملکوں سے کئی پھلوں کی قسمیں منگوا کر کشمیر میں پھلوں کی کاشت کی حوصلہ افزائی کی۔ انگور کے پھل کی خاص طور پر پیداوار بڑھائی گئی اور شراب بنانے کی صنعت قایم کی گئی +

مہاراجہ پرتاپ سنگھ

۱۸۸۵ء سے ۱۹۲۵ء تک

میاں پرتاپ سنگھ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم فارسی سنسکرت اور ڈوگری میں پائی جب ہوش سنبھالا تو اسے عدالت عالیہ کا جج بنا دیا گیا مقدمات سننے اور فیصلے کرنے سے اسے کافی انتظامی تجربہ ہو گیا۔ ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات ہوئی تو مہاراجہ پرتاپ سنگھ ریاست کی گدی پر بیٹھے۔

[illegible]

کی اصلاحات کیں اور ۱۹۲۵ء میں وفات پائی۔ مہاراجہ تھیٹر ڈراما اور کرکٹ کا سرپرست تھا وہ نرم دل اور سخی راجہ تھا۔ اُس کی ذاتی زندگی مذہبی اور پاکیزہ تھی۔ مگر پرانی وضع کا پکا ہندو تھا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد حکومت میں وسط ایشیا پر روس کا تسلط ہو چکا تھا۔ انگریزی حکومت ہند کو خطرہ محسوس ہوا کہ روس کشمیر اور صوبہ سرحد کی جانب بڑھے گا۔ اس لئے وہ کشمیر میں اپنا عمل دخل چاہتے تھے۔ عہدنامہ امرت سر کی رو سے انگریزوں کو کشمیر میں رزیڈنٹ مقرر کرنے کی کوئی اجازت نہیں تھی مگر انہوں نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ پر دباؤ ڈال کر وہاں رزیڈنٹ مقرر کر دیا۔ آہستہ آہستہ انگریز کشمیر میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے لگے اور ریاست کے اندرونی معاملات میں بھی مداخلت کرنے لگے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو مجبور کیا گیا کہ وہ حکومت کا کام ایک کونسل کے سپرد کر دے۔ بعد ازاں ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے مہاراجہ کو پورے اختیارات سونپ دیئے اور کونسل اڑا دی۔ مگر مہاراجہ کی مدد کے لئے وزیر اعظم۔ وزیر مال۔ وزیر داخلہ اور وزیر انصاف کے عہدوں کی شرط لگا دی اور وزیروں کے تقرر اور ضروری معاملات میں انگریزی رزیڈنٹ اور حکومت ہند کا مشورہ ضروری قرار دیا گیا۔ آخر پہلی جنگ عظیم میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی خدمات کے صلے میں انگریزی حکومت نے مہاراجہ کو حکومت کے پورے اختیارات سونپ دیئے ۱۹۲۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے سرینگر میں وفات پائی۔

اصلاحات ۔ (۱) زراعت۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ سے پہلے حکومت کشمیر پیداوار کا ¾ حصہ بطور مالیہ وصول کرتی تھی۔ حکومت کے ایجنٹ سزاول۔ تعلقدار۔ کاردار وغیرہ سختی کے ساتھ مالیہ وصول کرتے تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں ٹھیکہ داری کا نظام بھی ظالمانہ تھا جس سے غریب کسانوں کا کچومر نکل گیا۔ آخر مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں بندوبست اراضی ۱۴ سالہ منظور ہوا۔ اس کی رو سے کاشتکاروں کو موروثی حقوق مزارع دیئے گئے۔ زمینوں کا مالیہ پیداوار کی ... مقرر کیا گیا ... ٹیکس

وغیرہ معاف کر دیئے گئے۔ اس سے کسانوں کی حالت قدرے سدھر گئی۔

۲۔ حکومت کشمیر نے بیگار کی ظالمانہ رسم بند کر دی۔

۳۔ جہلم ویلی روڈ جو راولپنڈی کو بالہ اوڑی اور بارہ مولہ کو ملاتی ہے دس سال کے عرصہ میں۔ ۱۸۹۰ء میں مکمل کی گئی۔ یہ سڑک انگریز کمپنی نے پنجابی اور پٹھان کاریگروں اور مزدوری کی مدد سے بنائی۔

۴۔ ۱۹۱۳ء میں حکومت جموں و کشمیر نے جموں بانہال کارٹ روڈ کی تعمیر شروع کی اور ۱۹۱۶ء میں اس پر ٹانگے اور بیل گاڑیاں چلنے لگیں۔ ۱۹۲۲ء تک یہ مہاراجہ کی پرائیویٹ سڑک تھی اور سفر کے لئے پرمٹ ضروری تھا مگر ۱۹۲۲ء میں اسے عام آمد و رفت کے لئے کھول دیا گیا۔ ۱۸۹۰ء میں جموں سے سیالکوٹ تک ریل کا راستہ بن چکا تھا۔ سڑکوں کے بننے سے سیاحوں کی تعداد بڑھ گئی۔ تار۔ ڈاک کا انتظام بہتر ہو گیا۔ سیاحوں کی سہولت کے لئے ہاؤس بوٹ بننے لگے۔ ریاست کی آمدنی بھی بڑھ گئی۔

۵۔ جموں اور سرینگر میں میونسپل کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ صحت عامہ کے لئے شفا خانے کھولے گئے۔ شہروں کا انتظام بہتر ہو گیا۔

۶۔ سیلابوں کی روک تھام کے لئے دریا گہرے کرنے۔ بند بنانے اور فلڈ چینل کھودنے کی اسکیموں پر عمل ہوا۔

۷۔ ۱۹۱۸ء میں محکمہ فوڈ کنٹرول قائم کیا گیا اور آبپاشی کے لئے جموں میں اور کشمیر میں نہریں نکالی گئیں تاکہ غلہ کی پیداوار بڑھائی جائے اور مہنگائی کو روکا جائے۔

۸۔ جموں اور سرینگر میں پینے کے پانی اور بجلی کی طاقت کا بھی انتظام کیا گیا۔ تعلیم کی ترقی کے لئے ہائی سکول کھولے گئے۔ جموں اور سرینگر میں کالج قائم کئے گئے۔ کشمیر اور جموں میں ریشم کے کارخانے جاری کئے گئے۔ زراعت کا خاص محکمہ قائم ہوا۔

۹۔ ۱۸۸۹ء میں فارسی کی بجائے اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔ اس سے غیر ریاستی باشندے سرکاری ملازمتوں میں دھڑا دھڑ بھرتی ہونے لگے۔

آخر ۱۹۲۵ء میں مہاراجہ نے خاص حکم جاری کیا جس کی رو سے ملازمت کے معاملے میں ریاستی باشندوں کو ترجیح دی جانے لگی۔

مہاراجہ ہری سنگھ
۱۹۲۵ء سے ۱۹۵۱ء تک

راجہ ہری سنگھ ۱۸۹۵ء میں راجہ امر سنگھ کے گھر پیدا ہوا۔ بلا کا ذہین، حسین اور سلیم الطبع تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اُسے میو کالج اجمیر میں داخل کیا گیا۔ اس کے بعد ڈیرہ دون میں فوجی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ۱۹۱۵ء میں اس کے تایا مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اُسے کمانڈر انچیف کے عہدہ پر فائز کیا۔ کونسل کے ممبر کی حیثیت سے اس نے حکومت کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ ایک بیدار مغز اور قابل حکمران تھا۔ مگر حکومت کا کام وزیروں مشیروں کے سپرد کر رکھا تھا اس لئے وہ عوام سے ذاتی اور گہرا رابطہ نہ رکھتا تھا۔ اکثر اوقات ریاست سے باہر رہتا اور سیر و سیاحت میں وقت صرف کرتا پولو اور شکار کا مشتاق تھا۔ مارچ ۱۹۲۶ء میں راجہ ہری سنگھ نے اپنی تخت نشینی کا جشن جموں میں بڑی دھوم دھام سے منایا اس خوشی میں مہاراجہ نے اعلان کیا کہ میرا مذہب انصاف ہوگا۔ اسی سال اس نے لازمی پرائمری تعلیم کا قانون۔ انسداد شادی صغر سنی کا قانون اور داد رسی خاص زمینداران کا قانون پاس کیا گیا۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سرحدی قبائلی لشکر نے کشمیر پر حملہ کر دیا ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست کے سب سے بڑے سیاسی جماعت نیشنل کانفرنس کے رہنماؤں سے مشورہ کرنے کے بعد ریاست کا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کی درخواست کی۔ حکومت ہند نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور قبائلیوں کے مقابلے کے لئے فوج بھیج دی۔ نیشنل کانفرنس نے ریاست میں امن و امان قائم کرنے میں پوری مدد دی اور کشمیری عوام کو بیرونی حملے کے خلاف ابھارا اور منظم کیا۔ حملہ روک دیا گیا۔ اور حکومت پاکستان کے ساتھ عارضی جنگ بندی کا اعلان ہو گیا۔ لگ بھگ تیسرا حصہ ریاست کا حکومت پاکستان کے زیر انتظام رہا۔ اپریل ۱۹۴۸ء میں ریاست میں پہلی قومی حکومت قائم ہوئی بعد ۱۹۵۱ء میں ریاست میں شخصی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ ریاست چھوڑ کر بمبئی قیام کرنے لگا۔ اس کی جگہ یوراج کرن سنگھ (فرزند مہاراجہ ہری سنگھ) کو صدر ریاست کے عہدہ پر فائز کیا گیا ۱۹۶۵ء میں صدر ریاست کا عہدہ ختم کر کے صدر کی جگہ گورنر اور پرائم منسٹر کی جگہ چیف منسٹر کے عہدے عمل میں لائے گئے۔

کارنامے۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں ریاستی لاقت کا روکے کھاد کے متعلق قوانین بنائے گئے۔ ان کی حفاظت سود لینے کی پوری کوشش کی گئی۔ ریاستی باشندوں کے حقوق کی حفاظت کے قواعد بھی مرتب کئے گئے۔ آئینی اصلاحات جاری کی گئیں۔ سڑکوں کی تعمیر پر توجہ دی گئی۔ جموں اور سرینگر میں ہسپتال کھولے گئے۔ ہوائی اڈے اور چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں۔ سیاحوں کی دیکھ بھال کا خاص انتظام کیا گیا۔ انہیں ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ اس عہد کی یادگار ایک صنعتی نمائش کا انعقاد بھی ہے۔ آثار قدیمہ کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا۔ کرن نگر کا شہری نو آبادہ تعمیر کی گئی۔

اس دور میں تعلیم کی اشاعت پر خاص توجہ مرکوز کی گئی۔ امر سنگھ کالج، گورنمنٹ کالج میرپور اور مہارانی مہیلا کالج جموں اور کئی پرائمری، مڈل اور ہائی سکول کھولے گئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان اور ولایت کی یونیورسٹیوں میں ریاستی باشندوں کے داخلہ کا انتظام کیا گیا۔ اور وظائف اور قرضوں کا بندوبست کیا گیا۔ نومبر ۱۹۴۹ء میں جموں و کشمیر یونیورسٹی قائم ہوئی۔ صنعتی ترقی بھی کافی ہوئی۔ ریشم سازی کے کارخانے کی توسیع کی گئی۔ مہوراں صاحب میں بجلی گھر۔ ولن فیکٹری۔ روزن ٹرپنٹائن فیکٹری اور جموں میں ڈرگ ریسرچ فیکٹری۔ گورنمنٹ سلک ویونگ فیکٹری۔ کرن سنگھ ولن ملز اور نیو گرملز رنبیر سنگھ پورہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

عوامی تحریک

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں مزدوروں۔ کسانوں اور شالبافوں کی مالی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ چنانچہ شالبافوں کا ایک وفد دیوان کرپارام کو ملا اور اپنی حالتِ زار بیان کی مگر ریاستی حکام نے خاص توجہ نہ دی۔

۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء کو ریاست اور ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار صنعتی مزدور جمع ہوئے اور ایک جلوس نکالا۔ دیوان کرپارام نے فوج بلاکر ان کا محاصرہ کرلیا اور پھر جلوس کو پل حاجی راتھر کی طرف دھکیل دیا گیا۔ کئی آدمی زخمی اور ۲۸ آدمی دریا میں گر کر شہید ہوئے۔ کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ موسم گرما میں جب مہاراجہ رنبیر سنگھ کشمیر آیا تو اس نے شالبافوں کا ۴۸ روپیہ سالانہ کا ٹیکس گھٹا کر ۳۶ روپے کر دیا گیا۔ یہ تاریخی دن یعنی ۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء کو ریاست میں تحریک آزادی کا آغاز تھا۔

ایک مدت تک عوام مطلق العنانی اور جاگیرداری کے نظام کے دبے رہے

آخر مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں جموں میں انجمن اسلامیہ اور کشمیر میں انجمن نصرۃ الاسلام ڈوگرہ سبھا اور پرتاپ سناتن دھرم سبھا عوامی انجمنیں عالم وجود میں آئیں۔ ان جماعتوں کا دائرہ عمل زیادہ تر تمدنی۔ مذہبی اور تعلیمی معاملات تک محدود رہا۔ ۱۹۲۴ء میں ایک منظم سیاسی مہم کا آغاز ہوا۔ جب لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کشمیر میں آیا تو کشمیر کے سرکردہ اور تعلیم یافتہ لوگوں نے ایک محضر نامہ پیش کیا اس میں کاشتکاروں کے لئے حقوق ملکیت اراضی کا مطالبہ کیا گیا۔ مسلمانوں کے لئے ملازمتوں میں زیادہ نمایندگی کی مانگ کی گئی۔ مسجدوں کی واگذاری پر بھی زور دیا گیا۔ ان مطالبوں کو مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے رد کر دیا بلکہ محضر نامہ پر دستخط کرنے والوں کو جلا وطن کر دیا اور ان کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ تحریک آزادی کے راستے میں یہ دوسرا سنگ میل تھا مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں تحریک آزادی نے زور پکڑا۔ جاگیرداری۔ کنبہ پروری۔ شخصی راج اور فرقہ پرستی کے خلاف عوام کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ بڑھ گیا حکومت ہند نے بھی ان مطالبات کی تائید کی ۱۹۳۰ء میں آل کشمیر مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا جس میں ریاستی اور غیر ریاستی کشمیری رہنماؤں نے حصہ لیا۔ آزادی کی جدوجہد کے لئے کئی کارکن اور والنٹیر میدان میں کود پڑے۔ جموں میں قاضی گوہر رحمن۔ اللہ رکھا ساغر۔ غلام حیدر غوری وغیرہ نے ریاست کی پہلی سیاسی انجمن ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن قائم کی۔ سرینگر میں مسلم تعلیمیافتہ طبقہ اس تنظیم کو مضبوط کرنے لگا اور ایک ریڈنگ روم پارٹی قائم کی۔ میرواعظ محمد یوسف شاہ بھی اس پارٹی کے حامی ہو گئے مسجدوں میں اور مذہبی تقریبوں میں سیاسی کارکنوں نے آزادی اور مساوات کے خیالوں کا پرچار کیا۔ اسی زمانہ میں شیخ محمد عبداللہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ ایس۔ سی پاس کر کے آئے اور ٹیچر کے طور پر ملازم ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اپنے خیالات آزادی کا اظہار سیاسی اور مذہبی جلسوں میں کرنے لگے آخر ملازمت ترک کر دی اور سیاسی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ مرزا محمد افضل بیگ۔ خواجہ غلام محمد صادق۔ مولانا محمد سعید مسعودی اور چودھری غلام عباس بھی آپ کے ہمراہ اور مددگار بن گئے۔ بخشی غلام محمد تنظیم کے سالار اعظم مقرر ہوئے۔ جا بجا جلسے ہونے لگے اور ۲۱ جون ۱۹۳۱ء کو تحریک آزادی کا علم باقاعدہ طور پر بلند کیا گیا۔ عبدالقدیر کو انقلابی تقریر کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ جا بجا مظاہرے ہوئے ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو لوگوں کے ہجوم نے عبدالقدیر کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اور سنٹرل جیل کی طرف غیض و غضب کے ساتھ [illegible]

کے حکم سے گولی چلائی گئی۔ ۲۱ آدمی شہید ہو گئے۔ دوسرے دن شہیدوں کے

جانے کا جلوس نکلا۔ شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ ہزاروں قومی کارکنوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ حکومت ہند نے مہاراجہ کو ۱۳ جولائی کے واقعات کی آزادانہ تحقیقات کا مشورہ دیا۔ مہاراجہ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی ۲۱ اگست کے دن حکومت اور انقلابیوں میں عارضی سمجھوتہ ہو گیا اور تحریک بند کر دی گئی۔ تمام قیدی رہا کر دئے گئے۔ انہی دنوں آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مرزا بشیر الدین محمود امیر جماعت احمدیہ اور شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کی سرکردگی میں کشمیریوں کی سیاسی آزادی کے لئے ایک محاذ قائم کیا گیا۔ اس کمیٹی نے سمجھوتہ کی شرائط کو رد کر دیا۔ لہٰذا شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے تحریک آزادی کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ حکومت نے ان تمام کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ اس پر سرینگر اور دوسرے قصبات میں مظاہرے ہوئے۔ وزیر اعظم راجہ ہری کشن کول نے نوٹیفکیشن زیل ۱۹ کے تحت ہزاروں لوگوں کو جیلوں میں بند کر دیا۔ شارع عام میں انقلابیوں کو کوڑے لگائے گئے۔ کئی مقامات پر گولیاں چلائی گئیں۔ آخر حکومت ہند نے مہاراجہ ہری سنگھ کو نوٹس دیا کہ فوراً حالات کو بگڑنے سے بچایا جائے۔ نیز

(۱) مسجدوں کی واگذاری۔ اجازت خطبہ و اذان۔ مذہبی آزادی وغیرہ کے جائز مطالبات منظور کئے جائیں۔

(۲) ایک برطانوی آئی۔ سی۔ ایس کو ریاست کا چیف منسٹر مقرر کیا جائے۔ مہاراجہ نے حکومت کے مشورے پر عمل کیا۔ نوٹیفکیشن زیل ۱۹ منسوخ کی گئی۔ سیاسی قیدی رہا کر دئے گئے۔ اور ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا گیا۔ پنجاب میں قوم پرست جماعت مجلس احرار اسلام نے کھلی ریاستی تحریک آزادی کی حمایت کا اعلان کر دیا اس جماعت نے سرجوش والنٹیر بھرتی کئے اور کشمیر کو بھیجے۔ ۳۵ ہزار والنٹیر سرحد پار کر کے ریاست میں قید ہوئے۔ آخر مہاراجہ ہری سنگھ نے برطانوی حکومت سے مدد مانگی۔ برطانوی فوجیں ریاست میں داخل ہو گئیں۔ اور امن و امان قائم کیا۔

۱۹۳۲ء میں ریاست کی پہلی ہمہ گیر سیاسی تنظیم مسلم کانفرنس وجود میں آئی۔ مارچ ۱۹۳۳ء میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی۔ آخر سے گلانسی کی صدارت میں اصلاحاتی کمیشن قائم ہوا جس نے اسمبلی یا پرجا سبھا کے قیام کی سفارش کی۔ سبھا کے ممبروں کا انتخاب فرقہ وارانہ نیابت کے اصول پر ہوا مسلمانوں کے ۲۱ ممبر اور غیر مسلموں کے ۱۲ ممبر تھے۔ مسلمانوں کی ۱۹ نشستوں پر مسلم کانفرنس کا قبضہ ہوا۔ اسمبلی کو مہاراجہ کے ذاتی اخراجات۔ فوج کے انتظام اور خرچ اور ترمیم پر بحث کی اجازت نہ تھی۔ مہاراجہ کو خاص قوانین بنانے کا حق تھا۔ ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کو غیر فرقہ وارانہ تنظیم بنانے کی تجویز ہوئی۔ اس نئی تنظیم میں شیخ محمد عبداللہ۔ بخشی غلام محمد۔ خواجہ غلام محمد صادق۔ پنڈت

جیالال خم، پنڈت شیام لال صراف اور سردار بدھ سنگھ اور دیگر سرکردہ راہنما شامل تھے۔ ایک خاص اجلاس میں مسلم کانفرنس کو آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور قومی مطالبہ پیش کیا گیا جس کی رو سے مکمل ذمہ دار نظام حکومت کی مانگ کی گئی۔

۱۹۴۶ء میں کشمیر چھوڑ دو کی تحریک کی تجویز ہونے لگی۔ نیشنل کانفرنس نے مہاراجہ سے پورے اختیارات عوام کو سونپ دینے کا مطالبہ کیا اور گھر گھر اور گاؤں گاؤں سے مہاراجہ ہری سنگھ اور پنڈت رام چندر کاک وزیر اعظم کے خلاف نعرے لگنے لگے۔ بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق نے لاہور میں تحریک آزادی کا محاذ سنبھال لیا۔ ہندوستانی قوم پرستوں نے بھی اس تحریک کی حمایت کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو خود کشمیر آئے لیکن انہیں کوہالہ کے پل پر پنڈت مہاراج کشن در گورنر کشمیر نے گرفتار کر لیا۔ اس جاہلانہ فعل پر تمام سیاسی ہندوستانی حلقوں میں مہاراجہ ہری سنگھ بدنام ہو گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کو بغاوت کے الزام میں ۹ سال کی قید کی سزا ہوئی۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں مہاتما گاندھی خود کشمیر آئے اور مہاراجہ کو رعایا کا اعتماد حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر رام چندر کاک کو برطرف کر کے جنرل جنک سنگھ اور پھر مہر چند مہاجن کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ انہی دنوں ہندوستان آزاد ہو گیا اور مہاراجہ نے قبائلی حملہ ہونے پر ہندوستان سے ریاست کے الحاق کا اعلان کر دیا۔ شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے سیاسی قیدی رہا کر دیئے گئے۔ بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق بھی جلا وطنی سے واپس تشریف لے آئے۔ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں اور ورکروں نے قیام امن میں اور قبائلی حملے کے خلاف پوری پوری مدد دی۔ ہندوستانی فوج مہاراجہ ہری سنگھ کی خواہش اور نیشنل کانفرنس کے مشورے کے ساتھ ریاست میں داخل ہوئی اور قبائلیوں کو مار بھگایا اور جلد ہندوستان اور پاکستان میں عارضی صلح اور جنگ بندی ہو گئی۔ اپریل ۱۹۴۸ء میں ریاست میں پہلی قومی حکومت قائم ہوئی۔ ۱۹۵۱ء میں شخصی حکومت ختم ہو گئی۔ مہاراجہ بمبئی چلا گیا +

باب دہم

ہندوستان کی مشہور ہستیاں

راجہ رام موہن رائے آپ ۱۷۷۴ء میں بنگال کے ضلع ہگلی میں ایک امیر زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ لڑکپن میں آپ نے عربی فارسی اور سنسکرت زبان و ادب میں کافی مہارت پیدا کی اور اسلام عیسائیت اور ہندو دھرم کا گہرا مطالعہ کیا کچھ عرصہ بعد آپ نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی آپ نے ہندو سماج میں قسم قسم کی سنگین برائیاں دیکھیں اور عمر بھر ان کے خلاف پرچار کرتے رہے آپ نے برہمو سماج کی بنیاد رکھی آپ اندھی تقلید۔ مورتی پوجا اور توہم پرستی کے سخت خلاف تھے آپ نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انسانی قربانیوں اور ستی کی بری رسم کے انسداد میں آپ نے حکومت کی بڑی مدد کی۔ آپ نے کلکتہ میں مغربی طرز کی تعلیم دینے کے لئے ایک اسکول بھی قایم کیا۔ ۱۸۳۰ء میں آپ مغل بادشاہ اکبر ثانی کی طرف سے شاہ انگلستان کے دربار میں وکیل بن کر گئے تا کہ مغل بادشاہ کے وظیفہ میں اضافہ کروا سکیں لیکن آپ کو کامیابی نہ ہوئی اور وہیں برسٹل کے مقام پر آپ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے آپ ہندوؤں کے ایک مشہور مصلح قوم یا ریفارمر ہو گذرے ہیں اور ہندوستان کو اس مایہ ناز سپوت پر آج تک بجا طور پر ناز ہے۔ آپ جدید ہند کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

سر سید احمد خان آپ ۱۸۱۷ء میں دہلی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہلی میں ہی پائی اور عربی فارسی اور اردو میں پوری مہارت حاصل کر کے اکبر شاہ ثانی کے دربار سے جواد الدولہ عارف جنگ کا خطاب پایا۔ اس کے بعد آپ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت محکمہ انصاف

میں ملازمت کرلی۔ غدر کے دوران میں آپ جج کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس دوران میں آپ نے انگریز مصیبت زدوں خاص طور پر عورتوں اور بچوں کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دی۔ ہنگامے ختم ہونے پر سرکار انگریزی آپ کی انسانی ہمدردی وفاداری اور خدمات سے بہت متاثر ہوئی اور آپ کو سر کا خطاب دیا گیا آپ نے دیکھا کہ غدر کے ہنگامے اور اس کے بعد حکومت نے مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ مسلمان انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنا چاہتے تھے۔ انگریز بھی انہی کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ سرسید احمد خان نے ایک طرف حکومت کو مسلمانوں سے راضی کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلمانوں کو حکومت سے تعاون کرکے اپنی سیاسی مالی اور تعلیمی بہتری کے لئے کوشش پر زور دیا۔ آپ بڑے پرخلوص طریقے سے اس بات کے قائل تھے کہ مسلمان اپنے مذہب کی پابندی اور مغربی وضع کی تعلیم حاصل کرکے ہی ہندوستان پر آبرومندانہ زندگی بسر کر سکتے ہیں مولوی اور پیر آپ کے اس نظریہ کے سخت مخالف تھے اور انگریزی تعلیم حاصل کرنا کفر سمجھتے تھے۔ انہوں نے سرسید احمد خان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن آپ کی ثابت قدمی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ آپ نے رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے تعلیمی اور مجلسی اصلاح کا پیغام قوم تک پہنچانا شروع کیا اور ساتھ ساتھ ایک مغربی وضع کی قومی درس گاہ کے قیام کے لئے ملک کے کونے کونے کا سفر کرکے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی ۱۸۷۵ء میں آپ نے علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد رکھی۔ جس نے ترقی کرتے کرتے ۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی شکل اختیار کرلی۔ یہ دانش گاہ مسلمانان ہند کا سب سے بڑا اور اہم ثقافتی مرکز ہے اور سارے ایشیا کے مسلمان اسے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

سرسید احمد خان نے قرآن مجید کی ایک تفسیر اور کئی مذہبی رسالے بھی یادگار چھوڑے۔ آپ اردو نثر میں ایک نئی طرز کے موجد تھے آپ کے زیر اثر مولانا الطاف حسین حالی۔ علامہ شبلی اور مولانا محمد حسین آزاد نے اردو نظم و نثر کو پرانے اور دقیانوسی انداز سے نجات دلائی اور قوم کو مغربی انداز فکر و تحریر سے روشناس کروایا۔

اگرچہ سر سید احمد خاں انڈین نیشنل کانگریس کے مخالف تھے تاہم آپ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے اور آپ میں حب الوطنی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سر سید احمد خاں جدید ہندوستان کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں اور ہندوستانی مسلمانوں کے سب سے بڑے مصلح اور رہنما مانے جاتے ہیں۔

آپ نے مارچ ۱۸۹۸ء میں اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا اور علی گڑھ کالج کی مسجد نزہت کے صحن میں دائیں جانب آسودۂ خاک ہیں۔

سوامی دیانندجی سرسوتی

آپ ۱۸۲۴ء میں کاٹھیاواڑ گجرات کی ریاست موروی کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے بچپن میں آپ کو مول جی کرشن جی کہتے تھے آپ نے چھوٹی عمر میں سنیاس دھارن کر کے دیانند سرسوتی کا نام اختیار کر لیا اور عمر بھر برہم چاری رہے آپ نے سنسکرت علم و ادب میں پوری مہارت حاصل کی اور ویدک دھرم کا گہرا مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچے کہ دنیا بھر کے مذہبوں میں صرف ویدک دھرم ہی سچا ہے اور اسی پر چل کر ہندو سماج کی سب برائیاں ختم ہو سکتی ہیں آپ نے ویدوں کا ترجمہ کیا اور سارے شمالی ہندوستان میں ویدوں کے پرچار کے لئے دورے کئے آپ چھوت چھات۔ مورتی پوجا۔ برہمنی اقتدار اور ذات پات کے سخت خلاف تھے اور نیک اور پاکیزہ زندگی گذارنے پر زور دیتے تھے آپ ہندی زبان کے بڑے حامی تھے اور حب الوطنی اور قومی فخر سے آپ کا دل معمور تھا آپ کی سب سے بڑی مشہور کتاب "ستیارتھ پرکاش" ہے جس میں سوامی جی نے اپنے خیالات کے مطابق ویدک دھرم کی سچائی اور دوسرے مذہبوں کا جھوٹا ہونا ثابت کر کے دکھایا گیا ہے۔ آپ ۱۸۸۳ء میں اجمیر میں پرلوک سدھارے آپ کے بعد مہاتما ہنس راج جی اور سوامی شردھانند جی نے سوامی دیانند جی کی قائم کی ہوئی آریہ سماج کے مجلسی اصلاح۔ وید پرچار اور تعلیمی ترقی کا کام سنبھالا۔ مہاتما ہنس راج جی مغربی طرز تعلیم کے حامی تھے آپ نے ملک میں جا بجا دیانند اینگلو ویدک کالج اور ہائی سکول قائم کئے۔ سوامی شردھانند جی ویدوں کے زمانے کی طرز تعلیم کو پسند کرتے تھے۔ آپ نے گوروکل کانگڑی (ہردوار) کی بنیاد رکھی۔ سوامی دیانند سرسوتی نے ہندوؤں میں خود اعتمادی پیدا کرنے۔ چھوت چھات ذات پات۔ مورتی پوجا

اور قوم پرستی ختم کرنے اور ملک میں سیاسی بیداری پیدا کرنے میں بڑا شاندار کام کیا - اسی لئے آپ کا شمار ہندوستان کی مایہ ناز ہستیوں میں ہوتا ہے +

بال گنگا دھر تلک

آپ ۱۸۵۶ء میں رتنا گری میں ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے - آپ نے سنسکرت علم و ادب کا گہرا مطالعہ کیا اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد "کیسری" نام کا مرہٹی اخبار جاری کیا اس کے مضامین نے سارے مہاراشٹر میں دیش سیوا - آزادی اور حب الوطنی کی لہر دوڑا دی اور حکومت بھی آپ سے گھبرانے لگی - آپ ملک کو طاقت کے بل بوتے پر آزاد کروانے کے حامی تھے - آپ نے شیوا جی مرہٹہ کو ایک آدرش قومی ہیرو مان کر تشدد کے ذریعے ملک آزاد کروانے کی تحریک کی حمایت شروع کی اور کانگریس میں انتہا پسند گروہ میں شامل ہو گئے - حکومت نے بار بار آپ کو قید اور جرمانے کی سزائیں دیں لیکن آپ کی ثابت قدمی میں نہ فرق آنا تھا نہ آیا - ۱۹۱۶ء میں آپ نے مسز اینی بیسنٹ کے ساتھ مل کر "انڈین ہوم رول لیگ" کی بنیاد رکھی اور کانگریس میں سب سے پہلے پورن سوراج یا کامل آزادی اپنا نصب العین قرار دیا - اس سلسلہ میں آپ لندن بھی گئے اور پارلیمنٹ کے کئی ممبروں کو اپنے نکتہ نظر سے آگاہ کیا آپ آزادی ہند کے نڈر جرنیل تھے - ۱۹۲۰ء میں آپ کی وفات پر ملک میں سخت ماتم منایا گیا - اور گاندھی جی نے آپ کی یاد میں تلک سوراجیہ فنڈ قائم کیا - آپ نے گیتا پر ایک شرح لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی - اس کے علاوہ بھی کئی تصانیف آپ کی یادگار ہیں - مہاراشٹریوں کو آپ کی ذات سے خاص عقیدت ہے اور وہ انہیں "لوکمانیہ بھگوان" کہہ کر یاد کرتے ہیں +

گوپال کرشن گوکھلے

آپ ۱۸۶۶ء میں ایک معزز مرہٹہ برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے - آپ کے والد کرشن راؤ گوکھلے بڑے نیک اور بھلے مانس مشہور تھے گوپال کرشن گوکھلے نے بی - اے کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا اور ریاضی میں لیاقت کی وجہ سے بڑا نام پایا چنانچہ آپ کو شروع میں فرگوسن کالج پونا میں پروفیسری کی جگہ مل گئی - لیکن کچھ عرصہ بعد آپ نے اپنا پورا وقت سماجی بھلائی اور ملکی خدمت کے لئے وقف کر دیا آپ وائسرائے کی قانون ساز کونسل کے ممبر ہوئے تو آپ نے ہی پہلے بِل لازمی پرائمری تعلیم کے مفت انتظامات کرنے کے

لئے ایک قرارداد پیش کی جو منظور نہ ہو سکی۔ آپ کی تقریروں سے ملک میں سیاسی بیداری اور حب الوطنی کے جذبے کو بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ آپ نے سماجی سیوا کے لئے سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کی بنیاد رکھی آپ اعتدال پسند رہنما تھے اور سچی لگن سے دیش سیوا کرنے کے لئے مشہور تھے۔ مہاتما گاندھی آپ کو اپنا گورو کہا کرتے تھے۔

لالہ لاجپت رائے

آپ ۱۸۶۵ء میں پنجاب کے ضلع لدھیانہ میں موضع جگراؤں میں ایک معزز کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے آپ نے اپنی تعلیم مکمل کر کے لاہور میں وکالت شروع کر دی اور تھوڑی مدت میں بڑا نام پیدا کر لیا آپ نے ملک کی خدمت کی طرف بھی توجہ دی اور آخر کار وکالت ترک کر کے پوری طرح ملکی اور سیاسی خدمت میں وقت گذارنے لگے۔ تقسیم بنگال کے خلاف تحریک میں زور دار حصہ لینے پر حکومت نے آپ کو جلاوطن کر کے مانڈلے (برما) میں جلاوطن کر دیا اس کے بعد آپ امریکہ چلے گئے اور آخر کار پہلی جنگ عظیم کے بعد واپس وطن لوٹ آئے جب گاندھی جی نے سول نافرمانی اور عدم تعاون کا بگل بجایا تو آپ آزادی کے سپاہیوں کی پہلی صف میں تھے چنانچہ ۱۹۲۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے کلکتہ کے اجلاس میں آپ ہی کی صدارت میں گاندھی جی نے عدم تعاون کی قرارداد پیش کی تھی آپ نے پنجاب میں کانگریس کے پروگرام اور حب الوطنی کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے لاہور سے ایک اردو اخبار "بندے ماترم" جاری کیا جو انگریزی سامراج کا سخت نکتہ چین اور عوام کا نڈر ترجمان تھا ۱۹۲۸ء میں ایک احتجاجی جلوس کی رہنمائی کرتے ہوئے لاٹھی چارج سے آپ کو ایسی ضربیں لگیں کہ کچھ عرصہ بعد آپ اپنے دیس کی خدمت کے جذبہ میں دیس پر نثار ہو کر پرلوک سدھار گئے آپ کو لوگ محبت سے شیر پنجاب بھی کہا کرتے تھے۔

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور

آپ ۱۸۶۱ء میں کلکتہ کے ایک متمول اور نامور گھرانے میں پیدا ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم ادھوری چھوڑ دی اور صرف ادب و شعر کے مطالعہ میں وقت گذارنا شروع کیا اور تھوڑی ہی مدت میں ایک عالی خیال شاعر اور اعلیٰ ادیب بن گئے۔ آپ کی مشہور نظم "گیتانجلی" پر ۱۹۱۴ء میں آپ کو ادب کا نوبل پرائز عطا کیا گیا اور آپکی تصنیفات

نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی آپ ایک سچے محب وطن اور ہندوستان کے مایہ ناز سپوت تھے آپ پرانی ہندوستانی تہذیبی روائتوں اور مغربی وضع کی تعلیم کو یکجا کرکے کہ ایسی قوم کی تعمیر چاہتے تھے جو سچائی اور سادگی کی دلدادہ بھی ہو اور عہد حاضر کے علم و فن کی ماہر بھی اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ نے بنگال کے ضلع بردوان شانتی نکیتن میں قومی یونیورسٹی قائم کی حکومت برطانیہ آپ کی ادبی خدمات کے صلہ میں آپ کو سرکا خطاب دیا لیکن ۱۹۱۹ء میں پنجاب میں انگریزوں کے مظالم کے خلاف احتجاج کے طور پر آپ نے یہ خطاب واپس کر دیا۔ آپ ۱۹۴۱ء میں اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔ مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو آپ کو "گورو دیو" کہا کرتے تھے۔ قوم نے اپنے اس سپوت کی عزت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور آزادی کے بعد آپ کے ترانے "جن من گن" کو قومی ترانہ بنا دیا۔

راشٹر پتا مہاتما گاندھی

۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو گجرات کے ایک گاؤں پوربندر میں موہن داس کرم چند گاندھی کا جنم ہوا جو بعد میں راشٹر پتا مہاتما گاندھی کہلائے آپ ایک بڑے معزز گھرانے سے تھے آپ کے والد کاٹھیاواڑ کی ایک چھوٹی سی ریاست راجکوٹ کے دیوان تھے۔ ہندوستان میں ابتدائی تعلیم مکمل کرکے آپ انگلستان تشریف لے گئے جہاں آپ نے بیرسٹری کی سند حاصل کی اور واپس آکر بمبئی میں وکالت شروع کر دی۔ لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو آپ جنوبی افریقہ چلے گئے جہاں ہزاروں ہندوستانی اور تاجر آباد تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ان سے یہاں کی حکومت بہت برا سلوک کر رہی ہے۔ یہیں آپ نے ستیہ گرہ اور "اہنسا" کے اصولوں پر حکومت کے خلاف تحریک شروع کی اور اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے اس کے بعد آپ پھر ہندوستان آئے پہلی جنگ عظیم کا خاتمہ ہو رہا تھا اور ہندوستان میں ہندو مسلم متحدہ طور پر برطانوی سامراج سے فیصلہ کن ٹکر لینے کی سوچ رہے تھے ادھر حکومت نے رولٹ ایکٹ کے ذریعے تحریک آزادی کو کچلنے کی تدبیریں تیار کیں اپریل ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آیا اور محب وطن پنجابی خون میں نہانے لگے مارشل لاء کے زمانے میں لوگوں پر نہایت شدید سختی اور بے رحمی کا سلوک کیا گیا مسلمانوں میں ترکی کی

خلافت کے مٹ جانے پر شدید بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ حالات دیکھ کر گاندھی جی نے
ہندوستان میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا اور آزادی کی جنگ کی کمان سنبھال لی آپ نے
۱۹۲۰ء میں کانگریس کے اجلاس کلکتہ میں ملک کی آزادی اور خلافت اسلامیہ کی بحالی
کے لئے ایک متحدہ پروگرام تیار کر کے عدم تشدد اور عدم تعاون کی تحریک کی بنیاد
رکھی ۱۹۲۲ء میں حکومت برطانیہ نے آپ کو گرفتار کر کے بغاوت کے الزام میں چھ
سال قید کی سزا دے دی لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپ کو رہا کر دیا گیا۔ آپ نے ہری جن
سدھار۔ گرام سدھار اور کھادی اور سودیشی کی تحریک پر بہت زور دیا۔ چرخہ
گاندھی جی کی لڑائی کی توپ بن گیا اور سارے ملک میں سیاسی جاگرتی کی لہر
دوڑ گئی۔ لوگوں نے عقیدت سے گاندھی جی کو مہاتما کہنا شروع کر دیا۔ کچھ
عرصہ بعد ملک میں فرقہ پرستی کا زہر پھوٹ نکلا اور گاندھی جی کی تحریک کو بڑا
دھکا لگا لیکن گاندھی جی اپنی دھن کے بڑے پکے تھے وہ جس راستے کو ملک و
قوم کے لئے صحیح سمجھتے تھے۔ اس پر ڈٹے رہے اور آخر ۱۹۳۰ء میں آپ نے
سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی اور ڈانڈی کا مشہور مارچ کر کے ڈانڈی کے
مقام پر قانون نمک سازی کو نمک بنا کر توڑا اور سول نافرمانی شروع کر دی گئی
کئی محب وطن آپ کے ساتھ گرفتار ہو گئے اور ملک میں انقلاب کی لہر دوڑ گئی۔
۱۹۳۱ء میں گاندھی اروِن پیکٹ ہوا اور آپ نے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت
کے لئے لندن کا سفر اختیار کیا لیکن برطانوی حکومت نے ہندوستان کی آزادی
تسلیم کرنے میں لیت و لعل کیا تو آپ واپس آ گئے آخر حکومت برطانیہ نے
کمیونل ایوارڈ کی تجویز منظور کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی
اور اس سے بڑھ کر اچھوتوں کو بھی ہندوؤں سے الگ کرنے کے لئے انہیں علیحدہ
حق نمائندگی دینے کا اعلان کیا آپ نے اس کو سامراجی چال قرار دے کر تا الصافی
پر محمول کیا اور مرن برت رکھ لیا۔ اس سے سارے ملک میں بے چینی پھیل گئی
اور آخر حکومت کو یہ تجویز ترک کرنی پڑی۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے عملی سیاسیات
سے کنارہ کشی کر کے پورا وقت تعمیری کاموں کے لئے وقف کر دیا اور ہری جن
سدھار۔ ہندو مسلم اتحاد اور سودیشی اور کھادی کی تحریک منظم کرنے میں لگ گئے۔ اس

دوران میں بھی آزادی کی تحریک کے روح رواں آپ ہی تھے اگست ۱۹۴۲ء میں آپ نے "کرو یا مرو" کے اصول پر ہندوستان چھوڑ دو (QUIT INDIA) کا نعرہ بلند کیا اور لوگوں کو انقلاب کی دعوت دی اس تحریک میں ہزاروں محب وطن میدان عمل میں کود پڑے اور گاندھی جی ہزاروں مرد عورت محب وطنوں کے ہمراہ گرفتار کر لئے گئے آخر حکومت برطانیہ کو اپنی ہٹ چھوڑ کر ہندوستان کی آزادی تسلیم کرنے کے سوائے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا اور ۳۰ سالہ جدوجہد کے بعد انہیں گاندھی جی کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔ اس کامیابی کا سہرا گاندھی جی کے سر ہی ہے آزادی کے بعد ملک کا بٹوارہ اور ہندو مسلم کاٹ مار سے گاندھی جی کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے ہندو مسلم اتحاد اور قیام امن کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ ملک میں فرقہ پرست آپ کی اس روش کو پسند نہ کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ آپ مسلمانوں کو ناجائز رعائتیں دینا چاہتے ہیں لیکن آپ حق و صداقت کے راستے پر چلنے کا پکا ارادہ کر چکے تھے۔ اپنی پرارتھنا کے جلسوں میں آپ فرقہ پرستوں کو راہ راست پر آنے کی برابر تلقین کرتے رہے آخر ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو جب آپ ایک پرارتھنا کے جلسہ میں شامل ہونے کے لئے آ رہے تھے تو ایک جنونی ہندو ناتھورام گاڈسے نے پستول سے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اس سفاک کی گولیاں گاندھی جی کے سینے پر لگیں اور آپ رام رام کہتے اس دنیا سے چل بسے سارے ملک پر غم اور ماتم کے سیاہ بادل چھا گئے اور اس عظیم ہستی کے سوگ میں ساری دنیا سوگوار ہو گئی۔

گاندھی جی نے اپنی خود نوشت سوانح عمری MY EXPERIMENT WITH TRUTH اور ینگ انڈیا اور ہریجن میں مضامین اور تقریروں میں سچائی۔ عدم تشدد۔ نیکی۔ ہندو مسلم اتحاد۔ ہریجن سدھار۔ گھریلو دست کاریوں کھادی اور سودیشی کی تحریک اور دیہات سدھار پر بہت زور دیا۔ آپ نے سادہ زندگی اور اعلیٰ اخلاق کی مثال قائم کی اور دشمنوں کو محبت سے رام کرنے کا عملی سبق دیا۔ آپ کو ہندو مذہب سے گہری عقیدت تھی لیکن آپ دوسرے سب مذاہب کی بھی عزت کرتے تھے مہاتما بدھ کے بعد آپ سب سے بڑے ہندوستانی ہو

گذرے ہیں اور آپ کا شمار دنیا کے نہایت ہی برگزیدہ رہنماؤں میں ہوتا ہے ہندوستانیوں کو ایک قوم بنانے اور ہندوستان کو آزاد کرانے میں آپ کی خدمات بے مثال ہیں اسی لئے ہندوستانی محبت اور عقیدت سے انہیں "راشٹر پتا" کہتے ہیں اور عزت و احترام سے اُن کی یاد کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل

آپ کا جنم ۱۸۷۵ء میں گجرات کے متمول زمیندار گھرانے میں ہوا ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے وکالت شروع کی اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی محنت اور قابلیت کی وجہ سے ایک نہایت کامیاب وکیل شمار ہونے لگے آپ میں حُب وطن کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ۱۹۱۶ء میں آپ نے وکالت کا پیشہ ترک کر کے خدمت ملک کا بیڑا اٹھایا اور آزادی کی جدوجہد میں پیش پیش نظر آنے لگے آپ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو گئے اور آخر ۱۹۳۱ء میں کانگریس کے اجلاس کراچی کے صدر چنے گئے۔ ڈانڈی کے مارچ میں آپ گاندھی جی کے دوش بدوش سول نافرمانی میں شامل تھے اور گاندھی جی کو آپ پر بڑا بھروسہ اور ناز تھا۔ آزادی کے آپ ہندوستان کی قومی حکومت میں نائب وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے اور گھریلو معاملات اور ریاستی محکمہ کا چارج آپ کے سپرد کیا گیا۔ آپ نے اپنی محنت اور قابلیت کا سکہ بٹھا دیا اور اپنی بارعب شخصیت۔ حُب وطن عزم اور پختہ ارادے کی بدولت ہندوستان کی ساڑھے پانچ سو دیسی ریاستوں کو دیسی حکمرانوں کی شخصی حکومت کی لعنت سے آزاد کر کے انہیں ہندوستان میں مدغم کر دیا آپ کے اس کارنامے سے ایک طرف تو ریاستی جنتا پوری طرح آزاد ہو گئی اور دوسری طرف کسی خون خرابے کے بغیر سارا ملک متحد ہو گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ہندوستان کا مرد آہن (IRON MAN OF INDIA) بھی کہا جانے لگا۔ آپ کا یہ کارنامہ ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا اور ہندوستان کو آپ کی ذات پر ہمیشہ طور پر ناز رہے گا۔ سردار پٹیل دسمبر ۱۹۵۰ء میں کچھ عرصہ بیمار رہ کر پرلوک سدھار گئے اور سارا ملک آپ کے ماتم میں سوگوار رہا۔

چکرورتی راج گوپال آچاریہ

۱۸۷۹ء میں آپ مدراس کے ضلع سیلیم میں

میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم مکمل کرکے آپ نے وکالت شروع کردی ۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے وکالت ترک کرکے سیاسی میدان میں قدم رکھا اور رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک میں شامل ہو گئے ۔ ۲۲-۱۹۲۱ء میں آپ انڈین نیشنل کانگریس کے جنرل سیکرٹری مقرر ہو گئے ۔ آپ تامل ناد کانگریس کے صدر بھی رہے ۔ آپ مدت بھر کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی رہے ۔ ۱۹۳۷ء میں جب کانگریس برسر اقتدار آئی تو آپ مدراس کے وزیر اعظم چنے گئے اور ۱۹۳۹ء میں کانگریس ہائی کمانڈ کے حکم سے اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے جب ہندوستان میں مجلس آئین ساز قائم ہوئی ۔ تو آپ بھی اس کے ممبر منتخب ہوئے ۔ ۴۷-۱۹۴۶ء میں آپ عبوری حکومت میں حکومت ہند کے وزیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور ۴۸-۱۹۴۷ء میں صوبہ مغربی بنگال کے گورنر کے عہدے پر کام کرتے رہے لارڈ مونٹ بیٹن کی واپسی کے بعد ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۰ء تک آپ ہندوستان کے گورنر جنرل رہے ۔ آپ پہلے اور آخری ہندوستانی گورنر جنرل تھے ۔ آپ کے عہد میں ریاست حیدر آباد میں ہندوستانی فوجیں داخل ہوئیں اور نظام حیدر آباد نے ہندوستان کی اطاعت قبول کی جمہوریہ ہند کے قیام کے بعد آپ نے اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کی وفات کے بعد ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۱ء تک آپ ہندوستان کے ہوم منسٹر رہے ۱۹۵۲ء میں پیرانہ سالی کے باوجود قومی ضرورت کے مدنظر آپ پھر مدراس کے وزیر اعلیٰ بن گئے اور ۱۹۵۴ء تک کام کرتے رہے اس کے بعد آپ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے آپ اپنی ذہانت رواداری اور بے باکی کے لحاظ سے ایک بے مثال رہنما ہیں ۔ آپ نے ہمیشہ اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا ۔ آپ ہندوستان میں ہندی زبان کو زبردستی قومی زبان بنانے کے حق میں نہیں اور اب بھی چاہتے ہیں کہ انگریزی زبان کو سارے ملک کی سرکاری زبان بنائے رکھا جائے ۔ قومی معاملات اور بین الاقوامی سیاست پر آپ کی رائے اب بھی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے ۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں ۔ آپ کی زندگی سادگی اور ایثار کا عمدہ نمونہ ہے اور عوام محبت و عقیدت سے آپ کو "راجا جی" کہہ کر

پرکاربستے ہیں۔

حضرت مولینا ابوالکلام آزاد مرحوم

آپ ۱۸۸۸ء میں مکہ معظمہ کے ایک معزز اور عالم دین ہندوستانی گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۱۴ برس کی قلیل عمر میں عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم مکمل کرکے کلکتہ تشریف لائے ۱۹۰۴ء میں آپ نے اخبار نویسی کا شغل اختیار فرمایا اور نظم ونثر سے ساری اردو داں پبلک کو اپنا گرویدہ بنالیا آپ نے پہلے پہل ہندوستانی مسلمانوں کو وفادارانہ اور انگریز نواز سیاست سے بے نیاز کرکے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں شامل ہونے کی ترغیب دینا شروع کی پہلی جنگ عظیم سے پہلے آپ نے عالم اسلام پر یوروپین قوموں کے غلبہ کے خلاف آواز بلند کی اور مسلمانانِ ہند کو یہ حقیقت ذہن نشین کروانے کی کوشش کی کہ دنیائے اسلام کی غلامی اور یورپی ملکوں کی لوٹ کھسوٹ کی ایک بڑی وجہ خود ہندوستان کی غلامی ہے ۱۹۱۲ء میں آپ نے ہندوستان کی آزادی اور عالم اسلام کے یوروپین غلبہ سے نجات حاصل کرنے کی تحریک کو فروغ دینے کے لئے "الہلال" اور پھر "البلاغ" نامی اخبارات جاری کئے۔ ان اخباروں کی تحریروں سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک آگ سی لگ گئی اور مسلمان قومی آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لینے لگے ۱۹۱۶ء کے کانگریس مسلم لیگ سمجھوتے اور متحدہ قومی جدوجہد کی بنیادیں استوار ہوگئیں۔ حکومت ہند نے حضرت مولینا کی ہر دل عزیزی اور آزادی کے نعروں سے خائف ہوکر آپ کو رانچی میں نظر بند کر دیا۔ اسی دوران میں آپ نے ترجمان القرآن کے نام سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور تفسیر مرتب کرنی شروع کی جو آپ کی زندہ جاوید یادگار ہے۔ خلافت اسلامیہ کے تحفظ کے لئے تحریک منظم کرنے میں آپ نے بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا اور مسلمانوں کو انگریز دل کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے تیار کر دیا ۱۹۲۱ء میں آپ نے مسلمان قوم بدرد علماء کی تنظیم "جمعیت العلماء" کی بنیاد رکھنے کا اہم حصہ لیا اور اس

کے اجلاس لاہور کی صدارت کی جہاں علماء نے آپ کو ہندوستانی مسلمانوں کی امامت سونپنے کی تحریک کی جو آپ نے اپنی انکساری کی وجہ سے قبول نہ کی اسی دن سے قوم پرور مسلمان آپ کو "امام الہند" کہنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے کلکتہ میں عید کی امامت شروع کی اور مدتوں یہ فرض انجام دیتے رہے جب گاندھی جی نے عدم تعاون اور سول نافرمانی کا پروگرام بنایا تو آپ نے سب مسلمانوں کو اس قومی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی ۱۹۲۳ء میں آپ کو کانگریس کا صدر چُنا گیا اس وقت آپ کی عمر صرف ۳۵ برس کی تھی۔ اس موقعہ پر آپ نے گاندھی جی اور سوراج پارٹی کی مفاہمت کروا کے اپنے اعلیٰ سیاسی تدبّر کا ثبوت دیا اُس دن سے کانگریس کے رہنماؤں اور خاص کر گاندھی جی نے آپ پر پورا اعتماد کرنا شروع کر دیا اور ہر معاملہ میں آپ کے مشورہ اور رہنمائی کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی ۱۹۲۴ء کے بعد بڑے بڑے قوم پرور مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ کانگریس چھوڑ کر جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ آخر ۱۹۲۷ء میں مسلمان پوری طرح مسلم لیگ کے اثر میں آنے لگے لیکن آپ سب طوفانوں کے مقابلہ میں اپنے اصولوں پر ایک چٹان کی طرح جمے رہے اور کانگریس اور آزادی ہند کی جدوجہد سے دم بھر کے لئے بھی جُدا نہ ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں آپ پھر کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۴۲ء کے انقلاب میں دیگر قومی رہنماؤں کے ہمراہ احمد نگر کے قلعہ میں قید کر دئے گئے ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۶ء تک کانگریس کے صدر کی حیثیت میں آپ نے کرپس مشن کیبنٹ مشن اور شملہ کانفرنس میں اعلیٰ پیمانہ کی گفت و شنید میں حصہ لیا اور ملک کی تقسیم کی تجویز کی ڈٹ کر مخالفت کی اور عام مسلمانوں کی نکتہ چینی سے دل برداشتہ نہ ہوئے آخر آزادی ہند کے بعد آپ نے حکومت ہند میں وزارت تعلیم سنبھالی اور مرتے دم تک اس عہدے پر قائم رہے ۱۹۵۷ء کے چناؤ میں آپ نے گڑگاؤں کے حلقہ انتخاب میں اپنے مدمقابل جن سنگھی امیدوار کو تقریباً ایک لاکھ ووٹوں سے شکست دیکر انتخاب جیتا اور دوبارہ وزیر تعلیم مقرر ہوئے آخر ۲۳ فروری

۱۹۵۸ء کو چند روز بیمار رہ کر آپ نے انتقال فرمایا سارے ہندوستان اور دنیائے اسلام میں آپ کا ماتم منایا گیا اور حامیوں اور مخالفوں سب نے آپ کے ایثار و قربانی اور علم و فضل کو خراج تحسین پیش کیا آپ سچے محب وطن اعلیٰ سیاسی رہنما اور ایک نہایت بلند پایہ عالم۔ فلاسفر اور بے نظیر ادیب تھے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں آپ کی 46 سالہ خدمات کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آپ کی وفات سے ملک و قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد اولین صدر جمہوریہ ہند

ڈاکٹر راجندر پرشاد ۳ دسمبر ۱۸۸۴ء کو منشی مہادیو سہائے کے گھر میں بہار میں پیدا ہوئے آپ کائستھ تھے ۱۸۹۳ء میں آپ چھپرا اسکول میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۳ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے میٹرک امتحان میں پوری یونیورسٹی میں اول آئے۔ اس کے بعد آپ نے ۱۹۰۶ء میں بی۔اے پاس کیا اور اس کے بعد ایم۔اے (انگریزی) اور ایل۔ایم قانون کا اعلیٰ امتحان پاس کیا۔ اپنی اعلیٰ علمی قابلیت کی وجہ سے آپ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۶ء تک کلکتہ یونیورسٹی میں قانون کے پروفیسر رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے پٹنہ ہائی کورٹ میں وکالت شروع کر دی اور تھوڑے عرصہ میں ہی چوٹی کے وکیلوں میں شمار ہونے لگے۔ ۱۹۱۷ء میں آپ نے چمپارن کے کسانوں کی مدد کے لئے گاندھی جی کا ہاتھ بٹایا اور ملکی سیاست میں بڑھ چڑھ کر عملی حصہ لینا شروع کیا ۱۹۲۰ء میں آپ نے اپنی چمکتی ہوئی وکالت کو لات مار کر اپنی زندگی قومی آزادی کی تحریک کے لئے وقف کر دی اور عدم تعاون کی تحریک میں پیش پیش رہے۔ آپ ۱۹۳۲ء میں آل انڈیا کانگریس کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے اور مدت بھر تک بہار پردیش کانگریس کے پردھان رہے ۱۹۳۴ء۔ ۳۷ء اور ۴۷ء میں آپ کانگریس کے صدر چنے گئے ۱۹۴۷ء میں عبوری حکومت میں آپ حکومت ہند کے وزیر خوراک مقرر ہوئے اور ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک ہندوستان کی مجلس آئین ساز کے صدر رہے۔ جمہوریہ ہند کے قیام ۱۹۵۰ء میں آپ پہلے

صدر جمہوریہ چنے گئے ۱۹۵۷ء کے چناؤ کے بعد آپ کو دوبارہ صدر جمہوریہ چنا گیا اور ۱۹۶۲ء تک آپ اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے اور اردو فارسی ہندی اور سنسکرت زبان کے عالم تھے۔ آپ کی زندگی سادگی ایثار اور قومی خدمت کا عمدہ نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ساری قوم آپ کو بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی تھی۔ آپ نے زندگی کے آخری دن صداقت آشرم پٹنہ میں گذارے اور وہیں ۲۸ فروری ۱۹۶۳ء کو آپ انتقال فرما گئے۔ آپ کا ملک گیر ماتم ہوا۔

پنڈت جواہر لال نہرو اولین وزیر اعظم ہند

الہ آباد کے مشہور رئیس وکیل اور محب وطن پنڈت موتی لال نہرو کے ہاں ۱۴ نومبر ۱۸۸۹ء کے دن پنڈت جواہر لال نہرو کا جنم ہوا آپ کے والد نے آپ کو چھوٹی عمر میں ہی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان روانہ کر دیا۔ جہاں آپ نے رئیسوں کے بچوں کے خاص اسکول ہیرو اور کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم مکمل لی۔ اور ایم۔اے بار ایٹ لاء کی سند لے کر ہندوستان آئے۔ یہاں آکر آپ نے الہ آباد میں بیرسٹری شروع کی ۱۹۱۶ء میں آپ آل انڈیا نیشنل کانگریس میں شامل ہو گئے ۱۹۱۸ء میں آپ آل انڈیا ہوم رول لیگ کے سیکرٹری مقرر ہوئے ۱۹۲۹ء میں آپ پہلے کانگریس کے جنرل سیکرٹری اور بعد میں صدر منتخب ہوئے اور کانگریس کے لاہور کے اجلاس میں ۲۶ جنوری کے دن کامل آزادی کو کانگریس کا نصب العین قرار دینے کا ریزولیوشن پاس کروایا۔ اس کے بعد ۱۹۳۵ء-۱۹۳۷ء-۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۱ء-۵۳ء میں پھر کانگریس کے صدر رہے۔ اس دوران میں آپ کو کئی بار جیل جانا پڑا۔ لیکن آپ نے ملک کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہ کیا۔ گاندھی جی کو آپ کی ذات پر بڑا بھروسہ تھا اور آپ کو اپنا جانشین تصور کرتے تھے ۱۹۴۶ء میں عبوری حکومت میں آپ نائب صدر منتخب ہوئے۔ لیکن مسلم لیگ کے نمائندوں کی وجہ سے آپ کو کام کرنے میں بڑی دشواریاں پیش

آئیں آزادی وطن کے بعد ۱۹۴۷ء میں آپ حکومت ہند میں وزیر اعظم مقرر ہوئے
اور ۱۹۵۷ء میں دوسری اور ۱۹۶۲ء میں تیسری بار پھر وزیر اعظم مقرر ہوئے
اس دوران میں ہندوستان کے خارجی معاملات کی وزارت کی قیادت بھی
آپ کے ہاتھ میں رہی آپ نے ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے لئے غیر جانبداری
اور سب ملکوں سے دوستی کا راستہ تعین کیا اور دنیا کے امن کے استحکام کے
لئے پنچ شیل یا امن کے اصول خمسہ دنیا کے سامنے رکھے آپ کی کوششوں
سے ہندوستان کو دنیا کی قوموں میں عزت و آبرو کا مقام حاصل ہو گیا۔
ہندوستان سے غربت دور کرنے اور ملک کو اقتصادی لحاظ سے خود کفیل
بنا کر لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے منصوبہ بندی شروع کروائی
آپ خود منصوبہ بندی کمیشن کے صدر تھے۔

آپ کو بین الاقوامی سیاست میں ایک نہایت بلند مقام حاصل
تھا۔ پنڈت جواہر لال جی شروع ہی سے سوشلسٹ خیالات کے مالک تھے۔
سرمایہ داری کے مخالف اور غریبوں کے سچے ہمدرد ہونے کی وجہ سے
ہندوستانیوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ آپ فرقہ پرستی۔ تنگ نظری
اور توہم پرستی کے بھی سخت مخالف تھے۔ آپ سچے دل سے چاہتے تھے
کہ ہندوستانی قوم کے سب طبقے ایک ساتھ ترقی کریں۔ سب ملکی زبانیں
پھولیں پھلیں اور ملک میں صنعت و حرفت جدید طریقہ جات زراعت
اور علم و سائنس پروان چڑھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ہندوستان
کے سب لوگ بلا لحاظ مذہب و ملت دل سے چاہتے تھے۔

پنڈت جواہر لال نہرو ایک عالم اور قابل مصنف کی حیثیت میں بھی
بہت مشہور تھے۔ آپ کی خود نوشت سوانح عمری تاریخ عالم اور DISCO-
VERY OF INDIA خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ کو انگریزی زبان
پر بڑی دسترس حاصل تھی۔ آخر ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو آپ جہان فانی
سے رحلت فرما گئے۔

آپ ۵ ستمبر ۱۸۸۸ء کو ترو تاری مدراس میں پیدا ہوئے

بھارت رتن ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن
صدر جمہوریہ ہند

اور تعلیم مدراس یونیورسٹی میں پائی آپ نے میسور اور کلکتہ یونیورسٹیوں میں فلاسفی کے پروفیسر کی حیثیت سے زندگی شروع کی اور ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک انڈین فلاسفیکل کانفرنس کے صدر رہے۔ اسی دوران میں آپ کو سپالڈنگ پروفیسر آف ایسٹرن ریلیجنز اینڈ ایتھکس آکسفورڈ یونیورسٹی مقرر کیا گیا اور آپ آل سولز کالج آکسفورڈ کے آنریری فیلو چنے گئے ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۲ء تک یونیسکو میں ہندوستانی وفد کی قیادت آپ ہی کے سپرد رہی۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۴ء تک اور پھر ۱۹۵۸ء آپ یونیسکو جنرل کانفرنس کے صدر رہے۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک آپ روس میں ہندوستانی سفیر رہے۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک آپ جمہوریہ ہند کے نائب صدر رہے اور ۱۹۶۲ء میں صدر جمہوریہ چنے گئے اور آج کل آپ اسی عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں۔

آپ بین الاقوامی شہرت کے ماہر تعلیم اور عالم ہیں اور بنارس ہندو یونیورسٹی اور دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ ہندوستانی فلسفہ اور اخلاقیات پر آپ کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور دنیا بھر کے عالموں سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

آپ کا علم وفضل۔ رواداری۔ انسان دوستی اور آزاد خیالی اپنی مثال آپ ہے۔

آپ ۱۸۹۷ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت

بھارت رتن ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
نائب صدر جمہوریہ ہند

فرخ آباد ضلع ایٹہ یو۔پی میں اور اس کے بعد دہلی کلکتہ الہ آباد اور برلن کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم پائی اور ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی سندیں پائیں۔ آپ کو تعلیمی مسائل سے شروع سے ہی گہری دلچسپی رہی اور ۱۹۲۶ء میں آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شیخ الجامعہ یعنی وائس چانسلر مقرر ہوئے اور ۱۹۴۸ء تک اسی عہدۂ جلیلہ پر کام کرتے رہے۔ آپ گاندھی جی کے رفیقوں میں سے ہیں۔ اور گاندھی جی کی واردھا تعلیمی اسکیم کے بانی ہیں آپ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۵۰ء تک ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے صدر رہے اور ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۶ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر رہے اس دوران میں آپ نے مسلم یونیورسٹی کی نئی تنظیم کر کے اسے ملک کی ایک ممتاز ترین قومی دانش گاہ بنا دیا اور اس میں انجینئرنگ کالج۔ طبیہ کالج ادارہ معالجہ امراض چشم۔ ادارۂ اسلامیات آزاد لائبریری اور متعدد ہوسٹل قائم کئے اور میڈیکل کالج کے لئے کروڑوں روپے چندہ جمع کر کے ایک طرح اس کی بنیاد رکھی۔

آپ ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں اور یونیسکو کے مختلف شعبوں میں نگرانی اور صدارت کے فرائض انجام دے چکے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۲ء تک صوبہ بہار کے گورنر رہے اور اس کے بعد جمہوریہ ہند کے نائب صدر چنے گئے اور آج کل اسی حیثیت میں ملک کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر ۱۹۶۳ء میں آپ کو بھارت رتن کا اعزاز دیا گیا

لال بہادر شاستری

۱۹۰۴ء سے ۱۹۶۶ء

لال بہادر شاستری ۲ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو مغل سرائے ضلع بنارس (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شاردا پرشاد ایک معمولی غریب ٹیچر تھے۔ ابھی لال بہادر ڈیڑھ سال کے تھے کہ ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ ان کے نانا نے ان کی پرورش کی۔ لال بہادر کی ابتدائی تعلیم بنارس کے ایک چھوٹے سے سکول میں ہوئی۔ غریبی کی

یہ حالت تھی کہ ایک بار گنگا کو پار کرنے کے لئے ان کی جیب میں کشتی کا کرایہ نہ تھا۔ انہوں نے دریا کو تیر کر پار کیا۔ اس سے ان کی غیرت اور عزم کی پختگی بھی ٹپکتی ہے۔

جب لال بہادر ۱۱ برس کے تھے تو انہوں نے مہاتما گاندھی کا پہلی بار درشن کیا جب وہ ۱۹۱۶ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لائے ۱۹۲۱ء میں مہاتما گاندھی کی اپیل پر لال بہادر نے سکول چھوڑ کر عدم تعاون کی تحریک میں شمولیت اختیار کی اور جیل یاترا کی جیل سے رہا ہونے پر انہوں نے کاشی ودیا پیٹھ میں داخلہ لیا اور وہاں بڑے بڑے کانگرسی لیڈروں سے رابطہ پیدا ہوا۔ انہوں نے شاستری کا امتحان (گریجویٹ ڈگری) فسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اس کے بعد وہ سیاسی ورکر بن گئے۔ کئی بار جیل گئے۔ ۱۹۲۵ء میں ان کا تعارف لالہ لاجپت رائے سے ہوا۔ اس کے بعد پنڈت جواہر لال کے ساتھ بھی ان کی راہ و رسم ہوگئی انہوں نے الہ آباد کے ہری جنوں میں کام کرنا شروع کیا۔ ۱۹۳۵ء میں وہ یو۔ پی کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکرٹری بن گئے ۱۹۳۷ء میں وہ یو۔پی اسمبلی کے ممبر چنے گئے۔ بعد میں دوبارہ اسمبلی ممبر چنے جانے پر پنڈت پنت نے انہیں پارلیمنٹری سیکرٹری بنایا۔ سال کے اندر اندر انہیں یو۔ پی گورنمنٹ میں ہوم منسٹر کا عہدہ دیا گیا ۱۹۵۱ء میں پنڈت نہرو نے انہیں یو۔ پی وزارت سے مستعفی ہونے کو کہا تاکہ نئی جنرل الیکشن میں کانگریس پارٹی کی تنظیم اور پروپیگنڈا کر سکیں۔ لال بہادر کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ اس عہدے کے فرائض انہوں نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کئے۔ کانگریس کے اندرونی جھگڑوں کو حسن قابلیت کے ساتھ لال بہادر نے نپٹایا۔ اس سے ہائی کمان میں ان کی عزت بہت بڑھ گئی ان کا تحمل اور صلح جوئی اور انکساری سب پر واضح ہوگئی۔

۱۹۵۲ء میں شری شاستری راجیہ سبھا کے ممبر چنے گئے اور مرکزی وزارت میں ریلوے اور ٹرانسپورٹ کا محکمہ ان کے سپرد کیا گیا ۱۹۵۶ء میں ایک ریل

حادثہ کی وجہ سے جس میں آپ کی کوئی ذمہ داری نہ تھی۔ وہ اس وزارت سے مستعفی ہو گئے۔ ۱۹۵۷ء میں وہ لوک سبھا کے ممبر چنے گئے اور وزیر ٹرانسپورٹ و رسل و رسائل بنائے گئے جلد ہی انہیں وزارت تجارت وصنعت کا عہدہ دیا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں پنڈت پنت کی وفات پر شری شاستری کو ہوم منسٹر بنا دیا گیا۔ اس دوران میں انہوں نے نیپال کے ساتھ بگڑے ہوئے تعلقات کو نئے سرے سے سدھارا اور دوستی قائم کی ۱۹۶۳ء میں پنڈت نہرو کی صحت بگڑ گئی تو انہوں نے اپنا بہت سا کام شری شاستری کو سونپ دیا۔ درحقیقت نہرو جی نے انہیں اپنا جانشین چن لیا تھا۔ پنڈت نہرو کی وفات کے بعد شری شاستری نے وزارت عظمیٰ سنبھالی۔ اور نہایت قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض ادا کئے۔ ہند پاکستان جنگ ستمبر (۱۹۶۵ء) میں انہوں نے جو حوصلہ اور تدبّر دکھایا اس سے نہ صرف شری شاستری کی دھاک بلکہ ہندوستان کا سکہ تمام دنیا میں جم گیا۔ شری شاستری کا آخری کارنامہ تاشقند معاہدہ ہے۔ یہ ہندوستان اور پاکستان میں صلح کی دستاویز ان کی یادگار رہے گی۔ اس معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد ان کی وفات تاشقند ہی میں حرکت قلب بند ہونے سے ہو گئی۔ تاشقند اعلان ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو ہوا اور وہ ۱۱ جنوری علی الصباح انتقال کر گئے۔ آپ کو ۲۰ اپریل ۱۹۶۶ء کو بھارت رتن کا اعزاز عطا کیا گیا۔

وائی۔ بی۔ چوان

شری وائی۔ بی۔ چوان ہندوستان کے وزیر رہے ہیں اس لئے ملک میں ان کی بڑی تعظیم اور اہمیت ہے ان کے عہدے کے دوران ہندوستان کی بحری اور بری فوجوں نے شاندار کارنامے انجام دئے۔ پاکستان کے حالیہ حملہ (ستمبر ۱۹۶۵ء) سے انہوں نے نہ صرف ہندوستان کی حفاظت کی بلکہ حملہ آور دل کی منہ کی کھانی پڑی۔ ہندوستانی فوجوں کی دھاک سارے عالم میں بیٹھ گئی اور ملک کی عزت کو چار چاند لگ گئے۔

شری چوان مہاراشٹر میں پیدا ہوئے۔ ابھی وہ سولہ برس کے تھے کہ انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کر دیا ۱۹۴۲ء میں انہوں نے مہاتما گاندھی کی چلائی ہوئی "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک میں بڑا کام کیا اور حب وطن کے جذبہ کا نمایاں ثبوت دیا۔

۱۹۶۲ء میں شری چوان مہاراشٹر کے بڑے وزیر یا چیف منسٹر بنے۔ اُسی سال چین نے بھارت پر حملہ کر دیا۔ پنڈت نہرو ایسی شخصیت کے تاک میں تھے جو اچھی طرح ملک کی حفاظت کرنے کے قابل ہو۔ ان کی نظر انتخاب شری چوان پر پڑی اور انہیں وزارت دفاع کا عہدہ سونپ دیا گیا۔ شری شاستری وزیر اعظم سابقہ کے عہد میں اور اب شریمتی اندرا گاندھی کے عہد میں وہ ڈیفنس منسٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرتے رہے نومبر ۱۹۶۶ء کو شری گلزاری لال نندہ سابق ہوم منسٹر کے استعفیٰ دینے کے بعد آپ کو وزیر داخلہ بنا دیا گیا۔ آپ نے ۱۹۶۷ء کے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کی اور آپ کو شریمتی اندرا گاندھی کی سرکار میں دوبارہ وزیر داخلہ بنا دیا گیا۔

شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہندوستان

اندرا گاندھی ۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو الہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم ہندوستان اور سوئٹزرلینڈ میں ہوئی۔ بعد میں انہوں نے آکسفورڈ اور وشو بھارتی میں تعلیم حاصل کی۔ ۲۱ سال کی عمر میں اندرا گاندھی نے کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور تحریک آزادی میں حصہ لیتی رہیں۔ انہوں ۱۳ مہینے جیل میں کاٹے۔ اپنے عظیم القدر باپ شری جواہر لال نہرو کے زیر سایہ انہوں نے اپنے آپ ہی بہت سی خوبیاں پیدا کیں۔ وہ بڑی نڈر اور حوصلہ مند خاتون ہیں۔ پچھلے دس سال سے وہ کانگریس کی تنظیم میں نمایاں دلچسپی لیتی رہی ہیں اور ہائی کمان میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں ۱۹۵۵ء میں وہ کارنگ ورکنگ کمیٹی کی ممبر بن گئیں اور ایک سال آل انڈیا کانگریس کی صدر بھی رہیں۔

شریمتی اندرا گاندھی نے کانگریس کے علاوہ سوشل کام بھی کیا ہے۔ فرقہ دارانہ فسادات میں مظلوموں کی مدد کی ہے۔ بچوں کی بھلائی کے لئے بھی ان کے دل میں بڑا درد ہے۔ چین کے حملے کے دوران وہ جنگی محاذ پر خود فوجیوں کی حالت کا جائزہ لیتی رہیں اور جوانوں اور ان کے کنبوں کی ہر ممکن مدد کرتی رہیں۔

۱۹۶۴ء میں شریمتی گاندھی کو وزیر اطلاعات و براڈ کاسٹنگ بنایا گیا۔ شری

شاستری کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں انہیں وزارت کی ایمرجنسی کمیٹی کا بھی ممبر بنا یا ہوا تھا اور ملک کے ہر بڑے مسئلے پر غور کرنے میں انہیں شریک کیا جاتا۔ کانگریس کے تنظیمی اور چناؤ کے کام میں بھی وہ نمایاں حصہ لیتی تھیں۔

۱۱ جنوری ۱۹۶۶ء کو شری لال بہادر شاستری کی وفات پر شری گلزاری لال نندہ نے عارضی طور پر وزیر اعظم کے عہدے کا حلف لیا۔ ۲۴ جنوری کو شریمتی گاندھی نے وزارت عظمیٰ کا حلف لیا۔

شریمتی اندرا گاندھی اپنے جلیل القدر والد پنڈت جواہر لال نہرو اور شری لال بہادر شاستروں کے عقیدوں اور اصولوں پر کاربند ہیں وہ مذہب سے بالاتر اور جمہوری نظام حکومت کی قائل ہیں۔ امن کی حامی اور شانتی کی پجاری ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے وزیر اعظم بنتے ہی تاشقند معاہدہ کا خیر مقدم کیا ہے اور اس پر پورا پورا عمل کرنے کا اعلان کیا ہے وہ پاکستان اور دوسرے ہمسایہ ملکوں سے صلح اور امن اور دوستی کا تعلق چاہتی ہیں۔ ہر معاملے کو گفت و شنید سے سلجھانے کی حامی ہیں۔ گھریلو مسائل میں بھی پرامن پالیسی اور گفتگو کی قائل ہیں۔ ماہ مارچ ۱۹۶۶ء میں انہوں نے فرانس۔ لندن۔ امریکہ اور روس دورہ کیا اور صدر ڈیگال۔ پرائم منسٹر مسٹر ہیرالڈ ولسن۔ صدر امریکہ مسٹر جانسن اور روس کے وزیر اعظم کوسی جن کے ساتھ عالمی معاملات پر بات چیت کی ۱۹۶۷ء کے عام انتخابات میں آپ نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ آپ کو کانگریس پارلیمنٹری بورڈ کا صدر چنا گیا اور دوبارہ وزیر اعظم بنا دیا گیا +

شری کامراج نڈار

کاماتا پچی کامراج جو کہ بعد میں کمارسوامی کامراج کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۱۵ جولائی ۱۹۰۳ء میں وردہ نگر صوبہ مدراس کے ایک دیہاتی ساحل میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں ان کو ایک دیہاتی سکول میں داخل کیا گیا۔ جو کہ پرانے گوروکل کے طریقے پر چلایا جاتا تھا اور اس میں ایک ہی استاد پڑھایا کرتا تھا اور اس کی عزت گاؤں میں بڑی ہوتی تھی اور استاد کو نوندی وتھیار یعنی گھریلو استاد کہا کرتے تھے۔ ان کے والد صاحب کمارسوامی نڈار ۱۹۰۹ میں رحلت فرما گئے جب کہ کامراج کی عمر

صرف ۶ سال کی تھی۔ ان کے والد و دادا چناپا نڈار کے وفات کی وجہ سے اُن کا خاندان بہت غریب ہوگیا اور ان کی والدہ شریمتی سیوا کامی اپنے تمام گھر کے زیور 3 ہزار روپیہ میں بیچ ڈالے اور اس وقت یہ رقم ایک بااعتبار بیوپاری کو 30 ہزار روپیہ ماہوار سود پر دے دیئے۔ اس رقم سے وہ اپنے لڑکے اور اپنے ایک لڑکی ناگامال کا گذارہ کرتی تھی۔ بعد میں شری کامراج کو مجبوراً سکول چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ غربت کی وجہ سے وہ اپنا گذارہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اُن کو غریب کسانوں کے دُکھ کا بڑا احساس تھا۔ ۱۹۲۰ء میں وہ کانگریس کے والنٹیر بن گئے۔ ۱۹۲۵ء میں ناگپور میں جھنڈے کا ستیہ آگرہ کرنے والنٹیروں کو منظم کر دیا وہ کانگریس کے تمام تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور کئی بار جیل بھی گئے۔ ۱۹۳۱ء میں ان کو آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ممبر مقرر کر دیا گیا وہ تامل ناد کانگریس کمیٹی کے ممبر بھی رہے بعد میں سیکرٹری و پریذیڈنٹ بھی رہے ۱۹۵۱ء میں اُن کو پارلیمنٹ کا ممبر چُنا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں وہ مدراس کے چیف منسٹر بنا دیئے گئے وہ برابر ۱۹۶۲ تک وزیر اعلیٰ رہے۔ ۱۹۶۴ء میں وہ کانگریس کے صدر بنا دیئے گئے۔ ۱۹۶۵ء میں اُن کو دوبارہ کانگریس کا پریذیڈنٹ چُنا گیا۔ انھوں نے روس، مشرقی برلن، ہنگری، بلغاریہ، یوگوسلاویہ کا دورہ کیا۔ ۱۹۶۷ء کے انتخابات میں اُن کو ایک نوجوان طالب علم کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ ان کو بھی فولادی انسان (IRON MAN OF INDIA) کہا جاتا ہے۔ مدراس کی وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے استعفیٰ دینے کے بعد آپ نے کامراج پلین (PARTY BEFORE POST) رائج کیا +

شری مُرارجی ڈیسائی

آپ متحدہ بمبئی کے 6 سال وزیر داخلہ رہے ہیں اور بعد میں وہاں کے وزیر اعلیٰ تھے ۱۹۵۲ء کے جنرل الیکشن میں آپ کو شکست ہوئی۔ جبکہ آپ وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر تھے۔ لیکن ایرلوس کی الیکشن سے آپ کو بطور وزیر اعلیٰ رہنے دیا گیا۔ آپ مرکزی گورنمنٹ میں وزیر خزانہ رہے لیکن ۱۹۶۳ء میں کامراج پلان کے تحت آپ نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ شری لال بہادر شاستری کی وفات کے بعد

آپ نے ۱۹۶۶ء میں کانگریس پارلیمانی لیڈرشپ کے لئے شریمتی اندرا گاندھی کے مقابلہ میں الیکشن لڑی لیکن ۱۸۶ ووٹوں سے ہار گئے۔ آپ ADMINISTRA- TIVE REFORMS COMMISSION جو کہ صرف پارلیمنٹ ممبروں پر مشتمل ہے کے صدر تھے جب آپ مرکز میں وزیر خزانہ تھے تو آپ نے گولڈ کنٹرول قانون اور (COMPULSORY DEPOSIT) اسکیم نافذ کی جن کے ذریعہ آپ ملک بھر میں ناپسند کئے گئے۔ ۱۹۶۷ء کے انتخابات میں آپ الیکشن لڑ کر کامیاب ہوئے اور شریمتی اندرا گاندھی کی گورنمنٹ میں آپ کو نائب وزیر اعلیٰ و وزیر خزانہ بنایا گیا +

تاشقند اعلان

لگ بھگ ۱۸ سال سے پاکستان نے کشمیر کا جھگڑا کر رکھا ہے۔ حالانکہ اصل میں کشمیر کی طرف سے الحاق کا مسئلہ طے ہو چکا ہے۔ اس عرصے میں دونوں ملکوں میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ آخر پاکستان نے ۱۹۶۷ء کو ایک دفعہ اور طاقت کے استعمال سے کشمیر کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یو۔ این۔ او بھی تک اس جھگڑے کو حل نہیں کر سکا۔ پاکستان نے ۵ اگست ۱۹۶۵ء سے ریاست کشمیر میں مسلح گوریلے بھیجنے شروع کر دئے۔ گورنمنٹ ہند نے ان گوریلوں کو ریاست سے باہر نکالنے اور ان کا قلع قمع کرنے کے اقدامات اُٹھائے۔ یو۔ این۔ او میں بھی شکایت کر دی گئی۔ جب گوریلے تخریبی کاروائی اور ریاستی امن و امان کو تباہ کرنے میں ناکام رہے تو پاکستان نے یکم ستمبر ۱۹۶۵ء کو چھمب (جموں) کے علاقے پر باقاعدہ فوجی حملہ کر دیا۔ ہند سرکار نے اس کا پوری طرح مقابلہ کیا اور ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو لاہور اور سیالکوٹ کی طرف فوج کشی کا حکم دے دیا۔ جنگ پھیل گئی۔ راجستھان۔ پنجاب اور کشمیر کی ساری سرحدوں پر لڑائی چھڑ گئی۔ ہوائی حملے بھی شروع ہو گئے۔ لڑائی نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ ہزاروں فوجی جوان اور افسر دونوں طرف مارے گئے۔ شہری آبادی کو

بھی شکستوں کا سامنا ہوا۔ آخر یو۔ این۔ او کے بیچ بچاؤ سے ۲۳ ستمبر کی صبح کو عارضی صلح ہو گئی مگر چھاپہ ڈ برابر جاری رہا۔ جنگ بندی پر طرفین کاربند نہ رہے۔ کبھی کبھی گولہ باری بھی ہوتی رہی۔

اس کشیدگی اور دوبارہ جنگ کے چھڑ جانے کے خطرہ کے پیش نظر روس نے صلح کی کوششیں شروع کیں۔ وزیر اعظم روس مسٹر کوسی جن نے صدر ایوب اور وزیر اعظم لال بہادر شاستری سے خط و کتابت شروع کر دی اور صلح کی بات چیت کے لئے دونوں کو تاشقند (روس) میں ملاقات اور گفت و شنید کی دعوت دی۔ پہلے تو شری ایوب اور شری شاستری دونوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ مگر بعد میں صورت حال کی نزاکت سے گھبرا کر دونوں نے روسی وزیر اعظم کی دعوت قبول کر لی۔ چنانچہ ۴ جنوری ۱۹۶۶ء کو دونوں مع اپنے مشیروں اور خارجہ وزیروں اور افسروں کے تاشقند پہنچ گئے۔ ایک ہفتہ بات چیت ہوتی رہی۔ گفتگو ناکام ہونے لگی مگر اچانک ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو روسی وزیر اعظم کی دوڑ دھوپ اور سر توڑ کوشش سے پاکستان اور ہندوستان کے مابین ایک معاہدہ ہو گیا۔ اسی معاہدہ یا اعلان کو تاشقند اعلان کہتے ہیں۔

معاہدہ - تاشقند اعلان کی رو سے دونوں ملکوں نے اقرار کیا کہ کوئی بھی باہمی جھگڑا طاقت کے استعمال سے حل نہ کیا جائے گا۔ ہر معاملہ گفت و شنید کے ساتھ طے کیا جائے گا۔ یہ بھی قرار پایا کہ دونوں ملکوں میں ایک دوسرے کے خلاف کوئی پروپیگنڈا نہ کیا جائے جس سے تناؤ بڑھے۔ ہر مسئلہ پر امن گفتگو سے سلجھایا جائے۔ یہ بھی طے پایا کہ کوئی ملک دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دے۔ پُر امن فضا پیدا کی جائے اور پھر گفت و شنید کے ذریعہ کشمیر اور دوسرے معاملات طے کئے جائیں۔

تاشقند اعلان کی رو سے یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ ۲۵ فروری ۱۹۶۶ء تک دونوں ملکوں کی فوجیں مفتوحہ علاقے خالی کر کے ۵ اگست ۱۹۶۵ء کی پوزیشن پر واپس چلی جائیں اور تمام نئے بنائے ہوئے مورچے مسمار کر دئے جائیں۔

اہمیت - تاشقند معاہدہ ہندوستان کے بیچ امن ... صلح کی جانب

یہ ایک بڑا قدم ہے بلکہ امنِ عالم کے قیام میں بھی اس سے مدد ملے گی۔ دونوں ملکوں میں صلح ہونے سے دونوں کی خوش حالی کے راستے کھل جائیں گے۔ اقتصادی ترقی بغیر امن اور صلح کے ممکن نہیں۔ کروڑوں روپے جو یونہی فوج اور دفاع پر صرف کئے جا رہے ہیں۔ عوام کی حالت سدھارنے اور ملک کی اقتصادی ترقی پر خرچ کئے جائیں گے۔

ہندوستان کی طرف سے اعلان تاشقند کا بے حد احترام کیا جا رہا ہے۔ اور اب یہ دیکھنا ہے کہ پاکستان کا رویہ کیا ہوتا ہے۔ ہندوستان ایک امن پسند ملک ہے اور اس کو مزید علاقے حاصل کرنے کی کوئی تمنا نہیں +

ہندوستان کے عام انتخابات ۱۹۶۷ء

۱۹۶۷ء کے عام انتخابات ماہ فروری کے تیسرے ہفتے میں خوش اسلوبی اور امن و امان سے انجام پائے۔ بقول شری گجندر گڈکر سابق چیف جسٹس آف انڈیا یہ انتخابات ہندوستان کے پہلے حقیقی انتخابات ہیں۔ اس بار ووٹر نے اپنی پوری سوجھ بوجھ اور آزادی رائے سے کام لیا ہے اور اپنے ووٹ کی قیمت کو اچھی طرح سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انتخابات کے نتائج سے بعض لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کانگریس کے بڑے بڑے رہنما اور وزیر لڑھک گئے۔ ہندوستان کے کانگریس پریذیڈنٹ شری کامراج کی ایک نوجوان طالب علم کے ہاتھوں شکست پر سب کو حیرانی ہوئی۔ اور کانگریسی اقتدار کو دھکا لگا۔ بمبئی کے ایس۔ کے پاٹل (ریلوے منسٹر) کی ہار کا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ کانگریس کے خزانچی شری اتلیا گھوش بھی چناؤ میں ناکام ہوئے۔ وہ ایک بہت بڑے کانگریسی لیڈر ہیں۔ وزیر خزانہ شری سچندر چودھری بھی سیاست کی بساط پر مات کھا گئے۔ الغرض مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے کئی وزیر انتخاب میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس سے پہلے جو تین بار عام انتخابات ہندوستان میں ہوئے ان میں کانگریس کو پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں بھاری اکثریت سے

کامیابی ہوئی اور مرکز اور صوبوں میں کانگریس کی مستحکم وزارتیں قائم ہوئیں درحقیقت پہلے تین عام انتخابات میں رائے دہندوں (VOTERS) نے جذبات سے کام لیا۔ کانگریس نے ہندوستان کو صدیوں کی غلامی سے نجات دلائی۔ کانگریسی لیڈروں نے جدوجہد۔ قربانی۔ حبِّ وطن۔ قابلیت اور دلیری کی بدولت اہلِ وطن کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ ہندوستانیوں کو پنڈت جواہر لال نہرو۔ گاندھی جی۔ سردار پٹیل۔ مولانا آزاد اور دوسرے مخلص اور بلند پایہ رہنماؤں کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی۔ آزادی سے پہلے پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کے بلے تاج بادشاہ تھے وہ ہندوستانیوں کے دلوں پر حکمران تھے۔ اس لئے پنڈت نہرو کے فرمان پر لوگ بلا تامل سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ چنانچہ پنڈت نہرو کی زندگی میں جتنے انتخابات ہوئے ان میں لوگوں نے کانگریس کا پورا پورا ساتھ دیا۔ پنڈت نہرو کی ایک تقریر مخالفوں کی درجنوں تقریروں پر پانی پھیر دیتی تھی اور تمام ہندوستان میں انتخابات میں کانگریس کو بھاری اکثریت کے ساتھ کامیابی ہوتی۔ دراصل پنڈت نہرو ہی کانگریس کی روحِ رواں تھے۔ اور انہیں کے دم سے کانگریس کو نمایاں فتح ہوتی رہی +

کانگریس کے زوال کے اسباب

اس میں شک نہیں کہ کانگریس کی ۲۰ سالہ حکومت میں ہندوستان نے ہر لحاظ سے ترقی کی۔ زرعی پیداوار بڑھی صنعتی کارخانے جابجا قائم ہوئے سٹیل پلانٹ لگائے گئے۔ دریاؤں پر بند باندھ کر نہریں نکالی گئیں اور بجلی پیدا کی گئی۔ سامانِ جنگ کی تیاری اور ملک کے دفاع پر بھی خاص توجہ دی گئی لیکن باوجود اس کے بنیادی پالیسیوں میں کچھ خامی تھی جس سے ملک کی حالت نہ سدھری خاص طور پر خوراک کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ غیر ملکوں سے اناج منگوانے کی ضرورت بڑھتی گئی جس سے ملک کا وقار گر گیا بلکہ بھوک مری کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ پنڈت نہرو کی وفات کے بعد غذائی قلّت کے علاوہ مہنگائی نے بھیانک صورت اختیار کر لی۔ پچھلے دو سال سے بارش کی کمی نے حالت کو بدتر کر دیا۔ بہار اور مشرقی اتر پردیش میں غذائی سنکٹ (بحران) نے لوگوں کا ناک میں دم کر دیا۔ ہر طرف

اہا کار مچ گئی۔

اس غذائی قلت اور مہنگائی نے کانگریس سرکار کے خلاف لوگوں کے دلوں میں جذبۂ نفرت پیدا کر دیا اور اس کا اثر انتخابات پر کانگریس کے خلاف پڑا۔

کانگریس کے زوال کے کچھ اور بھی اسباب ہیں۔ مثلاً صوبائی کانگریس میں باہمی پھوٹ اور نفاق۔ تنخواہ اور الاؤنس بڑھوانے کے لئے سرکاری ملازمین کی جدوجہد اور ہڑتالیں اور طلباء کی بے اطمینانی اور بددلی۔ گائے کشی پر پابندی کا مطالبہ۔ ہندوؤں کے جلسے اور جلوس اور سرکار کا سختی۔ جنوبی ہندوستان خاص طور پر مدراس میں ہندی کے خلاف نفرت اور شورش۔

کانگریس کی موجودہ پوزیشن

حالیہ انتخابات کے نتائج کے طور پر کانگریس کی پوزیشن حسب ذیل ہے:۔

مندرجہ ذیل ریاستوں میں کانگریس کو شکست فاش ہوئی:۔

(۱) مدراس (حکمران پارٹی ڈی۔ ایم کے D.M.K)

(۲) کیرالہ (حکمران پارٹی کمیونسٹ مع لیگ)

(۳) اڑیسہ۔ (حکمران پارٹی سوتنتر جن کانگریس الائنس)

(۴) دہلی۔ یونین علاقہ (حکمران پارٹی۔ جن سنگھ)

مندرجہ ذیل ریاستوں میں کانگریس کو کامل اکثریت حاصل نہ ہو سکی۔ اگرچہ الگ الگ ہر دوسری پارٹی سے وہ اکثریت میں رہی۔ باقی سیاسی پارٹیوں نے متحدہ محاذ قائم کر کے کانگریس پر اکثریت حاصل کر لی اور وزارت بنائی۔

(۱) بنگال (متحدہ محاذ۔ حکمران پارٹی) (۲) پنجاب (متحدہ محاذ حکمران پارٹی)

(۳) بہار (متحدہ محاذ۔ حکمران پارٹی) (۴) راجستھان۔ گو اس ریاست میں پریذیڈنٹ رول ہے مگر متحدہ محاذ نے اکثریت حاصل کر لی ہے۔

(۵) ہریانہ۔ پہلے یہاں کانگریس گورنمنٹ بنی۔ بعد میں ۹ کانگرس اسمبلی ممبروں نے استعفا دے کر متحدہ محاذ میں شامل ہو گئے اور وہاں متحدہ محاذ کی گورنمنٹ بن گئی۔

مندرجہ ذیل ریاستوں میں کانگریس کو اکثریت حاصل ہوئی اور کانگریسی

وزارتیں مرتب ہوئیں :۔

(۱) مہاراشٹر (حکمران پارٹی ۔ کانگریس)

(۲) آندھرا پردیش (حکمران پارٹی کانگریس)

(۳) میسور (حکمران پارٹی) کانگریس

(۴) گجرات (حکمران پارٹی۔ کانگریس)

(۵) اُترپردیش (حکمران پارٹی۔ کانگریس) معمولی اکثریت کے ساتھ

(۶) جموں وکشمیر (حکمران پارٹی۔ کانگریس)

(۷) مدھیہ پردیش (حکمران پارٹی۔ کانگریس)

(۸) آسام۔ (حکمران پارٹی ۔کانگریس)

(۹) ہریانہ۔ متحدہ محاذ حکمران پارٹی

مندرجہ ذیل یونین علاقوں میں کانگریسی وزارتیں عالم وجود میں آئیں :۔

(۱) منی پور (۲) تری پورہ (۳) ہماچل پردیش

نوٹ :۔ (۱) ناگالینڈ اور پانڈی چری میں انتخابات نہیں ہوئے۔ کیوں کہ ابھی دو سال ہی ہوئے ہیں کہ وہاں انتخابات عمل میں آئے۔ لیکن پانڈی چری میں ۹ مارچ کو کانگریس منسٹری ٹوٹ گئی ۔ اور متحدہ محاذ نے اپنی گورنمنٹ بنائی۔

(۲) گوا۔ دمن اور دیو میں انتخابات ابھی تک نہیں ہوئے یہاں انتخابات ۲۰ مارچ ۱۹۶۷ء کو ہوں گے +

صوبائی اسمبلیوں اور یونین علاقوں کے انتخابات میں مجموعی طور پر جتنے ووٹ پڑے ان میں سے کانگریس کو ۴۰ فی صدی ووٹ ملے باقی ۶۰ فی صدی ووٹ جملہ دیگر سیاسی پارٹیوں کے امیدواروں کو ملے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی رائے دہندہ آبادی کے نصف حصے سے زیادہ نے کانگریس کے خلاف ووٹ دیئے۔ یہی کانگریس کے زوال کا ثبوت ہے۔

مرکز میں جو کانگریسی سرکار قائم ہوئی ہے۔ وہ اتنی مستحکم نہیں جتنی پنڈت نہرو کے زمانے میں تھی پارلیمنٹ کے ۵۲۱ ممبران میں سے ۲۸۰ کانگریس

ممبر ہیں۔ یعنی نصف سے صرف ۲۰ ممبر زیادہ ہیں۔ اگر کانگریس پارلیمنٹری پارٹی میں معمولی پھوٹ بھی پڑ جائے اور دس گیارہ ممبر مخالف محاذ (OPPOSITION) میں شامل ہو جائیں تو اس امر کا امکان پیدا ہو جائے گا کہ عدم اعتماد کی قرارداد (NO CONFIDENCE MOTION) پاس ہونے سے کانگریسی سرکار ختم ہو جائے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے آئین میں ترمیم کرنا اب خالہ جی کا گھر نہیں کیونکہ کانگریس کو بھاری مطلوبہ اکثریت حاصل نہیں۔

ترقی کرنے والی سیاسی پارٹیاں

کانگریس کے مخالف محاذ پر اس وقت سارے ہندوستان میں دو سیاسی پارٹیاں خاص طور پر اُبھر رہی ہیں اور تیزی سے ترقی کر رہی ہیں ان کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔ یہ دو پارٹیاں سوتنتر اور جن سنگھ ہیں۔ اُڑیسہ۔ راجستھان۔ مدھیہ پردیش۔ اُتر پردیش۔ مہاراشٹر۔ آندھرا پردیش۔ گجرات۔ دہلی وغیرہ میں ان دو پارٹیوں نے بڑی نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ لوک سبھا میں بھی یہ دونوں مخالف محاذ پر سب سے بڑی پارٹیاں ہیں۔

ان دو پارٹیوں کے بعد تیسری پوزیشن سمیکت سوشلسٹ پارٹی کی ہے بعض سٹیٹوں میں جن کانگریس اور جنتا پارٹی نے بھی کچھ کامیابی حاصل کی ہے مدراس میں ڈی۔ایم۔کے (D.M.K) حکمران پارٹی کی حیثیت سے وجود میں آئی ہے۔

کیرالہ میں کمیونسٹ پارٹی کا بول بالا ہے۔ دہلی میں جن سنگھ نے کانگریسی گدی سنبھال لی ہے۔ دہلی میٹرو پولیٹن کونسل کے 56 منتخب ممبران ہیں۔ ان میں سے 33 ممبران جن سنگھ کے ہیں۔ دہلی کارپوریشن کے ۱۰۰ منتخب ممبروں میں سے 52 ممبران جن سنگھ کے ہیں۔ دہلی کی سات لوک سبھا سیٹوں میں سے 6 جن سنگھ نے جیت لی ہیں اور ایک کانگریس کے قبضہ میں آئی ہے۔

مرکزی وزارت (CENTRAL CABINET)

(I) MEMBERS OF THE CABINET

(۱) مسز اندرا گاندھی ۔ وزیر اعظم انچارج اٹامک قوت
(۲) شری مرار جی ڈیسائی ۔ نائب وزیر اعظم انچارج وزیر خزانہ
(3) شری فخر الدین علی احمد ۔ وزیر انڈسٹری و کمپنی معاملات
(4) شری وائی ۔ بی ۔ چوان ۔ وزیر امور داخلہ (ہوم افیرز)
(5) شری دنیش سنگھ ۔ وزیر کامرس
(6) شری جے سکھ لال ہتھی ۔ وزیر لیبر و نو آباد کاری
(7) شری ایم ۔ سی چھاگلہ ۔ وزیر امور خارجہ (اکسٹرنل افیرز)
(8) شری جگ جیون رام ۔ وزیر خوراک و زراعت
(۹) ڈاکٹر کرن سنگھ ۔ وزیر ٹورازم و سول ایوئیشن
(۱۰) شری اشوک مہتہ ۔ وزیر پلاننگ ۔ پٹرولیم ۔ کیمیکلز و سوشل ویلفیر
(11) شری پی ۔ گووند مینن ۔ وزیر قانون ۔
(12) شری سی ۔ ایم ۔ پوناچہ ۔ وزیر ریلوے
(13) شری رام سبھاگ سنگھ ۔ وزیر پارلیمنٹری افیرز و کمیونیکیشنز
(14) ڈاکٹر وی کے ۔ آر ۔ وی ۔ راؤ ۔ وزیر ٹرانسپورٹ و شپنگ
(15) ڈاکٹر ایم ۔ چنا ریڈی ۔ وزیر سٹیل ۔ مائنز ۔ اینڈ میٹلز
(16) ڈاکٹر تری گنا سین ۔ وزیر تعلیم
(17) شری کے کے شاہ ۔ وزیر نشر و اطلاعات
(18) شری ستیہ نارائن سنہا ۔ وزیر بلا محکمہ
(۱۹) شری سورن سنگھ ۔ وزیر دفاع (ڈیفنس)

(II) MINISTERS OF STATE

(۱) شری بی ۔ آر ۔ بھگت ۔ منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت دفاع (ڈیفنس)
(2) ڈاکٹر ایس ۔ چندر شیکھر ۔ وزیر ہیلتھ و فیملی پلاننگ
(3) شری پادی مل گھوش ۔ منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت ریلوے
(4) مسز پھول انیو گوپا ۔ منسٹر آف سٹیٹ ان محکمہ سوشل ویلفیر

(۵) شری جگن ناتھ راؤ - وزیر ورکس - ہاؤسنگ اینڈ سپلائی -
(6) شری ایل - این - مشرا - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت لیبر اینڈ نوآبادکاری
(7) شری کے - سی پنت - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت خزانہ
(8) شری کے رگھو رمیہ - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت قانون
(۹) ڈاکٹر کے - ایل - راؤ - وزیر آبپاشی و پاور
(۱۰) شری رگھو ناتھ ریڈی - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت صنعتی ترقی و کمپنی معاملات
(11) شری پی - سی - سیٹھی - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت سٹیل مائینز اینڈ میٹلز
(12) شری شیر سنگھ - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت تعلیم
(13) شری انا صاحب شندے - منسٹر آف سٹیٹ ان خوراک و زراعت
(14) شری وی - سی شکلا - منسٹر آف سٹیٹ ان امور داخلہ (ہوم افیرز)
(15) شری گورو پد سوامی - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت اٹامک قوت
(16) شری بھگوت جھا آزاد - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت تعلیم
(17) شری آئی - کے گجرال - منسٹر آف سٹیٹ ان وزارت پارلیمنٹری افیرز و کمیونیکیشن

III. DEPUTY MINISTERS

(۱) شری بھانو پرکاش سنگھ - وزارت انڈسٹری
(2) شری سریندر پال سنگھ - " امور خارجہ
(3) شری شفیع قریشی - " کامرس
(4) شری بھگت درشن - " ٹرانسپورٹ
(5) شری ڈی - ایرنگ - " خوراک
(6) مسز جہاں آرا جے پال سنگھ - " ٹورازم و سوشل ایوئیشن
(7) شری ڈی - آر - چوان - " قانون
(8) شری ای - سی جمیر - " ریلوے
(۹) مسز نندنی ست پاٹھی - " نشر و اطلاعات

(10) شری بی۔ ایس۔ مورتی ۔ وزارت صحت
(11) شری اقبال سنگھ ۔ ,, ورکس اینڈ ہاؤسنگ
(12) شری کے۔ ایس۔ راما سوامی ,, ہوم (HOME)
(13) مس سروجنی مہیشی ۔ ,, بلا محکمہ
(14) شری روہن لال چترویدی ,, پارلیمنٹری افیرز
(15) شری جے۔ بی منٹھیال راؤ ,, ,,
(16) شری ایم۔ موہن دھاریہ ,, ,,

ختم شد

(اردو صفحات محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپے)

J & K Board of Secondary Education
Matriculation 1970
History and Geography Paper A

Note :—Attempt only six questions selecting not more than four from each of the two groups. All questions carry equal marks.

Group A

1. What are the sources of the early history of India ? Clearly describe the importance of each.
2. Who were the Aryans ? What was their origin ? When and why did they come to India ?
3. What do you know of the caste system of the Hindus ? Discuss its merits and demerits.
4. What were the causes of the rapid spread of Buddhism ? What factors led to its decline in India later on ?
5. Give a detailed account of the administration of Harshwardhan as described by Hieun Tsang.
6. Give a brief account of the origin, organisation and character of Rajputs.
7. Describe the war of succession among the sons of Shahjahan. Also give reasons for Aurangzeb's success in the struggle.
8. Give a brief account of rhe early career, conquests and character of Babar. What were the causes of his success ?.

Group B

9. Narrate the causes, main events and the results of the battle of Plassey.
10. Give an account of the chief events of the Governor Generalship of Marquese of Hastings
11. Give a brief account of the Indian National Congress. What part did it play in the achievement of Independence ?
12. Summarise the leading events of the Viceroyalty of Lord Ripon or Lord Irwin.
13. Write brief notes on any five of the following :— Chand Bibi ; Rana Pratap ; Sir Sayad Ahmad Khan ; Raja Chet Singh ; Haidar Ali ; Shri Subhash Chander Bose ; Shri V. V. Giri and Shri Y. B. Chawan.

حاجی محمد صاحب [illegible]

[illegible]

